[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۵	سورۃ الاحزاب	۱ـ
۱۰۷	سورۃ سبا	۲ـ
۱۳۷	سورۃ فاطر	۳ـ
۱۶۵	سورۃ یٰسٓ	۴ـ
۱۹۵	سورۃ الصّٰفّٰت	۵ـ
۲۲۳	سورۃ صٓ	۶ـ
۲۵۵	سورۃ زمر	۷ـ
۲۸۷	سورۃ مومن	۸ـ
۳۲۷	سورۃ حٰمٓ السجدہ	۹ـ
۳۵۹	سورۃ شوریٰ	۱۰ـ
۳۹۷	سورۃ زخرف	۱۱ـ
۴۳۱	سورۃ الدّخان	۱۲ـ
۴۴۷	سورۃ الجاثیہ	۱۳ـ
۴۶۷	سورۃ الاحقاف	۱۴ـ
۴۹۹	سورۃ محمّد	۱۵ـ
۵۲۳	سورۃ فتح	۱۶ـ
۵۷۵	سورۃ حجرات	۱۷ـ
۶۰۵	سورۃ قٓ	۱۸ـ
۶۲۳	سورۃ الذّٰریٰت	۱۹ـ
۶۴۳	سورۃ الطّور	۲۰ـ

فہرست مقدمات

[illegible]

التحقیقات اللغویہ

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ا		
اسوہ	۳۳	۴۲
اھل البیت	۳۳	۶۳
اکل	۳۴	۲۸
اثل	۳۴	۲۸
تؤفکون	۳۵	۹
اجاج	۳۵	۱۹
اساور	۳۵	۳۷
امام	۳۶	۱۶ الف
اثر	۴۳	۲۴
اسفونا	۴۳	۶۰
استبرق	۴۴	۳۰
افاک	۴۵	۹
اثیم	۴۵	۹
اثارۃ	۴۶	۵
آسن	۴۷	۲۱
آذر	۴۸	۶۱
اقاب	۵۰	۴۸
افک	۵۱	۹
الآزفۃ	۴۰	۳۲
الاذقان	۴۰	۷۸
	۔	۔

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ب		
بادون	۳۳	۴۱
تبرج	۳۳	۶۱
بور	۳۵	۱۷
بحر	۳۵	۱۹
بیض	۳۷	۱۶
مبین	۴۳	۲
بالھو	۴۷	۳
بھیج	۵۰	۸
مبصرا	۴۰	۷۸
ت		
اتراب	۳۸	۵۳
تعسا	۴۷	۱۲
ثوب	۴۰	۳
ث		
مثانی	۳۹	۳۲
اثخنتموھم	۴۷	۴
ج		
جلابیب	۳۳	۹۸

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر		سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
جنة	۳۴	۱۱	حبك	۵۱	۴
جفان	۳۴	۲۰	حور	۵۲	۱۳
جُدَدٌ	۳۵	۳۹	حجاب	۴۱	۷
اجداث	۳۶	۴۵	**خ**		
جبلاً	۳۶	۵۵	خاتم	۳۳	۷۳
جیاد	۳۸	۳۶	خمط	۳۴	۲۸
اجتبٰی	۴۲	۲۰	خامدون	۳۶	۲۸
الجوار	۴۲	۵۵	خوّله	۳۹	۱۹
جعل	۴۳	۳	فاستخف	۴۳	۵۸
جاریات	۵۱	۱	خرّاصون	۵۱	۷
ح			خطب	۵۱	۲۹
حناجر	۳۳	۱۹	خوض	۵۲	۵
حداد	۳۳	۳۷	**د**		
حمید	۳۴	۹	تدعو	۴۵	۲۵
محاریب	۳۴	۲۰	تدعون	۴۶	۴
حوت	۳۷	۴۳	الدعا	۴۰	۷۶
محراب	۳۸	۲۳	فادعوه	۴۰	۸۴
حمیم	۳۸	۵۴	دحورا	۳۷	۵
حفیظ	۴۲	۷۳	داخرون	۳۷	۷
حکیم	۴۳	۵	مدحضین	۳۷	۴۳
محبرون	۴۳	۷۰	الدهر	۴۵	۳۳
محله	۴۸	۴۶	لاادری	۴۶	۱۲
الحمیّة	۴۸	۴۷	یُدَعُّوْن	۵۲	۶
تحید	۵۰	۱۸			

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
لیدحضوا	۴۰	۹
ذ		
ذاریات	۵۱	۱
ذنوب	۵۱	۵۵
ذوالعرش	۴۰	۲۸
ر		
مرجفون	۳۳	۱۰۲
راسیات	۳۴	۲۰
رجز	۳۵	۱۰
رکعا	۴۸	۵۷
راشدون	۴۹	۱۲
مریب	۵۰	۲۴
	۴۱	۷۰
راغ	۵۱	۲۵
برکنہ	۵۱	۳۴
رق	۵۲	۱
ریب المنون	۵۲	۲۳
مرکوم	۵۲	۳۹
رفیع الدرجات	۴۰	۲۸
الروح	۴۰	۲۸
موتاب	۴۰	۵۳
رواسی	۴۱	۱۲
ربت	۴۱	۶۲

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ز		
یزفون	۳۷	۳۱
ازواج	۴۳	۱۳
زخرف	۴۳	۳۹
رھوا	۴۴	۲۴
الزقوم	۴۴	۳۷
تزیلوا	۴۸	۴۶
س		
سلق	۳۳	۳۷
ساھر	۳۷	۴۳
تسوروا	۳۸	۲۳
سوق	۳۸	۳۶
استوی	۴۳	۱۵
	۴۸	۶۱
سندس	۴۴	۴۱
سخر	۴۵	۱۱
سول	۴۷	۳۴
سکینہ	۴۸	۶
سجدا	۴۸	۵۷
سیماھم	۴۸	۵۹
سوق	۴۸	۶۱
المسجور	۵۲	۱
سیئات	۴۰	۱۸

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
سلطان	۴۰	۳۸
اسرف	۴۰	۵۳
اسباب	۴۰	۵۴
يسحبون	۴۰	۸۹
يسجرون	۴۰	۸۹
استوىٰ	۴۱	۱۹
ش		
اشحۃ	۳۳	۳۵
شقاق	۳۸	۳
لاتشطط	۳۸	۲۴
متشٰکسین	۳۹	۳۴
شرع	۴۲	۱۷
شوریٰ	۴۲	۴۰
شریعۃ	۴۵	۳۳
اشداء	۴۸	۵۹
شطأہ	۴۸	۶۱
ص		
صیاصی	۳۳	۵۱
صافنات	۳۸	۳۶
صفحًا	۴۳	۶
صُبّوا	۴۴	۳۸
صدّوا	۴۷	۱
صرّۃ	۵۱	۲۸

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
فصکّت	۵۱	۲۸
اِصلوھا	۵۳	۹
مصیطر	۵۲	۳۲
یصعقون	۵۲	۴۵
صاعقہ	۴۱	۲۶
صرصرا	۴۱	۳۰
ض		
اضغانھم	۴۷	۳۷
اضغانکم	۴۷	۴۲
ط		
تطؤھم	۴۸	۴۶
طور	۵۲	۱
طول	۴۰	۵
ظ		
اظنّہ	۴۰	۵۵
ع		
الاعراب	۳۳	۴۱
معاجزین	۳۴	۸
عرم	۳۴	۲۷
عذب	۳۵	۱۹
عین	۳۷ ۵۲	۱۶ ۱۳

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
عزّۃ	۳۸	۳
عُجاب	۳۸	۷
عشّی	۳۸	۳۶
الأعلام	۴۲	۵۵
عزم	۴۲	۶۶
یعش	۴۳	۳۱
عابدین	۴۳	۷۷
فاعتلوا	۴۴	۳۸
یستعتبون	۴۵	۴۲
	۴۱	۳۰
معکوفا	۴۸	۳۶
المعرّۃ	۴۸	۳۶
العنید	۵۰	۲۲
عتید	۵۰	۱۷
عقیم	۵۱	۳۶
عنی	۴۱	۶۹
غ		
نُغرینّک	۳۳	۱۰۲
غرور	۳۵	۱۱
غرابیب سُود	۳۵	۳۹
غول	۳۷	۱۵
غسّاق	۳۸	۵۴
یغضون	۴۹	۶
غمرۃ	۵۱	۸

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ف		
یفتح	۳۴	۶
فاطر	۳۵	۲
فرات	۳۵	۱۹
فواق	۳۸	۱۶
یفرق	۴۴	۶
تفیضون	۴۶	۹
ق		
قدور	۳۴	۲۰
قطمیر	۳۵	۲۵
مقمحون	۳۶	۶
قططًا	۳۸	۱۷
مقرنین	۴۳	۱۵
نقیض	۴۳	۴۲
ق	۵۰	۱
ک		
کافّۃ	۳۴	۲۸
کأس	۳۷	۱۵
یکوّر	۳۹	۱۲
یکفّر	۳۹	۳۹
یکفّر	۴۸	۹
کفّار	۵۰	۲۴

	سورة نمبر	حاشیہ نمبر
مکیدون	۵۲	۳۷
اکنه	۴۱	۷
ل		
لغوب	۳۵	۴۷
ملیم	۳۷	۳۳
لطیف	۴۲	۴۷
ملیم	۵۱	۳۵
التناهم	۵۲	۱۵
یُلقّاها	۴۱	۵۶
یُلحدون	۴۱	۶۳
م		
موقتم	۳۴	۱۰
تماثیل	۳۴	۲۰
مواخر	۳۵	۲۲
مارد	۳۷	۵
ملأ اعلیٰ	۳۷	۵
المهل	۴۴	۳۷
مثل	۴۸	۹۰
امتحن	۴۹	۶
مجید	۵۰	۲
مریج	۵۰	۶
مورا	۵۲	۲
ممنون	۴۱	۱۲

	سورة نمبر	حاشیہ نمبر
ن		
نبیّ	۳۳	۱
نحب	۳۳	۲۹
منسأته	۳۴	۲۳
تناوش	۳۴	۹۹
نصب	۳۸	۲۷
ینسلون	۳۶	۴۵
ننکسه	۳۶	۶۰
ینزفون	۳۷	۱۶
اندادا	۳۹	۲۰
ینتصرون	۴۲	۴۱
نقبوا	۵۰	۳۳
انذرتکم	۴۱	۲۶
ینزغنك	۴۱	۵۷
و		
وقرن	۳۳	۶۱
وجیها	۳۳	۱۰۹
واصب	۳۷	۵
یتوفّی	۳۹	۴۵
وصّی	۴۲	۷۶
اوزعنی	۴۶	۲۲
اولیٰ	۴۷	۳۱
وحتوا	۵۱	۱

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر		سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
موسعون	۵۱	۴۲	ھدینا	۴۱	۳۱
وقرٌ	۴۱	۷	اھتزّ	۴۱	۶۲
یوزعون	۴۱	۳۳			
ھ			**ی**		
			یقطین	۳۷	۴۳
یھیج	۳۹	۲۹	یوم التناد	۴۰	۴۹
الھدی	۴۸	۳۶	ایّام	۴۵	۱۵

التحقیقات النحویہ

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر		سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
لا یجاورونک فیھا الا قلیلا	۳۳	۱۰۲	تنزیل من الرحمن الرحیم	۴۱	۲
وما ارسلناک الا کافۃ للناس	۳۴	۴۸	قرآنا عربیا	۴۱	۳
الحمد للہ الذی	۳۴	۱	حفظا	۴۱	۲۳
افمن زُیّن لہ سوء عملہ	۳۵	۱۳	ان الذین کفروا	۴۱	۶۲
لات حین مناص	۳۸	۴	اتخذوا من دون اللہ قربانا	۴۶	۳۹
قال فالحق والحق اقول	۳۸	۷۰	آلھۃ		
الا المودۃ فی القربی	۴۲	۴۲	ضرب الرقاب	۴۷	۵
انّہ بُراء مما تعبدون	۴۳	۲۶	ھآنتم ھؤلاء	۴۷	۴۳
ام حسب الذین اجترحوا	۴۵	۳۸	ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون	۴۹	۵
السیئات			عن الیمین وعن الشمال قعید	۵۰	۱۶
واضلہ اللہ علی علم	۴۵	۳۱	القیا فی جھنم میں القیا کو تثنیہ	۵۰	۲۳
تنزیل الکتاب	۴۰	۲	ذکر کرنے کی وجہ		
ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما	۴۰	۱۵	وعنھم سراعا	۵۰	۴۰

اللہ جل مجدہٗ و عز شانہٗ

توحید

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے۔	۳۴	۱
سب تعریفیں فاطر السمٰوٰت والارض کے لیے جس نے مختلف قوت کے فرشتے پیدا کیے۔	۳۳	۱
سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے	۳۷	۱۸۲
. . . .	۴۵	۳۶
ساری برکتیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے	۴۰	۶۴
ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے۔	۴۰	۶۵
. . . .	۴۵	۳۶
اُس کے بغیر نہ کوئی خالق ہے نہ رازق	۳۳	۳
اُس کے بغیر کوئی معبود نہیں	۳۵	۳
. . . .	۳۹	۶
اُس واحد و قہار کے سوا کوئی معبود نہیں	۳۸	۶۶
وہ اللہ ہی واحد و قہار ہے	۳۹	۴
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔	۴۴	۸
. . . .	۴۷	۱۹
. . . .	۴۰	۳
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۰	۶۲
. . . .	۴۰	۶۵
. . . .	۴۱	۶
تمہارا معبود ایک ہے	۳۷	۴
. . . . .	۴۱	۶
وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے	۳۷	۵
وہ مشارق کا رب ہے	۳۷	۵
وہ میرا رب ہے	۴۲	۱۰
آسمانوں اور زمین میں بڑائی اُسی کے لیے ہے۔	۴۵	۳۷
اللہ ہی کارساز ہے	۴۲	۹
وہی تمہارا رب ہے	۳۹	۶
آسمانوں میں اور زمین میں وہی خدا ہے	۴۳	۸۴
خلوص کے ساتھ اُسی کی عبادت کرو	۴۰	۱۴
وہی زندہ ہے	۴۰	۶۵
بُت کسی ذرہ کے مالک نہیں	۳۴	۱
زمین و آسمان میں اُن کا کوئی حصہ نہیں	۳۴	۱
حاملین عرش اور دوسرے فرشتے اُس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں	۴۰	۷
حکم کا اختیار اللہ کے لیے جو علی کبیر ہے۔	۴۰	۱۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
دلائل توحید		
کفار سے پوچھو رازق کون ہے کہیں گے اللہ	۳۴	۲۴
جو نعمت کسی کو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے روکنا چاہے کوئی دے نہیں سکتا۔	۳۵	۲
ہوائیں، بادل، بارش اور مُردہ زمین کا زندہ ہونا۔	۳۵	۹
میٹھے پانی اور کھاری پانی کے ذخائر	۳۵	۱۲
تسخیر شمس و قمر، ساری بادشاہی اللہ کی ہے	۳۵	۱۳
بارش کا برسنا، مختلف رنگوں کے پھل، پہاڑوں کے مختلف رنگ کوئی سفید، کوئی سُرخ، کوئی سیاہ۔	۳۵	۲۷
انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے مختلف رنگ اور روپ۔	۳۵	۲۸
مُردہ زمین کو زندہ کرنا، اجناس اور پھلوں کا پیدا ہونا، چشموں کا جاری ہونا تاکہ تم کھاؤ اور ان سے مربّے، اچار، چٹنیاں وغیرہ بناؤ۔	۳۶	۳۳،۳۴ ۳۵
وہ ہر عیب سے پاک ہے جس نے زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا	۳۶	۳۶ مع حاشیہ
تابیرِ نخل کا اعتراض اور جواب	۳۶	حاشیہ آیت بالا
رات کا آنا، سورج کا چلنا، عزیز و علیم کا مقرر کردہ ہے	۳۶	۳۷،۳۸
چاند اور اس کی مختلف منزلیں	۳۶	۳۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
چاند کی منزلوں کے نام	۳۶	حاشیہ آیت بالا
نہ سورج چاند سے آگے نکل سکتا ہے اور نہ رات دن سے۔	۳۶	۴۰
سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں	۳۶	۴۰
سفینۂ نوح بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔	۳۶	۴۱ مع حاشیہ
سمندر اور دریا تمھارے لدے ہوئے جہازوں کو اُٹھائے ہوئے ہیں یہ محض ہماری رحمت ہے	۳۶	۴۲، ۴۳، ۴۴
جانور بنائے سواری کے لیے انھیں مسخر کیا، اُن کے گوشت کو خوراک بنایا اور دیگر فوائد	۳۶	۷۱، ۷۲، ۷۳
اُس نے سبز درخت میں آگ رکھ دی	۳۶	۸۰
آسمانِ دُنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا	۳۷	۶
ہم نے آسمان و زمین کو باطل پیدا نہیں کیا	۳۸	۲۷
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا گردشِ لیل و نہار، تسخیر شمس و قمر	(۱) ۳۹ (۲) ۴۵ (۳) ۴۶،۴۷	(۱) ۵ (۲) ۲۲ (۳) ۳۵
تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا	۳۹	۶
تمھاری خدمت کے لیے آٹھ قسم کے جانور پیدا کیے۔	۳۹	۶
شکمِ مادر کے تین اندھیروں میں تمھیں پیدا فرمایا	۳۹	۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مینہ کا برسنا، چشموں کا جاری ہونا، کھیتوں کا اُگنا پھر پکنا، اہل عقل کے لیے اس میں نصیحت ہے۔	۳۹	۲۱
آسمانوں اور زمین کی تخلیق، اس میں گوناگوں جانور اس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔	۴۲	۲۹
مرحبا روشکور کے لیے کشتیوں، ہواؤں اور سمندر کی لہروں میں نشانیاں ہیں	۴۲	۳۲، ۳۳، ۳۴
اُس کی قدرت کی نشانیاں، آسمان سے رزق کا نزول	۴۰	۱۳
رات کو آرام کے لیے بنایا اور دن کو کام کے لیے روشن بنایا	۴۰	۶۱ مع حاشیہ
اُس نے زمین کو تمہارے لیے قرار اور آسمان کو چھت بنایا، تمہیں حسین صورت دی، پاکیزہ رزق دیا۔	۴۰	۶۴
کھانے کے لیے اور سواری کے لیے جانور بنائے اور ان میں دیگر فوائد ہیں کشتی پر تم سوار ہوتے ہو۔	۴۰	۸۰
اُس کی قدرت کی دیگر نشانیاں	۴۰	۸۱
زمین کی تخلیق دو دن میں کی، اس میں پہاڑ بنائے، ہر قسم کی خوراک کا انتظام چار دن میں کیا۔	۴۱	۹، ۱۰
دخان سے سات آسمان دو دن میں بنائے	۴۱	۱۱
ہر آسمان کو اس کے حسب حال وحی فرمائی	۴۱	۱۲
آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔	۴۱	۱۲
ذالک تقدیر العزیز العلیم	۴۱	۱۲
رات و دن، سورج، چاند اُس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔	۴۱	۳۷
بنجر زمین پر مینہ کا برسنا، کھیتوں کا لہلہانا اُس کی قدرت کے نشان ہیں	۴۱	۳۹
آفاق و انفس میں اللہ کی نشانیاں ہیں	۴۱	۵۳ مع حاشیہ
اُس نے زمین کو گہوارہ بنایا، اس میں راستے بنائے، وہ بارش برساتا ہے وغیرہ آیاتِ قدرت، زمین و آسمان کی تخلیق	۴۳	۱۰، ۱۱، ۱۲
تمہاری اپنی پیدائش، حیوانات، گردشِ لیل و نہار، بارش، ہوائیں سب اُس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں	۴۵	۳، ۴، ۵
تسخیرِ بحر	۴۵	۱۲
تمہارے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز کو مسخر کر دیا	۴۵	۱۳
اہلِ فکر کے لیے ان میں اُس کی قدرت کی آیات ہیں۔	۴۵	۱۳
آسمان کی طرف دیکھو اُسے کیسا بنایا اور آراستہ کیا۔	۵۰	۶
زمین کو کیسے بچھایا، پہاڑ گھڑے کیے ہر قسم کی چیزیں اگائیں	۵۰	۷
ہر فرمانبردار بندے کے لیے اس میں بصیرت افروزی اور یاد دہانی کا سامان ہے	۵۰	۸
بارش کا نزول، باغات، اجناس وغیرہ	۵۰	۹، ۱۰، ۱۱

	سورہ نمبر	آیت نمبر
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا	۵۰	۳۸
آسمان کو بنایا اور آپ نے وسعتیں بخشیں	۵۱	۴۷
زمین کا آرام دہ فرش بچھایا	۵۱	۴۸
ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو	۵۱	۴۹

صفاتِ الٰہی

(الف) علم الٰہی

	سورہ نمبر	آیت نمبر
اللہ علیم حکیم ہے	۳۳	۱
۔ ۔ ۔ ۔	۴۹	۸
اللہ لطیف خبیر ہے	۳۳	۳۴
جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے	۳۳	۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۵	۸
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۸	۱۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۸	۲۴
وہ ہر چیز کو جانتا ہے	۳۳	۴۰
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹	۱۹
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۳	۵۵
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۲	۲
جو تمھارے دلوں میں ہے وہ جانتا ہے وہ علیم اور حلیم ہے	۳۳	۵۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۵	۳۸
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۹	۷
جو تمھارے دلوں میں ہے وہ جانتا ہے وہ علیم اور حلیم ہے	۴۲	۲۴
وہ تمھارے ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے	۳۳	۵۴
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۶	۷۶
علم قیامت اللہ کے پاس ہے	۳۳	۶۳
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۳	۸۵
وہ عالم الغیب ہے	۳۴	۳
زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں	؍؍	؍؍
علام الغیوب ہے	۳۴	۴۸
ہر عورت اس کے علم سے حاملہ ہوتی ہے	۳۵	۱۱
عالم الغیب والشہادہ	۳۹	۴۶
وہ غیب السموات والارض کو جاننے والا ہے	۴۹	۱۸
الا یعلم (علم الٰہی کی حقیقت)	۳۴	۱۴ مع حاشیہ
وہ فتاح علیم ہے	۳۴	۲۶
وہ علیم خبیر ہے	۳۴	۱
وہ سمیع قریب ہے	۳۴	۵۰
وہ خبیر بصیر ہے	۳۵	۳۱
وہ علیم قدیر ہے	۳۵	۴۴
وہ بکل خلق علیم ہے	۳۶	۷۹
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۲	۱۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۸	۲۶
وہ سمیع بصیر ہے	۴۲	۱۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۰	۲۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وہ سمیع بصیر ہے	۴۰	۵۶
وہ حکیم علیم ہے	۴۳	۸۴
" " " "	۴۸	۴
" " " "	۴۹	۸
وہ سمیع علیم ہے	۴۴	۶
	۴۹	۱
عمر کی زیادتی اور کمی لوح محفوظ میں درج ہے	۳۵	۱۱
وہ بندوں کو اندازے سے رزق دیتا ہے	۴۲	۲۷
انّه بعباده خبیر بصیر		
وہ شہ رگ سے قریب ہے	۵۰	۱۶
دائیں بائیں دو فرشتے ہر شخص کی ہر بات لکھ رہے ہیں	۵۰	۱۷،۱۸
جو وہ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں	۵۰	۴۵
وہ خائن آنکھ اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۴۰	۱۹
اُس کا علم محیط ہے	۴۱	۴۷

(ب) قوت و عزتِ خداوندی

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وہ قوی اور عزیز ہے	۳۳	۲۵
وہ عزیز اور حکیم ہے	۳۴	۲
" " " " "	۳۴	۲۷
" " " " "	۳۵	۲
" " " " "	۴۶	۲
جو عزت چاہتا ہے تو عزت اللہ کے پاس ہے	۳۵	۱۰
اُسے کوئی ہرا نہیں سکتا	۳۵	۴۴
وہ عزیز و وہاب ہے	۳۸	۹
وہ عزیز غفار ہے	۳۸	۶۶
" " " "	۳۹	۵
وہ عزیز حکیم ہے	۳۹	۱
وہ عزیز ذی انتقام ہے	۳۹	۳۷
اللہ عزیز حکیم ہے	۴۲	۳
وہ علی و عظیم ہے	۴۲	۴
وہ ولی حمید ہے	۴۲	۲۸
وہ عزیز حکیم ہے	۴۵	۳۷
" " " "	۴۶	۲
" " " "	۴۸	۷
" " " "	۴۸	۱۹
" " " "	۴۰	۷
اگر اللہ چاہتا تو کفار سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن اس کی حکمت ہے وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے	۴۷	۴
وہ عزیز علیم ہے	۴۰	۲

(ج) رحمت و مغفرتِ الٰہی

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۳۳	۵
" " " " "	۳۳	۲۴
" " " " "	۳۳	۵۰
" " " " "	۳۳	۵۹
" " " " "	۳۳	۷۳

	سورہ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۴۲	۵
" " " " "	۴۶	۸
" " " " "	۴۸	۱۴
اللہ غفور رحیم ہے	۴۹	۵
" " " "	۴۹	۱۴
وہ رحیم و غفور ہے	۳۴	۲
وہ عزیز غفور ہے	۳۵	۲۸
وہ غفور شکور ہے	۳۵	۳۰
" " " "	۴۲	۲۳
وہ اپنے بندوں کے ساتھ لطیف ہے	۴۲	۱۹
اگر لوگوں کے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ	۳۳	۴۵
گرفت کرتا تو کوئی جاندار زندہ نہ رہتا		
لیکن اس نے ایک وقت مقرر فرما دیا	۳۵	۴۵
اس کی رحمت سے مت ناامید ہو	۳۹	۵۳
توبہ کا اسلامی فلسفہ	۳۹	حاشیہ آیت بالا
وقت سے پہلے توبہ کر لو	۳۹	۵۴
اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو فرشتے اہل زمین کے لیے مغفرت طلب نہ کرتے اور آسمان پھٹ جاتے	۴۲	۵
جو نیکی کرتا ہے اس کی نیکی کا حسن دوبالا کر دیا جاتا ہے	۴۲	۲۳
فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ	۴۲	حاشیہ آیت بالا
اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ان کی برائیوں کو معاف کر دیتا ہے	۴۲	۲۵
توبہ کی حقیقت اور شرائط	۴۲	حاشیہ آیت بالا

	سورہ نمبر	آیت نمبر
مایوسی کے بعد بارش برساتا ہے	۴۲	۲۸
تمہاری تکالیف تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ویعفوا عن کثیر	۴۲	۳۰
ہم سے ناراض ہو کر ہم قرآن سے تمہیں محروم نہیں کریں گے۔	۴۳	۵
وہ العزیز الرحیم ہے	۴۴	۴۲
اللہ تعالیٰ تواب رحیم ہے	۴۹	۱۲
وہ البر الرحیم ہے	۵۲	۲۸
گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے	۴۰	۳
ذی الطول	۴۰	۳
آپ کا رب بخشش والا اور دردناک عذاب والا ہے۔	۴۱	۴۳
(د) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے		
وہ آسمانوں اور زمین کا فاطر (پیدا کرنے والا) ہے	۴۲	۱
" " " " " " " " "	۳۹	۴۶
انسان کو مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرماتا ہے	۳۵	۱۱
پھر جوڑا جوڑا بناتا ہے	۳۵	۱۱
ہر عورت اس کے علم سے حاملہ ہوتی ہے	۳۵	۱۱
ہر شے اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔	۳۶	۸۳
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا	۳۹	۵
" " " " " " " " "	۴۶	۳

	سورہ نمبر	آیت نمبر
رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے	۳۹	۵
تم سب کو ایک نفس سے پیدا فرمایا	۳۹	۶
شفاعت کا مالک اللہ ہے	۳۹	۴۴
آسمان اور زمین اور ملک اس کے قبضہ میں ہیں	۳۹	۴۴
وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا تمہیں جوڑا جوڑا بنانے والا بھی وہی ہے	۴۲	۱۱
ہر چیز کا خالق اللہ ہے	۳۹	۶۲
آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں	۴۲	۱۲
" " " " "	۳۹	۶۳
آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے	۴۲	۴
جس کو چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے تنگ روزی دیتا ہے	۴۲	۱۲
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لیے ہے	۴۲	۴۹
" " " " "	۴۲	۵۳
" " " " "	۴۳	۸۵
" " " " "	۴۸	۱۴
وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے	۴۴	۷
ہم نے زمین و آسمان کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا	۴۴	۳۸
ہم نے انھیں حق کے ساتھ پیدا کیا	۴۴	۳۹
آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ کے ہیں	۴۸	۴
" " " " "	۴۸	۷
ہم نے انسان کو پیدا فرمایا	۵۰	۱۶

	سورہ نمبر	آیت نمبر
ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں	۵۰	۱۶
ارض و سما کو چھ دن میں پیدا کیا پھر بھی تھکا نہیں	۵۰	۳۸
ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں	۵۰	۴۳
تمہارا رب وہی ہے جو ہر شیٔ کا خالق ہے	۴۰	۶۱
انسان کو پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر علقہ سے تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گزارا۔ پھر بچپن، جوانی، بڑھاپا زندگی کی مختلف منزلوں میں اس کا سفر حیات جاری رکھا	۴۰	۶۷
(۷) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے		
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے	۳۳	۲۷
" " " " "	۳۴	۱
" " " " "	۳۵	۱
" " " " "	۴۱	۳۹
کسی پر جو رحمت کرنا چاہے کوئی روک نہیں سکتا، جو روکنا چاہے کوئی دے نہیں سکتا	۳۴	۲
اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے	۳۳	۳۷
اللہ کا حکم مقرر تقدیر ہے	۳۳	۳۸
آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے	۳۴	۲۱
وہ علی کبیر ہے	۳۴	۲۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے	۳۴	۳۹
[illegible]	۳۹	۵۲
اگر چاہے تو تمھیں فنا کر دے اور کوئی دوسری قوم لے آئے	۳۵	۱۶
آسمانوں اور زمین کو سرکنے سے اس نے روکا ہوا ہے	۳۵	۴۱
اسے کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا	۳۵	۴۴
ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ان کے اعمال کو لکھتے ہیں	۳۶	۱۲
کُنْ فَیَکُوْن	۳۶	۸۲
بے شک تو بہت بخشنے والا ہے (الوھاب)	۳۸	۸۵
تسخیر شمس و قمر، ہر نظام ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے	۳۹	۵
موت اور نیند دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ روح کو قبض کر لیتا ہے	۳۹	۴۲
جسے چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے تنگ، تقسیم رزق میں بڑی حکمتیں ہیں	۳۹	۶۷
اللہ کی بے پایاں قدرت، زمین اور آسمان اس کی دائیں مٹھی میں ہے	۳۹	۶۷
وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے	۴۲	۹
ہر چیز پر قادر ہے اس آیت کی حکیمانہ تفسیر	۴۲	حاشیہ آیت بلا
جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے وہ قوی عزیز ہے	۴۲	۱۹
وہ باطل کو مٹاتا ہے حق کو غلبہ دیتا ہے	۴۲	۲۴
تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اس کے بغیر تمھارا کوئی کارساز نہیں	۴۲	۳۱
وہ علیم و قدیر ہے	۴۲	۵۰
وہ شدید العقاب ہے	۴۰	۳
وہ درجات بلند کرنے والا عرش کا مالک ہے	۴۰	۱۵
آج بادشاہی اللہ واحد قہار کی ہے	۴۰	۱۶
وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۴	۸
اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو پیدا کر کے تھک نہیں گیا	۴۶	۳۳
وہ مُردوں کو پھر زندہ کرے گا ___	۴۶	۳۳ حاشیہ
بائیبل میں ہے وہ تھک گیا اور اس نے آرام کیا	"	" "
جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے	۴۸	۱۴
اللہ رزاق ہے قوت والا ہے	۵۱	۵۸
وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۰	۶۸
(و) اللہ تعالیٰ کسے ہدایت دیتا ہے		
اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے اور جو صدق دل سے جھکتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے	۴۲	۱۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
شانِ اجتبا کی تشریح	۴۲	حاشیہ آیت نمبر ۱۳
ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں	۴۲	۵۳
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۴۹	۹

(ز) وُہ کِسے ہدایت نہیں دیتا اور محبت نہیں کرتا

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا	۳۹	۳
جسے خدا گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۳۹	۲۳
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں	۴۲	۸
وُہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا	۴۲	۴۰
اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۴۶	۱۰
ہر متکبر سرکش کے دل پر وُہ مہر لگا دیتا ہے	۴۰	۳۵

(ح) وُہ ہر عیب سے پاک ہے

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ وعدہ خلافی نہیں کرتا	۳۹	۲۰
زمین و آسمان اور عرش کا رب اُن کے بیان کردہ خرافات سے پاک ہے	۴۳	۸۲
آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا	۴۱	۴۶
کائنات کو پیدا کرکے ہم تھک نہیں گئے	۵۰	۱۵
ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے	۵۰	۲۹
ہمیں تھکاوٹ نہیں ہوتی	۵۰	۳۸
میں اُن سے رزق طلب نہیں کرتا	۵۱	۵۷
جن کو وُہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے پاک ہے	۵۲	۴۳

(ط) متفرق

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے	۳۳	۴
اللہ وکیل کافی ہے	۳۳	۳
	۳۳	۲۸
اللہ کی سُنت میں تو تبدیلی نہیں پائے گا	۳۳	۶۲
پاکیزہ کلمے اُسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور عمل صالح اُس کے درجے کو بلند کرتے ہیں	۳۵	۱۰
لوگ محتاج ہیں اللہ غنی ہے	۳۵	۱۵
اللہ کی سُنت میں تو تبدیلی نہیں پائے گا	۳۵	۴۳
جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اُس کی قوتیں کمزور کر دیتے ہیں	۳۶	۶۸
اگر سب بندوں کو اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا تو وُہ باغی بن جاتے لیکن وُہ اندازے سے رزق دیتا ہے	۴۲	۲۷
اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو	۴۷	۳۸
اللہ کی یہ سُنت ہے کہ آخرکار حق غالب آتا ہے اور باطل شکست کھاتا ہے۔ اِس سُنت میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا	۴۸	۲۳
میرا فیصلہ میرے نزدیک بدلتا نہیں	۵۰	۲۹

سیدنا و مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
(الف) نبوّت و رسالت		
نبوّت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۳۳	۱ مع حاشیہ
رسولوں سے تبلیغِ حق کا پختہ وعدہ لیا گیا	۳۳	۷
جو کام اللہ تعالیٰ نبی پر فرض کرے اس کو بجالانا ضروری ہوتا ہے	۳۳	۳۸
حضورؐ کی کثرتِ ازواج پر یہود و نصاریٰ کا اعتراض اور اس کا جواب	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۳۹
انبیاء و رُسل اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے	۳۳	۳۹
حق آگیا باطل کی قوت کا خاتمہ ہوگیا	۳۴	۴۹
ہر اُمّت میں ڈرانے والا بھیجا گیا ہے	۳۵	۲۴
قسم ہے قرآن کی آپ رسولوں میں سے ہیں	۳۶	۳
آپ سیدھی راہ پر ہیں	۳۶	۴
آپ کی بعثت کا مقصد	۳۶	۶
اللہ کے رسول ہی آخرکار فتحیاب ہوتے ہیں	۳۷	۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳
سب انبیاء نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام کو حکم ہے کہ دین کو قائم کریں	۴۲	۱۳
آپ کا فرض تبلیغِ حق ہے آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔	۴۲	۴۸
انبیاء پر نزولِ وحی اور خطابِ الٰہی کے مختلف طریقے	۴۲	۵۱
حضورؐ کی رسالت کا اعلان	۴۸	۲۹
آپ نصیحت کیا کریں کیونکہ نصیحت کرنا مؤمنین کے لیے نفع مند ہے	۵۱	۵۵
آپ نصیحت کیا کریں اللہ کے احسان سے نہ کاہن ہیں نہ مجنوں	۵۲	۲۹
کفار کا عقبہ کو تحقیقِ حق کے لیے بھیجنا قرآن کریم سن کر اس کا دنگ رہ جانا	۴۱	۴ اماشیہ
(ب) رحمت و خُلقِ عظیم		
اپنی اُمّت کے ساتھ حضورؐ کی حد درجہ محبت	۳۳	۶ مع حاشیہ
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر اللہ کے ذمے	۳۴	۴۷
آپ بدکاروں کے لیے آزردہ خاطر نہ ہوں	۳۵	۸
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلّف کرنے والوں سے ہوں	۳۸	۸۶
آپ بھی دینِ حق کی طرف دعوت دیتے رہیے	۴۲	۱۵
عظیم آیت۔ اس میں دس احکام ہیں	۴۲	۱۵
کیا آپ بہروں اور اندھوں کو راہ دکھانا چاہتے ہیں	۴۳	۴۰
ہم ان منکرین کو جلد یا بدیر ضرور سزا دیں گے	۴۳	۴۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مکہ میں شدید قحط، ابوسفیان کا مدینہ میں حاضر ہو کر التماس دُعا کرنا، حضورؐ کی دُعا اور بارش	۴۴	آیت نمبر ۱۲ کا حاشیہ
واستغفر لذنبك وللمؤمنين	۴۷	۱۹ مع حاشیہ
اپنی اُمّت کی مغفرت کے لیے دُعا مانگیے اور صبح شام تسبیح و تحمید کیجیے	۴۰	۵۵
کفار کی اذیت رسانی پر صبر کی تلقین اور ہر لحظہ ذکرِ الٰہی کی تاکید	۵۰	۳۹، ۴۰
حضورؐ کوئی اجر نہیں مانگتے	۵۲	۴۰
صبر کی تلقین محض تالیفِ دلجوئی کے لیے ہے	۴۰	۷۷ مع حاشیہ

(ج) شانِ مصطفوی

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
حضرت زید کی محبت بے پایاں اور اُس کی برکات	۳۳	۵ مع حاشیہ
النبی اولٰی بالمؤمنین	۳۳	۶
حضورؐ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں	۳۳	۶
انبیاء کے ذکر میں حضورؐ کو مقدم کیا کیونکہ حضورؐ اوّل الخلق ہیں	۳۳	۷ مع حاشیہ
اہلِ ایمان کے لیے رسولؐ کی ذات بہترین نمونہ ہے	۳۳	۲۱
اُسوۂ حسنہ کی تشریح	۳۳	آیت ۲۱ کا حاشیہ
حضرت زید کے بارے میں فرمایا جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے انعام فرمایا	۳۳	۳۷
اس واقعہ کا تفصیلی تجزیہ	۳۳	آیت ۳۷ کا حاشیہ
حضورؐ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں	۳۳	۴۰
عقیدۂ ختمِ نبوت کے عقلی اور نقلی دلائل، تاویلاتِ باطلہ کا رد، مفصل بحث	۳۳	حواشی آیت ۴۰
ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا ہے	۳۳	۴۶
ان اسماءِ حسنٰی نبویہ کی تشریح	۳۳	حاشیہ آیت ۴۶
حضورؐ کی کثرتِ ازواج کی حکمت	۳۳	۵۰ مع حاشیہ
مساوی سلوک کرنے کی پابندی نہیں پھر بھی حضورؐ مساوی سلوک فرمایا کرتے	۳۳	۵۱
مزید نکاح کی ممانعت	۳۳	۵۲
حضورؐ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کی ممانعت	۳۳	۵۳
اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں	۳۳	۵۶
اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو	۳۳	۵۶
درود شریف کے فضائل و برکات، صلوٰۃ و سلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی، درود شریف پڑھنے کے خصوصی مقامات، مفصل بحث	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۵۶
جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں اُن پر اللہ کی لعنت اور رُسوا کن عذاب	۳۳	۵۷
آپؐ سب بنی نوعِ انسان کے رسول ہیں	۳۴	۲۸
آپؐ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا	۳۵	۲۴

	سورہ نمبر	آیت نمبر
ابوجہل کا حضورؐ کو پتھر مارنے کے ارادہ سے آگے بڑھنا اور اس کا انجام	۳۶	۸ مع حاشیہ
قرآن کی قسم حضورؐ سچے نبی ہیں	۳۸	۱ مع حاشیہ
حضورؐ کی حکومت کا دائرہ سلیمانی حکومت سے کہیں وسیع تھا	۳۸	آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ
جب حضرت سلیمانؑ کو اختیار دیا تو سید المرسلینؐ کو کیا نہ دیا ہوگا	۳۸	حاشیہ آیت نمبر ۳۹، ۴۰
میں ڈرانے والا ہوں	۳۸	۶۵
حضورؐ اول المسلمین ہیں	۳۹	۱۲
وہ آپ کو اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں کیا اللہ آپ کی مدد کے لیے کافی نہیں	۳۹	۳۶
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا الا المودۃ فی القربیٰ (اس کی وضاحت)	۴۲	۲۳ مع حاشیہ
اعلانِ نبوت سے پہلے کیا حضورؐ کو کتاب و ایمان کا علم نہ تھا؟ تفصیلی بحث	۴۲	۵۲ مع حاشیہ
آپ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں الخ	۴۲	۵۲، ۵۳
بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں	۴۳	۴۳
قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے وجہ عزت و شرف ہے	۴۳	۴۴
حضورؐ کے قول کی قسم (وقیلہ)	۴۳	۸۸
مہرِ انور گرِ انوار سید الابرار عرش سے افضل ہے	۴۴	حاشیہ آیت نمبر ۳
تبع ابوکرب کا مشرف باسلام ہونا حضورؐ کی خدمت میں عریضہ کہ میں حضورؐ کے پہلے پہلے غلاموں سے ہوں یعنی روزِ قیامت	۴۴	حاشیہ آیت نمبر ۳۷

	سورہ نمبر	آیت نمبر
فراموش نہ فرمائیے۔ ابو ایوب انصاری کو وہ عریضہ پیش خدمت کرنا، حضورؐ کا تبع کے ایمان کو قبول فرمانا اور شفاعت کا ذکر کرنا		
بارگاہِ رسالت میں فریاد شرک نہیں عین ایمان اور پاکانِ امت کا معمول ہے	۴۶	۵، ۶ مع حواشی
میری رسالت کا خدا گواہ ہے	۴۶	۸
لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الآیہ کی تشریح	۴۶	۹ مع حاشیہ
جنات بھی حضورؐ کے امتی ہیں، ان کا قرآن سننا، اس پر ایمان لانا، اپنی قوم میں واپس جا کر تبلیغ اسلام کرنا	۴۶	۲۹ تا ۳۲
حضرت سواد ابن قارب کا ایک جن کے کہنے پر ایمان لانا اور بارگاہِ رسالت میں یہ قصیدہ پیش کرنا وانک مامون علی کل غائب	۴۶	۲۹ تا ۳۲ مع حواشی آیات مذکورہ
آپ صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا	۴۶	۳۵
عصمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (واستغفر لذنبک وللمؤمنین)	۴۷	۱۹ مع حاشیہ
ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی	۴۸	۱
عصمت نبوت (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر)	۴۸	۲ مع حاشیہ
حضورؐ پر اللہ نے اپنی نعمت تمام کر دی	۴۸	۲
اور آپ کی زبردست مدد فرمائی	۴۸	۲
آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا	۴۸	۸

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپؐ کی تعظیم اور توقیر کا حکم وتعزروہ وتوقروہ	۴۸	۹ مع حاشیہ
جو آپؐ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں	۴۸	۱۰
اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہوتا ہے	۴۸	۱۰
حضورؐ کے دست مُبارک پر بیعت کرنے والوں سے اللہ راضی ہوگیا اور اُن پر دیگر انعامات	۴۸	۱۸
حضورؐ کا خواب کہ تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے۔ اللہ نے وہ خواب سچا کر دکھایا۔	۴۸	۲۷
حضورؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ سارے دینوں پر اس دین کو غلبہ دے	۴۸	۲۸
آپ ہماری قدرت کی آنکھوں میں بیٹھے ہیں (فانک باعیننا)	۵۲	۴۸ مع حاشیہ
(د) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم		
ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا بلکہ ذکر اور قرآن سکھایا	۳۶	۶۹
شعر کی تشریح	۳۶	حاشیہ تفسیر آیت ۶۹
علاء اعلیٰ کا علم بہ تعلیم الٰہی		۶۹، ۷۰ مع حاشیہ
کیا حضورؐ کو اپنے انجام کا علم نہ تھا؟	۴۶	۹ مع حاشیہ
حضرت سواد ابن کارب کی شہادت	۴۶	حاشیہ
(وانا ماھو علی کل غائب)	۴۶	آیت نمبر ۲۹
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کا علم دے دیا گیا تھا	۴۷	۳۰
ثابتؓ ابن قیس کو سعادت، شہادت اور جنت کی بشارت	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۲
میرا یہ بیٹا سردار ہے یہ دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا	۴۹	۹ مع حاشیہ
جن رسولوں کا ذکر قرآن میں نہیں اُن کا علم بھی دیا گیا	۴۰	۷۸ مع حاشیہ
(۵) آداب نبوت		
حضورؐ کے حجروں میں جانے کے آداب	۳۳	۵۳
حضورؐ کے گھر سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے باہر کھڑے ہو کر مانگو	۳۳	۵۳
جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ کو ستایا تھا۔ اے ایمان والو میرے نبی مکرم کے ساتھ یہ سلوک مت کرو	۳۳	۶۹
حضورؐ کی تعظیم اور توقیر کا حکم وتعزروہ وتوقروہ	۴۸	۹
اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو	۴۹	۱
حضورؐ کے سامنے آواز تک بلند نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے	۴۹	۲ مع حواشی
صحابہ کا ادب حضرت ثابت ابن قیس	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۲
بارگاہِ نبوت کا ادب ملحوظ رکھنے والوں کی شان	۴۹	۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
بلند آواز سے دُرود شریف پڑھنے کا حکم	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۳
علما و صلحا کا ادب	۴۹	" " "
حجرات کے باہر سے آواز دینا نادانی ہے	۴۹	۴
وفد بنی تمیم کی آمد، اُن کا طرزِ عمل اور فرمائش	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۴
حضورؐ کی آمد کا صبر سے انتظار کرو	۴۹	۵

(د) اہلِ بیتِ نبوت

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
فتوحات سے پہلے ازواجِ مطہرات کی درویشانہ زندگی، فتوحات کے بعد اُن کے مطالبات، ارشادِ الٰہی کہ اگر تمہیں مال و اسباب چاہیے تو تمہیں رخصت کر دیا جائے اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسولؐ چاہیے تو تمہیں اجرِ عظیم ملے گا۔ ازواجِ مطہرات نے اللہ اور رسولؐ کو پسند کیا۔	۳۳	۲۸، ۲۹
جو تم میں سے کھلی غلطی کرے گی اُس کو دُگنی سزا ملے گی	۳۳	۳۰
جو تم میں سے فرماں بردار ہوگی اُسے دُگنا اجر ملے گا اور رزقِ کریم	۳۳	۳۱
اے ازواج النبی تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو	۳۳	۳۲
پردہ کا حکم	۳۳	۳۳
اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ پر شیعہ کا اعتراض اور اُس کا رد	۳۳	آیت نمبر ۳۳ کا حاشیہ
جنگِ جمل کے تفصیلی حالات	۳۳	۳۳
اُقتلوا نعثل والی روایت جھوٹی ہے	۳۳	۳۳ حاشیہ
اُمّ المومنینؓ اور امیر المومنینؓ کے دلوں میں باہمی قدر و منزلت	۳۳	۳۳ حاشیہ
نماز، زکوٰۃ کی ادائیگی اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم	۳۳	۳۳
اے اہلِ بیت اللہ تعالیٰ تم سے رجس دُور کرنے کا ارادہ کرتا ہے	۳۳	۳۳
کیا ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں داخل ہیں یا نہیں تفصیلی بحث، شیعہ کا نقطۂ نظر اُن کے دلائل اور اُن کا رد	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۳۳
ازواج و بنات کے لیے پردہ کا خصوصی حکم	۳۳	۵۹
حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں	۳۳	۵۹ مع حاشیہ
اِلَّا المودّۃ فی القربیٰ کی تشریح	۴۲	۲۳ مع حاشیہ

(ذ) حضورؐ کی اطاعت

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اہلِ ایمان کے لیے حضورؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے	۳۳	۲۱
اللہ اور اُس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں رہتا	۳۳	۳۶
اللہ اور رسولؐ کا نافرمان کھلا گمراہ ہے	۳۳	۳۶
حضورؐ کا مطیع ہی فوزِ عظیم حاصل کرے گا	۳۳	۷۱
شریعت کی پابندی کا حکم اور اہوائے نفس کی متابعت کی ممانعت	۴۵	۱۸

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اطاعت خدا اور رسول کا حکم	۴۷	۳۳
جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا اُس کو جنت ملے گی	۴۸	۱۷
اور جو منہ پھیرے گا اُس کو عذاب الیم	۴۸	۱۷
اطاعت رسولؐ کا حکم	۴۹	۱
اگر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال میں کمی نہیں کی جائے گی	۴۹	۱۴
(ح) اظہارِ عبدیت		
اللہ سے ڈرے	۳۳	۱
کفار و منافقین کی اطاعت کی ممانعت	۳۳	۱ مع حاشیہ
• • • • • • •	۳۳	۴۸
اتباع وحی کا حکم	۳۳	۲
اللہ پر توکل کا حکم	۳۳	۳
- - - - - -	۳۳	۴۸
انّک میّت وانّہم میّتون	۳۹	۳۰
اللہ کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ	۳۹	۶۶
قل انّما انا بشر مثلکم	۴۱	۶
قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہیے	۴۳	۴۳
شریعت کی پابندی کا حکم	۴۵	۱۸
وما ادری ما یفعل بی ولا بکم	۴۶	۹
استغفر لذنبک وللمؤمنین	۴۷	۱۹
اپنے رب کے حکم پر صبر کیجیے	۵۲	۴۸
اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجیے	۵۲	۴۹

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
(ط) اسلام		
دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اُس کی عبادت کرو	۳۹	۲
خبردار دین خالص فقط اللہ کے لیے ہے	۳۹	۳
جس کا سینہ وُہ اسلام کے لیے کھول دے وُہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے	۳۹	۲۲
شریعت کی پابندی کا حکم اور جاہلوں کی خواہشات سے اجتناب کی تاکید	۴۵	۱۸
دین اسلام کو سب دینوں پر اللہ تعالیٰ غلبہ دینا چاہتا ہے	۴۸	۲۸
مکارم اخلاق کی تعلیم، مسلمان بھائی بھائی ہیں اگر لڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرادو	۴۹	۱۰
ایک دُوسرے کا تمسخر نہ اُڑاؤ	۴۹	۱۱
ایک دُوسرے پر عیب نہ لگاؤ	۴۹	۱۱
بُرے القاب سے یاد نہ کرو	۴۹	۱۱
بئس الاسم الفسوق بعد الایمان	۴۹	۱۱
سوءِ ظن سے بچو	۴۹	۱۲
ایک دُوسرے کی جاسوسی مت کرو	۴۹	۱۲
غیبت نہ کرو یہ تو مُردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے	۴۹	۱۲
نسب اور رنگ وجہ شرف نہیں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم جو تم میں زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے شعوب و قبائل پہچان کے لیے ہیں	۴۹	۱۳ مع حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر		سورۃ نمبر	آیت نمبر
اسلام لانے کا احسان اللہ پر مت جتلاؤ۔ یہ اُس کا احسان ہے کہ	۴۹	۱۷	اُس نے تمہیں ہدایت دی	۴۹	۱۷

انبیاء علیہم السلام

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے	۴۰	۱۵
ہم اپنے رسولوں کی اور مومنین کی مدد کرتے ہیں	۴۰	۵۱
بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں ہے بعض کا نہیں	۴۰	۷۸
نبی اذنِ الٰہی سے معجزہ پیش کرتا ہے	۴۰	۷۸
آدم علیہ السلام		
تخلیقِ آدم کیچڑ سے ہوئی نفخت فیہ من روحی کا شرف آدم کو حاصل ہوا	۳۸	۷۲
فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم	۳۸	۷۳،۷۲
ابلیس کا انکار اور تکبر کا اظہار کہ میں	۳۸	۷۴،۷۳
آدم سے بہتر ہوں		۷۶،۷۵
ابلیس کا راندہ جانا	۳۸	۷۸،۷۷
اُس کا مہلت مانگنا اور مہلت کا ملنا	۳۸	۸۱،۸۰،۷۹
شیطان کا چیلنج کہ تیری عزت کی قسم میں اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے	۳۸	۸۳،۸۲
مخلص بندوں کے اللہ تعالیٰ کا جواب	۳۸	۸۵،۸۴
ابراہیم علیہ السلام		
حضرت ابراہیم نوح کی جماعت سے تھے	۳۷	۸۳
آپ کا قلب سلیم تھا	۳۷	۸۴
آپ کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا	۳۷	۸۵
قوم کا میلہ منانے کے لیے جانا۔ آپ کا بت خانہ میں بتوں کو ریزہ ریزہ کرنا تفصیل	۳۷	۹۳تا۸۸
قوم کی میلہ سے واپسی پرجوش و با منظر آپ کے پاس دوڑتے آئے	۳۷	۹۴
اُن کے غلط عقائد پر آپ کا بھرپور وار	۳۷	۹۶،۹۵
اُن کا آتش کدہ بھڑکانا اور آپ کا محفوظ رہنا	۳۷	۹۸،۹۷
آپ کا وہاں سے ہجرت کر جانا	۳۷	۹۹
بیٹے کے لیے دعا اور اس کی قبولیت	۳۷	۱۰۱،۱۰۰
بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم۔ باپ بیٹے کا جذبۂ تسلیم و رضا	۳۷	۱۰۵تا۱۰۲
یہ فرزند کون تھا، اسمٰعیل یا اسحاق علیہما السلام	۳۷	حاشیہ آیت نمبر ۱۰۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کا ذکرِ خیر ہمیشہ باقی رہے گا	۳۷	۱۰۸ تا ۱۱۱
حضرت اسحاق کی بشارت	۳۷	۱۱۲
ابراہیم، اسحاق، یعقوب بڑے طاقتور اور روشن دل تھے (اولی الایدی والابصار)	۳۸	۴۵
وہ ہمیشہ یادِ آخرت میں لگے رہتے	۳۸	۴۶
یہ چنے ہوئے پسندیدہ لوگ تھے	۳۸	۴۷
حضرت ابراہیم کا اپنے باپ اور قوم کو وعظ	۴۳	۲۶، ۲۷ / ۲۸
ابراہیم کے پاس انسانی شکل میں فرشتوں کی آمد، آپ کا گوشت بھون کر پیش کرنا	۵۱	۲۴، ۲۵ / ۲۶
فرشتوں کا بیٹے کی بشارت دینا	۵۱	۲۸
حضرت سارہ کا اس پر متعجب ہونا	۵۱	۲۹، ۳۰
فرشتوں کا جواب	۵۱	۳۰
کیا اس سے ماتم کا جواز ثابت ہوتا ہے؟	۵۱	حاشیہ آیت نمبر ۲۹
فرشتوں کا بتانا کہ وہ قوم لوط کو برباد کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں	۵۱	۳۱ تا ۳۷
الیاس علیہ السلام		
حضرت الیاس رسول تھے	۳۷	۱۲۳
اپنی قوم کو دعوتِ توحید	۳۷	۱۲۴ تا ۱۲۶
قوم نے آپ کو جھٹلایا	۳۷	۱۲۷
ان کا ذکرِ خیر، ان پر سلام	۳۷	۱۲۸ تا ۱۳۲
اسحاق علیہ السلام		
آپ کی بشارت	۳۷	۱۱۲
ہم نے آپ پر اور اسحق پر برکت دی	۳۷	۱۱۳
ان کی اولاد میں کچھ نیک ہیں اور کچھ ظالم	۳۷	۱۱۲
حضرت اسحاق، آپ کی صفاتِ حمیدہ	۳۸	۴۵ تا ۴۷
اسماعیل علیہ السلام		
آپ کی ذبح کا ایمان افروز واقعہ	۳۷	۱۰۲ تا ۱۰۵
کیا ذبیح آپ تھے؟ تحقیق	۳۷	حاشیہ آیت نمبر ۱۰۷
آپ کا ذکر باقی رہے گا	۳۷	۱۰۸ تا ۱۱۱
آپ اخیار میں سے تھے	۳۸	۴۸
ایوب علیہ السلام		
آپ کی آزمائش، آپ کی دعا	۳۸	۴۱ تا ۴۳
آپ پر عنایاتِ خداوندی	۳۸	۴۳
قسم پورا کرنے کا طریقہ	۳۸	۴۴
نعم العبد انہ اواب کا خطاب	۳۸	۴۴
داؤد علیہ السلام		
داؤد علیہ السلام کو فضیلت بخشی، پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے، لوہے کو نرم کر دیا	۳۴	۱۰
آپ کو زرہ بنانے کا فن سکھایا	۳۴	۱۱
زرہ سازی کے ساتھ ساتھ نیک کام کرنے کا حکم دیا	۳۴	۱۱
آپ بڑے طاقتور تھے	۳۸	۱۷
پہاڑ، پرندے سب ان کے فرمانبردار تھے	۳۸	۱۸، ۱۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کو ملک، حکمت اور فصل الخطاب کا انعام دیا گیا	۳۸	۲۰
آپ کے حجرۂ عبادت میں دو فریقوں کا اچانک آجانا، آپ کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرنا۔ تفصیلی تذکرہ	۳۸	۲۱ تا ۲۵
بائبل کی آپ پر تہمت اور اس کی تحقیق	۳۸	آیت نمبر ۲۵ کا حاشیہ
آپ کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا گیا	۳۸	۲۶
آپ کو عدل قائم کرنے کا حکم اور خواہش نفس کی اتباع سے ممانعت	۳۸	۲۶
سلیمان علیہ السلام		
ہوا کو آپ کے ماتحت کر دیا، صبح و شام ایک ماہ کی مسافت طے ہوتی	۳۴	۱۲
عین القطر، جنات کو بھی ان کا تابع فرمان بنا دیا گیا	۳۴	۱۲
جنات آپ کے لیے مختلف چیزیں بناتے، محکمہ عمارتیں، مجسمے، لگن، دیگیں وغیرہ	۳۴	۱۳
آپ کو شکر ادا کرنے کا حکم	۳۴	۱۳
جنات کو آپ کی وفات کا کیسے علم ہوا	۳۴	۱۴
حیات انبیاء علیہم السلام	۳۴	حاشیہ آیت نمبر ۱۴
سلیمان علیہ السلام کو نعم العبد انہ اواب فرمایا گیا	۳۸	۳۰
آپ کا گھوڑوں کو ملاحظہ کرنا، اس سلسلے	۳۸	۳۱ تا ۳۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
میں روایات کی تحقیق	۳۸	۳۱ تا ۳۳ مع حواشی
آپ کی آزمائش (اسرائیلی روایات کی تہمت)	۳۸	۳۴
آپ کی دُعا	۳۸	۳۵
ہوا آپ کے ماتحت تھی	۳۸	۳۶
سب شیطان (دیو) بھی ماتحت کر دیئے، (کوئی معمار کوئی غوطہ خور)	۳۸	۳۷، ۳۸
یہ ہمارا انعام ہے چاہے پاس رکھ چاہے کسی کو دے دے عام اجازت ہے	۳۸	۳۹ مع حاشیہ
آپ بڑے مقرب، آپ کا انجام بہت عمدہ	۳۸	۴۰
جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ شان ہے تو محبوب رب العالمین کی شان کیا ہو گی	۳۸	حاشیہ آیت نمبر ۴۰
صالح علیہ السلام		
آپ کی قوم ثمود کی سرکشی اور تباہی	۵۱	۴۳ تا ۴۵
آپ کی قوم نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور ہلاک و برباد ہوئی	۴۱	۱۷، ۱۸
عیسٰی علیہ السلام		
ابن مریم کے ذکر پر اہل مکہ کا شور و غل	۴۳	۵۷، ۵۸
حالانکہ وہ ہمارا بندہ ہے جس پر ہم نے انعام فرمایا	۴۳	۵۹
آپ قیامت کی نشانی، تفصیلی بحث	۴۳	۶۱
آپ کی تمہید اور دعوت کہ اللہ کی عبادت کیا کرو	۴۳	۶۳، ۶۴
عیسائی فرقوں کا اختلاف	۴۳	۶۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
لوط علیہ السلام		
آپ رسول تھے	۳۷	۱۳۳
آپ کی نجات اور منکرین کی تباہی	۳۷	۱۳۴ تا ۱۳۷
موسیٰ و ہارون علیہما السلام		
آپ پر قوم نے جو الزام لگایا اللہ نے اس سے آپ کو بری کر دیا	۳۳	۶۹
آپ اپنے رب کے ہاں بڑے معزز تھے	۳۳	۶۹
قوم کا آپ کے ساتھ معاندانہ رویہ، بحوالہ بائیبل	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۶۹
ہم نے موسیٰ و ہارون پر احسان فرمایا	۳۷	۱۱۴
انھیں اور ان کی قوم کو غلامی کے عذاب سے نجات دی	۳۷	۱۱۵، ۱۱۶
انھیں روشن کتاب دی	۳۷	۱۱۷، ۱۱۸
ان کے ذکر کو دوام بخشا	۳۷	۱۱۹ تا ۱۲۱
موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ	۴۳	۴۶
فرعون کا آپ کو ساحر کہنا	۴۳	۴۹ مع حاشیہ
فرعون کا اترانا کہ میں مصر کا مالک ہوں یہ دریا اور نہریں میری ہیں اور موسیٰ حقیر ہیں	۴۳	۵۱، ۵۲، ۵۳
قوم فرعون کی گمراہی اور تباہی	۴۳	۵۴، ۵۵، ۵۶
آپ کا فرعون سے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا مطالبہ اور سرکشی سے باز آنے کی نصیحت	۴۴	۱۷، ۱۸، ۱۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
میں تمہاری سنگ باری سے اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں	۴۴	۲۰، ۲۱، ۲۲
مصر سے ہجرت کا حکم، بحر احمر کو عبور کرنے کی ہدایت اور ان کے غرق ہونے کی خبر	۴۴	۲۳، ۲۴
فرعون کی غرقابی، اپنے باغات، محلات وغیرہ چھوڑ کر چلے گئے	۴۴	۲۵ تا ۲۸
نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین	۴۴	۲۹
ہم نے بنی اسرائیل کو متکبر فرعون سے نجات دی	۴۴	۳۰، ۳۱
بنی اسرائیل کو چن لیا	۴۴	۳۲، ۳۳
سلطان مبین کے ساتھ آپ کا فرعون کے پاس جانا، اس کی روگردانی اور غرقابی	۵۱	۳۸، ۳۹، ۴۰
حضرت موسیٰ کو دلائل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا گیا	۴۰	۲۳، ۲۴
فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا	۴۰	۲۵
فرعون کا غیض و غضب، یہ تمہارا دین بدل دے گا، یہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا	۴۰	۲۶
فرعونی دھمکی کے جواب میں آپ کا ارشاد (انی عذت بربی)	۴۰	۲۷
قوم فرعون کا مومن حضرت کلیم کا دفاع کرتا ہے اور انھیں بڑے موثر انداز میں نصیحت کرتا ہے	۴۰	۲۸ تا ۳۵
فرعون کی بے بسی	۴۰	۲۹

	سورہ نمبر	آیت نمبر
فرعون قوم کی توجہ حضرت موسیٰ سے ہٹانے کے لیے ہامان کو ایک بلند مینار تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے	۴۰	۳۷
مومن آلِ فرعون کا دوسرا وعظ	۴۰	۳۸ تا ۴۴
اللہ نے اس مومن کو فرعون کے شر سے بچالیا	۴۰	۴۵
فرعون کی تباہی، فرعونی صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں	۴۰	۴۶
موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا	۴۱	۴۵
نوح علیہ السلام		
حضرت نوح کی فریاد اور اس کی قبولیت	۳۷	۷۵، ۷۶
ان کی اولاد کو باقی رکھا	۳۷	۷۷
ان کا ذکر خیر ہمیشہ ہوتا رہے گا	۳۷	۷۸، ۷۹، ۸۰
ان کے مخالفوں کو غرق کر دیا	۳۷	۸۱
آپ کی قوم بھی نافرمان تھی	۵۱	۴۶
ہود علیہ السلام		
حضرت ہود کی قوم عاد کے حالات، احقاف کا محلِ وقوع	۴۶	۲۱ تا ۲۶
قوم کا آپ پر الزام کہ تم ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو	۴۶	۲۲
ہم نے عاد کو زمین میں قوت بخشی تھی انہیں کان، آنکھیں اور دل دیئے لیکن سب بے سود	۴۶	۲۶

	سورہ نمبر	آیت نمبر
ان کی بربادی	۴۶	۲۴، ۲۵
آپ کی قوم عاد پر جھکڑ کا چلنا اور ان کا ملیامیٹ ہو جانا	۵۱	۴۱، ۴۲
" " " " " " " " " " " "	۴۱	۱۵، ۱۶
یونس علیہ السلام		
حضرت یونس رسولوں میں سے ہیں	۳۷	۱۳۹
آپ کا اپنی قوم سے بھاگ جانا	۳۷	۱۴۰
مچھلی کا آپ کو نگل جانا	۳۷	۱۴۲
پھر اس کا ساحل پر آپ کو اگل دینا وغیرہ حالات	۳۷	۱۴۵ تا ۱۴۸
پھر قوم کے پاس واپسی اور ان کا ایمان	۳۷	۱۴۷، ۱۴۸
بعض دوسری قومیں		
قوم سبا کے حالات، ان کا آب پاشی کا بہترین نظام، ان کے ملک کی زرخیزی ان کی نافرمانی، سیل عرم اور ان کی بربادی	۳۴	۱۵، ۱۶، ۱۷ بمعہ حواشی
ان کی خوشحالی کے دور میں سڑکیں آباد تھیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرائیں	۳۴	۱۸
ان کی ناشکری اور تباہی	۳۴	۱۹
ابلیس نے اپنا ظن سچ کر دکھایا	۳۴	۲۰
اصحاب القریہ کے پاس رسولوں کا آنا	۳۶	۱۳ تا ۱۹
ان کا ایمان لانے سے انکار، رسولوں پر الزام تراشی		

	سورہ نمبر	آیت نمبر
ایک مردِ مومن کی آمد اس کا اظہارِ ایمان	۳۶	۲۰
پیغمبروں کی اطاعت کی تلقین	۳۶	۲۱
اپنے مومن ہونے کی وجہ	۳۶	۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵
اس کی شہادت، بارگاہِ الٰہی میں اس کی مقبولیت	۳۶	۲۶، ۲۷
اصحابِ قریہ کی بربادی (تفصیلی جائزہ)	۳۶	۲۹
قومِ تبع، ایک تبع کا مسلمان ہونا اور حضورؐ کی خدمت میں شفاعت کے لیے عریضہ لکھنا	۴۴	۳۷
انسان اور اس کی عظمت کا قرآنی تصور		
انسان کے سینے میں صرف ایک ہی دل ہے (اس کی حکمت)	۳۳	۴
آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے امانت کو نہ اٹھایا انسان نے اٹھا لیا	۳۳	۷۲
اس کی حکمت	۳۳	۷۳
دستکاری میں کوئی عیب نہیں، جو کام کرو بڑی ہنرمندی سے کرو۔	۳۴	۱۱ مع حاشیہ
ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں بازپرس ہوگی	۳۴	۲۵
سب منکرین کو غور و فکر کی دعوت۔ دو دو مل کر یا اکیلے اکیلے کھڑے ہو کر سوچو کیا یہ نبی کریم مجنون ہے	۳۴	۴۶

	سورہ نمبر	آیت نمبر
عملِ صالح انسان کو بلند کرتا ہے	۳۵	۱۰
تخلیقِ انسان	۳۵	۱۱
کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا	۳۵	۳۸
جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنا بھلا	۳۵	۱۸
کرتا ہے	۳۵	۱۸
اندھا اور بینا، ظلمت اور نور، سایہ اور دھوپ برابر نہیں	۳۵	۱۹
زندہ اور مردے برابر نہیں	۳۵	۲۰
اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں، علم کی حقیقت	۳۵	۲۸ مع حاشیہ
انسان کی تخلیق ایک بوند پانی سے اور پھر وہ سرکشی کرتا ہے، زمین، آسمان اور مافیہا کو عبث پیدا نہیں کیا گیا۔	۳۸	۲۷
کیا ہم نیکوں اور بدکاروں کو، پرہیزگاروں اور فاجروں کو ایک جیسا بنا دیں گے۔	۳۸	۲۸
میں نے انسان کو درست کیا، اس میں اپنی روح پھونکی، اے فرشتو اسے سجدہ کرو	۳۸	۷۲
شیطان کا اعتراف، میں تیرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا	۳۸	۸۲، ۸۳
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ناشکری کو پسند نہیں کرتا اور شکر کو پسند کرتا ہے۔ (مشیت اور رضا میں فرق)	۳۹	۷
کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا	۳۹	۷
تکلیف کے وقت انسان فریاد کرتا ہے اور نعمت کے وقت شرک کرنے لگتا ہے	۳۹	۴۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اَوامر		
اللہ پر توکل کرو	۳۳	۳
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچ بات کہا کرو	۳۳	۷۰
اپنے رب سے ڈرتے رہو	۳۹	۱۰
دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرو	۳۹	۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۹	۱۱، ۱۳، ۱۴
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے ایمان لاؤں	۳۹	۱۲
موت سے پہلے اپنے رب کا حکم مانو	۴۲	۴۷
اہل ایمان کو کفار سے درگزر کرتے رہنے کا حکم	۴۵	۱۴
شریعت کی پابندی کا حکم، اللہ تمہارا مددگار ہوگا	۴۵	۱۸، ۱۹
ماں باپ کی خدمت اور حسن سلوک	۴۶	۱۴، ۱۵
کافر اولاد کا اپنے والدین سے سلوک	۴۶	۱۷
اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر فرمایئے	۴۶	۳۵
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم	۴۷	۳۸
مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں	۴۹	۹
تو صلح کرا دو	۴۹	۹
جو زیادتی کرے اس کے ساتھ سب لڑو	۴۹	۹
صلح عدل و انصاف سے کراؤ	۴۹	۹
اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے	۴۹	۱۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
باہمی مصالحت کی فضیلت	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۹
سوء ظن سے بچو بعض ظن گناہ ہیں	۴۹	۱۲
اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ (فرار کا مفہوم)	۵۱	۵۰
بنی اسرائیل		
قوم نے حضرت کلیم پر الزام لگایا اللہ نے انھیں بلند کر دیا	۳۳	۶۹
قوم کا آپ کے ساتھ معاندانہ برتاؤ بحوالہ بائیبل	۳۳	حاشیہ ۶۹
انھیں غلامی سے نجات دی	۳۷	۱۱۵، ۱۱۶
بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ	۴۴	۱۷، ۱۸
مصر سے ہجرت کا حکم	۴۴	۲۳، ۲۴
ہم نے بنی اسرائیل کو متکبر فرعون سے نجات دی	۴۴	۳۰، ۳۱، ۳۲
بنی اسرائیل کو چن لیا	۴۴	۳۳
بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت بخشی اور عالمین پر فضیلت دی	۴۵	۱۶
ان کا باہمی اختلاف وابستہ تھا اس کی وجہ بغیاً بینہم	۴۵	۱۷
جبر و قدر		
اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۳۵	۸
ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے	۳۶	۷ تا ۱۰
اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک امت بنا دیتا	۴۲	۸

	سورہ نمبر	آیت نمبر
کتاب ہے یہ میرے علم کی برکت سے۔	۳۹	۴۹
شب بیدار، ہر وقت ڈرنے والا اُس کی رحمت کا اُمیدوار اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔	۳۹	۹
جو اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں وُہی ہدایت میں ہیں، وُہی دانشمند ہیں۔	۳۹	۱۸
جس کا سینہ وُہ اسلام کے لیے کھول دے تو وُہ نورِ ہدایت پر ہے۔	۳۹	۲۲
جو ہدایت قبول کرتا ہے وُہ اپنا بھلا کرتا ہے۔	۳۹	۴۱
جو گمراہ ہوتا ہے وُہ اپنا نقصان کرتا ہے	۳۹	۴۱
اب فرصت ہے اچھے قول کی پیروی کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔	۳۹	۵۵تا۵۹
اگر اُسے راحت پہنچے تو پھولے نہیں سماتا تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے	۴۲	۴۸
زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارے لیے مسخر کر دی	۴۵	۱۲، ۱۳
اہلِ فکر کے لیے اس میں نشانیاں ہیں	۴۵	۱۳
جو اچھا عمل کرتا ہے وُہ اپنے لیے کرتا ہے جو بُرا کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے	۴۵	۱۴
بدکاروں اور نیکوں کی زندگی اور موت یکساں نہیں	۴۵	۲۱
کیا راہِ ہدایت کا متلاشی اور اعمالِ بد پر فریفتہ اور خواہشات کا غلام یکساں ہیں	۴۷	۱۴

	سورہ نمبر	آیت نمبر
ایک دُوسرے کا تمسخر مت اُڑاؤ	۴۹	۱۱
عیب نہ لگاؤ اور بُرے نام نہ دھرو	۴۹	۱۱
مسلمان ہو کر فاسق کہلانا بہت بُرا ہے	۴۹	۱۱
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	۴۹	۱۳
ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (قرب کی حقیقت)	۵۰	۱۶
اس کے دائیں بائیں کاتب تیار بیٹھے ہیں	۵۰	۱۷، ۱۸
قلب بینا اور کان لگا کر سُننے والے کے لیے یہ تذکرہ ہے	۵۰	۳۷
انس و جان کی تخلیق عبادت کے لیے ہے	۵۱	۵۶
ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہوگا	۵۲	۲۱
اندھا اور بینا، مومن صالح اور فاسق برابر نہیں ہیں	۴۰	۵۸
جو اچھا کام کرتا ہے اس میں اس کا اپنا بھلا ہے	۴۱	۴۶
جو بُرا کام کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہوگا۔	۴۱	۴۶
انسان بھلائی کی دُعا کرنے سے نہیں تھکتا۔ اگر اُسے تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے	۴۱	۴۹
جب خوشحال ہوتا ہے تو اس کا ردِ عمل	۴۱	۵۰
رنج و مسرت میں انسان کی حالت	۴۱	۵۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
سلام کہنے کا حکم اور اُن کا جواب دینا	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۲۲
کفار کو ناکام واپس لوٹا دیا اہل ایمان کو جنگ کے بغیر فتح عطا فرمائی	۳۳	۲۵

بنی قریظہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اس یہودی قبیلے کا محاصرہ، ان کا قلع قمع، تفصیلی جائزہ	۳۳	۲۶
جنگ کے بغیر	۳۳	۲۶ مع حاشیہ
جنگ کل	۳۳	۲۷ کا حاشیہ
دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلو تو اُن کی گردنیں اڑا دو	۴۷	۴
اسیرانِ جنگ کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے (تفصیلی بحث)	۴۷	۴ مع حواشی
شہداء کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے ان پر انعامات	۴۷	۴، ۵، ۶

جہاد

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا	۴۷	۷
ہمت مت ہارو، صلح کی پیش کش مت کرو، تم ہی سربلند ہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے	۴۷	۳۵
جنگجو قوم سے جہاد کرنے کی دعوت	۴۸	۱۶
وہ کون لوگ تھے مسیلمہ کذاب کی قوم ان سے جہاد کی تفصیل	۴۸	۱۶
معذوروں پر جہاد فرض نہیں	۴۸	۱۷

غزوہ خیبر

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اس کے محرکات، خیبر کا علاقہ دو حصوں میں منقسم تھا دونوں حصوں میں بہت سے مستحکم قلعے تھے، ان قلعوں کو فتح کرنے کے تفصیلی حالات، ذوالفقار حیدری نے مرحب کو دو لخت کر کے جزیرۂ عرب میں یہودیت کا خاتمہ کر دیا تفصیلی جائزہ	۴۸	تشریح حاشیہ آیت نمبر ۱۹ اور ۲۰
دیگر فتوحات کی بشارتیں	۴۸	۲۱

صلح حدیبیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے جو احسانات مسلمانوں پر فرمائے۔	۴۸	۲۰ تا ۲۴
صلح میں ایک حکمت یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں کئی مومن مرد اور عورتیں تھیں جنہیں تم نہیں پہچانتے تھے	۴۸	۲۵
جنگ کی صورت میں انہیں گزند پہنچنے کا اندیشہ تھا	۴۸	۲۵
اگر کفار مسلمان قیدیوں کو آڑ بنا لیں تو کیا اسلامی لشکر کو حملہ کرنے کی اجازت ہے؟	۴۸	آیت ۲۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
جس کو اللہ گمراہ کر دے اُس کا کوئی راستہ نہیں	۴۲	۴۴
کفار کی بہانہ سازی، اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے۔ جو اپنی خواہش کو خدا بنا لیتا ہے اور علم کے باوجود اللہ اُسے گمراہ کر دیتا ہے تو اُس کے کان اور دل پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۴۵	۲۳
بدقسمت ہی قرآن سے گمراہ ہوتا ہے	۵۱	۹

جہاد

غزوۂ خندق

تفصیلی جائزہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
یہودی قبائل کی اہلِ مکہ کے ساتھ خفیہ ساز باز	۳۳	آیت نمبر ۹ کا حاشیہ و حاشیہ نمبر ۱۶ ملاحظہ ہو
اہلِ مکہ اور قبائلِ عرب کی مدینہ پر یلغار		
خندق کھودنے کی تجویز		
خندق کھودتے وقت رُوح پرور مناظر		
چٹان کو تین ٹکڑے فرما دیا اور ایران، رُوم اور یمن کی فتوحات کی خوشخبری		
شیعہ کتب کے حوالہ سے		
حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہد میں ان بشارتوں کی تکمیل		
شیرِ خدا اور عمرو ابن عبدود کا معرکہ		
بنی قریظہ کی سازش میں شمولیت		
انصار کا کفار کو محاصرہ اٹھانے کے لیے ایک کھجور بھی دینے سے انکار	۳۳	آیت نمبر ۹ کا حاشیہ و حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو
نعیم ابن مسعود کا اسلام اور کفار و یہود میں پھوٹ ڈالنے کا کارنامہ		
آخر میں نصرتِ الٰہی آندھی کی صورت میں نمودار ہوئی		
کفار کے کیمپ میں کھلبلی		
بدحواسی کے عالم میں اُن کا فرار		
کفار کی یلغار کے وقت اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ نے جو انعام فرمایا اُس کو یاد رکھو	۳۳	۹، ۱۰، ۱۱
اُس وقت منافقین کا طرزِ عمل وہ کہتے اللہ اور رسولؐ نے فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکا تھا	۳۳	۱۲
منافقین نے میدانِ جنگ سے کھسکنا شروع کر دیا	۳۳	۱۳، ۱۴
سازشی جو پہلے بڑی ڈینگیں مارتے تھے اب بھاگ رہے ہیں	۳۳	۱۵
یہ فرار تمہیں موت سے نہیں بچا سکتا	۳۳	۱۶، ۱۷
جہاد سے روکنے والوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے	۳۳	۱۸
یہ بخیل اور حریص	۳۳	۱۹
جنگ کے وقت بزدل اور امن کے وقت زبان دراز	۳۳	۱۹
اہلِ ایمان کا جذبۂ ایمان و تسلیم اور خلوص اور ان کی جزا	۳۳	۲۲، ۲۳، ۲۴ مع حواشی
شہداء کے مزارات کی زیارت انہیں	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۲۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
دُعائیں		
حضرت سلیمانؑ کی دُعا رَبِّ اغْفِرْلِیْ	۳۸	۳۵
بڑی پیاری دُعا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ الخ	۳۸	حاشیہ آیت ۴۹
سوتے وقت جو دُعا مانگنی چاہیے	۳۹	حاشیہ آیت ۴۲
گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوتے وقت کی دُعا	۴۳	۱۳، ۱۴ مع حاشیہ
سفر پر روانہ ہوتے وقت کی دُعا	۴۳	آیت ۱۴ کا حاشیہ
رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ الخ بڑی جامع دُعا	۴۶	۱۵
نمازِ تہجد کے بعد کی دُعا	۵۱	۱۷ کا حاشیہ
کسی مجلس سے اُٹھتے وقت کی دُعا	۵۲	حاشیہ آیت ۴۹
رات کو سوتے سوتے آنکھ کھل جائے تو کیا دُعا مانگیں	۵۲	حاشیہ آیت ۴۹
مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا	۴۰	۶۰ مع حاشیہ
شرائطِ قبولیتِ دُعا	۴۰	حاشیہ آیت مذکورہ
جو عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ شرِ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ	۴۰	۶۰
سیاسیات		
شریعتِ نبویؐ کی پابندی کیوں ضروری ہے؟	۴۳	حاشیہ آیت ۹
مومنوں کو جنگ کے لیے نصیحت	۴۳	۲۵
خلیفہ کون ہوتا ہے؟ عدل قائم کرنے اور خواہشِ نفس سے اجتناب کا حکم	۳۸	۲۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
خلیفہ اور بادشاہ میں فرق، حضرت عمرؓ کا اپنے بارے میں استفسار، سربراہِ مملکت کے لیے خلیفہ کا لفظ کیوں پسند کیا گیا	۳۸	حاشیہ آیت ۲۶
اُن کے کام مشورے سے طے ہوتے ہیں (وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ)	۴۲	۳۸
غلامی رُسوا کُن عذاب ہے	۴۴	۳۰
ظالم فرعون سب کچھ چھوڑ کر ہلاک ہو گیا	۴۴	۲۵ تا ۲۸
ظالم کی بربادی پر کوئی آنکھ غمناک نہ ہوئی۔	۴۴	۲۹
ایمان کامل نہ ہو تو برسرِ اقتدار لوگ فتنہ برپا کرتے ہیں اور قطع رحمی شروع کر دیتے ہیں	۴۷	۲۲
شدید ضرورت کے بغیر کفار کو صلح کی پیش کش درست نہیں	۴۷	حاشیہ آیت ۳۵
اگر جہاد میں بخل کرو گے تو اپنے اوپر ظلم کرو گے	۴۷	۳۸
اگر تم اپنے فرائض انجام نہیں دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے گا	۴۷	۳۸
صلحِ حدیبیہ کو فتحِ مبین فرمایا گیا	۴۸	۱
اس کی وجہ، حالات کا تفصیلی جائزہ	۴۸	حواشی آیت نمبر ۱
فاسق کی خبر بغیر تحقیق کے مت مانو ایسا نہ ہو کہ پچھتانا پڑے	۴۹	۶
دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرا دو اور جو زیادتی کرے اُس کے ساتھ سب لڑو	۴۹	۹

	سورہ نمبر	آیت نمبر
سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں	۴۹	۹ مع حاشیہ
باغی گروہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے	۴۹	۹
حضور کا حکم، حضرت علی کا عمل اُن کے زخمیوں اور مقتولوں کے ساتھ برتاؤ	*	حاشیہ آیت نمبر ۹
کیا ظالم حکمران کے ساتھ جنگ جائز ہے	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۹
باغی گروہ کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے	۴۹	. . . . .
حضرت امام حسن کی مصالحت	۴۹	. . . . .
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مخالفین کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مشرک ہیں؟ کیا وہ منافق ہیں؟ آپ کا جواب	۴۹	. . . . .
مسلمان بھائی بھائی ہیں ان میں صلح کراؤ	۴۹	۱۰
فرعونی سیاست جس نے حضرت موسیٰ پر فتنہ و فساد برپا کرنے کا الزام لگایا	۴۰	۲۶
بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر ان پر احسان کیا	۳۷	۱۱۶،۱۱۵
فرعون نے آپ پر ساحر ہونے کا الزام لگایا	۴۳	۴۹ مع حاشیہ
فرعون کا غرور و تکبر	۴۳	۵۳،۵۲،۵۱
حضرت موسیٰ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے	۴۴	۱۸،۱۷
فرعونی سیاست کا انجام تباہی و بربادی	۴۴	۷۵ تا ۷۸
اُن کی تباہی پر کوئی آنکھ بھی اشکبار نہیں ہوئی	۴۴	۲۹
فرعون نے بنی اسرائیل کی کثرت سے ڈر کر اُن کے بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔	۴۰	۲۵

شرک کا بطلان

	سورہ نمبر	آیت نمبر
اُن کے معبود ایک ذرّہ کے بھی مالک نہیں	۳۴	۲۲
بُت گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں	۳۵	۱۳
اللہ کا کوئی شریک نہیں	۳۴	۲۷
نہ وہ پکار سنتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں	۳۵	۱۴
قیامت کے دن اپنے پجاریوں کی پوجا کا انکار کریں گے	۳۵	۱۴
معبودانِ باطل اپنے پرستاروں کے دشمن ہوں گے	۴۶	۶
تمہارے معبودوں نے کیا بنایا ہے؟ دکھاؤ	۳۵	۴۰
باطل معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ دکھاؤ	۴۶	۴
ایک مثال سے شرک کی قباحت	۳۹	۲۹
اگر پوچھا جائے زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے اللہ	۳۹	۳۸
اگر اُن سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے عزیز و علیم نے	۴۳	۹
اگر اُن سے پوچھا جائے کہ اُنھیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے اللہ نے	۴۳	۸۷
نہ وہ تکلیف دُور کر سکیں نہ وہ انعام روک سکیں	۳۹	۳۸
تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کر رہا ہوں پھر دیکھو عذاب کس پر آتا ہے	۳۹	۴۰
اے جاہلو کیا تم غیر خدا کی عبادت کا مجھے	۳۹	۶۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
حکم دیتے ہو۔	۳۹	۶۴
حالانکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ شرک سے سارے عمل برباد ہو جاتے ہیں	۳۹	۶۵
اُن کے شریکوں نے کس کثرت دین کی اجازت اللہ نے نہیں دی	۴۲	۲۱
ظالموں کے لیے عذاب الیم ہے	۔۔	۔۔
ظالم اپنے کرتوتوں کے باعث لرزاں ہوں گے	۴۲	۲۲
گزشتہ رسولوں سے پوچھو کیا اللہ نے کوئی اور خدا بنائے	۴۳	۴۵
اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہو تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرنے والا ہوں۔	۴۳	۸۱
تمہارے معبودوں کو شفاعت کا حق نہیں	۴۳	۸۶
غیر اللہ کو خدا سمجھ کر پکارنے والا بڑا گمراہ ہے	۴۶	۵
جب عذاب آیا تو بتوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی	۴۶	۸
اللہ کے ساتھ کسی غیر کو خدا نہ بناؤ	۵۱	۵۱
غیر خدا کی عبادت سے مجھے منع کیا گیا ہے	۴۰	۶۶
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اُس کی عبادت کرو	۴۰	۶۶

شریعت

(الف) شریعت کی خصوصیات۔

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
خطا سے غلطی سرزد ہو تو مواخذہ نہیں، دانستہ پر مواخذہ ہے	۳۳	۵
یہ شریعت ایسے نبی کی ہے جو اولیٰ بالمؤمنین ہے	۳۳	۶ مع حاشیہ
شریعت میں حیلہ کا حکم	۳۸	حاشیہ آیت نمبر ۴۴
جس چیز کا اصل ثابت ہو اُس کی پابندی سے وہ بدعت نہیں بن جاتی	۴۸	حاشیہ آیت نمبر ۲۹

عبادات

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کثرت ذکر کا حکم	۳۳	۴۱
صبح و شام اُس کی تسبیح کرو	۳۳	۴۲
متقی رات کو بہت کم سوتے ہیں	۵۱	۱۷
وہ سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں	۵۱	۱۸
طلوعِ شمس اور غروبِ شمس سے پہلے تسبیح و تحمید کا حکم	۵۰	۳۹
رات کے وقت تسبیح کا حکم	۵۰	۴۰
میری عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے	۳۶	۶۱
جو عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوں گے اور وہ دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے	۴۰	۶۰
ازواج مطہرات کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم	۳۳	۳۳

نماز، زکوٰۃ و صدقات

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ازواج مطہرات کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم	۳۳	۳۳
اُس کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ اس	۳۴	۳۹

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کا معاوضہ تمہیں دے گا	۳۴	۳۹
جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں، ظاہر اور پوشیدہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اُن کی تجارت میں گھاٹا نہیں۔	۳۵	۲۹
کافروں کو اگر خرچ کرنے کے بارے میں کہا جائے تو کہتے ہیں جن کو خدا نے نہیں دیا ہم انھیں کیوں دیں	۳۶	۴۷
اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔	۵۱	۱۹
پردہ کے احکام		
عورت کے عنوان کے نیچے ملاحظہ فرمائیے		
حلال و حرام		
عورتوں کے لیے ریشم اور سونا حلال ہے	۴۳	۱۸
دیگر شرعی احکام		
متبنّٰی کے بارے میں زمانہ جاہلیت کا رواج جس میں قرآنی اصلاح	۳۳	۴، ۵
ہر شخص کی نسبت اُس کے باپ کی طرف کرو	۳۳	۵
اولوا الارحام بعض بعض سے مقدم ہیں۔	۳۳	۶
ماں باپ سے حسنِ سلوک	۴۶	۱۵ مع حاشیہ

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
شیطان		
شیطان نے قوم سبا کو گمراہ کرنے کا دعوٰی پورا کر دیا	۳۴	۲۰
شیطان کو لوگوں پر قابو حاصل نہیں ہوتا۔ وہ محض انھیں بہلاتا ہے اور یہ پھسل جاتے ہیں	۳۴	۲۱
شیطان تمہارا دشمن ہے اُسے دشمن ہی سمجھا کرو	۳۵	۶
وہ اپنے گروہ کو جہنمی بنانے کے درپے رہتا ہے	۳۵	۶
شیطانوں کی شہاب ثاقب سے خبر لی جاتی ہے۔ وہ ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے۔	۳۷	۶ تا ۱۰
شیطان کا سجدہ نہ کرنا دربارِ رحمت سے راندہ جانا و اللہ سے مہلت طلب کرنا مہلت کا مل جانا اس کا چیلنج	۳۸	۷۱ تا ۸۵
شیطان تمہارا دشمن ہے تمہیں راہِ حق سے روک نہ دے۔	۴۳	۶۲
ہم نے بنی آدم کو تاکید کی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے	۳۶	۶۰
اُس نے بڑی قوموں کو گمراہ کیا	۳۶	۶۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
بدکاروں پر ہم نے بُرے ساتھی مسلط کر دیئے۔ قرینوالہٗ	۴۱	۲۵
وہ انھیں سیدھے راستے سے روکتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ خیال کرتے ہیں	۴۳	۳۷
شیطان فریب دیتا ہے اور لمبی زندگی کی آس دلا کر گمراہ کر دیتا ہے	۴۷	۲۵
جو رحمان کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم شیطان کو اس کا ساتھی مقرر کر دیتے ہیں	۴۳	۳۶
صحابہؓ کرام اور اُمّتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم		
حضرت زیدؓ کے فراق میں اُن کے والد حارثؓ کی بے تابی۔ پُر درد اشعار، ان کا مل جانا، آپ کا باپ کو چھوڑ کر حضورؐ کو اختیار کرنا	۳۳	۵ مع حاشیہ
غزوۂ خندق کے وقت صحابہؓ کا جذبۂ ایمان و تسلیم اور بڑھ گیا	۳۳	۲۲
ان جوانمردوں نے جان دے کر اپنی نذر پوری کر دی بعض منتظر ہیں	۳۳	۲۳
صحابہ کرام کی جانفروشیوں کے مناظر	۳۳	۲۳ کا حاشیہ
شیخینؓ کے ایمان کی دلیل	۳۳	آیت ۲۳ کا حاشیہ
حضرت سواد ابن قارب کا ایمان لانا اور قصیدہ پیش کرنا	۴۶	آیت ۲۹ کا حاشیہ
اُن کے گناہ مٹا دیئے گئے۔ ان کے حالات سنوار دیئے گئے	۴۷	۲
صلح حدیبیہ سے صحابہ کے دلوں کو تسکین اور قوت ایمان میں اضافہ	۴۸	۴
صحابہؓ پر مزید عنایات تکفیر سیّئات	۴۸	۵
بیعت رضوان کا پس منظر	۴۸	۱۰
شیعہ کتب سے بیعت رضوان کرنے والوں کے فضائل	۴۸	حاشیہ آیت ۱۰
صحابہ کرامؓ کا جذبۂ سرفروشی اور رضائے الٰہی کا تاج رضی اللہ عنہم	۴۸	۱۸
صحابہؓ کے مومن برحق ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی	۴۸	۱۸
دیگر بشارتیں	۴۸	۱۸، ۱۹
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اس کے غلاموں پر سکینہ اُتارا	۴۸	۲۶ مع حاشیہ
اور انھیں مستحق بنایا (والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا)	۴۸	۲۶ مع حاشیہ
صحابہ کرامؓ کے خصائل حمیدہ: حضورؐ کی ہمراہی، کفار پر سخت، آپس میں رحیم و شفیق، بکثرت رکوع و سجود کرنے والے، فضل الٰہی کے متلاشی، چہروں پر نور عبادت، تورات اور انجیل میں اُن کی مثالیں	۴۸	۲۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کفار اسلام کے باغ کو سرسبز دیکھ کر غصّہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں	٤٨	٢٩
منافقوں کے غصّہ سے صحابہؓ کے ایمان؟ شیعہ کا اعتراض اور ان کی کتب سے اس کا رد	٤٨	آیت ٢٩ کا حاشیہ
احادیث میں صحابہؓ کی شان اور ان کے گستاخوں پر اللہ کی پھٹکار	٤٨	آیت ٢٩ کا حاشیہ
بارگاہِ رسالت میں صحابہؓ کا ادب	٤٩	حاشیہ آیت ٢
اُستاد کا ادب و احترام	٤٩	حاشیہ آیت ٤
اللہ تعالیٰ نے ایمان کو صحابہ کرامؓ کے دلوں میں محبوب اور مزین کر دیا اور کفر و فسق کو مکروہ بنا دیا	٤٩	٧
یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں (اولٰئک ھم الراشدون)	٤٩	٧
یہ اللہ کا ان پر فضل و انعام ہے	٤٩	٨
حضرت فاروق اعظمؓ کا اپنے ایک دوست کو نصیحت آموز خط	٥٠	حاشیہ آیت ٣٧
انبیاء، شہداء اور اولیاء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی	٥٠	حاشیہ آیت ٤
عمل صالح		
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک	٤٦	١٥
ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق درجات پر فائز کیا جاتا ہے	٤٦	١٩
جو عمل صالح کرتا ہے اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے حالات درست کر دیئے جاتے ہیں	٤٧	٢
حسن عمل کا نور حبشی کے چہرے کو بھی رشک ماہ بنا دیتا ہے	٤٨	حاشیہ آیت ٢٩
نیک مومن کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	٤١	٨
عورت		
ظہار کی تشریح اور اس کے احکام	٣٣	٤ مع حاشیہ
متبنّٰی کے بارے میں کفار کا رواج اور قرآنی اصلاح	٣٣	٤،٥
متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کی اجازت	٣٣	٤،٥
پردے کا حکم	٣٣	٣٣
آرائش کی نمائش کی ممانعت	٣٣	٣٣
مومن عورت کی صفات	٣٣	٣٥
حضورؐ کے متبنّٰی زیدؓ کی طلاق کے بعد حضرت زینبؓ سے حضورؐ کا نکاح	٣٣	٣٧
اس واقعہ کے بارے میں قدیم و جدید معاندین کے شکوک و شبہات اور ان کا ازالہ	٣٣	حاشیہ آیت ٣٧
غیر مدخولہ کو طلاق ہو تو اس پر عدت نہیں	٣٣	٤٩
اس کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرنے کا حکم	٣٣	٤٩
کون سے مرد محرم ہیں جو عورت کے پاس آجا سکتے ہیں	٣٣	٥٥
پردے کے مفصل احکام اور اس کی حکمت	٣٣	٥٩

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
بے پردگی کی سخت ممانعت (احادیث)	۳۳	حاشیہ آیت ۵۹
عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال ہے	۴۳	۱۸
ماں کا ادب اور حسن سلوک	۴۶	۱۵ حاشیہ
دودھ پلانے کی مدت	۴۶	۱۵
حمل کی مدت	۴۶	۱۵
قرآن کریم		
یہ کتاب بذریعہ وحی آپ کو عطا فرمائی گئی ہے	۳۵	۳۱
یہ کتاب حق ہے	۳۵	۳۱
اپنے جن بندوں کو وہ چن لیتا ہے ان کو اپنی کتاب کا وارث بنا لیتا ہے	۳۵	۳۲
بعض لوگ ظالم ہیں، بعض متوسط، بعض نیکیوں میں آگے بڑھنے والے۔ یہی فضل کبیر ہے	۳۵	۳۲
یہ کتاب عزیز و رحیم نے نازل کی ہے	۳۶	۵
تاکہ غافلوں کو ڈرایا جائے	۳۶	۶
قرآن زندوں کو ہدایت دیتا ہے	۳۶	۶۹، ۷۰
ہم نے آپ پر مبارک کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس میں تدبر کریں اور نصیحت پکڑیں۔	۳۸	۳۰
قرآن نصیحت ہے	۳۸	۲۹
یہ سب جہانوں کے لیے نصیحت ہے	۳۸	۸۷
یہ عزیز و حکیم خدا نے نازل کی ہے	۳۹	۱
ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا ہے	۳۹	۲
یہ محض کلام اللہ نے نازل کیا ہے	۳۹	۲۳
قرآن میں ہر قسم کی مثالیں ہیں	۳۹	۲۷
یہ عربی زبان میں ہے۔ اس میں ذرا کجی نہیں	۳۹	۲۸
ہم نے آپ پر قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا	۳۹	۴۱
یہ قرآن عربی میں ہم نے آپ پر نازل کیا ہے	۴۲	۷
قرآن کو اللہ نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے	۴۲	۱۷
ہم نے انہیں سمجھانے کے لیے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے	۴۲	۳،۲
قرآن لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ وہ ہمارے نزدیک اعلیٰ اور پر از حکمت ہے	۴۳	۴
کفار کا اعتراض، مکہ اور طائف کے کسی رئیس پر کیوں نازل نہ ہوا اور اس کا رد	۴۳	۳۱
کیا رب کی رحمت وہ بانٹنے والے ہیں	۴۳	۳۲
قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے وجہ عزت و شرف ہے	۴۳	۴۴
ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل فرمایا	۴۴	۲ تا ۵
اس سے مراد کونسی رات ہے۔ شعبان کی رات کے فضائل۔ گنبد خضرا عرش سے افضل ہے	۴۴	حواشی آیات مذکورہ
یہ کتاب عزیز و حکیم نے نازل کی ہے	۴۵	۲
" " " " " " " "	۴۶	۲
قرآن بصائر، ہدایت اور رحمت ہے	۴۵	۲۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قرآن کو رسولؐ نے نہیں گھڑا	۴۶	۸
قرآن کتبِ سابقہ کا مصدق، محسنین کے لیے مژدہ اور بدکاروں کے لیے تنبیہ ہے	۴۶	۱۲
قرآن اگر خدا کا کلام نہیں تو اس جیسا بنا کر دکھاؤ	۵۲	۳۳، ۳۴
یہ کتاب عزیز و علیم کی نازل کردہ ہے	۴۰	۲
یہ رحمٰن و رحیم کی نازل کردہ ہے	۴۱	۲
یہ عزیز و حکیم نے نازل کی ہے	۴۵	۲
" " " " " "	۴۶	۲
یہ عزیز و رحیم نے نازل کی ہے	۳۶	۵
یہ عزیز و حکیم خدا نے نازل کی ہے	۳۹	۱
یہ حکیم و حمید نے نازل کی ہے	۴۱	۴۲
اس کی آیتیں مفصل ہیں	۴۱	۳
یہ بشیر و نذیر ہے	۴۱	۴
جو اس میں تحریف کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں، انھیں سزا ملے گی	۴۱	۴۰
باطل اس کے نزدیک نہ آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور شفاء ہے	۴۱	۴۲
کفار کے لیے یہ مشتبہ ہے	۴۱	۴۴
دیگر آسمانی کتب		
انجیل۔ یہ کتاب منیر ہے	۳۵	۲۵
تورات۔ یہ ہدایت اور نصیحت ہے (ھدیٰ و ذکریٰ)	۴۰	۵۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
یہ الہام و رحمت ہے	۴۶	۱۲
قیامت		
قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے	۳۳	۶۳
قیامت کب آئے گی۔ احادیث سے اس کی تفصیل	۳۶	۴۸ تا ۵۰ مع حاشیہ
قیامت ضرور آئے گی	۳۴	۳
قیامت یقیناً آئے گی	۴۰	۵۹
اس کی حکمت	۳۴	۴
انکارِ قیامت	۳۴	۷
دلیلِ قیامت		
مُردہ زمین کو زندہ کرنا کذٰلک النشور	۳۵	۹
جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کے پاس جانے لگیں گے	۳۶	۵۱
اُس وقت چلائیں گے	۳۶	۵۲
اُس روز کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا	۳۶	۵۴
بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے پیدا فرمایا	۳۶	۷۸، ۷۹
دلائلِ قیامت	۳۶	۸۰، ۸۱
اس کی قدرتِ قاہرہ	۳۶	۸۲، ۸۳
صور پھونکا جائے گا سب غش کھا کر گر پڑیں گے سوائے ماشاء اللہ	۳۹	۶۸، ۶۹
منظرِ قیامت، دفترِ عمل، نبی اور گواہ	۳۹	۶۹، ۷۰

	سورہ نمبر	آیت نمبر
پیش ہوں گے انصاف سے فیصلہ ہوگا	۳۹	۶۹-۷۰
قیامت کے روز سب کو بدلہ ملے گا، ظلم نہیں ہوگا	۴۰	۱۷
مارے خوف کے دل گلے میں اٹک رہے ہوں گے	۴۰	۱۸
اُس روز ظالموں کا کوئی دوست اور شفیع نہیں ہوگا	۴۰	۱۸
کفار کہتے ہیں بس یہی زندگی ہے حشر نہیں ہوگا	۴۴	۳۴تا۳۶
روزِ قیامت سب جمع ہوں گے	۴۴	۴۰
جن بندوں پر اللہ نے رحم فرمایا ہے ان کے سوا کوئی دوست کام نہیں آئے گا	۴۴	۴۲
انکارِ قیامت، ہمارے باپوں کو زندہ کردکھا	۴۵	۲۵
اس کا رد	۴۵	۲۶
روزِ قیامت باطل پرست خسارے میں ہوں گے	۴۵	۲۷
ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہوگی اور اُسے اپنے دفترِ عمل کی طرف بُلایا جائے گا	۴۵	۲۸،۲۹
انکارِ قیامت	۴۵	۳۲
ان کا انجام	۴۵	۳۳
روزِ قیامت انھیں فراموش کردیا جائے گا	۴۵	۳۴
قیامت کی نشانیاں	۴۷	حاشیہ آیت ۱۸
انکارِ قیامت اور اس کا رد	۵۰	۳-۴
دلیلِ قیامت	۵۰	۱۱
منظرِ قیامت	۵۰	۲۰،۲۱،۲۲

	سورہ نمبر	آیت نمبر
منظرِ قیامت	۵۲	۹-۱۰
قیامت کے روز مکذبین کی حالت	۵۲	۱۱تا۱۶

کفار و مشرکین

	سورہ نمبر	آیت نمبر
غزوۂ خندق سے لشکرِ کفار کی ناکام واپسی	۳۳	۲۵
کفار پر لعنت اور ان کے لیے بھڑکتی آگ	۳۳	۶۴
اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا	۳۳	۶۵
آگ میں ڈالے جائیں گے، کہیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی	۳۳	۶۶
کہیں گے ہمارے لیڈروں نے ہمیں گمراہ کیا انھیں دوگنا عذاب دیا جائے	۳۳	۶۷-۶۸
جو ہماری آیات کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دینا چاہتے ہیں انھیں عذابِ الیم	۳۴	۵
کفار کے معبود ایک ذرّہ کے مالک نہیں اور نہ زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے	۳۴	۲۲
اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکے گا	۳۴	۲۳
کفار کا قیامت کے بارے میں سوال کہ وہ کب ہوگی۔ ان کا جواب	۳۴	۲۹-۳۰
کفار کا قرآن کو ماننے سے انکار	۳۴	۳۱
قیامت کے دن ان کی حالتِ زار	۳۴	۳۱
سرداروں اور ماتحتوں کا باہمی تکرار	۳۴	۳۱،۳۲،۳۳
مترفین نے انبیاء کا انکار کیا کیونکہ ان	۳۴	۳۴-۳۵

	سورہ نمبر	آیت نمبر
کے پاس مال و اولاد انبیاء سے زیادہ ہے	۳۴	۳۵-۳۴
ان کے اس شبہ کا رد	۳۴	۳۶
اموال و اولاد قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں	۳۴	۳۷
اُن کا عقیدہ		
انکار قیامت	۳۴	۳
منکرین کو عذاب اور ضلال بعید	۳۴	۸-۷
کفار ملائکہ کی نہیں بلکہ جنات کی پوجا کرتے ہیں	۳۴	۴۱-۴۰
کفار کسی کو نفع و ضرر نہ پہنچا سکیں گے	۳۴	۴۲
بارگاہِ رسالت میں کفار کی گستاخی یہ نبی اپنے آباء کے دین سے روکتا ہے یہ کلام خود گھڑتا ہے۔ سحر مبین	۳۴	۴۴-۴۳
پہلے کفار نے بھی ایسا ہی کیا اور برباد ہوئے	۳۴	۴۵
ان کو غور و فکر کی دعوت	۳۴	۴۶
روزِ قیامت کفار کی حالت	۳۴	۵۱ تا ۵۴
کفار نے آپ سے پہلے انبیاء کی تکذیب کی	۳۵	۴
کفار کے لیے اُن کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے	۳۵	۸
کفار مکر کرتے ہیں لیکن اُن کا مکر تباہ ہو کر رہے گا	۳۵	۱۰
کفار نے اپنے انبیاء کا پہلے بھی انکار کیا اور تباہ ہوئے	۳۵	۲۶-۲۵

	سورہ نمبر	آیت نمبر
اُن کا حالِ زار۔ نہ موت آئے گی نہ عذاب میں تخفیف	۳۵	۳۷-۳۶
جھوٹا اور بدکار آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑاتا ہے اس کا انجام	۴۵	۷ تا ۱۱
اللہ کی آیتوں میں کفار ہی جھگڑا کرتے ہیں	۴۰	۴
ان کی آمد و رفت، جاہ و جلال انھیں دھوکہ میں نہ ڈالے	۴۰	۴
پہلے کفار کا بھی یہی وتیرہ تھا ان کا انجام	۴۰	۶-۵
روزِ حشر کفار کو سرزنش	۴۰	۱۰
اُن کا اعترافِ جرم۔ اظہارِ ندامت	۴۰	۱۲-۱۱
پہلی کافر قومیں طاقت اور آبادی میں ان سے زیادہ تھیں لیکن برباد ہو گئیں	۴۰	۲۲-۲۱
اس کی وجہ	۴۰	۸۴-۸۳-۸۲
فرعونی غرق ہوئے۔ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ قیامت کے روز اشد العذاب میں داخل کیے جائیں گے	۴۰	۴۶
دوزخ میں اُن کا آپس میں تکرار	۴۰	۴۸-۴۷
دوزخ کے داروغوں کی منت سماجت اور اُن کا جواب	۴۰	۵۰-۴۹
موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی	۴۰	۵۳
ایسی کتاب دی جو ہدیً و ذکریٰ لأولی الالباب ہے	۴۰	۵۴
کفار محض ہوسِ اقتدار کے لیے ایمان نہیں لاتے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے	۴۰	۵۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ کی کتاب اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کا ہولناک انجام	۴۰	۶۹ تا ۷۶
حالتِ یاس میں ایمان منظور نہیں	۴۰	۸۵
کفار کہتے ہیں، قلوبنا فی اکنۃ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے	۴۱	۵
مشرکین جو زکوٰۃ نہیں دیتے ان کے لیے ہلاکت ہے	۴۱	۶ تا ۷
وہ کہتے اللہ چاہتا تو فرشتے ہماری طرف رسول بنا کر بھیجتا	۴۱	۱۴
عقبہ کی ہٹ دھرمی	۴۱	۱۳ مع خلاصہ
قومِ عاد نے ناحق تکبر کیا اور ہلاک ہوگئے	۴۱	۱۵
قومِ ثمود نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا	۴۱	۱۷-۱۸
روزِ حشر کفار گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے	۴۱	۱۵
اُن کے کان، آنکھیں اور جلود یا چمڑے اُن کے خلاف گواہی دیں گے	۴۱	۲۰ تا ۲۲
قرآن مت سنو، اس میں شور مچاؤ	۴۱	۲۶
انکارِ آیات کی سزا	۴۱	۲۷-۲۸
کفار اُن لوگوں کو رگیدنا چاہیں گے جنہوں نے اُنھیں گمراہ کیا	۴۱	۲۹
جھوٹا اور بدکار آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑاتا ہے اس کا انجام	۴۵	۷ تا ۱۱
جو اپنی خواہش کو اپنا خدا بناتا ہے اور جان بوجھ کر گمراہ ہوتا ہے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۴۵	۲۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وہ صرف دُنیوی زندگی کے قائل ہیں کہتے ہیں ہمیں دہر ہلاک کر دے	۴۵	۲۴
کفار قرآن کو سحر کہتے ہیں	۴۶	۷
کفار کہتے اگر یہ دین سچا ہوتا تو یہ لوگ اسے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے	۴۶	۱۱
روزِ حشر کفار کو کہا جائے گا جو اچھے عُمدہ کام تم نے کیے اُن کا اجر تم دُنیوی زندگی میں لے چکے ہو	۴۶	۲۰
کفار نہ خود حق قبول کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں	۴۷	۱
کفار کی بربادی	۴۷	۱۰
کفار عیش و عشرت اور ڈنگروں کی طرح کھانے میں مصروف ہیں	۴۷	۱۲
کفر کی حالت میں مرنے والوں کی بخشش نہیں ہوگی	۴۷	۳۴
کفار کے دلوں میں حمیتِ جاہلیہ	۴۸	۲۶
اُنھیں یہ اعتراض ہے کہ رسول ان میں سے کیوں آیا	۵۰	۲
کفار خیر سے منع کرنے والے، حد سے بڑھنے والے، شک میں گرفتار وغیرہ	۵۰	۲۵،۲۶
قرآن کریم کے بارے میں کفار کا باہمی اختلاف	۵۱	۷-۸
قیامت کا انکار اور عذاب	۵۱	۱۱ تا ۱۴
وہ حضورؐ کو کبھی کاہن کبھی مجنون اور کبھی شاعر کہتے ہیں	۵۲	۲۹-۳۰
یہ اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے	۵۲	۳۵-۳۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کبھی کسی رئیس کو نبی کیوں نہ بنایا	۵۲	۳۷
اللہ کے لیے بچیاں، ان کے لیے بیٹے	۵۲	۳۹
ان کے اطوار		
کفار پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی رسول آیا تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے لیکن جب آیا تو تکبر کرتے گئے	۳۵	۴۲،۴۳
مجرموں کو الگ کر دیا جائے گا۔ ان کو سرزنش	۳۶	۵۹-۶۲
ان کے لبوں پر مہریں، ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے	۳۶	۶۵
اگر ہم چاہتے تو ان کو اندھا کر دیتے، ان کے چہرے مسخ کر دیتے	۳۶	۶۶-۶۷
انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے خدا بنائے	۳۶	۷۴
کہتے بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس کا جواب	۳۶	۷۹
نصیحت قبول نہیں کرتے، آیات کا تمسخر اڑاتے ہیں، قرآن کو سحر کہتے ہیں قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا رد	۳۷	۱۲ تا ۱۹
قیامت کے روز ان کی حالت	۳۷	۲۰ تا ۲۶
ایک دوسرے پر الزام تراشی	۳۷	۲۷ تا ۳۴
جب ان کو کہا جاتا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو تکبر کرتے اور کہتے ہم ایک شاعر اور	۳۷	۳۵-۳۶
مجنون کے لیے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں	۳۷	۳۵-۳۶
زقوم کے ذکر پر کفار کا مذاق	۳۷	۶۲ مع حاشیہ
وہ اپنے گمراہ باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہیں	۳۷	۶۹-۷۰
کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے	۳۷	۱۴۹ تا ۱۵۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساحر و کذاب کہتے	۳۸	۴
بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا۔ یہ عجیب و غریب بات ہے	۳۸	۵
اپنے عقیدۂ شرک پر پکا رہنے کی تاکید	۳۸	۶
کہتے عقیدۂ توحید من گھڑت ہے	۳۸	۷
ہم رئیسوں کو چھوڑ کر یتیم عبد المطلب کو نبی بنانے میں کیا تک ہے	۳۸	۸
کیا آپ کے رب کے خزانے وہ بانٹ رہے ہیں	۳۹	۹
پہلی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور تباہ ہوئیں	۳۸	۱۲،۱۳،۱۴
کفار فوری نزول عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں	۳۸	۱۶
سرکشوں کا انجام، دوزخ، کھولتا پانی، پیپ، آپس میں تو تو میں میں	۳۸	۵۵ تا ۶۰، ۶۱
جن کو ہم شریر اور ذلیل (مسلمان) کہا کرتے تھے وہ آج نظر نہیں آرہے	۳۸	۶۲ تا ۶۴
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ	۳۹	۳ مع حاشیہ

	سورة نمبر	آیت نمبر
زُلفیٰ، اس کی تشریح، ناروا الزام اور اس کا ازالہ	۳۹	۳ مع حاشیہ
مشرک کھلے خسارے میں ہیں، ان کے اوپر نیچے آگ ہی آگ ہوگی	۳۹	۱۵، ۱۶
تکذیب کرنے والوں کا حشر	۳۹	۲۴، ۲۵، ۲۶

ان کا عبرتناک انجام

	سورة نمبر	آیت نمبر
بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور قرآن کو جھٹلاتا ہے	۳۹	۳۲
جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو کڑھنے لگتے ہیں اور جب بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں	۳۹	۴۵
ایک ناروا الزام اور اس کا رد	۳۹	حاشیہ آیت ۴۵
کفار دنیا بھر کی دولت سے فدیہ ادا کرنا چاہیں گے، جہنم سے پروانہ اس روز نہ ملے گا	۳۹	۴۷، ۴۸
جب ہم اسے کوئی نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے علم و ہنر کا ثمر ہے	۳۹	۴۹ تا ۵۲
روز قیامت کفار کے منہ کالے ہوں گے۔ کفار کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا	۳۹	۶۰
فرشتوں سے ان کی بات چیت	۳۹	۷۱-۷۲
کفار نے بتوں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے	۴۲	۹
جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں ان کا انجام	۴۲	۱۶
کفار قیامت کے لیے جلدی مچاتے ہیں	۴۲	۱۷
دنیا کے طلبگار کو صرف دنیا ملے گی	۴۲	۲۰ مع حاشیہ
ظالموں کے لیے عذاب الیم	۴۲	۲۱
ظالم اپنے کرتوتوں کے باعث لرزاں ہوں گے	۴۲	۲۲
گمراہوں اور ظالموں کی حالت زار	۴۲	۴۴، ۴۵، ۴۶
منکرین کا انبیاء کے ساتھ سلوک اور اس کا انجام	۴۳	۶، ۷، ۸
کفار اللہ کی اولاد مانتے	۴۳	۱۵
خدا کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے	۴۳	۱۶
اگر انہیں بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جائے تو رنگ فق ہو جاتے	۴۳	۱۷-۱۸
جب فرشتوں کو بیٹیاں بنایا تو کیا یہ لوگ دیکھ رہے تھے	۴۳	۱۹
کفار کی بہانہ سازی کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے	۴۳	۲۰
وہ اندھی تقلید کے خوگر ہیں	۴۳	۲۱، ۲۲، ۲۳
سب کے گمراہ ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم کفار کے زر و انہ اور چھتیں سونے کی بنا دیتے	۴۳	۳۳، ۳۴، ۳۵
جو اللہ کے ذکر سے اندھا بنتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں	۴۳	۳۶
قیامت کے روز اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے	۴۳	۳۸
مجرمین کی حالت زار	۴۳	۷۴ تا ۷۸
انھیں کھیلنے کودنے دو	۴۳	۸۳
وہ شک میں کھیل رہے ہیں	۴۴	۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قحط سالی کا عذاب بدخان مبین	۴۴	۱۰-۱۱
عذاب معاف کرنے کی دعا وقتی طور پر منظور پھر عذاب الیم	۴۴	۱۲-۱۳
حضورؐ کو معلّم اور مجنون کہنا	۴۴	۱۴
کفار کا دردناک انجام	۴۴	۴۳ تا ۵۰
مومنین و متقین		
غزوۂ خندق کی کڑی کشمکش میں اہل ایمان کا کردار	۳۳	۲۲
تکالیف کے وقت ان کا جذبۂ ایمان فزوں تر ہو جاتا ہے۔ ان کی جانفروشیاں اور اجر	۳۳	۲۲،۲۳،۲۴ مع حواشی
اہل ایمان مرد و زن کی صفات	۳۳	۳۵
اللہ کا ذکر کرنے والوں کی شان	۳۳	۳۵ مع حاشیہ
اہل ایمان کو کثرت ذکر اور تسبیح کا حکم	۳۳	۴۱-۴۲
اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے فرشتے ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں	۳۳	۴۳
انھیں سلامت رہو کی دعا اور اجر کریم ملے گا	۳۳	۴۴
مومنین کو فضل کبیر کی بشارت	۳۳	۴۷
مومنین کے لیے مغفرت اور رزق کریم	۳۴	۴
جنھیں اذن ہوگا وہ شفاعت کریں گے	۳۴	۲۳
اموال و اولاد نہیں بلکہ ایمان اور	۳۴	۳۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
عمل صالح قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں	۳۴	۳۷
جو لوگ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں۔ اللہ کے رزق سے خرچ کرتے ہیں، اُن کی تجارت نفع والی ہے	۳۵	۲۹
ان کو ان کا پورا اجر بھی ملے گا اور اپنے فضل سے مزید بھی	۳۵	۳۰
نیکیوں میں سبقت لے جانے والوں کو جنات عدن اور دیگر نعمتیں	۳۵	۳۳
وہ اللہ کی حمد کریں گے	۳۵	۳۴-۳۵
دعوت و نصیحت کا فائدہ اللہ سے ڈرنے والوں کو ہوتا ہے	۳۶	۱۱
مومن کی زندگی اور موت	۳۶	۲۰ تا ۲۷
اہل جنت کی لطف اندوزیاں، وہ اور ان کی بیویاں، سلام کا پیغام، علامہ پانی پتی کی تفسیر	۳۶	۵۵، ۵۶، ۵۷
اللہ کے مخلص بندوں پر انعامات کی بارش	۳۷	۴۰ تا ۴۹
اہل جنت کا ایک منکر قیامت ساتھی کو یاد کرنا اور وہاں سے اس دوزخی سے بات چیت	۳۷	۵۰ تا ۵۷
اہل جنت کو پھر موت نہیں آئے گی۔ یہی فضل عظیم ہے	۳۷	۵۸ تا ۶۱
پرہیزگاروں پر نوازشات (جنات عدن، پھل، شراب طہور اور حوریں)	۳۸	۴۹ تا ۵۴
بندۂ مومن رات بھر جاگتا ہے پھر ڈرتا ہے	۳۹	۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُس کی رحمت کی آس لگائے رہتا ہے	۳۹	۹
وہ اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے		
صابروں کو بغیر حساب اجر ملے گا	۳۹	۱۰
جو دُنیا میں اچھے کام کرتے ہیں انھیں اچھا صلہ ملے گا	۳۹	۱۰
اہل ایمان کو مژدہ	۳۹	۱۷-۱۸
قرآن سن کر اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں	۳۹	۲۰
ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں	۳۹	۲۳
حضور پر ایمان لانے والوں کی شان	۳۹	۳۳،۳۴،۳۵
متقیوں کو نجات ملے گی۔ کوئی تکلیف نہ ہوگی	۳۹	۶۱
متقیوں کو جنت کی طرف لے جائیں گے وہاں ان کی عزت افزائیاں	۳۹	۷۳-۷۴
اہل ایمان قیامت سے خوفزدہ رہتے ہیں	۴۲	۱۸
جو آخرت کا طلبگار ہے اس پر مہربانی	۴۲	۲۰ مع حاشیہ
نیکوں پر فضل کبیر	۴۲	۲۲، ۲۳
اہل ایمان کی دعائیں قبول فرماتا ہے ویزید ھم من فضلہ	۴۲	۲۶
اہل ایمان کے لیے خیر و ابقیٰ	۴۲	۳۶،۳۷،۳۹
اہل ایمان کی صفات	۴۲	۳۹
جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو بدلہ لیتے ہیں	۴۲	۳۹،۴۰،۴۱، ۴۲ مع حاشی
لیکن بخش دینا افضل ہے من عزم الامور	۴۲	۴۳
آخرت متقین کے لیے ہے	۴۳	۳۵
قیامت کے دن بجز پرہیزگاروں کے سب دوست دشمن ہوں گے۔ (الاخلاء یومئذ)	۴۳	۶۷ مع حاشیہ
انھیں اُس روز خوف و حزن نہ ہوگا	۴۳	۶۸-۶۹
دیگر انعامات	۴۳	۷۰ تا ۷۳
جن پر اللہ رحم فرمائے گا ان کی دوستی کام آئے گی	۴۴	۴۲
متقین پر نوازشات	۴۴	۵۱ تا ۵۷
اہل ایمان کے لیے زمین و آسمان میں اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں	۴۵	۳
تمہاری پیدائش، حیوانات، گردش لیل و نہار یہ نشانیاں ہیں	۴۵	۴ - ۵
جو اللہ کو رب مانتے ہیں، پھر استقامت اختیار کرتے ہیں انھیں نہ خوف اور نہ حزن ہوگا و دیگر انعامات	۴۶	۱۳
جو اللہ کے محبوب پر ایمان لائے۔ اُن کے گناہ مٹا دیئے۔ ان کے حالات کو درست کردیا۔ اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے۔ کفار کا کوئی مددگار نہیں	۴۷	۱۱
اہل ایمان جنت میں	۴۷	۱۲
اہل ایمان کے لیے جنت جس میں شہد و شراب کی نہریں	۴۷	۱۵
جو راہ ہدایت پر ہیں اُن کے نورِ ہدایت میں اضافہ کردیا جاتا ہے تقویٰ بخشا جاتا ہے	۴۷	۱۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مومنین کی آزمائش	۴۷	۳۱
ہمت مت ہارو تم ہی سربلند ہو گے	۴۷	۳۵
اہل ایمان کے دلوں میں سکینہ نازل کیا اور ان کی قوتِ ایمان میں اضافہ	۴۸	۴
اولیاء اللہ کے ساتھ بیعت کا ثبوت	۴۸	حاشیہ آیت ۱۰
مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں	۴۹	۱۰
مومن کی صفات	۴۹	۱۵
جنت ان کے نزدیک کر دی جائے گی	۵۰	۳۱
آخرت میں قرب و بُعد کا مفہوم	۵۰	حاشیہ آیت ۳۱
ان کی صفات، خشیت اور قلبِ منیب	۵۰	۳۲-۳۳
جو مانگیں گے وہی ملے گا بلکہ مزید	۵۰	۳۵ مع حاشیہ
متقین پر انعامات	۵۱	۱۵-۱۹
وہ رات کو کم سوتے ہیں	۵۱	۱۷
سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں	۵۱	۱۸
ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے	۵۱	۱۹
آیاتِ زمینی اور انفسی میں غور کرنا ان کا شیوہ ہے	۵۱	۲۰-۲۱
متقین پر نوازشات کی بارش	۵۲	۱۷ تا ۲۰، ۲۴
متقین کی ایماندار اولاد بھی ان کے ساتھ ملا دی جائے گی	۵۲	۲۱ مع حاشیہ
ایک دوسرے سے گزشتہ احوال کا تذکرہ	۵۲	۲۵ تا ۲۸
فرشتے مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں	۴۰	۷
فرشتے نیکوں کے والدین، بیویوں اور	۴۰	۸-۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اولاد کے لیے بھی دعائیں کرتے ہیں	۴۰	۸-۹
مومن اپنے ماں باپ کو بخشوائے گا	۴۰	حاشیہ آیت ۱۰
شانِ بندگی اور شانِ بندہ نوازی	۴۱	۳۰ مع حاشیہ
دیگر بے پایاں انعامات	۴۱	۳۱-۳۲
دوسروں کو گمراہی سے نکالنا بہترین کام ہے	۴۱	۳۳
برائی کا بدلہ نیکی سے دینے کا حکم	۴۱	۳۴-۳۵
معاشیات		
جو لوگ راہِ حق میں خرچ کرتے وقت کنجوسی کرتے ہیں اور ضرورت مند طبقہ کی کفالت نہیں کرتے اُن کا انجام	۳۳	۱۹ مع حاشیہ
حضرت داؤد کو جنگی زرہیں بنانے کا فن سکھایا گیا	۳۴	۱۱
مصنوعات کو مضبوط اور خوب صورت بنانے کی تلقین	۳۴	حاشیہ آیت ۱۱
دریا اور سمندر میں گوشت اور سامانِ زینت ہے	۳۵	۱۲
بحری تجارت سے تلاشِ رزق کو فضلِ الٰہی کہا گیا	۴۵	۱۲
" " " " " " " " " "	۳۵	۱۲
منکرین سے جب لوگوں کو غریبوں کی امداد کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں جنہیں خدا نے نہیں دیا ہم انہیں کیوں دیں۔	۳۶	۴۷
سرمایہ دارانہ ذہنیت		

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	۴۲	۳۸
ہم نے کسی کو رزق کم دیا کسی کو زیادہ، درجات میں فرق کر دیا۔ اس کی حکمت، ایک دوسرے سے کام لے سکو	۴۳	۳۲
سب کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم کفار کے دروازے اور چھتیں سونے اور چاندی کی بنا دیتے	۴۳	۳۳، ۳۴، ۳۵
آخرت تیرے رب کے پاس متقین کے لیے ہے	۴۳	۳۵
ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے	۵۱	۱۹
(متقین کی صفات)		
زمین پیدا فرمائی۔ اس نے رزق کا انتظام کیا۔ سب کے لیے برابر موقع سواء للسائلین	۴۱	۱۰ مع حاشیہ
مُنافقین		
منافقین کے کردار کا تفصیلی تجزیہ غزوۂ خندق کی روشنی میں	۳۳	۱۲ تا ۲۰ مع حاشیہ
منافقین کو مدینہ سے نکال دیا جائے گا انھیں قتل کر دیا جائے گا ان کا انجام تباہی ہے	۳۳	۶۰، ۶۱، ۶۲
منافقین جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں	۴۷	۱۶
اُن کے دلوں پر مُہریں، وہ نفس کے پیروکار ہیں	۴۷	۱۶
جہاد پر جانے کا حکم سن کر موت کی غشی طاری ہو گئی	۴۷	۲۰-۲۱
اگر انھیں حکومت مل جائے تو فتنہ برپا کر دیں اور قطع رحمی کرنے لگیں	۴۷	۲۲
موت کے وقت منافقین کی حالت	۴۷	۲۶، ۲۷، ۲۸
صلح حدیبیہ سے منافقین کو عذاب	۴۸	۶
منافقین کی جہاد سے پیچھے رہنے کی بہانہ سازیاں	۴۸	۱۱
یہ سمجھتے تھے کہ اب اللہ کا رسول اور مسلمان اہل مکہ سے بچ کر واپس نہیں آئیں گے	۴۸	۱۲
غنیمت کے لالچ کے لیے جہاد میں شرکت کی خواہش کریں گے لیکن انھیں اجازت نہیں	۴۸	۵۰
فرمایا تمھیں پھر موقع دیا جائے گا جب جنگجو قوم سے لڑنے کی نوبت آئے گی جنگجو قوم سے کون مراد ہیں	۴۸	۱۶ مع حاشیہ
نواہی		
تمھیں دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے	۳۵	۵
شیطان تمھیں اللہ سے فریب میں مبتلا نہ کر دے	۳۵	۵

	سورہ نمبر	آیت نمبر		سورہ نمبر	آیت نمبر
آپس میں تفرقہ نہ ڈالو تفرقہ بازی کی وجہ بغی نہ ہو جاہلوں کی طرح خواہشات نفس کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے	۴۲ ۴۲ ۴۵	۱۳ مع حاشیہ ۱۴ ۱۸-۱۹	(اہل پاکستان کے لیے لمحہ فکریہ) مذاق مت کرو، عیب چینی مت کرو بُرے القاب سے مت پکارو ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اللہ کے ساتھ کسی کو خدا نہ بناؤ	 ۴۹ ۴۹ ۵۱	 ۱۱ ۱۲ مع حواشی ۵۱

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الاحزاب

نام: اس سورۂ پاک کا نام الاحزاب ہے۔ جو اس سورت کی آیت ۲۰ میں مذکور ہے۔ نیز اس میں غزوۂ احزاب کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اور تاریخ کے اعتبار سے ایک فیصلہ کن جنگ تھی، اسی لیے اس سورت کو اسی نام سے موسوم کیا گیا۔ اس میں نو رکوع، تہتر آیتیں اور ایک ہزار دو سو اسی کلمات اور پانچ ہزار سات سو نوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس میں جن واقعات کا تذکرہ ہے یعنی غزوۂ احزاب، بنی قریظہ اور نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کا نزول ۵ھ میں ہوا۔

مضامین: اس سورۂ مبارکہ میں تاریخ اسلام کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عرب کے جاہلانہ رسم و رواج میں قابل ذکر اور انقلابی نوعیت کی اصلاحات کی گئی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے کئی گوشوں کو آشکار کیا گیا ہے ازواج مطہرات اور خاندان رسالت کو خصوصی ہدایات اور ارشادات فرمائے گئے ہیں۔ مسلم معاشرہ میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے۔ پردہ کے نظام کو بروئے کار لانے کے لیے ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ ان تمام امور نے اس سورت کو غیر معمولی اہمیت بخش دی ہے۔ ہر چیز کا تفصیلی بیان تو اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس تعارف میں صرف اجمالی اشارات کیے گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام سورت کا مطالعہ کرنے سے پہلے ان امور کو اپنے ذہن میں مستحضر کر لیں اور جب ان کے تفصیلی ذکر کے مقام سے ان کا گزر ہو تو وہ بے خبری میں ہی نہ گزر جائیں بلکہ وہاں توقف کریں، غور و تدبر کریں اور قرآن کریم کی روشنی سے اکتساب نور کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

اس سورت کے آغاز میں عہد جاہلیت کی رسوم و عادات پر ضرب کاری لگائی گئی ہے لیکن اس سے پہلے یہ فرمایا کہ بندۂ مومن پر لازم ہے کہ اپنے خداوند ذوالجلال کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرے اور اگر ایسا کرتے ہوئے اسے لوگوں کی ملامت کا ہدف بننا پڑے یا لوگوں کی برہمی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تو ذرا نہ گھبرائے بلکہ اپنے رب کریم پر توکل کرے اور اپنے سارے کام اس کے سپرد کر دے اس سے بہتر کارساز اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ دل ایک ہی ہوتا ہے یا اس دل میں دنیا اور اہل دنیا کی محبت خیمہ زن ہو گی یا خدا کی بندگی کا جذبہ اپنا پرچم لہرائے گا۔ ان دو میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے اگر انسان کے پہلو میں دو دل ہوتے تو ممکن تھا کہ ایک دل میں خدا اور دوسرے میں دنیا کو وہ جگہ دے دیتا۔ اور بیک وقت دونوں

[illegible]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ کوئی منافق ان کی امداد کے لیے نہ آیا۔ آخر انہوں نے جان بخشی کی التجا کی جو قبول کر لی گئی اور ایک ایک اونٹ پر جتنا گھریلو سامان وہ لے جا سکتے تھے انہیں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ خیبر اور خطہ الفتح میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے مشرکین عرب کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا اور عرب کے متعدد قبائل کے پاس گئے اور ان کے وفد گئے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا چنانچہ دس بارہ ہزار کے لشکر نے ایک چھوٹی سی بستی پر دھاوا بول دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خائب و خاسر کیا اور اپنے رسول مکرم کو فتح مبین عطا فرمائی۔ تفصیل حالات آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ کفار کے غبارہ سے ہمیشہ کے لیے ہوا نکل گئی۔ پہلے وہ حملہ آور تھے اور مسلمان صرف دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ اب مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہو گئے اور کفار صرف دفاع اور وہ بھی "بے دلی" سے کرنے پر قانع ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روز اعلان فرما دیا۔ "لن تغزوکم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم تغزونھم" یعنی آج کے بعد قریش تم پر لشکر کشی نہ کر سکیں گے، اب تم ہی ان پر لشکر کشی کرو گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ منافق بے نقاب ہو گئے۔ اس نازک مرحلہ میں انہوں نے جس بزدلی اور بدقلبی کا ثبوت دیا اس نے ان کو بے نقاب کر دیا۔ اب مسلمان ان کو خوب پہچان گئے اور ان کی اذیت رسانیوں سے محفوظ ہو گئے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ بنی قریظہ یہودی قبیلہ جس کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے تھے اس نے جنگ کے دوران میں عہد شکنی کی اور دشمن کے ساتھ مل گیا۔ لیکن حضور کی حکمت عملی سے مشرکین اور یہود کی اجتماعی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر کار یہ قبیلہ بھی کیفر کردار کو پہنچا۔ تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنان حق کے دلوں پر اسلام کی دھاک بٹھا دی۔ عرب کے سارے قبائل سہم گئے۔ ان کے دلوں میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے جو فاسد خیالات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے تھے وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کی فضا اب یہود کی اذیت رسانیوں سے محفوظ ہو گئی۔

عام طور پر سیاسی رہنماؤں کی خانگی زندگی اور پبلک زندگی الگ الگ ہوا کرتی ہے۔ ان میں بین تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ خود سوال کو سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے اپنے گھروں میں تکلفات اور سامان عشرت کی بھرمار ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کے اہل خانہ کا دامن عفت، اسلامی اخلاق اور ہر طرح کی آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے لیکن وہ رہبر انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی آسائشیں اور آرائشیں عزیز ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کے گھر کی زینت نہیں بن سکتیں۔ سارے خاندان نبوت کے لیے اخلاق، عبادات، تزکیہ باطن اور پاکدامنی کا ایک مخصوص منشور پیش کیا جا رہا ہے۔ انہیں ان کے مقام رفیع کا احساس دلا کر اس کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھانے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

پردے کا جو حکیمانہ نظام قرآن کریم سارے مسلم معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتا ہے اس کے ابتدائی احکامات بھی یہاں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ لیکن کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، عبادات الٰہی میں ذوق و شوق صرف خانوادۂ نبوت تک ہی محدود نہیں بلکہ امت مسلمہ کے ہر مرد و زن کو جن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے آیت ۳۵ میں بڑی تفصیل سے ان کو بیان کر دیا گیا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الاحزاب مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی (مکرم!) (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ

لہ اس مبارک سورت کا آغاز یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ کے پرجلال کلمات سے کیا گیا ہے۔ براہ راست اس خصوصی خطاب کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں چند ایسی اصلاحات کا حکم دیا جا رہا ہے جو قدامت پرست اہل عرب کے رسم و رواج کے سراسر خلاف تھیں۔ معاشرہ میں جب کوئی غلط رواج پکڑ جاتا ہے اور پشت ہا پشت سے لوگوں کا اس پر تعامل ہوتا ہے تو اسے ایک تقدس اور احترام حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس بارے میں اتنے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی اصلاح اور ترمیم کو برداشت نہیں کرتے۔ اور کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس میں رد و بدل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قوموں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے سب سے صبر آزما لمحے وہی ہوتے ہیں جب وہ اپنی قوم کے غلط اور ضرر رساں رسم و رواج کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سورت میں عرب کے قدامت پسند معاشرہ اور ان کے غلط رواجوں کی اصلاح کرنا مقصود ہے اور قوم کے شدید رد عمل کا اندیشہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خصوصی طور پر خطاب فرما کر چند ہدایات سے سرفراز کیا ہے تاکہ حضور کے خلاف کذب و افترا کے جو طوفان اٹھنے والے ہیں ان میں آپ ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کریں۔

دوسرے انبیاء کو ہمیشہ ان کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے یا اٰدم، یا نوح یا ابراہیم۔ اے آدم! اے نوح! اے ابراہیم! لیکن اپنے حبیب کو جب بھی خطاب فرمایا تو نام سے نہیں بلکہ اسم وصفی سے۔ اس سے مقصود حضور کی عظمت شان اور علو مرتبت کا اظہار ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے: فَنَادَاهُ جَلَّ وَعَلَا بِوَصْفِهٖ دُوْنَ اِسْمِهٖ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَتَفْخِيْمًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم اور اظہار شان کے لیے وصف نبوت سے یاد فرمایا اور نام لے کر ندا نہیں فرمائی۔

صاحب لسان العرب لفظ "نبی" کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین قول ہیں۔ (۱) یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے (۲) یا نُبُوَّۃٌ سے (۳) یا نُبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔ پہلے قول کے مطابق نبی بروزن فعیل بمعنی مفعل مخبر ہوگا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

علامہ جوہری اور فراء دونوں کی رائے یہی ہے کہ یہ نبأ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

الجوہری: وَالنَّبِيُّ الْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِاَنَّهٗ اَنْبَأَ عَنْهُ وَهُوَ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مُفْعِلٍ۔

قَالَ الْفَرَّاءُ: اَلنَّبِيُّ هُوَ مَنْ اَنْبَأَ عَنِ اللّٰهِ فَتُرِكَ هَمْزُهٗ

اور اگر اس کا ماخذ اشتقاق اَلنَّبْوَۃُ یا اَلنَّبَاوَۃُ ہو تو اس کا معنی ہے بلند اور اونچی چیز کیونکہ نبی کا درجہ دوسروں سے بہ

[illegible]

كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔

مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ

نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں

اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ

کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں ۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند

نے فرمایا کہ میں انہیں پہلے امان دے چکا ہوں۔ پھر ان کو حضور نے مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار اور منافق اس قابل نہیں کہ ان کی بات مانی جائے۔ آپ صرف ان احکام کی پیروی فرمایئے جو علیم و حکیم خدا نے آپ پر نازل فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو تمہاری انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور معاشی ضرورتوں سے باخبر ہے اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ ایسے علیم و حکیم خدا کی فرمانبرداری سے ہی تم دونوں جہانوں میں سُرخرو ہو سکتے ہو۔

ے آپ صرف ان احکام کی پابندی کریں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ پر نازل فرمائے ہیں اور وہ تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

ے باقی رہیں کفار کی دھمکیاں اور منافقین کی ریشہ دوانیاں اور شرارتیں تو آپ ان کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔ اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ اپنے سارے کام اسی کے سپرد کر دیں۔ اس کی امداد و نصرت کے بعد آپ کو کسی بداندیش کی ایذا رسانی کا ہرگز کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دو ہاتھ، دو پاؤں، دو کان اور دو آنکھیں دی ہیں لیکن دل صرف ایک ہی دیا ہے۔ یہاں متضاد خیالات اور عقائد کی گنجائش نہیں۔ ایک دل میں ایک ہی عقیدہ سما سکتا ہے یا انسان خدا کا بندہ بن جائے یا اسے چھوڑ کر غیر کی بندگی اختیار کر لے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کفر اور اسلام دونوں کے علمبردار بنے رہیں، حق اور باطل دونوں سے رشتہ عقیدت جوڑے رکھیں۔ زندگی کے کٹھن راستے کو دو کشتیوں میں سوار ہو کر جو عبور کرنا چاہتا ہے وہ غرق ہو جاتا ہے یا صدیق و فاروق کی صف میں شامل ہو جاؤ یا ابولہب اور ابوجہل کی سنگت اختیار کر لو۔ عبداللہ بن اُبی جیسے منافق لوگوں کی یہاں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

ے یہ بتا دینے کے بعد کہ یہاں دورنگی کی گنجائش نہیں۔ اسلام کو من و عن اس کے سارے تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا ہوگا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

أَخْطَأْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ ۱۱

کسی غیر کا بیٹا کہے۔ علامہ قرطبی نے اس موضوع پر بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

۱۱ گفتگو میں جو بات ارادہ اور نیت کے بغیر زبان سے نکل جائے۔ اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جو خلاف شرع باتیں تم جان بوجھ کر قصداً کرو گے اس کی سزا تمہیں ضرور دی جائے گی۔ اگر غلطی کرنے کے بعد تمہیں ندامت ہو اور تم سچے دل سے توبہ کرلو تو تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ بیشک اس کی بخشش بڑی عام ہے اور اس کا دامنِ رحمت بڑا وسیع ہے۔

تمام علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ تہامہ کے باشندے تھے۔ شام کے چند سواروں کا ادھر سے گزر ہوا یہ ابھی بچے ہی تھے انہوں نے انہیں پکڑ لیا۔ اپنے ساتھ لائے اور انہیں فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے انہیں خرید لیا اور خرید کر اپنی پھوپھی صاحبہ کو تحفۃً پیش کیا۔ حضرت ام المومنین نے زید کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنا متبنّٰی بنا لیا۔

زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہو گئے اور اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری۔ اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا آج پڑھ کر آج بھی دل پسیج جاتا ہے۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایک بدو کی لطافتِ طبع اس کے درد و سوز سے آگاہی حاصل کیجیے۔

بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ أَدْرِ مَا فَعَلْ ... أَحَيٌّ فَيُرْجٰى أَمْ أَتٰى دُوْنَهُ الْأَجَلْ

میں زید کے فراق میں روتا رہتا ہوں، مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں۔ کیا وہ زندہ ہے تاکہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔

تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا ... وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ إِذَا غَرْبُهَا أَفَلْ

سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو پھر بھی اس کی یاد مجھے ستانے لگتی ہے۔

وَإِنْ هَبَّتِ الْأَرْيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ ... فَيَا طُوْلَ مَا حُزْنِيْ عَلَيْهِ وَيَا وَجَلْ

جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی آتش شوق کو بھڑکا دیتی ہیں۔ اس کی جدائی میں میرا غم اور اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔

سَأُعْمِلُ نَصَّ الْعِيْسِ فِي الْأَرْضِ جَاهِدًا ... وَلَا أَسْأَمُ التَّطْوَافَ أَوْ تَسْأَمَ الْإِبِلْ

میں اپنی اعلیٰ نسل کی سانڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا اور زمین میں اس کی تلاش میں طواف کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔

[illegible]

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ

قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رو سے — عام

یَقَعْنَ فِیْہِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِیْہِ (قرطبی) یعنی میری اور میری امت کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اس میں گرنے کے لیے دوڑتے چلے آ رہے ہوں۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں اور تم اس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَکَ مَالًا فَلْیَرِثْہُ عَصَبَتُہٗ مَنْ کَانُوْا وَمَنْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْ ضَیَاعًا فَلْیَاْتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاہُ۔

یعنی کوئی ایسا مومن نہیں جس کا دنیا و آخرت میں میں والی نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو النبی اولی بالمومنین۔ اور جو مومن فوت ہو اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے اور جو مومن قرضہ وغیرہ چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا والی ہوں۔

حضور کی شان کریمی پر انسان قربان جائے کتنی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمارے ساتھ ایسا تعلق ہے، حضور کی خیر خواہی اور لطف و کرم کا یہ عالم ہے تو پھر حیف ہے ہم پر اگر ہم حضور کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں۔ اپنے دوستوں کو خوش کرنے کے لیے اعلیٰ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے نبی پاک کی اطاعت سے سرتابی کریں۔ نیز اسلامی حکومتوں اور قانون سازاداروں کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس رؤف و رحیم کا دامن چھوڑ رہے ہیں اور کس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں۔ وکونہ علیہ السلام اولی بالمؤمنین من انفسھم ای اَرْأَفَ بِھِمْ وَاَعْطَفَ عَلَیْھِمْ اِذْ ھُوَ یَدْعُوْھُمْ اِلَی النَّجَاۃِ وَاَنْفُسُھُمْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھَلَاکِ۔ یعنی حضور کے اولیٰ بالمؤمنین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ان پر ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں کیونکہ حضور انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے نفس انہیں ہلاکت کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت سہل فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ یَرَ نَفْسَہٗ فِیْ مِلْکِ الرَّسُوْلِ وَلَمْ یَرَ وِلَایَتَہٗ عَلَیْہِ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ لَمْ یَذُقْ حَلَاوَۃَ سُنَّتِہٖ۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو حضور کا غلام نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر حضور کی حکمرانی تسلیم نہ کرے اس نے سنت کی شیرینی کا مزہ ہی نہیں چکھا۔

۱۲۔ حضور رسالتمآب علیہ التحیات والتسلیمات کی ازواج مطہرات کی عزت افزائی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کے باعث ہر مومن کا فرض ہے کہ ان کا اسی طرح احترام کرے جس طرح اپنی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اگرچہ ان جسمانی ماؤں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ

سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے

ع ۱ ۸ ۱۷ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب۔ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو ۱۷ جو اس نے

۱۷ ان آیات میں اس تائید اور عنایت کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو سرفراز فرمایا تھا۔ ان آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان نازک حالات کا جائزہ لینا از حد اہم ہے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا پس منظر پیش خدمت ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کے دو مشہور قبیلے آباد تھے بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی ان سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جب کہ وہ اپنی اس باطنی خباثت کا مظاہرہ کر سکیں۔ غزوۂ احد میں جب گھاٹی پر متعین تیر اندازوں کی عجلت اور غلطی کے باعث اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان ہوا تو یہود کے حوصلے بڑھ گئے۔ دوستی کے معاہدہ کے باوجود بنی نضیر نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔ اس عہد شکنی اور غداری کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن ابی نے انہیں جا کر شہ دی کہ وہ اپنے گھروں میں ڈٹے رہیں۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا اور اس نے یقین دلایا کہ دوسرے کئی بدو قبائل بھی ان کی امداد کے لیے مدینہ پر دھاوا بول دیں گے۔ اس لیے بنی نضیر نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر گزریئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہلت کی مدت ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن ابی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ جب بنی نضیر نے حالات کو اپنی توقع کے خلاف پایا تو انہوں نے مدینہ طیبہ چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ تین آدمیوں کو ایک اونٹ پر جتنا سامان وہ لاد سکتے تھے لاد کر لے جانے کی حضور نے اجازت دے دی۔ بنی نضیر جلا وطنی کے بعد کچھ خیبر میں آ کر آباد ہو گئے اور بعض وادی القریٰ میں فروکش ہو گئے لیکن انہوں نے یہاں آ کر بھی اسلام کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی۔ ان کا ایک وفد جس میں سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم اور حیی بن اخطب (قبیلہ بنی نضیر سے) اور بنی وائل سے ابو عمار شریک تھے مکہ پہنچا اور قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ قریش نے ان سے پوچھا کہ اے علمائے یہود! تم صاحب کتاب ہو اور علم و فضل

[illegible]

عہد نبوت میں
عرب قبائل کے علاقے
نقشہ متعلق سورہ الاحزاب آیت ۹ تا ۲۰

ہیں، تھکاوٹ سے چُور ہیں لیکن اپنے محبوب آقا کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ شمعِ توحید کے ان پروانوں کو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةْ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔ میرے پروردگار انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اپنے حق میں یہ دعا سن کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کیف و سرور سے بے خود ہو کر یہ گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

یعنی ہم منزلِ عشق و محبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے دستِ مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے کلمۂ حق کو بلند کرنے کیلئے مصروفِ جہاد رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز لہجہ سے اپنے ایک غلام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

یعنی اے میرے مولا کریم! اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہِ ہدایت پر گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔ اے اللہ! ہم پر اطمینان و سکون نازل فرما اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری اپنے حصہ کی چالیس گز خندق کھود رہے تھے۔ اتفاق سے ایک چٹان آگئی۔ ہم نے سارا زور لگایا بڑے جتن کیے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کریں تاکہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت سلمان خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے بازو شل ہو گئے ہیں۔ ہماری کدالیں کند ہو گئی ہیں لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اُٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھپ اندھیرے میں اچانک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ دوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ضرب لگائی پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا: اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس۔ مجھے ملکِ ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔ تیسری مرتبہ چوٹ لگائی باقیماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو گئی اور حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الیمن۔ مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دنیا کی دو بڑی عالمی طاقتوں روم اور ایران کے مستقبل کو بھی بے نقاب کر دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سنا دی حالانکہ حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہیں۔ سارا عرب امڈ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا ماحول بھی سازگار نہیں۔ یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لیے نہ ساز و سامان ہے اور نہ خوراک کا معقول انتظام ہے ان حالات میں جب ظاہر بین نگاہیں کسی کی برتری

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبب رَا چنیں گفت روح الامین | کہ بعد از من اعوان و انصار دین
جبرئیل علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جاں نثار

بریں مملکت ہا مسلط شوند | بآئین من اهل آں بگروند
ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ دستکر و لطف خدا | بہر بار تکبیر کردم ادا
اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لطف پر میں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں | کشیدند تکبیر شادی کناں
مومنوں نے جب یہ مژدہ سنا تو سب نے خوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

شب و روز کی محنت شاقہ سے کفار کے لشکر کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے باغات تھے، مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا، جیسا کہ ہم کہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کر لی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جاں نثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہو گئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی بستی کو چشم زدن میں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے جب اپنے سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی انہوں نے اپنے خیمے نصب کر لیے اور مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور حملہ کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتے لگے۔

ایک روز ابو جہل کا بیٹا عکرمہ، عمرو بن عبد ود عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی، اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سرعت کے ساتھ کود کر خندق کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا: هل من مبارز۔ ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کا شیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی تلوار لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا "اے عبد ود کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو تو ان دو میں سے ایک ضرور دے گا۔" اس نے بڑی نخوت سے کہا: ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کر لے۔ ادعوك الى الله والى رسوله والى الاسلام اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ شیر خدا نے فرمایا: پھر میری دوسری درخواست یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا۔ میرے آپ کے والد ابو طالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے

[illegible]

نقشہ جنگ خندق

متعلقہ سورۃ الاحزاب آیات نمبر ۹ تا ۲۷

نہیں لائے بلکہ جہاں بھر کی ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔ اور یہ جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گرجتا اور کڑکتا جانتا ہے۔ اس میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبر اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن حیی اس کو عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حیی اور لشکر کفار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لیے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو برسر مجمع میں آکر بتا دینا لیکن اگر درست ہو تو کنایۃً بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بالکل نرالا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں اچھالی جا رہی تھیں اسلحہ خانے سے نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا لیکن وہاں تو نشہ میں فتنہ پیدا ہو چکا تھا وہ کوئی معقول بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تُو تُو میں میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ اُلجھنے سے روکا اور فرمایا اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہو گا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس آکر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں اشارۃً کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی۔ پہلے تو صرف بیرونی حملہ آوروں سے مقابلہ تھا اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب سے حملہ کر کے حالات کو سنگین بنا سکتے تھے۔

منافقین جو اب تک مصلحت بینی کے پیش نظر بادل نخواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے انہوں نے برملا کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لیے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ اور ابو الحارث بن عوف سے بات چیت شروع کی۔ اگر تم محاصرہ اُٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا۔ انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے خبردار کر دیا گیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجالِ انکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں تو پھر ہم یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطور مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے ویسے زبردستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دولتِ اسلام سے مشرف کیا ہے۔ ہماری غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیش نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک ماحول میں ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی: واللہ لا نعطیھم الا السیف

[illegible]

کے پاس روانہ کیا اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالت سفر میں ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں خود بھی ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محاصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے اب مزید تاخیر کیے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے یلغار کر دو تاکہ اس مختصر سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطور یرغمال بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں تو پھر ہم محمد (فداہ ابی و امی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں منہ چھپائیں گے۔ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابوسفیان وغیرہ کو جا کر سنائی تو وہ کہنے لگے کہ بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی وہ درست ہے۔ ابوسفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا وہ صحیح تھا۔ انہوں نے صاف صاف کہلا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطور یرغمال ہمارے پاس نہیں بھیجو گے ہم تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ ملک کی سردی پڑ رہی تھی سامان رسد بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رسے تڑا کر بھاگ نکلے۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ ابوسفیان جو اس سارے لشکر کا سربراہ تھا اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا یارو! میں تو جا رہا ہوں تم بھی کوچ کر دو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابوسفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسی) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسے سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلوار سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور فرار ہوتے دیکھا تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔

حضرت حذیفہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو رحمت مجسم علیہ الصلوۃ والسلام خوشی سے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکر کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی طنابوں، الٹی ہوئی ہانڈیوں، بجھی ہوئی آگ اور بکھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفر کا لشکر ناپید ہو چکا تھا۔ یثرب کا مطلع صاف ہو چکا تھا جہاں سورج کی سنہری کرنیں مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سنا رہی تھیں۔

یہ ان حالات کا اجمالی خاکہ ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی روشنی میں اگر آپ ان آیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو ان کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہو گی۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمۃ للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ

تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور تم

تَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا

اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے تھے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب بھی سے جھنجھوڑے

شَدِيدًا ﴿۱۱﴾ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

گئے بڑی شدت سے اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ

مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۲﴾ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ

نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے کسی چیز کا اللہ اور اس کے رسول نے مگر فریب دینے کیلئے اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت

۱۹ یعنی دشمن نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا تھا۔ صورت حال اتنی بھیانک تھی کہ دہشت کے مارے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں خوف و ہیبت سے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ حناجر جمع ہے۔ اس کا واحد حنجرۃ۔ حلق کی نچلی طرف کو حنجرہ کہتے ہیں۔ جب انسان حد درجہ خوفزدہ ہو تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل اچھل کر باہر نکل رہا ہے۔ والاشارۃ الی غایۃ العلم من المخوف حتی اطلعت الابصار (مفردات)

یعنی خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا۔

۲۰ ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ سب لوگوں کی سوچ اور اندیشے یکساں نہ تھے۔ منافق تو یہ خیال کر رہے تھے کہ اب اسلام کا درخت جڑوں سے اکھڑ جائے گا۔ یہ آندھی اس چراغ کو بجھا دے گی۔ بزدل لوگ میدان جنگ سے بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگے تھے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ بعض نے تو اجازت مانگنے کو بے حد تکلف خیال کیا اپنے مورچوں کو خالی چھوڑ کر چپکے سے کھسک گئے لیکن مردان پاکباز کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں پر پختہ یقین تھا حالات بے شک حوصلہ شکن تھے۔ فضا خطرات کے مہیب بادلوں سے اٹی ہوئی تھی۔ لیکن ان وفا کیشوں کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ ان اندیشوں میں ان کے نور یقین کی تابندگی دید کے قابل تھی۔

۲۱ یہ آزمائش بڑی سخت تھی ایک بھونچال تھا۔ ہر چیز تھر تھر کانپ رہی تھی۔ امتحان کی اس بھٹی سے مسلمان کندن بن کر نکل رہے تھے جن لوگوں نے نفاق کا لباس پہنا ہوا تھا وہ ننگے ہو کر سامنے آ رہے تھے۔

۲۲ منافق دل میں تو خوش تھے کہ اب ہوا مسلمانوں کی بربادی کی گھڑی آ گئی جس کا وہ بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے سرگوشیاں کیں اور پھر لوگوں کے سامنے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ فتح اور کامیابی کا وعدہ کہاں گیا۔ اگلے دن تو یہ خبریں سنائی جا رہی تھیں کہ قیصر و

[illegible]

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے ۲۷ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے

مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ

اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جائے گی ۲۸ فرمائیے (اے بزدلو!) تمہیں ہرگز نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا

الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

قتل سے اور اس وقت (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہیں ہو گے مگر تھوڑی مدت تک ۲۹ فرمائیے کون ہے جو بچا سکتا ہے تمہیں

اپنے بال بچے کا خیال ستائے گا اور نہ اپنے گھروں کی حفاظت کا فرض یاد رہے گا تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کو مٹانے کے جوش میں کفار کے لشکر میں شریک ہو جائیں گے۔

ان آیات میں کفار و منافقین کی ذہنیت کا کتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جا رہا ہے اور ان کے انداز فکر اور طریق کار کی کیسی صحیح تصویر کھینچی جا رہی ہے۔

۲۶ کفار کی دعوت پر لبیک کہنے میں وہ حضرات اتنی مہلت بھی نہیں لیں گے کہ گھروں میں رکھے ہوئے ہتھیار لے آئیں اور پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کو مٹانے کے لیے ان کے لشکر میں شریک ہو جائیں۔

۲۷ آج تو ان کا یہ عالم ہے کہ بھاگ جانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں لیکن پہلے تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم اسلام کے لیے جان دے دیں گے، دشمن کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ کہاں گئے ان کے وعدے اور کہاں گئے ان کے دعوے۔ منافقوں کا ہمیشہ یہی شعار ہوتا ہے کہ جب باتیں بنانے کا وقت ہوتا ہے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہیں اور اپنے اخلاص اور بہادری کے بارے میں ایسی ڈینگیں مارتے ہیں کہ سننے والا حیران ہو جاتا ہے لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور ان کا غلیظ باطن آشکارا ہو جاتا ہے۔

۲۸ وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو وعدے انہوں نے خداوند عالم سے کیے تھے انہیں بھلا دیا جائے گا۔ اور ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو گی ان کا یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہر بات کے متعلق باز پرس کرے گا۔

۲۹ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! انہیں کہیے کہ اگر تم موت اور قتل سے بچنے کے لیے میدان جنگ سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو تمہارے جیسا نادان اور کون ہو گا۔ یاد رکھو! موت سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں میدان جنگ میں قتل ہونے سے اگر آج تم بچ بھی گئے تو کیا پھر ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے؟ آج نہیں تو کل بہر حال تم نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس لیے چند روزہ زندگی کے لیے اپنے نام پر بزدلی اور نامردی کی تہمت نہ لگنے دو۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ

جب خوف (و دہشت) آجاتا ہے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی

يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ

ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو ۔ پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے

حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ

بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں (درحقیقت) یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں سو ضائع کر دیے اللہ نے ان کے اعمال

(الفضل) اور بعض علماء لغت نے شح اور بخل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی کو تو بخل کہتے ہیں لیکن مال خرچ کرنے اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں کنجوسی کو شح کہتے ہیں۔ البخل بالمال والشح بالمال والمعروف یعنی غریب اور مسکین مشتعاروں کی امداد کے لیے یا جہاد کی تیاری کے لیے انہیں مال دینے کی دعوت دی جاتی ہے تو ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ درجہ کی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں

لے اور جب خوف طاری ہوتا ہے تو پھر ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ آنکھیں گھومنے لگتی ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے نے اپنا ہاتھ ان کی شہ رگ پر رکھ دیا ہے اور وہ ڈوبتے جا رہے ہیں مرنے والے کی جو حالت ہوتی ہے وہی ان بزدلوں کا حال ہوتا ہے۔ کنجوسوں کی بزدلی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔

اپنے ہاں کے دولت مندوں کو دیکھیے کہ انہیں اپنے پڑوس میں بسنے والے مسکینوں اور اپنے خاندان کے خستہ حال یتیموں اور بیواؤں پر کبھی ترس نہیں آتا۔ ان کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا بھی انہیں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اشتراکیت کے طوفان ان کی فیکٹریوں پر دھاوا بول دیتے ہیں اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اس وقت ان کا حال بعینہٖ وہی ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے کاش امت کے اغنیاء اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی امداد فیاضی سے کریں اور یتیم بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کریں تو قطعاً انہیں ان روح فرسا حالات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

لے جب جانباز مجاہدین کی کوششوں سے دشمن پسپا ہو جاتا ہے تو ان کے ہوش ٹھکانے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی خسیس فطرت دوسرے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے جھپٹنے لگتے ہیں۔ ان کی بھوکی للچائی ہوئی نظریں ہر چیز کو ہڑپ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ جانباز مجاہدوں پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ اس فتح و کامیابی کا سہرا صرف ان بانکے لوگوں کے سر ہے۔ وہ مجاہدین جو بلا دریغ جان بکف ہو کر دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہے اور دشمن کے ہر حملہ کو پسپا کرتے رہے ان کا اس فتح میں کوئی حصہ ہی نہیں کبھی کہتے ہیں کہ تمہارا جنگی منصوبہ ناقص تھا تم نے اپنا وقت

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

کرتے مگر برائے نام۔ بیشک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے ہر اس کے لیے جو

کمالات اور ان مورچوں، آرام دہ محلات کے بجائے وہ کسی صحرا میں بدوؤں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ جہاں دشمن کے حملہ کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا۔ آیت میں بادون "بدو" سے ہے۔ اس کا معنی جنگل میں نکل جانا اور وہاں آباد ہو جانا ہے۔ یقال بدا یبدو بدوا بداوۃ اذا خرج الی البادیۃ۔ الاعراب: سکان البادیۃ خاصۃ والواحد منہم الاعرابی نسبۃ الی الاعراب۔ (المنجد) یعنی جنگل میں رہنے والوں کو اعراب کہتے ہیں اس کا واحد اعرابی ہے۔

۲۱ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں تو ان کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے نہ ان میں کشش اور جاذبیت پائی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر آمادہ کر سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجیے، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیجیے لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے، لیکن ان نظریات کو اپنانے اور اس اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی راہ میں جو خطرات ہیں ان کو وہ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث بنائیں، اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں، مجلس مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ان ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگا لیں۔

یہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جس موقع پر اس کا نزول ہوا اس نے اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ یہ آیت غزوۂ خندق کے ایام میں نازل ہوئی جب کہ دعوت حق پیش کرنے والوں کے راستہ میں پیش آنے والی ساری مشکلات اور آلام و مصائب پوری شدت سے رونما ہو گئے۔ دشمن سارے عرب کو ساتھ لے کر آ دھمکا ہے۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہے کہ اس کو پسپا کرنے کے لیے جس تیاری کی ضرورت ہے اس کے لیے خاطر خواہ وقت نہیں۔ تعداد کم ہے۔ سامان رسد کی اتنی قلت ہے کہ کئی وقت فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے عین وقت پر دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ان کی غداری کے باعث حالات مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ دشمن سیلاب کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے قبل مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ بنا دینا از حد ضروری ہے۔

ان حالات میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے دوش بدوش موجود ہیں۔ خندق کھودنے کا مرحلہ آتا ہے تو ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے لگتے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔ دوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی تکلیف بھی

[illegible]

الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۙ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَ

اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ منظر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا

صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ

تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور اس منظر نے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا ٢٢ اہل

الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن

ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ٢٣ ان جوانمردوں سے کچھ

قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ

تو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں ٢٤ اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں (اور جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) انہوں نے اپنی (روش میں) ذرا تبدیلی نہیں کی

٢٢ ان خوفناک حالات میں منافقین کی بزدلی اور بد باطنی کا ذکر ہوا۔ اب اہل ایمان کے ایمان افروز حالات اور جذبات کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کے قدموں میں اپنی جان اور اپنا دل نثار کر دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ کفار کا لشکر جرار دیکھ کر اور اپنے حبیب کو خطرات میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے یقین اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کے ایمان میں اور جلا پیدا ہو گئی قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا جو جذبہ انہیں دیا گیا تھا وہ پختہ تر ہو گیا اور کہنے لگے یہ تو بعینہ وہی چیز ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا۔ جس طرح اس حملہ کا وعدہ پورا ہوا اسی طرح غلبۂ اسلام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہو گا جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے۔ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب خندق کھودتے ہوئے چٹان نمودار ہوئی تو حضور نے تین ضربیں لگا کر اسے پارہ پارہ کر دیا نیز شام ایران اور یمن کی فتح کی خوشخبری بھی دے دی۔

٢٣ رِجَالٌ پر تنوین تعظیم کی ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قوت و مردانگی میں بے نظیر تھے۔ یقال فلان رجل من رجال ای کامل الرجولیۃ (المنجد) یعنی اہل ایمان میں ایسے جواں مرد اور پاکباز عشاق بھی ہیں جنہوں نے اپنے رب کریم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا خندق کھودتے ہوئے مل کر وجد آفریں لہجہ میں وہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا ۔۔۔ علی الجہاد ما بقینا ابدا

وہ صرف لاف زنی نہ تھی بلکہ جب وقت آیا تو انہوں نے سر کٹا کر، جان دے کر اپنے دعوئ محبت کی لاج رکھ لی اور قیامت تک آنے والے عاشقان باصفا کے لیے ایک زندہ مثال قائم کر دی کسی قیمت پر انہوں نے اپنے ایمان پر حرف نہیں آنے دیا۔

٢٤ نَحْب کہتے ہیں نذر اور عہد کو لبید کا شعر ہے:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ

اللہ جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ جزا دے سچوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر چاہے

اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۚ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمائے بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے

دیکھا تھا کہ اس کی پہچان ہو سکے۔ ان کی حبشیہ نے ان کی انگلیوں کے پوروں سے دیکھ کر انہیں پہچانا۔

پہنچ یک دم و گردند زیب فرا کتش

خوشا نصیب خزانے کہ زخم او کاریست

۴۳ اور جو لوگ میدان جہاد سے سلامت واپس آئے انہیں اپنے صحیح و سلامت واپس آنے پر خوشی نہیں ہے بلکہ وہ شہادت محرومی کے باعث نہایت غمزدہ اور دل گرفتہ ہیں اور وہ اس سہانی گھڑی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ خون شہادت سے سرخرو ہو کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔

انہی جاں نثاروں کی بے لوث اور بے دریغ قربانیوں کے باعث اسلام کو یہ عزت و شوکت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اپنے خون ناب سے آبیاری کر کے شجر اسلام کو سدا بہار بنایا۔ انہی کی کوششوں کی برکت سے آج ہمیں ایمان کی نعمت نصیب ہے لیکن امت میں ایک ایسا بد قسمت فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو خود تو اسلام کے لیے کچھ کر نہیں سکتے، الٹا اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لیے باعث ننگ و عار ہیں، ہر قدم خلاف شریعت اٹھاتے ہیں، سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں، تسلیل عمل، سیرت اور کردار سے اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں لیکن ان وفا شعار غلامان مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا اور دین کے جاں نثار سپاہیوں پر زبان طعن دراز کرنا کمال ایمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان اولوا العزم ہستیوں کو جتنا برا کہیں گے اتنا ہی ان کے گناہ جھڑیں گے اور ان کے رتبے بلند ہوں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ زبان قدرت قرآن کی تعریف میں رطب اللسان ہے، قرآن کے صفحات قرآن کی پاک باطنی کی شہادت دے رہے ہیں، فرشتے ان کی شجاعت، ایمانت، سخاوت اور عدالت کی قسمیں کھا رہے ہیں، حوریان فردوس ان کی راہیں اپنی آنکھیں بچھانے کے لیے بے تاب ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے یہ جاہل انسان ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا۔

۴۴ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اپنی شان کریمی کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

۴۵ باقی رہے منافقین تو ان کے متعلق جیسی اس کی مرضی ہو گی ایسا کرے گا چاہے تو ان کی بد اعمالیوں کے باعث انہیں قعر ضلالت میں گرا ہوا چھوڑ دے۔ اسی حالت میں انہیں موت آ جائے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں ۔ اور چاہے تو اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں خواب غفلت سے بیدار کر دے اور راہ حق پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اس کی شان پوزش پذیری اور اس کی صفت رحمت سے یہ چنداں بعید بھی نہیں کہ وہ ایسا کرم فرما دے اور روٹھے ہوؤں کا ہاتھ پکڑ کر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نکلے گئے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام لُحَیف تھا۔ تیس صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اردگرد حلقہ بنا لیا۔ ان کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا وہ پیادہ چل پڑے۔ اس مقدس لشکر اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیئے اور برجوں پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حُضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا: یَا اَعْدَاءَ اللّٰهِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حِصْنِكُمْ حَتّٰى تَمُوتُوا جُوعًا۔ کہ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوک سے مر جاؤ گے۔ انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیر انداز بٹھا دیئے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کر گئی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخش دی گئی۔

یہود نے نَبّاش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آکر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجئے۔ ہم اپنی عورتیں، اپنے بچے اور بار شتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں باقی ہر چیز آپ سنبھال لیں۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا ہم سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جا سکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لیے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔ انہوں نے پوچھا بتایئے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہی رسول مکرم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ۔ تم، تمہارا بال بچہ اور مال و متاع سب بچ جائیگا اور نعمت ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے۔ میں تو مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس بدبخت (حُیَیّ بن اخطب) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اس کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو۔ نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بلا گناہ ذبح کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج حملہ نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے۔ آؤ ان کی اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر ہلہ بول دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی بے حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے پہلے جن لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی انہیں اس کی جو کڑی سزا ملی اس کے سوا۔ کعب نے کہا: مَا بَاتَ مِنْكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً حَازِمًا۔ تم سب ہمیشہ سے کم عقل کا شکار رہے

[illegible]

أَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝٢٧

ان کے مال و متاع کا اور اس ملک کا بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش اور آسائش کی خواہاں ہو

تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ فرمایا ہے چنانچہ ان کی غداری، عہد شکنی اور دشمن سے ساز باز کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ظاهر، عاون، مدد کرنا۔ صیاصی، جمع ہے اس کا واحد صیصۃ ہے اس کا معنی قلعہ اور گڑھی ہے۔

۳۴؎ تمہیں ان کی زمینوں اور مکانوں اور مال و متاع کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کی فتح بھی تمہارے مقدر میں لکھ دی جہاں تک ابھی تم نہیں پہنچے۔

۳۵؎ فخر کائنات، باعث ایجاد عالم، سلطان دنیا و دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی صرف آرام و آسائش کے اسباب سے ہی خالی نہ تھی بلکہ ضروریات زندگی بھی اکثر فراہم نہ ہوتی تھیں۔ مسلسل کئی کئی دنوں تک چولہے میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی اور کھجور وغیرہ پر بسر اوقات کیا جاتی۔ اکثر جو کی روٹی یا گندم کے ان چھنے آٹے کی روٹی دستر خوان کی زینت ہوتی۔ لباس کا معاملہ بھی خوراک سے مختلف نہ تھا۔ موٹا جھوٹا جیسا میسر آتا خود بھی پہن لیا اور امہات المومنین کو بھی دے دیا۔ مسلمانوں کے مالی حالات جب تک ناساز گار رہے تھے، امہات المومنین بڑے صبر و شکر سے یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں، کوئی مطالبہ نہیں، کوئی فرمائش نہیں، کسی چیز کے نہ ملنے کا شکوہ نہیں، شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رفیقہ حیات بننے کی سعادت پر زندگی کی ساری مسرتیں اور راحتیں انہوں نے قربان کر دی تھیں۔ اگرچہ وہ سب کی سب امیر والدین کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی نور نظر تھیں جو مکہ کے خوشحال اور کامیاب تاجر تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروق اعظم کی لخت جگر تھیں جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اسی طرح دیگر ازواج مطہرات کا بھی حال تھا۔ ماں باپ نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس وقت وہاں کے معاشرہ میں جن آسودگیوں کا تصور کیا جا سکتا تھا وہ سب انہیں میسر تھیں اور ان کی پہلی ازدواجی زندگی بھی امیرانہ بلکہ شاہانہ ماحول میں بسر ہوتی تھی لیکن ایک اس فرحت انگیز اور آرام بخش زندگی کو ترک کر کے امہات المومنین نے درویشانہ زندگی کو جس خوشی سے اپنایا اور جس خوبصورتی سے اسے نبھایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ اس فقر و درویشی کی زندگی پر ناز کرتیں اور ان ساری تلخیوں کو اپنے لیے دارین کی سعادتوں کا باعث سمجھتیں۔

لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مال غنیمت کثرت سے تقسیم ہونے لگا، عام مسلمانوں کی معاشی حالت تیزی سے بدلنے لگی۔ خصوصاً مدینہ کے یہودی قبائل بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنو قریظہ کا مال و متاع ان کی زرخیز زمینیں، باغات اور رہائشی مکانات مسلمانوں میں بطور غنیمت تقسیم کیے گئے تو مسلمانوں کی سابقہ محرومیاں اور تنگ دستیاں قصہ ماضی بن گئیں۔ مسلمان خواتین کی بود و باش اور لباس و خوراک میں بھی آہستہ آہستہ تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ اس وقت امہات المومنین نے بتقاضائے بشریت اپنا مطالبہ حضور کے سامنے پیش کیا۔ علامہ ابو حیان لکھتے

[illegible]

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۸﴾ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ

تو آؤ میں تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ۵۴ اور اگر تم چاہتی ہو

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا

اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جو تم میں سے نیکوکار ہیں

عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

اجر عظیم ۵۵ اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾

عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ۵۶

۵۴ یعنی اگر تم دنیا اور متاع دنیا کو پسند کرو گی تو پھر کاشانۂ نبوت کی زینت نہیں بن سکتیں۔ تمہیں علیحدہ کر دوں گا، لیکن علیحدگی بڑی خوبصورتی سے اور آبرومندانہ طریقے سے ہوگی۔ یہاں سے یہ سبق بھی دیا گیا کہ اگر تعلقات منقطع کرنے کا موقع آجائے تو اس وقت بھی تمہارے ہاتھوں سے شائستگی کا دامن چھوٹنے نہ پائے

۵۵ تمام ازواج مطہرات نے بصد مسرت اپنے مطالبات ترک کر دیئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دار آخرت کو پسند فرمایا اور وہ اس بشارت کی مستحق ہو گئیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

صد حیف! ان کم نصیبوں اور بدبختوں پر جو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پڑھ کر بھی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی اور بدزبانی سے باز نہیں آتے۔

۵۶ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہو۔ ساری امت کی بچیوں اور خواتین کے لیے تمہاری زندگی ایک نمونہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا بڑا اونچا مقام ہے۔ لیکن اس رفعت شان اور عظمت مقام کے تقاضے پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ خبردار! تمہارے اجلے دامن پر کوئی داغ لگنے نہ پائے۔ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو یاد رکھو تمہیں اس کی سزا بھی دگنی دی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ

گھروں میں اور (اپنی آرائش کی) نمائش نہ کرو جیسے سابقہ دور جاہلیت میں رواج تھا ﴿۱۱۵﴾ اور نماز قائم

۱۱۵؎ آیت میں جو اہم الفاظ ہیں پہلے ان کا مفہوم ذہن نشین کر لیجیے۔ اس کے بعد اس آیت کا مقصد اور مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔ وَقَرْنَ: یہ لفظ یا قرار سے ماخوذ ہے یا وقار سے۔ دونوں سے مقصد یہ ہے کہ اُمہات المومنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بلا ضرورت گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور زمانہ جاہلیت میں عورتیں جس طرح بن ٹھن کر بازاروں میں بے حجاب پھرا کرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں اس سے سختی سے روکا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہاں خطاب صرف ازواج الرسول سے ہے لیکن اُمت کی ساری خواتین کے لیے یہی حکم ہے۔ تبرّج: علامہ ابن منظور اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر اونچی چیز جو دور سے نمایاں ہو اس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وکل ظاهر مرتفع فقد برج۔ (لسان العرب) برج کو بھی برج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی سے تبرّج ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے عورت کا اپنے حسن و جمال اور آرائش کو غیر مردوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ التبرج اظهار المرأة زينتها و محاسنها للرجال۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سر بازار گشت کیا کرتی تھیں۔ اس سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اسلام کے نزدیک عفت و عصمت کی جو قدر و منزلت ہے اس کے پیش نظر یہ احکام صادر فرمائے جا رہے ہیں۔ ان اسباب کو ہی بند کیا جا رہا ہے۔ ان اسباب کا ہی قلع قمع کیا جا رہا ہے جن کے ذریعہ اس متاع گرانمایہ کے لٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کے لیے نہیں کھولتا۔ جو لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین، ان کی بچیاں، بہنیں پختہ کردار کی مالک ہیں وہ اگرچہ قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ انہیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں بھولا ہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھولا پن انہیں ایک دن ایسے گڑھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ فطرت انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انہیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کر دے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیاں کھیت چُگ گئی ہوں گی۔ اس وقت وہ زار زار روئیں گے لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو ثقافت اور تہذیب عطا کی ہے وہ قرآنی آیات میں مذکور ہے۔ اب اگر ہمارے قائدین اپنی ملت کی بچیوں کو کوئی دوسری ثقافت سکھانا چاہیں اور مغربی تمدن و معاشرت کے آداب کی تعلیم دینا چاہیں تو ان کی مرضی۔ اسلام نے، قرآن نے اور حامل قرآن نے تو مسلمان عورتوں کے لیے اس حیا سوز اور غیرت باختہ طرز معاشرت سے سختی سے روکا ہے۔ بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عورتیں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

یا رسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے۔ جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے۔ کیا کوئی عمل ایسا ہے

[illegible]

حجرہ رضی اللہ عنہم کئی سو صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آ گئے اور آگر بتایا کہ حضرت عثمان کو شہید کر دینے کے بعد باغیوں نے بڑی دھینگا مشتی شروع کر دی اور خلیفہ شہید کر گالیاں بکنے لگے جس سے یہ لوگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور ان ظالموں کو ان کی تنبیہ اور ملامت کر کے اپنی سرزنش کی۔ وہ بھی اپنی طاقت کے نشہ میں اس قدر مخمور تھے کہ انہوں نے ان حضرات کا مقابلہ کرنے کا بھی منصوبہ بنانا شروع کر دیا انہیں اس امر کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ باغی انہیں قتل کرنا چاہیں گے تو ان کو کوئی روک نہیں سکے گا اس لیے وہ مکہ چلے آئے۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ جب تک حالات پرسکون نہ ہو جائیں، اور حضرت علی ان ظالموں کو اپنے ہاں سے دور نہ بھگا دیں اس وقت تک ہمیں واپس نہیں جانا چاہیے بلکہ کسی محفوظ مقام پر ٹھہر کر حالات کے زیر اصلاح ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے عارضی قیام کے لیے بصرہ کو منتخب کیا کیونکہ یہاں مسلمانوں کے لشکر موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت ام المومنین کو بھی بصرہ جانے پر مجبور کیا تاکہ آپ کی موجودگی سے حالات کو معمول پر لانے میں مدد ملے کیونکہ ہر دل میں آپ کی عظمت اور آپ کا احترام موجود ہے۔ آپ بھی صرف اس خیال سے ان کے ساتھ بصرہ جانے پر آمادہ ہو گئیں کہ ان کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی جلیل القدر صحابہ باغیوں کی دست درازی سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان باغیوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے بڑے غلط رنگ میں یہ خبر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کی اور آپ کو چڑھائی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ وعلوہ علی ان یخرج الیھم ویعاقبھم۔ حضرت امام حسن، امام حسین، عبد اللہ بن جعفر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ حضور یہ اقدام مصلحت کے خلاف ہے اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے تاکہ صحیح حالات معلوم ہو جائیں لیکن تقدیر الٰہی میں کچھ اور تھا۔ حضرت علی نے اپنے فرزندوں اور مخلص مشیروں کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو امیر المومنین نے قعقاع کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی: یا اماہ ما اشخصک واقدمک ھذہ البلدہ۔ اے مادر محترم! آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی کیا آپ اس پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئی ہیں۔ فقالت ای بنی الاصلاح بین الناس۔ میرے فرزند! میرے یہاں آنے کا مقصد تو اس آتش فساد کو بجھانا اور لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ آپ نے وہیں حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی بلا لیا۔ قعقاع نے ان حضرات سے پوچھا صلح کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اقامۃ الحد علی قتلۃ عثمان وتطییب قلوب اولیاءہ۔ قاتلان عثمان سے قصاص اور آپ کے وارثوں کے دلوں کو خوش کرنا۔ قعقاع نے کہا یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ انتشار ختم نہیں ہوتا ہم سب متحد ہو جائیں، فتنہ و فساد کی آگ بجھ جائے، حالات معمول پر آ جائیں، تو پھر ان باغیوں سے انتقام لیا جا سکے گا۔ اس لیے پہلے آپ لوگ صلح کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کریں۔ قالا اصبت و احسنت۔ طلحہ اور زبیر نے کہا اے قعقاع تم نے بجا کہا ہے اور نہایت عمدہ بات کی ہے ہم صلح کے لیے بخوشی آمادہ ہیں۔ قعقاع نے واپس جا کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کیا اور ان حضرات کے صلح کرنے کی خواہش سے حضرت امیر المومنین بڑے خوش ہوئے۔ فسر بذلک واستبشر۔ صلح ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

تین راتیں گزر گئیں۔ اگلے روز صلح کا اعلان ہونے والا تھا اور صبح سویرے حضرت امیر المومنین اور حضرات زبیر و طلحہ کی ملاقات کا پروگرام بن چکا تھا۔ جب قاتلان عثمان کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی سلامتی مسلمانوں کے

[illegible]

سے بیگ جاما۔

حضرت امیرالمومنین کو بھی اس اچانک لڑائی پر از حد افسوس تھا۔ اس معرکہ میں اپنے لشکر کی فتح پر آپ کو قطعاً کوئی خوشی نہ تھی۔ جنگ ختم ہوئی، آپ میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ قدم قدم پر بہادر اور غیور جوانوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے تو دردو غم سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ یالیتنی مت قبل هذا وکنت نسیا منسیا۔ کاش! اس سے پہلے میری زندگی کا چراغ بجھ گیا ہوتا اور میں بھلا دیا گیا ہوتا۔

دشمنان اہل بیت کی طرف سے حضرت صدیقہ پر یہ الزام بھی بڑی شدومد سے لگایا جاتا ہے کہ پہلے آپ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر اکسایا کرتی تھیں اور آپ کو ایک یہودی "نعثل" کے نام سے پکارا کرتی تھیں اقتلوا نعثلا فقد فجر۔ نعثل کو قتل کر دو وہ فاسق ہو گیا ہے اور جب ان کے اکسانے پر لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تو آپ قصاص کا مطالبہ کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ امیرالمومنین سے جنگ شروع کر دی۔ اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے۔

حضرت علامہ محمود البغدادی الآلوسی اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ هذا لا اصل له وهو من مفتریات ابن قتیبة وابن اعثم الکوفی والسمساطی وهم مشهورون بالکذب والافتراء۔ یعنی یہ روایت سراپا کذب و افترا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم الکوفی اور سمساطی کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے اور یہ لوگ جھوٹ اور افترا پردازی میں مشہور تھے ایک جھوٹی روایت کو سند بنا کر حضرت ام المومنین پر اعتراض کرنا صرف بے جا گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اسی طرح یہ الزام بھی اعلیٰ بے بنیاد ہے کہ حضرت صدیقہ کے دل میں امیرالمومنین سے بغض و عناد تھا اسی وجہ سے آپ نے ان سے جنگ کی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت صدیقہ کبھی حضرت امیرالمومنین کے مناقب اور اوصاف جمیلہ بیان نہ کرتیں۔ حالانکہ آخر دم تک حضرت سیدنا علی کے اوصاف جمیلہ بیان کرتی رہیں۔

دیلمی نے یہ حدیث حضرت ام المومنین سے ہی روایت کی ہے۔ انها قالت قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم حب علی عبادة کہ حضرت علی سے محبت عبادت ہے۔ اس واقعہ کے بعد بھی آپ علیہ بیان فرمایا کرتیں۔ والله ما کان بینی وبین علی الا ما یکون بین المرأة واحمائها۔ یعنی خدا کی قسم میرے اور علی مرتضیٰ کے درمیان قطعاً کوئی ناراضگی یا دشمنی نہ تھی بجز اس کے کہ جو عورت اور سسرال والوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس جنگ کے اختتام کے بعد حضرت ام المومنین کو بڑی عزت و تکریم اور ادب و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ اس بات کا پورا انتظام کیا کہ راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ بصرہ کی معزز و محترم خواتین کو آپ کے ہمراہ روانہ کیا۔ آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ بھیجا اور سب کو تاکید فرمائی کہ ام المومنین کو راستہ میں کسی طرح کی بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اس برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ امیرالمومنین کے دل میں حضرت صدیقہ کا کتنا احترام تھا۔

جنگ جمل کا واقعہ جنگ تاریخ اسلام کے ان المناک واقعات میں سے ایک ہے جس پر قلب مسلم آج بھی گریاں اور سوگوار ہے۔ لیکن ان انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ان حضرات کے باہمی عزت و احترام کا یہ حال تھا۔

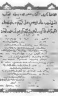

تقاضا خوشگوار معلوم نہیں ہوتی لیکن تمہارے انہی سادہ سادہ مجروں کو اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے لیے چن لیا ہے اور یہ وہ اعزاز ہے جس سے شاہی محلات محروم ہیں۔ اس لیے اس نعمت کی قدر کرو اور جو وحی نازل ہوتی ہے اور حضور کی عملی زندگی کے جو حسین مناظر تمہیں دیکھنے نصیب ہوتے ہیں ان کو لوحِ دل پر نقش کر لو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو سیرتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگاہ کرتی رہو۔

یہ ہے اس آیت کا سیاق و سباق۔ اسے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (انما یرید اللہ) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے اور وہ ازواج مطہرات ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اہل بیت سے بھی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ آتا ہے۔ خدا بھلا کرے ان فرقہ وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو اس بات پر اصرار ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات داخل نہیں اس سے مراد فقط حضرات خمسہ ہیں یعنی امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت سیدہ طاہرہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔ انہیں پڑھیے سنجیدگی سے ان میں غور کیجیے اور از روئے انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ راہِ حق سے کون بھٹک گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) آیت کے اس جملہ میں ضمیریں مذکر ذکر کی گئی ہیں۔ (عنکم اور یطہرکم) اگر ان کا مرجع ازواج مطہرات ہوتیں تو مؤنث کی ضمیریں ذکر کی جاتیں۔ عنکم کی بجائے عنکن اور یطہرکم کی بجائے یطہرکن ہوتا۔

(۲) آیت کے اس حصہ میں "بیت" واحد مذکور ہے۔ یہ چیز ازواج کی نفی کرتی ہے کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر ہے وہاں بیت کی جمع بیوت مذکور ہے۔ جیسے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ اور وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ

(۳) اس سلسلہ میں جو بڑی وزنی بات انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ "انما" حصر کے لیے آتا ہے یعنی جو چیز اس کے بعد مذکور ہے اس کے لیے یہ فعل ثابت ہے اور جو مذکور نہیں اس سے یہ فعل منفی ہے۔ نیز ارادہ کی دو قسمیں ہیں ارادہ محضہ یعنی وہ ارادہ جس کو مراد کا پایا جانا یا نہ پایا جانا مستلزم نہیں، دوسرا وہ ارادہ جس کے ساتھ مراد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ایسا ارادہ جس پر تطہیر اور ثواب و عقاب مرتب ہوگا۔ اس مقام پر ارادہ محضہ نہیں ہے کیونکہ ایسا ارادہ تو مومن کے لیے ہے کہ وہ ہر ناپاکی سے منزہ ہو، ظاہری اور باطنی گناہوں سے اس کی ذات و حیات پاک ہو۔ اہل بیت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں حالانکہ یہ مقام مدح اہل بیت کا ہے۔ یہاں تو کسی ایسی چیز کا ذکر ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ ارادہ کا دوسرا معنی ہے جس سے ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے لیکن ازواج کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کی عصمت ثابت ہے اور وہ یہ حضرات خمسہ ہی ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں۔ امید ہے یہ نکتہ دقیق دلیل آپ نے سمجھ لی ہوگی۔

(۴) کتب اہلسنت میں بھی ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج نہیں بلکہ حضرات خمسہ ہیں۔ شیخ الطائفہ طوسی نے التبیان میں اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اور اسی فرقہ کے دوسرے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی دلائل

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جانتے ہیں کہ آیت اس طرح نہیں ہے۔

ان صاحبان نے یہ قوی دلیل پیش کی ہے کہ اہلسنت کی کتب میں بھی بکثرت ایسی احادیث ہیں جو اکابر صحابہ ابو سعید خدری، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع، ام المومنین عائشہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرات خمسہ ہی ہیں اور ازواج اہل بیت میں داخل نہیں۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ یہ آیت فقط ان حضرات قدسی صفات کے حق میں نازل ہوئی ان کے راوی مجروح اور ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے اور جن کے راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ ان میں کوئی تخصیص مذکور نہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امہات المومنین اور یہ حضرات سب اہل بیت ہیں یہی حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔

پہلی حدیث: حضرت انس سے مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے تشریف لاتے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے الصلوٰۃ یا اہل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا۔ چھ ماہ تک حضور کا یہ معمول رہا۔

گزارش ہے کہ حضرت انس سے روایت کرنے والے کا نام علی بن زید ہے۔ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمایئے: لیس بالقوی۔ منکر الحدیث عن الثقات وقال ابن عدی احادیثہ لا تشبہ احادیث الثقات (تہذیب التہذیب)

یعنی یہ قوی نہیں ہے۔ ثقات سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ثقات کی احادیث سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث اور مروی ہے جس کے راویوں میں ابو داؤد ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے ابو داؤد الاعمی ھو نفیع بن حارث کذاب۔ اندھے ابو داؤد کا نام نفیع بن حارث ہے وہ کذاب ہے بہت بڑا جھوٹا ہے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: متروک الحدیث ضعیف یجمع الحدیث لیس بشئ کان یغلو فی الرفض۔ یعنی محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کر دیا ہے یہ ضعیف ہے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے رفض میں بڑا غالی تھا۔ (تہذیب التہذیب)

تیسری حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے یہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت سیدہ کے ہاں گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں پوچھا۔ سیدہ نے بتایا کہ بارگاہ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں شہزادے بھی تھے حضور نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا یہاں تک کہ گھر تشریف لائے پس شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھایا اور سیدنا علی اور حضرت سیدہ کو اپنے قریب کیا۔ پھر ان پر اپنی چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی: انما یرید اللہ الآیۃ پھر فرمایا: اللّٰھُمَّ ھؤلاء اھل بیتی و اھل بیتی احق۔ یا اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہلبیت زیادہ حقدار ہیں۔ واثلہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی آپ کی اہلبیت میں سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: "وَ اَنتَ مِن اَھلی" تو بھی میری اہل سے ہے۔ واثلہ کہا کرتے "انھا لمن ارجی ما ارتجی" یعنی حضور کا یہ ارشاد وَ اَنتَ مِن اَھلی میرے لیے سب سے بڑی امید ہے۔

[illegible]

قرآن کریم کی اس نص کا انکار کر دیا جائے اور سیاق و سباق سے جو معنی سمجھا جاتا ہے اس کی نفی کر دی جائے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ نیز ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے، چہ جائیکہ جب وہ ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اب آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے یا نہیں۔

ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی۔ صرف حضرت سارہ اور بعد خلیل ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے، رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید۔ (ہود) کوئی آدمی بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ یہاں اہلبیت کے لفظ سے حضرت سارہ کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جا رہے ہیں۔ ان کا گزر وادی سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے جاڑے کا موسم ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے
"فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ آنس من جانب الطور نارا۔ قال لاھلہ امکثوا انی آنست نارا" یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقررہ کی ہوئی مدت پوری کر لی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے: وقال لاھلہ امکثوا انی آنست نارا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ قرآن کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہلبیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنے پر مصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطی الآھل حظین والعزب حظا۔ الآھل الذی لہ زوجۃ وعیال۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آھل کو مال غنیمت میں دو حصے دیئے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آھل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔

آخر میں اہل لغت کی توضیح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں: اھل الرجل، اھل الدار ..... وقد اھل الرجل یاھل ویاھل اھولا ای تزوج وکذلک تاھل قال ابو زید آھلک اللہ فی الجنۃ ای ادخلکھا وزوجک فیھا ....

ہم اپنے محاورہ میں بھی بیوی کو اہل خانہ یا گھر والی کہتے ہیں۔ یہ حضرات فرمائیں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کی زوجہ محترمہ آپ کی اہلبیت سے تھیں یا نہیں؟ حضرت شہربانو حضرت سید الشہداء کے اہل خانہ میں سے تھیں یا نہیں؟

آپ کی اپنی بیوی صاحبہ آپ کے اہل خانہ میں سے ہے؟ ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کو یہ کہہ کر تو دیکھیں کہ وہ آپ کی اہل خانہ یا گھر والی نہیں ہے تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ تو آپ کی اہل خانہ ہوں۔ ائمہ کبار کی ازواج طاہرات ان کے اہل میں شمار ہوں۔ کیا آپ کو صرف حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات

[illegible]

[illegible]

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ

کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝٣٥ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا

ہے اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ٣٥ اور نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی

٣٥۔ یہ اُمت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے اس کے افکار اور اس کا کردار، نظریات اور اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں انہیں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ یہاں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ کے ہر مرد اور ہر عورت کو ان صفات عالیہ سے متصف اور اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس مقام رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں حکم کی صورت میں ان صفات کو ذکر نہیں کیا گیا کہ یوں کرو اور ایسے بنو بلکہ بطور حکایت بتایا گیا کہ اسلام کو قبول کرنے والے مرد اور عورتیں ایسی ہوا کرتی ہیں۔ (١) مسلمین اور مسلمات: یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم کے سامنے سر جھکا دینے والے، اپنے ہر کام کو اپنے رب کریم کے سپرد کر دینے والے، سراپا اطاعت و انقیاد، پیکران تسلیم و رضا۔

(٢) مومنین اور مومنات: یعنی اس دین قیم کے ہر حکم کی صداقت اور سچائی کو دل سے ماننے والے۔ ان کے عمل اور اعتقاد میں تضاد کی کوئی جھلک نہیں۔ جس ضابطہ حیات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دل کی گہرائی سے وہ اس کی عظمت اور افادیت کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں کسی ذہنی کشمکش کا نام و نشان تک نہیں۔ اس اُمت کے مرد ہوں یا عورتیں، ان کا عقیدہ بھی ایک ہے اور ان کا عمل بھی یکساں۔ (٣) قانتین اور قانتات: وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی نہ چاہا تو ہفتوں غیر حاضر رہے۔ قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں نافرمانی کی آمیزش نہ ہو۔ (القنوت: القیام بالطاعة التي ليس معها معصية، لسان العرب) (٤) صادقین اور صادقات: وہ قول میں بھی سچے ہیں اور عمل میں بھی کھرے ہیں۔ نہ ان کی زبان پر ایسی بات آتی ہے جس میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو اور نہ ان کے عمل میں کھوٹ کی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔ (٥) صابرین اور صابرات: جس راہ کو انہوں نے حق یقین کر لیا ہے اور جو منزل انہوں نے اپنے لیے مقرر کی ہے اس کی طرف ثابت قدمی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ راہ میں پیش آنے والی مشکلات نہ انہیں ہراساں کر سکتی ہیں اور نہ منزل سے رخ موڑنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ نہ وہ نیک اعمال میں سستی کرتے ہیں اور نہ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے دیتے ہیں۔ وہ بڑی سختی سے اپنے طے کیے ہوئے لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور بڑے ذوق شوق سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔ (٦) خاشعین اور خاشعات: اس کے باوجود غرور و نخوت کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ عجز و انکسار ان کا شیوہ ہے۔ جلوت و خلوت میں یہی ان کا شعار (٧) متصدقین اور متصدقات: اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے اور صدقات دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرنا اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتے ہیں۔

مُّبِيْنًا ۝ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

ہو گیا ۶۶ اور یاد کیجیے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

احسان فرمایا (اے زید) اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى

جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے

زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

ڈریں ۶۷ پھر جب پوری کر لی زید نے اس سے (طلاق دینے کی) خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عمل سے) ایمانداروں پر

حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دس دینار مہر ادا کیا کچھ پارچات گھریلو ضرورت کا سامان اور خورد و نوش کی چیزیں ان کے ہاں بھیج دیں۔

اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے کسی مسلمان فرد، قوم، حکومت یا حکومت اسلامیہ کے مقرر کیے ہوئے کسی کمیشن اور قانون ساز ادارہ کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو نظر انداز کر کے اپنے لیے کوئی نئی راہ عمل تجویز کرے مسلمان ہوتے ہوئے اطاعتِ رسول کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ ایک طرف ہم سچے مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ سے فائدہ کے لیے ہم احکام اسلام کو بڑی آسانی سے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری اس دو عملی روش کے باعث اسلام رسوا ہو رہا ہے اور ہم اس چشمہ فیض سے فیضیاب نہیں ہو رہے ہیں بلکہ دوسروں کی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

۶۶ یہاں صاف فرما دیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسول مکرم کے حکم سے سرتابی کی وہ کان کھول کر سن لے کہ وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور رشد و ہدایت کے اجالے سے نکل کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے بچائے۔ آمین

۶۷ جو رسمیں کسی معاشرہ میں جڑ پکڑ جاتی ہیں لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دست کش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش و فہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دی گئی لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے تاریخ اسلام کے اس سادہ سے واقعہ کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھدار ان کے دام فریب میں پھنس گئے اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے، قرآن کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بدباطنی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نشاندہی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔

بعض غلط اور باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہو گئے، سبحان اللہ مقلب القلوب۔ پاک ہے دلوں کو بدلنے والا۔ یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے ساری بات کہہ سنائی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دو اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دے دے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہرداری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہتے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بدباطنوں نے اس آیت کے ان جملوں "امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ" کا یہی معنی لیا ہے اور اپنی خبث باطنی کے باعث بارگاہ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جسارت کی۔ دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو نقل کرنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا اس کا رد ممکن نہ تھا۔ میں آپ کو ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبۂ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں، حضرت عبدالمطلب کی نواسی ہیں، حضور کے سامنے ولادت ہوئی، حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزرا، حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں۔ صبح و شام اپنی پھوپھی کے ہاں آمد و رفت رہتی۔ کوئی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کونسا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان امڈ آیا۔ نعوذ باللہ اور نیز حضرت زینب ان سعادتمند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔

مزید غور فرمایئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور

[illegible]

باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے: ما اللہ مبدیہ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا جسے حضور چھپاتے تھے وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، اکذب اور محض افترا ہے۔ خود بتلائیے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا صراحتہً نہ سہی کنایۃً، الفاظ نہ سہی باشارۃً۔ اگر ایسی کسی بات کا نام و نشان نہیں تو پھر تخفی فی نفسک کا یہ معنی بیان کرنا جاہل لوگوں نے کیا ہے کتنی بڑی گستاخی ہے۔

وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا وہ کیا تھی اس کے متعلق وضاحت سید الامام زین العابدین علی بن حسین علیٰ جدہ و علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ اوحی اللہ تعالیٰ ما اوحی تعالیٰ بہ ان زینب سیطلقہا زید و تتزوجہا بعد علیہ الصلوٰۃ والسلام الی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن علاء والقشیری والقاضی ابوبکر بن العربی وغیرھم (روح المعانی، قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی نازل کی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہل تحقیق کا یہی قول ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زوجنٰکھا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حکمت بھی خود ہی بیان فرما دی کہ پہلے جو رسم چلی آ رہی ہے کہ اپنے متبنّٰی کی زوجہ سے نکاح حرام ہے اس کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ لوگ اس رسم قبیح کے باعث جن پریشانیوں سے دوچار ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وتخشی الناس کے کلمات پر بھی غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسم بد کو ختم کرنے کے لیے اس کا فیصلہ یہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔ حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان برپا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو موثر موقع انہیں ملا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہو سکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پرکاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان بادل والے باندھا کریں۔ دین اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہو گا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آنے کا۔ اگر کوئی بدبخت ان کی بیہودہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے تو آپ کو میرے محبوب! کیا پروا ایک بار نہیں سو بار انہیں روٹھنے دو۔ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فلما قضٰی زید منہا وطرًا کا مطلب یہ ہے کہ جب زید طلاق دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لیے جو بے چین ہیں وہ اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قضاء الوطر کنایۃ عن الطلاق۔

آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ یورپ کے مستشرقین اور مورخین پر برس رہے ہو یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گھڑیں۔ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں اس میں ان کا کیا قصور؟ جوابًا گزارش

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مَّقۡدُوۡرَا ۣ ۙ﴿٣٨﴾ الَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا يَخۡشَوۡنَ

ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ

سے اللہ تعالیٰ کے سوا ۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کے باپ تمہارے

رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

حلال کی ہیں کسی کو حرف گیری کا حق نہیں پہنچتا ۔ حضور سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خصوصی رخصت عطا فرمائی تھی۔

جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت پر فائز کیا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپی ہے وہ حضرات صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوفزدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ کسی کی خاطر احکام الٰہی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب حریم نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو بہتان تراشی کے جس طوفان کا اندیشہ تھا وہ امنڈ کر آ گیا اور بدباطن یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بہو کو اپنی زوجہ بنا لیا کبھی لیلائے عجم کو بھی جیسے انہوں نے کر دکھایا چلو ہمارے رسم و رواج کو تو رہنے دو وہ خود بھی آج تک یہی کہتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان کی اس ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے حضور کسی مرد کے باپ نہیں۔ جب باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا۔ وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ تمہارا یہ اعتراض محض تمہارے خبث باطن کی پیداوار ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بیشک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہ کرم سے امتی کا جسم اور روح، ظاہر اور باطن، دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روز محشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔ یوم یفر المرء من اخیه و امه و ابیه و صاحبته و بنیه لیکن رسول کے لطف و

[illegible]

کر کے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سرپھرے طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی اس کو قتل کر دیا گیا۔

انگریزی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اسی طرح ایک مضحکہ خیز نبوت قائم کر کے اُمت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجے کا وفادار تھا، ملکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا، سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری میں قرار دیا ہے۔ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لیے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لیے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بےشک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ اُمت مسلمہ میں ایک نئی اُمت پیدا کر کے اور ان کے متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے۔ اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت بھی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دلجمعی سے انجام دے سکتا تھا۔ اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے تو وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک اُمت کا مکمل اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے جس طرح ایک مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، حضور کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لیے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث وتمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح وبسط سے لکھا جائے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقا کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لیے ملول نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آخرھم وھو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیھم الصلوٰۃ والسلام۔ وادی کے آخری فرد کو خاتم الوادی کہتے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو خاتم اور خاتم کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے۔ لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے: والخاتم والخاتم من اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفی التنزیل العزیز ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم ومن اسمائہ العاقب ایضا ومعناہ آخر الانبیاء یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ اور حضور کے اسماء میں سے العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زبر ہو یا زیر اس کا معنی آخری ہے۔ اس معنی کی تائید کے لیے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے ختامہ مسک ای آخرہ مسک یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر اصرار ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شان رسالت کے شایان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انبیاء پر مہر لگانے والے ہیں جس پر حضور نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہو گا اور جس پر مہر نہ لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔ یہاں خاتم کا یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے مہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کارروائی کے لیے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا۔ حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔ کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔ آئیے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ لسان العرب میں ہے: ختمہ یختمہ ختما وختاما، طبعہ فھو مختوم ومختم شدد للمبالغۃ یعنی ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختم کہتے ہیں۔

[illegible]

جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قصر نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں۔ بجز اس کے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لیے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اس کو گوارا کرے گی۔ قصر نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی واضح اور اتنی مبنی تیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختم نبوت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں، اور امام ترمذی نے کتاب المناقب اور ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

٢۔ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجدا وطهورا وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون۔

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (١) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحر بے پیدا کنار۔ (٢) رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی (٣) میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ (٤) میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔ (٥) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا (٦) اور میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

٣۔ حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدى ولا نبى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعوے کو تسلیم کرنا سراسر کفر اور الحاد ہے۔

٤۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لم يبعث نبيا الا حذر امته الدجال وانا آخر الانبياء وانتم آخر الامم وهو خارج فيكم لا محالة۔

(ابن ماجہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا۔

اس حدیث سے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

٥۔ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

[illegible]

ہے۔ آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا اور اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ختمِ نبوت کے عقلی دلائل (قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے جب حضور پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی ادنیٰ تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی تشریح و توضیح کر رہی ہے جب کہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کر رہی ہے جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے۔ آفتاب محمدی طلوع ہو چکا، عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے۔ تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا عقلاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمائیے۔ نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا۔ جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا نیک، پاکباز، پارسا اور عالم باعمل ہو اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ اور کفار و مشرکین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔

اب ذرا اسلامی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجیے:

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور پر غافل و کاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضروریات دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند، عبادات کے سختی سے پابند ہیں جن کے اخلاص و للہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر ان کے خالق کو ناز ہے۔

اسی پاک امت میں جب مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے جن میں بعض

[illegible]

نزول فرمائیں گے۔ جن احادیث میں نزول مسیح کے متعلق تصریح کی گئی ہے وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آئیے آپ بھی ان احادیث کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے۔ بلکہ نبی کریم نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا، اس کی والدہ کا نام بتایا، اس کے لقب سے خبردار کیا، اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا۔ جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا اس کی تفصیل بیان فرما دی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من و عن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے گا تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے۔

پہلی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے

۱- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیہا۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم، مسلم باب بیان نزول عیسیٰ، ترمذی، ابواب الفتن، باب فی نزول عیسیٰ، مسند احمد مرویات ابی ہریرۃ)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اتنی فراوانی ہو گی کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہو گا اور دینداری کا یہ عالم ہو گا کہ اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا۔

۲- امام بخاری نے کتاب المظالم باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی ینزل عیسیٰ بن مریم۔

اس وقت تک قیامت برپا نہ ہو گی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو۔

۳- مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابی ہریرہ سے منقول ہے:

فبینما ہم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰۃ فینزل عیسیٰ بن مریم فامہم فاذا راہ عدو اللہ یذوب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکہ لانذاب حتی

حضور علیہ السلام نے خروج دجال کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اس اثنا میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی ہو گی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت

[illegible]

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَ

خوب جاننے والا ہے ف۵۲ اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے ف۵۳ اور

واذا رفعه تحدر منه جمان كاللؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه الا مات ونفسه ينتهي الى حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله

(مسلم: ذکر الدجال — ابی داؤد: کتاب الملاحم — ترمذی: ابواب الفتن)

ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکتے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا اور ان کی سانس حد نظر تک جائے گی اور وہ زندہ نہیں بچے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لد کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمایئے:-

عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرزهما الله تعالى من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليه السلام. (نسائی: کتاب الجہاد)

(مسند احمد، مرویات ثوبان)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا، دوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرما لیا۔ ان میں مسیح موعود کا حلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقتِ نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔ اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو شکست دینا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چک بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دار الاسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات، خدائے مصطفےٰ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں، ان کی نادانی قابل صد افسوس ہے۔

ف۵۲ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذات پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے ——— دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں۔ معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں، ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لیے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں۔ یوں نہیں ہے کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے۔ مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے بلکہ یہ فیصلہ اس ذات والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالم انسانیت

[illegible]

النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى

اے نبی مکرم! ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے

حسن مے گفت کہ شاہد نپذیرد کرم
عشق مے گفت تب و تاب دوامے دارم

کون کہتا ہے حسن کو عشق عزیز نہیں یا محبوب کو اپنے عاشق دل فگار کی پروا نہیں۔ یہاں حال مطلق اور حسن کامل دکھائیں شے رہے کہ اے عشق کی سیلاب جبینو! اور بے تابیو! تم سلامت رہو! اے چشم شوق تو سدا بینا رہے! اے دل درد مند تیرے ماروں کی خیر تیری حسرتوں کی خیر!

عشق کو یہ پذیرائی حاصل تو ہوتی ہے لیکن امتحانوں کے کئی مرحلے ذوق و یقین سے طے کرنے کے بعد۔ کبھی تو یہ سمجھتا ہوں کہ حسن بے نقاب کی نیرنگ نوازیاں ہی اتنی وقت ساقی نواز ہوتی ہیں لیکن جب کوئی نیاز مند درد و سوز سے بے چین ہو کر سوئے منزل چل پڑتا ہے تو اسی وقت سے حسن کی نوازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اسے بڑا خیال رہتا ہے کہ عاشق کا دل شکستہ نہ ہو جائے۔ بظاہر تغافل ہوتا ہے حقیقت میں اس تغافل میں بھی توجہ کی کشش صاف معلوم ہوتی ہے جو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر لمحہ قدم قدم پر اور قدم قدم عشق کی خبرگیری کی جاتی ہے کہ کوئی راہزن اس کی متاع شوق کو لوٹ نہ لے۔ یہ نوازشیں ہوتی ہیں تب ہی کوئی مسکین نیے نوا ہجر کی طویل راتوں کو کاٹتا ہوا جدائی کے عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا سر نیاز قدم یار پر رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

سچ تو یہ ہے عشق بھی حسن کا فیضل ہے عشق کی بے تابیاں بھی حسن کی عطا ہیں۔ عاشق کے صبر و استقامت میں بھی انکی دستگیری اور اس کی کرم فرمائی شامل ہوتی ہے۔ حریم ناز کے دروازے عشق نہیں کھولتا اور نہ کھول سکتا ہے بلکہ حسن کی دلنوازیاں آگے بڑھ کر اپنے آبلہ پا مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور خود ہی اندر او جلوہ پروری اپنے رخ سے نقاب الٹ دیتی ہیں۔ تب ہی وہ گھڑی آتی ہے جب کوئی شہید تیغ ناز مسیح ہوتا ہے۔

تخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس بشبہا
کہ بوسہ بر کف پائے مہند بخواب رود

۴۵ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز سے خطاب فرماتا ہے اور اس کے بعد ان جلیل القدر خطابات کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ۔ ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ منہ کھولے بھنور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، بزدل، کم حوصلہ، نااہل اور ناتجربہ کار ہو بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفات جلیلہ سے متصف کیا ہے۔ تم صبر و استقامت سے اس کا دامن اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یقیناً تمہیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ ساتھ ہی دشمنان اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملا دیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں

کو بگھانا چاہتے تھے۔

ارشاد فرمایا اے میرے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔ شاہد کا معنی گواہ ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

الشهادة والشهود الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة یعنی شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی۔ یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر۔ جب ایسی باکمال ہستی اور ہر صفت اور خوبی سے متصف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الٰہ الا اللہ، تو کسی کو اس دعوت کے حق ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور حسن و جمال کے بھی ایسے حجابات ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں حضور کی اس شہادت سے وہ سارے حجاب تار تار ہو گئے اور اس جلیل القدر نبی کی شہادت توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام، اس کے عقائد، اس کے نظام عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ اس کے اتباع میں ہی فلاح دارین کا راز مضمر ہے۔ اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشن ہستی میں بہار جاوداں آسکتی ہے اور جب قیامت کے روز سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا اور نہ کسی نے ان کو دعوت توحید دی اور نہ کسی نے انہیں گناہوں سے روکا۔ اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گا کہ الٰہ العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انہوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہ لوگ جو آج تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر تیر برسائے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختہ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شاهدا على امتك" یعنی حضور اپنی امت پر گواہی دینے والے۔ اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے: اخرج ابن المبارك عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الا وتعرض على النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم ولذلك يشهد عليهم. (مظہری) یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح و شام حضور کی امت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اسی لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

علامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فقوله تعالى: شاهدا على الله بالوحدانية وانه لا اله غيره وعلى الناس باعمالهم يوم القيامة۔

یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شاهدا على من بعثت اليهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم و ...... وتؤدى يوم القيامة اداء مقبولا فى مالهم وما عليهم (روح المعانی) یعنی حضور گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ حضور ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روز قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیا کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان الله تعالىٰ قد اطلعه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم على اعمال العباد فنظر اليها لذالك اطلق عليه شاهدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا ہے اور حضور نے انہیں دیکھا ہے اس لیے حضور کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

در نظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

کہ بندوں کے مقامات حضور کی نگاہ میں تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم پاک شاہد رکھا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں فتامل ولا تغفل کہ اس بیان کردہ حقیقت میں غور و فکر کرو اور غفلت سے کام نہ لو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لکھتے ہیں: "اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا؟ الغرض وہ تمام ابدی صداقتیں جنہیں انسان سمجھنے سے قاصر ہے عالم غیب کی وہ حقیقتیں جو عقل و خرد کی رسائی سے ماوراء ہیں ان سب کی سچائی کے آپ گواہ ہیں۔

۴۔ آنحضرت کا دوسرا لقب مبشر ہے یعنی خوشخبری دینے والے۔ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گا۔

ملا اسماعیل حقی فرماتے ہیں: مبشرا لاهل الايمان والطاعة بالجنة ولاهل المحبة بالرؤية کہ اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہل محبت کو دیدار محبوب کی۔

تیسرا لقب نذیر ہے۔ نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینا یہ بھی حضور کی شان ہے۔

وداعیا الی اللہ باذنہ: یہ حضور کا چوتھا لقب ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام کیونکہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے۔ کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے بآسانی تیار نہیں ہوتا۔ حضور جن مشرک جوگی واد تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے جنہوں نے خود ہی دریائے سامنے دینے کل کر دیے تھے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے آنا از حد دشوار تھا۔ یہی حالت یہود اور دوسرے اہل کتاب کی تھی۔ اس لیے ساتھ ہی "باذنہ" کا کلمہ بڑھا دیا۔ یعنی اے محبوب! ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ باذنه اى بتسهيله وتيسيره تعالىٰ (روح المعانی) اور اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گونا گوں اولیہ

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ

والا اللہ کی طرف اسکے اذن سے اور آفتاب روشن کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ کی

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ

جناب سے بڑا ہی فضل ہے ۔۲۱ اور نہ کہنا مانئے کافروں اور منافقوں کا اور پروا نہ کریں ان کی

اور دلفریبیوں سے متاثر فرمایا تھا کہ دل خود بخود اس طلعت زیبا کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی مادہ موجود تھا وہ اس شمع جمال پر پروانہ وار نثار ہونے لگے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں، اپنے آباد گھروں، قیمتی مال و متاع اور وطن عزیز کو چھوڑ کر مدینہ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدان احد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا لیکن وہی فاتح خالد مکہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا طوق ڈال کر سرکار مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ و دمن، دشت و صحرا کو عبور کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہ بھی داعیًا الی اللہ باذنہ کی شان کا ایک ظہور ہے۔

۲۱ے فرمایا اے محبوب! میں نے تجھے سراجًا منیرًا بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن انعامات و الطاف کی بارش فرمائی ہے اس کی بیکرانیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ آفتاب اور آفتاب بھی عالمتاب، روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور و ضیاء کا منبع و مصدر بنا دینے والا۔ اہل دل نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے۔ میں فقط حضرت عارف باللہ علامہ اسماعیل حقی پانی پتی کا ایک جملہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یبانہ داعیًا الی اللہ تعالیٰ وبقلبہ وقالبہ کان مثل السراج یقتبس المؤمنون بانوارہ ویتنورون بانوارہ۔ یعنی حضور زبان فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور اپنے قلب مبارک اور قالب منور کی وجہ سے سراج منیر تھے۔ اہل ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار سے درخشاں راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲ے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے جو لطف و کرم اپنے حبیب کریم اور محبوب دلنواز صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرمایا، اس کا ذکر ہوا۔ اب اس ابر رحمت کا بیان ہو رہا ہے جو امت پر برسایا جانے والا ہے۔ ارشاد ہے: اے میرے نبی! اپنے غلاموں کو بھی یہ بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ان پر بھی ہوگا اور وہ فضل و کرم قلیل اور محدود نہیں ہوگا بلکہ فضلًا کبیرًا ہوگا۔ آپ خود ہی غور فرمایئے کہ وہ رب العزت جس کے سامنے ساری دنیا متاع قلیل ہے یعنی تھوڑا سا سامان، تو جس فضل کو وہ کبیر فرما رہا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ یہ سب صدقہ ہے محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ جن کی غلامی کے باعث انہیں یہ شرف حاصل ہے۔ کاش ہم اس غلامی کی قدر کو پہچانتے اور اس جمال جہاں افروز پر اپنی جان، اپنا دل اور ہوش و خرد قربان کرتے جو صحابہ کرام کا طریقہ

اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر ۸۴ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز اے ایمان والو!

اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہٰذا انہیں کچھ مال

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ

دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے ۸۵ اے نبی (مکرم)! ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لیے آپ کی وہ ازواج

الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں ۸۶

تھا۔ تب ہمیں اس فضل کبیر کا صحیح احساس ہوتا۔

۸۴ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو ان عظمتوں سے نوازا ہے تو آپ کو کفار و منافقین کا کہنا ماننے کی کیا ضرورت ہے آپ ان کی اذیت رسانیوں سے خائف کیوں ہوں۔ آپ انہیں پرکاہ کی وقعت بھی نہ دیں اور صاف صاف اعلان کر دیں کہ جو تکلیف اور اذیت وہ پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ آپ کا پروردگار آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور نہ آپ کے دین کی ترقی میں روڑا اٹکا سکتی۔

۸۵ یہاں شرعی حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنی کسی ایسی منکوحہ کو طلاق دو جس سے تم نے خلوت صحیحہ نہیں کی تو اس مطلقہ کا عدت گزارنا لازمی نہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی قید نکاح سے آزاد کرو تو بے مروتی کا ثبوت نہ دو۔ طلاق دے کر تم نے ان کا دل توڑا ہے۔ ان کی کچھ مالی اعانت کر دو تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ اگر ایسی عورت کا مہر مقرر تھا تو نصف مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔

۸۶ اسلام نے مردوں کو بشرط عدل کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے جس کی حکمتیں سورۃ نساء میں بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمتوں کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت مرحمت

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی

الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ

بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ اجازت صرف آپ کے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ لثہ

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں

فرمائی۔ دشمنانِ اسلام نے اس بات کو بھی ہدف تنقید بنایا خصوصاً عیسائی پادریوں نے لیکن اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اجازت بھی سراسر حکمت نظر آتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سب سے پہلے جس خاتون کو حضور نے شرف زوجیت بخشا ان کا اسم گرامی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ اس وقت حضور کا عنفوان شباب تھا۔ عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ دو بار بیوہ ہونے کے بعد اپنی چالیسویں سال میں تھیں لیکن ان کے ساتھ زوجیت کے تعلقات اتنے خوشگوار رہے کہ ان کے وصال تک حضور نے کسی دوسری کا کبھی خیال بھی نہیں فرمایا اور ان کے وصال کے بعد بھی اکثر ان کا ذکر خیر فرمایا کرتے یہاں تک کہ حضرت عائشہ بھی رشک کرنے لگتیں۔ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد ایک سن رسیدہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہ سے عقد اگرچہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں جن کی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی وہ اُحد میں شدید زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر بھی اس صاحبزادی کے مستقبل کے متعلق بڑے پریشان تھے۔ حضور کا انہیں شرف زوجیت بخشنا نہ صرف ان کی دلجوئی کا باعث ہوا بلکہ اس سے حضرت فاروق اعظم کی بہت بڑی پریشانی دور ہوئی۔ حضور کی حقیقی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا ان سے مقصود یا تو اپنے غلاموں کی دلجوئی تھی اور یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودت کے تعلقات قائم کرنے تھے۔ ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لثہ اس کا تعلق یا تو اِنْ وَّهَبَتْ کے ساتھ ہے یعنی کوئی مومن عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیش خدمت کرے اور حضور اسے قبول فرمائیں تو اس کا مہر ادا کرنا ضروری نہیں یا یہ حکم صرف حضور کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے بغیر مہر کے نکاح جائز

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِيْ

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (اے حبیب) آپ کو اختیار ہے دور

مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

کردیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جنہیں

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ

آپ نے علیحدہ کردیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ حلال نہیں آپ کے لیے

النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ

دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کریں ان ازواج سے دوسری بیویاں

نہیں۔ لیکن اس رخصت کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کا بہرہ ادا کیا، اور یا اس لفظ کا تعلق چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی رخصت سے ہے یعنی یہ اجازت صرف حضور کو ہے اور کسی کو نہیں۔

ے۵ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا کہ آپ پر کوئی پابندی نہیں لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ہر بیوی کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرماتے۔ اس رخصت کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کی طبع مبارک اتنی عادل اور انصاف پسند تھی کہ حکم نہ ہونے کی صورت میں بھی بے انصافی ممکن نہ تھی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ازواج طاہرات میں باہمی تنازع پیدا نہ ہو۔ تھوڑی تھوڑی بات کو بڑھا کر گھر کے سکون کو مکدر نہ کریں۔ اب جب حضور پر پابندی نہ تھی تو جس کو بھی حضور شرف بخشیں اور جتنا وقت شرف بخشیں اسی کو وہ غنیمت سمجھے گی اور کسی قسم کا مطالبہ کرکے یا شکوہ کرکے خاطر عاطر کو مشوش نہ کرسکے گی۔ اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کے ان کلمات میں

أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ

اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن۔ بجز کنیزوں کے ۵۲ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿٥٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ

پر نگران ہے۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں ۵۳ بجز اس

النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ

(صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو

إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ

لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے

لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ

کیلئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی کے لیے تکلیف کا باعث تھیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں۔ اور جب بیٹھے ہیں اور

تعریض فرمادی: ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ۔

۵۲ جب اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو اجازت دیدی کہ چاہے تو وہ اس فقر و فاقہ کے ساتھ اس کے رسول کی خدمت میں رہیں، چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ ان سب نے دنیا اور آسائش دنیا کو ٹھکرا کر کاشانہ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو خوشی سے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ ایثار بہت پسند آیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اب کسی اور کو شرف زوجیت نہ بخشا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور نے کسی دوسری آزاد عورت کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔ البتہ کنیزوں کے متعلق رخصت بدستور باقی رکھی گئی۔

۵۳ یہاں مسلمانوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجروں میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں۔ فرمایا جب تک حضور اجازت نہ دیں تمہارا داخل ہونا قطعاً ممنوع ہے اور جب اجازت ملے تو داخل ہو سکتے ہو اور وہ بھی ایسے وقت کہ کھانا کھاؤ اور اس کے بعد فوراً اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگو اور حضور کو اس طرح تمہارے دیر تک بیٹھنے سے تکلیف پہنچے۔ حضور تو اپنے شرم کی وجہ سے تمہیں اٹھ کر چلے جانے کا حکم نہیں فرمائیں گے اور خاموش رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی باتوں پر تنبیہ کرنے سے حیا نہیں کرتا جن کا جاننا تمہارے لیے ضروری ہے۔ آیت میں غیر ناظرین اناہ کا فقرہ توجہ طلب ہے۔ انیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب قاموس لکھتے ہیں: انی الشیء یانی انیا و اناء و اناً فهو انی ای حان و ادرک یعنی پلنے یا کے اور

لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن

اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو

وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ

پس پردہ ہو کر ۹۰ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے ۹۱ اور نہیں ہے

أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ

زیب نہیں دیتا تمہیں کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو ۹۲ اور نہیں اس کی بھی اجازت ہے کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی ۹۳

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ

بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔ کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آئیں ان کے باپ

۸۹ یعنی کھانے کے پک کر تیار ہو جانے کو اِنیٰ کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی حجرہ شریف سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو باہر آ کر اس انتظار میں بیٹھ رہتے کہ ابھی کھانا تیار ہو گا اور ہمیں بھی کھانے کی دعوت دی جائے گی۔ بن بلائے مہمان بننے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

۹۰ یہاں دوسرا ادب سکھایا جا رہا ہے کہ تمہیں حضور کے اہل خانہ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔ اندر گھس آنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ۹۱ یہ طریقہ کار تمہارے لیے اور امہات المومنین کے لیے قلب کی پاکیزگی کا باعث ہے۔

یہاں اس تساہل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو آج کل بعض مسلمان گھرانوں میں ہے کہ اپنے شاگردوں سے پردہ کرنا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ اس آیت نے تنبیہ فرما دی کہ جب مسلمانوں کو ازواج طاہرات کے ہاں گھس آنے کی اجازت نہیں تو اور کون ہے جو اس رخصت کا مستحق ہو۔ شیطان کسی وقت بھی دل میں فاسد خیال پیدا کر سکتا ہے۔ پردے کا حکم جو تمہیں دیا گیا ہے اس میں ہرگز تساہل نہ کرو بلکہ سختی سے اس پر عمل کرو۔

۹۲ ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی ایسے کام کے کرنے کی اجازت نہیں جس سے میرے رسول کو تکلیف پہنچے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرانیٔ طبع کا سبب بن سکتا ہو۔

۹۳ یہاں ایک اور حکم بیان فرمایا کہ حضور کے وصال کے بعد حضور کی ازواج مطہرات سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ تمہاری مائیں ہیں اور تم پر قطعاً حرام ہیں۔ تم اس چیز کو معمولی بات مت خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی بڑا جرم ہے، کبیرہ گناہ ہے۔

وَلَآ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَآ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَآ اَبۡنَآءِ

ان کے بیٹے ان کے بھائی ان کے بھتیجے اور ان کے

اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ؕ

بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے نبی کی بیویو!) ڈرا کرو اللہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ

(کی نافرمانی) سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ ۹۴ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا

درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ ۹۵ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا

۹۴ اس آیت میں ان مردوں کا ذکر کیا گیا جو محرم ہیں اور جن سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

۹۵ اسلام کو مٹانے کے لیے کفر کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں پر انہوں نے مظالم کے پہاڑ توڑ دیے لیکن ان کے جذبۂ ایمان کو کم نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے وطن، گھر بار، اہل و عیال کو خوشی سے چھوڑنا گوارا کیا لیکن دامن مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ کفار نے قریش کے گرد و نواح کے مشرکوں و دیگر طاقتوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پر بار بار یورش کی لیکن ہر بار ان مٹھی بھر اہل ایمان سے شکست کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس واطہر پر طرح طرح کے بیہودہ الزامات تراشنے شروع کر دیئے تاکہ لوگ رشد و ہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بتایا کہ یہ میرا حبیب اور میرا پیارا رسول وہ ہے جس کی وصف و ثنا میں اپنی زبان قدرت سے کرتا ہوں اور میرے سارے ان گنت فرشتے اپنی نورانی اور پاکیزہ زبانوں سے اس کی جناب میں ہدیۂ تعریف پیش کرتے ہیں۔ تم چند لوگ اگر اس کی شان عالی میں ہرزہ سرائی کرتے بھی رہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جس طرح تمہارے پہلے منصوبے خاک میں مل گئے اور تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں اسی طرح اس ناپاک مہم میں بھی تم خائب و خاسر ہو گے۔

اس آیت کریمہ کی علالت شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہل اسلام۔

جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و ثنا کرتا ہے۔ معنی منه عز وجل ثناؤه عليه عند الملائكة و تعظيمه۔ رواه البخاری عن ابی العالیہ

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتعظیمه تعالی ایاه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دینه وابقاء العمل بشریعته وفی الآخرة بتشفیعه فی امته واجزال اجره ومثوبته وابداء فضله للاولین والآخرین بالمقام المحمود وتقدیمه علی کافة المقربین بالشهود (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کرکے اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت و شان بڑھاتا ہے اور روزِ محشر کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا کرکے اور مقامِ محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کرکے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔

اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ وملائکتہ الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ہر دم ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ عراقی نے کیا خوب لکھا ہے: ؎ شکّے زلف و رخسار تو اے ماہ ملائک ورد صبح و شام کردند

جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کی ثنا گستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور اس کی رفعتِ شان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہلِ ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعتِ شان کے لیے دعا مانگا کرو۔ علامہ ابن منظور صلوٰۃ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مومن بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے: اللهم صل علی سیدنا محمد معناه عظمه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دعوته وابقاء شریعته وفی الآخرة بتشفیعه فی امته وتضعیف اجره ومثوبته۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما۔ اس کے دین کو غلبہ دے اور اس کی شریعت کو باقی رکھ کر دنیا میں ان کی شان بلند فرما اور روزِ محشر ان کی شفاعت قبول فرما۔ اجر اور ثواب کو کئی گنا کر دے۔

اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے لیکن ہم نہ شانِ رسالت کو کما حقہٗ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے اعترافِ عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں: اللهم صل الخ۔ یعنی مولا کریم تو ہی اپنے محبوب کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لیے تو ہی ہماری طرف سے اپنے محبوب پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایاں ہے۔ وقیل المعنی لما امرنا الله تعالی سبحانه بالصلوة علیه ولم نبلغ قدر الواجب من ذلك احلنا علی الله وقلنا اللهم صل انت علی محمد لانك اعلم بما یلیق به (لسان العرب)

اس آیت میں ہمیں بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث کثیرہ صحیحہ میں بھی درود شریف کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث تبرکاً ذکر کر دیتا ہوں تاکہ آپ کے دل میں بھی اپنے رسولِ مکرم، ہادیٔ اعظم، مرشدِ اکمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لحاجتہ فلم یجد احداً یتبعہ ففزع عمر واتاہ بمطہرۃ من خلفہ فوجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساجداً فی مشربۃ فتنحی عنہ من خلفہ حتی رفع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأسہ فقال احسنت یا عمر حین وجدتنی ساجداً فتنحیت عنی ان جبریل اتانی فقال من صلی علیک من امتک واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشر صلوات ورفعہ عشر درجات۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ حضرت عمر نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا لیا اور پیچھے چل دیئے۔ جب آپ آگے آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک وادی میں سربسجود پایا اور پیچھے سے ایک طرف ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضور نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ جب مجھے سربسجود دیکھا تو ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر یہ بتایا کہ جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔

(۲) عن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاء ذات یوم والسرور یری فی وجہہ وقالوا یا رسول اللہ! انا لنری السرور فی وجہک وقال انہ اتانی الملک فقال یا محمد اما یرضیک ان ربک عز وجل یقول انہ لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشراً ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشراً قلت بلی۔

ترجمہ: ایک دن حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو رخ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اس نے آکر کہا کہ اے سراپا حسن و خوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا ہے کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازش پر از حد خوش ہوں۔

(۳) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ذکرت عندہ فلیصل علی ومن صلی علی مرۃ واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشراً۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا۔

(۴) عن عبد اللہ بن علی بن الحسین عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان البخیل من ذکرت عندہ ثم لم یصل علی۔ حضرت عبد اللہ حضرت زین العابدین کے فرزند نے اپنے والد بزرگوار سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسین سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(۵) عن طفیل بن ابی بن کعب عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا ذہب ثلثا اللیل قام وقال یا ایہا الناس اذکروا اللہ۔ جاءت الراجفۃ۔ تتبعہا الرادفۃ۔ جاء الموت بما فیہ۔ جاء الموت بما فیہ۔ قال ابی قلت

یا رسول اللہ انی اکثر الصلوۃ علیک فکم اجعل لک من صلاتی قال ماشئت قلت الربع قال ماشئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالنصف قال ماشئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالثلثین قال ماشئت وان زدت فھو خیر لک قلت اجعل لک صلاتی کلھا قال اذا تکفی ھمک ویغفر لک ذنبک۔

ابی بن کعب کے فرزند طفیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ تھرتھرا دینے والی آگئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی، موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حضور پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں ارشاد فرمایئے کہ میں کس قدر پڑھا کروں۔ فرمایا: جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا وقت کا چوتھائی حصہ۔ فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ عرض کیا نصف وقت۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی میں اپنا سارا وقت حضور پر درود شریف پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا:

"تب یہ درود تیرے رنج والم کو دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

عن الطفیل بن ابی عن ابیہ قال قال رجل یا رسول اللہ ارأیت ان جعلت صلاتی کلھا علیک قال اذا یکفیک اللہ ما اھمک من دنیاک و آخرتک۔ طفیل کہتے ہیں میرے والد نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اگر اپنا تمام وقت حضور پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔ حضور نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری دنیا و آخرت کی مشکلیں آسان کر دے گا۔

آیت طیبہ اور ان احادیث مبارکہ سے درود شریف کی برکتیں اور فضیلتیں معلوم ہو گئیں۔ ایسا کم فہم اور نادان کون ہو گا جو رحمتوں کے اس خزانہ سے اپنی جھولی بھرنے کی کوشش نہ کرے لیکن بعض اوقات اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے اور وہاں پڑھنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے بھی چند اہم مقامات اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہر محفل اور مجلس میں درود شریف پڑھنے کی ہدایت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما جلس قوم مجلساً ولم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیھم الا کان علیھم ترۃ یوم القیامۃ وان شاء عذبھم وان شاء غفر لھم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے وبال ہو گی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے۔

ہر محفل کے اختتام کے وقت حضرت ابو سعید سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے باعث حسرت ہو گی اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہو گی۔

اذان کے بعد: حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب مؤذن کو تم اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی کلمے

دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلی اللہ علیہ بہا عشراً الخ

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اپنی دادی صاحبہ حضرت خاتون جنت سے روایت کرتے ہیں۔ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک واذا خرج صلی علی محمد وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔

دعا کرتے وقت: حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے کہ دعا میں جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

نماز کے بعد دعا سے پہلے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت صدیق اور حضرت فاروق اعظم تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی پھر میں نے درود پاک پڑھا پھر اپنے لیے دعا مانگنے لگا، تو حضور نے فرمایا: اب مانگ! تجھے دیا جائے گا۔

عن عبد اللہ قال کنت اصلی والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر وعمر معہ فلما جلست بدأت بالثناء علی اللہ تعالیٰ ثم بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سل تعطہ۔

امام ترمذی اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں:

بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلی فقال اللھم اغفرلی وارحمنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت ایہا المصلی اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلک فحمد اللہ وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایہا المصلی ادع تجب (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے نمازی تو نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو، اللہ کی حمد و ثنا کرو اور مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد و ثنا کی پھر حضور پر درود پڑھا۔ حضور نے فرمایا اے نمازی اب دعا مانگ قبول ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم اہل سنت نماز کے بعد جو ذکر اور درود شریف پڑھتے ہیں یہ سنت ہے اور قبولیت دعا کا باعث ہے۔ نیز اس سے باآواز بلند ذکر اور درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔ ۱۲

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھے۔ جب نام گرامی لکھے تو ساتھ درود بھی لکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ خلف نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ سبز پوشاک پہنے خوش و خرم گھوم رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ اس نے کہا ہاں

تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي

بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ

ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب ۱۲۶ اور جو لوگ دل

يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا

دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی قصور کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا

بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ

اپنے سر پر بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ ۱۲۷ اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنی صاحبزادیوں کو

میں دریافت کیا کہ آپ نے پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لکھتا وہاں درود شریف بھی لکھتا۔ فکافانی ربی عز اللہ بی ترین سالی۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کا بدلہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت امام شافعی کو دیکھا۔ پوچھا فرمائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا: رحمنی وغفرلی وزفنی الی الجنۃ کما تزف العروس ونثر علی کما ینثر علی العروس میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا۔ مجھے بخش دیا۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر درہم و دینار نچھاور کیے جاتے ہیں۔ میں نے اس عزت افزائی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اپنی کتاب "الرسالہ" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میں نے جو درود لکھا ہے اس کا یہ اجر ہے۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں میں نے امام سے پوچھا۔ وہ خاص درود شریف کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میں نے وہاں یہ درود شریف لکھا ہے۔ وصلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ میں بیدار ہوا اور کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہٖ اسی طرح درود شریف لکھا ہوا تھا۔

۱۲۶ سابقہ آیت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو پیہم رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اس کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بدبختی اور بدنصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کو اپنی بداعمالیوں یا ناتربیا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔

۱۲۷ ساتھ ہی ان لوگوں کو سرزنش کر دی جو اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ستایا کرتے ہیں کبھی ان پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں، کبھی راہ چلتے ان کی بے عزتی کر دیتے ہیں، کبھی انہیں زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ سن لیں کہ وہ بہتان تراشی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ

اور عام اہلِ ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ۹۱ اس طرح

لازم ہے یہیں جب عام مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ حکم ہے تو حریم نقیب ازواج مطہرات، آلِ پاک اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جناب میں گستاخی کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دکھاتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہاں ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمایئے۔

عن عبد الله بن مغفل رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الله الله فی اصحابی الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله فیوشك ان یاخذه۔

ترجمہ: اللہ کے رسول نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض کے باعث ایسا کرتا ہے۔ جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جو ایسا کرتا ہے اُسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ (مظہری)

۹۱ تمام جاہلی تہذیبوں میں خواہ مشرقی ہوں یا مغربی، قدیم ہوں یا جدید، عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا جاتا رہا اور سمجھا جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک عورت اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی اس وقت تک اسے محفل رقص و سرود کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اور جب اسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو ان شکاریوں نے اس کو پھانسنے کے لیے نیا جال بچھا دیا۔ انہوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زورِ قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے۔ تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو زینت و سنگھار کر کے گھر سے نکلے۔ اس کے بعد تیرا جی چاہے تو بازاروں اور شاہراہوں پر محو خرام رہے، جی چاہے کسی قہوہ خانے کی آرائش بن جا اور جی چاہے کسی شبینہ کلب میں یا بزمِ عیش و طرب میں اپنے حسن کی نمائش کر۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ تیری اس آزادی میں روڑا اٹکائے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اسی کی مخلوق ہیں اور وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ وہ جس طرح مردوں کو آبرو مندانہ اور باوقار زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح وہ عورت کو بھی عفت و عصمت اور شرم و حیا کا پیکر بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود و منافقین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش نوجوان شرم و حیا کی قدروں سے ناواقف اور فسق و فجور کے دلدادہ تھے۔ ان کی دوسری کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے کسی ضروری کام کے لیے نکلتیں تو وہ ان کا دور تک تعاقب کرتے۔ خصوصاً شام کے دھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لیے باہر جاتیں تو راستوں پر تنگ جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت اُدھر آ نکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہ ان کے ہاں عام دستور تھا اسکو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بڑے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی غیر مستحسن کرشمہ ساز کر دیا کرتے

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یثرب کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کے لیے گھر سے نکلنا پڑتا تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے۔ اگر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی دختران پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں۔ پھر اس کا ایک پلّو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے۔ اس طرح کسی بدباطن کو انہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی۔

جلابیب جمع ہے اس کا واحد جلباب ہے اور جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ انه الثوب الذی یستر جمیع البدن۔ علامہ زمخشری ”یدنین“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یرخینها علیهن ویغطین بها وجوههن و اعطافهن۔ یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر ڈال لو اپنے چہروں اور کندھوں کو چادر سے چھپا لو۔ علامہ زمخشری کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ لغوی طور پر بھی یدنین علیهن کا یہ مفہوم ہے کہ چادر کو اپنے اوپر اس طرح ڈالا جائے کہ سارا جسم ڈھک جائے۔ کندھے اور چہرہ بھی برہنہ نہ رہے۔ علامہ ابوحیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اندلس میں مسلمان خواتین اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ سارا چہرہ چھپا ہوا ہوتا ہے صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ وکذا عادة بلاد الاندلس لا یظهر من المرأة الا عینها الواحدة (بحر)

پردہ کے احکام بالتفصیل آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں بھی واضح طور پر امہات المومنین اور دختران رسالت مآب کو خصوصاً اور تمام مسلمان عورتوں کو عموماً حکم دے دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں تو بڑے وقار اور باپردہ مہذبانہ طریقہ سے نکلیں۔ ایک بڑی چادر سے اپنے سارے جسم اور اکثر چہرہ کو ڈھانکا ہوا ہو۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح شرم و حیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے۔ جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کرنے والا لباس پہن کر وہ بن سنور کر بازاروں میں پھرتی اور عام محفلوں میں شرکت کرتی ہیں انہیں دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ دختران اسلام ہیں۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بنو تمیم قبیلہ کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر ام المومنین نے فرمایا: ان کنتن مومنات فلیس هذا بلباس المومنات وان کنتن غیر مومنات فتمتعن به (قرطبی)۔ یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو سن لو کہ یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔

آخر میں نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجیے: نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات رؤوسهن مثل اسنمة البخت لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها۔ یعنی کئی عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے کپڑے تو پہنے ہوتے ہیں لیکن وہ ننگی ہوتی ہیں۔ اتراتی ہوئی مٹکتی ہیں اور جھکاتی ہیں۔ ان کے سر اس طرح ہیں جس طرح بختی نسل کے اونٹوں کی کوہان۔ یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ انہیں اس کی ہوا لگے گی۔

اب آپ دیکھیے کہ ہماری فیشن پرست لڑکیاں جو لباس پہنتی ہیں کیا وہ اس لباس کے باوجود ننگی نہیں ہوتیں۔ وہ کس طرح مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور سروں پر جو انہوں نے مصنوعی جوڑے (wigs) رکھے ہوتے ہیں کیا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح نظر نہیں آتے۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔ حضور نے اپنے نور نبوت سے چودہ سو سال پہلے ہی آج کی مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کی کس طرح نشاندہی فرما دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرم و حیا عطا فرمائے۔

اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا ۹۹ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۱۰۰

یہاں حضورؐ کی صاحبزادیوں کا جب ذکر آیا تو قرآن نے بنت ایک صاحبزادی نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی ایک صاحبزادی نہ تھی بلکہ متعدد صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں یہاں مختصر حوالے پیش کرتا ہوں۔ اصول کافی جو اس فرقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں:

وتزوج خدیجة وهو ابن بضع وعشرین سنة فولد له منها قبل مبعثه علیه السلام القاسم ورقیة وزینب و ام کلثوم وولد له بعد المبعث الطیب والطاهر وفاطمة علیها السلام۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جب کہ حضورؐ کی عمر مبارک پچیس سال کے قریب تھی اور حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور امّ کلثوم اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران)

ان کی دوسری کتاب حیٰوۃ القلوب میں علامہ مجلسی رقمطراز ہیں:

" در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و امّ کلثوم و رقیہ و زینب۔ (حیٰوۃ القلوب ص ۲۲۳)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر سند سے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ اولاد پیدا ہوئی: طاہر، قاسم، فاطمہ، امّ کلثوم، رقیہ اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان روشن تصریحات کے باوجود جو لوگ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں، خاندانِ نبوت کے ساتھ ان کی بے مہری اور بے مروتی محتاجِ بیان نہیں۔

۹۹ یعنی اگر وہ اس طرح چادر اوڑھ کر چہرہ ڈھانک کر باہر نکلیں گی تو انہیں دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عفت مآب اور عصمت شعار مومنہ ہے کسی کو جرأت نہیں ہوگی کہ اس کی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھ سکے نیز اگر عورت شرم و حیا کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور یوں سنور کر باہر نہ نکلے اپنے لباس اپنی چال سے کسی کو دعوتِ نظارہ نہ دے تو کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ اس کی طرف بدنگاہ سے دیکھے اس جملہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر تم اس طرح چادر اوڑھ کر نکلو گی تو تمہارے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا اور تم ہر قسم کی اذیت سے بچ جاؤ گی۔ اسلام نے پردہ اور شرم و حیا کے جو اصول تمہیں بتائے ہیں ان پر عمل کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔

۱۰۰ یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے جو غلطیاں تم سے سرزد ہوئیں یا اب نادانستہ کوئی لغزش ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے تم توبہ کرو گے وہ توبہ قبول فرمائے گا تم اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اس کے حضور حاضر ہو گے تو تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی۔

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُونَ

اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں

فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا

اڑانے والے تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر

قَلِيلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾

چند روز ۱۱۱ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے ۱۱۲

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ

اللہ کی سنت ان (دریدہ دہنوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل

تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ

نہ پائیں گے ۱۱۳ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ فرمائیے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ

۱۱۱ اگر منافقین مسلمان خواتین کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں اڑانے والوں نے اپنی زبانیں بند نہ کیں تو وہ یاد رکھیں انہیں من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ ہم آپ کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا فرمائیں گے اور وہ آپ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

المرجفون: ارجاف سے ہے اس کا معنی ہے جھوٹی اور غلط افواہیں پھیلانا۔ والارجاف اشاعة الكذب والباطل

لنغرينك ای لنسلطنك عليهم قاله ابن عباس (قرطبی) یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور آپ ان کے قتل کا حکم دے کر انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ قلیلا ترکیب میں کیا ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یجاورونک میں ضمیر فاعل کا حال ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ نہایت قلیل تعداد میں کچھ عرصہ یہاں رہیں گے۔ پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ای لا یجاورونك الا فی حال قلة۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قلیلا وقت محذوف کی صفت ہے۔ ای یکون المعنی الا وقتا قلیلا۔ یعنی وہ بہت قلیل عرصہ مدینہ طیبہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

۱۱۲ ان منافقوں اور بدباطن لوگوں کے لیے اے حبیب! تیرے پڑوس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ چند روز یہاں رہیں گے اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جہاں جائیں گے ان پر لعنت اور پھٹکار رہے گی۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے اپنی بد اعمالیوں

اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ

کے پاس ہے۔ ۱۲۳ اور (اے سائل!) تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ

لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ

نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد

لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي

نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل

النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا

آگ میں پھینکے جائیں گے ۱۲۴ تو (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول (کریم) کی۔

کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں بڑی رسوائی اور ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

۱۲۲ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو لوگ اس کے رسول کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مار آستین بن کر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کے ایمان کی یہ بھی ایک قطعی دلیل ہے کہ اگر ان کے دل میں نفاق ہوتا یا وہ اسلام کے بدخواہ ہوتے جس طرح کئی بدباطن کہتے ہیں، تو اس ارشاد ربانی کے مطابق وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکتے اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جاتا جو پہلی آیتوں میں مذکور ہے اور حال یہ ہے کہ وہ آج بھی صرف مدینہ طیبہ میں نہیں بلکہ چودہ سو برس سے بھی زیادہ عرصہ سے گنبد خضرا میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں استراحت فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان گنت انوار و رحمتیں اور برکتیں جو اس کے حبیب پر نازل ہو رہی ہیں، اس سے وہ بھی محظوظ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق کو یوں آشکارا کرتا ہے لیکن دل کے اندھے تو حق کو پھر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

۱۲۳ جب انہیں عذاب جہنم سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہ مذاق پوچھتے۔ جناب! ذرا یہ تو فرمائیے وہ قیامت آئے گی کب؟ جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں پوچھتے تھے تاکہ وہ توبہ کریں اور اپنے کرتوتوں سے باز آ جائیں۔ اس لیے ان کے حسب حال جواب دیا گیا۔ (علم قیامت کی بحث پہلے گزر چکی ہے)۔

۱۲۴ جب انہیں آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور آگ میں جلنے کے باعث ان کے چہرے کی رنگت ہر لحظہ بدلتی رہے گی کبھی زرد، کبھی سرخ، کبھی سیاہ۔ هذا التقلب تغير الوانهم بلفح النار فتسود مرة وتخضر اخرى (قرطبی) دیگر حضرات نے اس کا معنی کیا ہے

رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ

کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے بزرگوں کی پس انہوں نے غلط کر دیا ہمیں سیدھی راہ سے اے ہمارے رب

ءَاتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ ٱلْعَذَابِ وَٱلْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾ يَٰٓأَيُّهَا

ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت اے

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوْا۟ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا

ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے جو انہوں

قَالُوا۟ ۚ وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟

نے کہا تھا اور وہ آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

یوم تقلب وجوہہم فی النار جس روز جھونوں کے بل انہیں آگ میں گھسیٹا جائے گا اس وقت وہ کف افسوس ملیں گے لیکن بے سود۔

معذرت خواہی کرتے ہوئے عرض کریں گے اے ہمارے رب! اس میں ہمارا اتنا قصور نہیں۔ ہمارے سردار اور پیشوا ہمیں جس راہ پر چلاتے رہے ہم چلتے رہے انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

الٰہی ہم بے قصور ہیں ہمیں معافی ملنی چاہیے لیکن اگر ہمیں معافی نہیں ملتی تو ہماری یہ درخواست ضرور قبول ہو کہ ان شریروں اور سرغنوں کو دو چند عذاب دیا جائے۔ ان ظالموں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں سزا بھی دگنی ملنی چاہیے۔

بنی اسرائیل اپنے پیغمبر اور اپنے نجات دہندہ موسیٰ علیہ السلام کو بات بات پر دکھ دیتے تھے، قدم قدم پر مخالفت کرتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں اپنا رسول مانتے تھے، لیکن ان کے ہر حکم سے سرتابی کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ تورات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ داستان بڑی طویل ہے لیکن چند جملے آپ بھی پڑھ لیں۔

بنی اسرائیل مصر میں غلامی اور رذالت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم ربانی کے مطابق مصر سے ہجرت کا حکم دیا۔ چند قدم چلے اور گھبرانے لگے اور اپنے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ کے کلیم سے یوں گویا ہوئے،

"تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔"

(خروج باب ۵، آیات ۲۱، ۲۲)

انھوں نے سمندر کو بخیر و خوبی عبور کر لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے اس کی بپھری ہوئی موجیں سمٹ گئیں۔ ان کے لیے راستے بن گئے۔ یہ ساحل پر بسلامت پہنچ گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوا۔ ان معجزات کے دیکھنے کے بعد جب صحرائے سینا میں وہ پہنچے تو اپنے رسول سے یوں خطاب کیا۔

"اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیابان میں لایا۔ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔" (خروج باب ۱۴، ۱۱-۱۲)

دشت سینا میں جب دھوپ لگی اور پیاس نے تنگ کیا تو یوں گستاخی کرنے لگے:

"اور اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت موسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملک مصر میں جب ہی مار دیئے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لیے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو۔" (خروج باب ۱۶، ۳)

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

کتاب الخروج ۱۷: ۲، ۵۔

کتاب گنتی ۱۱: ۱ تا ۱۵۔ ۱۴: ۱ تا ۱۰۔ ۱۶ مکمل۔ ۲۰: ۱، ۵۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم بنی اسرائیل کی روش اختیار نہ کرو، میرے محبوب کی دل آزاری نہ کرنا، ورنہ تم کو اس گستاخی کی ایسی سزا ملے گی جس سے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے نبی کریم کو تکلیف پہنچے وہ قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی صفات کمال کا انکار کرنا، حضور کی ذات اقدس و اطہر پر بہتان باندھنا، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جن کمالات سے سرفراز فرمایا ہے ان کا انکار کرنا، حضور کے دین اور شریعت کے قوانین کو ناقابل عمل کہنا، حضور کی آل اطہار پر معترض ہونا، حضور کے صحابہ پر زبان طعن دراز کرنا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے حضور کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۱۱۔ بنی اسرائیل کے اوباش موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کی جیب جگ ہی گرکراں کا دل دکھاتے تھے حالانکہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ان کا مقام بہت اونچا اور مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ "وجیہ" کہتے ہیں بلند مرتبہ۔ الوجیہ ذو جاہ و منزلۃ (کشاف) الوجیہ عند العرب العظیم القدر والرفیع المنزلۃ۔ جس کی شان بہت بڑی ہو، جس کا رتبہ بہت بلند ہو عربی میں اس کو وجیہ کہتے ہیں۔

اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو۔ ۱۱۰ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا ۱۱۱ اور تمہارے

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

گناہوں کو بھی بخش دے گا ۱۱۲ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بڑی کامیابی ۱۱۳

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے

اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے بے شک یہ

۱۱۰ اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کا دل دکھانا اور اس کی شان کا انکار کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور جب بات کرو تو سچی اور درست بات کرو۔ کوئی جھوٹی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے۔

۱۱۱ یعنی اگر تم اپنے عمل میں تقویٰ اور راست روی کو اور اپنے قول میں حق و صداقت کو اپنا شعار بنا لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو ہر کجی سے پاک فرما دے گا اور انہیں شرف قبول بخشے گا۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۱۱۲ اور اس سے پہلے جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی تھیں وہ سب معاف کر دی جائیں گی۔ وہ لوگ جن کے سامنے تم سے گناہ سرزد ہوئے تھے ان کے حافظے سے بھی انکی یاد مٹ جائے گی۔ بلکہ فرشتوں نے جو دفتر عمل تمہارا تیار کر رکھا ہے وہاں سے بھی تمہارے گناہوں کی تحریر محو کر دی جائے گی۔ انس و ملک کی آنکھوں میں تم محترم و مکرم بنا دیئے جاؤ گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر نظر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس کے دل کو اپنی یاد اور ذکر کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے تو اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور اس کے چہرہ پر ایک نور برستا ہوا نظر آتا ہے۔ بے ساختہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

۱۱۳ فوز عظیم اور فلاح دارین کا تاج صرف اس کے سر پر رکھا جاتا ہے جو پیکر تسلیم و رضا بن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے ہر ارشاد کے سامنے بصد شوق اور بہ ہزار مسرت اپنا سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی بندگی کی اور اپنے پیارے حبیب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فداہ ابی وامی کی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ

ظلوم بھی ہے اور جہول بھی۔ ۱۱۲ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو

۱۱۲ ارباب لغت، علماء شریعت اور عارفین نے اپنی اپنی حد فہم اور ذوق کے مطابق اس کی وضاحت کی ہے۔ قرآن کریم کے اسرار و معارف کو آشکارا کرنے میں ان حضرات نے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور ہمیں ان کے ذریعہ سے حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں یہاں ہر مکتب فکر کا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں۔ حمل الامانۃ یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا۔ اس آیت طیبہ میں حَمَلَ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔ جو حکم ربانی ملا بے چون و چرا اس کی تکمیل میں لگ گئے سرمو انحراف اور سستی نہیں کی۔ وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وہ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضب الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

لسان العرب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: وکل من خان الامانۃ فقد حملها وکذلک کل من اثم فقد حمل الاثم والسموٰت والارض ابین ان یحملها یعنی الامانۃ وادینها واداؤها طاعۃ اللہ تعالیٰ فیما امرها به — وحملها الانسان قال الحسن، اراد الکافر والمنافق ای حملا الامانۃ ای خاناها ولم یطیعا۔ قال هذا المعنی واللہ اعلم صحیح ومن اطاعه من الانبیاء والصدیقین فلا یقال كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

اہل لغت کی بیان کردہ تفسیر کے بعد اب علماء کرام کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیے۔ ان کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ ہیں جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں کیا تم اس اختیار اور آزادی کے ساتھ اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے تیار ہو۔ انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا۔ یہ بوجھ بہت گراں ہے، ہم اسے اٹھانے سے قاصر ہیں ہمیں اطاعت ثواب کی امید سے عصیان و نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہم تیرے سخت اور پابند حکم رہ کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں، ان کو برداشت کرنے کی طاقت ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اٹھانے کی حامی بھر لی اور اس بار گراں کو اٹھا کر اپنے آپ کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ بیان واقع کے طور پر اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے بڑی پیاری بات فرمائی:

ہمیشہ جنید فرمود کہ نظرِ آدم بر عرض حق بود نہ بر امانت، لذت عرض، ثقل امانت را بروے فراموش گردانید لاجرم لُطفِ ربانی بزبان عنایت فرمود کہ برداشتن از تو، ونگاہ داشتن از من"۔ (روح البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت اور ثقل پر نہ تھی، بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی۔ اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذت و سرور تھا، اس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا جنید فرماتے ہیں یقیناً لطفِ ربانی نے آدم کی اس نیاز مندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اٹھانا تیرا کام ہے اور اٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔

اب صوفیائے کرام کا مسلک ملاحظہ فرمائیے۔ اس کی ترجمانی کا حق حضرت علامہ پانی پتی نے ادا کیا ہے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں جو امانت مذکور ہے۔ اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکام شرعیہ ہوں تو انسان کی خصوصیت نہیں بلکہ جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں۔ اس طرح ملائکہ کی افضلیت انسان پر لازم آئے گی کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے: یسبحون اللیل والنھار ولا یفترون وہ دن رات تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور وہ نہیں تھکتے اور انسان کی یہ حالت نہیں اس لیے صوفیائے کرام نے امانت کی تفسیر نورِ عقل اور نارِ العشق سے کی ہے یعنی نورِ عقل استدلال کے ذریعہ معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر معرفتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے ومن ثم قالت الصوفیۃ العلیۃ المراد بالامانۃ نور العقل ونار العشق ونور العقل یحصل بہ معرفۃ اللہ تعالیٰ بالاستدلال ونار العشق یحصل بھا معرفۃ اللہ تعالیٰ سبحانہ بحرق الحجب بیشک فرشتے بھی اس کے کرم چنے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مخصوص مقام ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر سکتا اور سوزِ عشق کے باعث غیر متناہی درجات تک ترقی کرتے جانا یہ حضرت انسان کی خصوصیت ہے۔ فالترقی الی المراتب الغیر المتناھیۃ بنار العشق انما ھو من خصائص الانسان۔

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت کی ہے جو تجلیات ذاتیہ دائمہ کو قبول کرتی رہتی ہے۔ صالح جن بھی عبادت و ریاضت سے ملائکہ کی صفت میں شامل ہو جاتے ہیں، پھر بھی ان کے حصہ میں تجلیات صفاتی آتی ہیں تجلیات ذاتیہ کی اہلیت نہیں ہوتی۔

آخر میں علامہ موصوف "ظلوما جھولا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک سبعیہ دوسری بہیمیہ۔ سبعی قوتوں سے اس کے دل میں تفوق اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت کی اونچی سے اونچی چوٹیوں کو سر کرتا ہے اور بہیمی طاقتوں کے باعث اس میں جانکنی اور مشقت جھیلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث وہ طویل ریاضتوں اور طویل عبادتوں کا بوجھ صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہوا منزلِ محبوب کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ دو قوتیں انسان میں نہ ہوتیں تو وہ بھی ساحلِ عافیت پر خیمہ زن رہتا اور کبھی آزمائش کے تند و تیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ

شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر ۱۱۵

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۱۱۶

مولانا جامی رحمہ اللہ نے بھی ظلوماً جہولاً کا معنی خوب کیا ہے۔

غیر انسان کسش نکرد قبول　　　زانکہ انسان ظلوم بود و جہول

(انسان کے بغیر اس امانت کو کسی نے قبول نہ کیا کیونکہ انسان ظلوم اور جہول تھا۔)

ظلم او آں کہ ہستی خود را　　　ساخت فانی بقائے سرمد را

(اس کا ظلم یہ تھا کہ اس نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا تاکہ بقائے سرمدی حاصل کرے۔)

جہل او آں کہ ہر چہ جز حق بود　　　صورت آں ز لوح دل زدود

(اور اس کی جہالت یہ ہے کہ حق کے بغیر جو کچھ تھا اس نے اپنے دل کی لوح سے مٹا دیا۔)

نیک ظلمے کہ عین معدلت است　　　نغز جہلے کہ مغز معرفت است　　　(روح البیان)

(وہ ظلم بہت اچھا ہے جو عین عدل ہے اور وہ جہالت بہت عمدہ ہے جو معرفت کا مغز ہے۔)

یہاں ان صفات ظلوم و جہول کے ذکر کرنے سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو اس حقیقت کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے انسان اس بار امانت کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا، اور دوسرا اس پیکر خاکی کی منقبت اور توصیف کر دی گئی کہ یہ ان صفات عالیہ سے متصف ہے۔ فہو تعلیل و مدحۃ لہ۔ اللہ تعالیٰ و رسولہ الکریم اعلم باسرار القرآن الکریم۔

۱۱۵ یہ لام عاقبت ہے یعنی اس امانت کے اٹھانے کا انجام یہ ہوا کہ جن مردوں اور عورتوں نے منافقانہ روش اختیار کی یا جن مردوں اور عورتوں نے کھلم کھلا شرک کیا وہ تو عذاب الیم کے مستحق ٹھہرے اور جن مردوں اور عورتوں نے ایمان قبول کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کی نگاہ فرمائی اور اس مشکل مرحلہ کو ان کے لیے آسان کر دیا۔ یہاں یتوب اللہ کا معنی توبہ قبول کرنا نہیں بلکہ لطف و کرم سے متوجہ ہونا ہے۔ ای یرجع بالرحمة والمغفرة والجذب والاجتباء واعطاء مراتب القرب یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، مغفرت، کشش، اجتباء اور قرب کے مراتب عالیہ عطا کر کے ان پر نگاہ کرم فرماتا ہے۔ (مظہری)

آیت میں مومنین اور مومنات سے مراد وہ لوگ ہیں جو امانت کو ادا کرتے ہیں اور تجلیات میں مستغرق رہتے ہیں۔ المؤدین للامانات المستغرقین فی التجلیات۔ (مظہری)

۱۱۶ اس کے بندوں سے جو لغزشیں صادر ہوتی ہیں ان کو وہ معاف فرما دیتا ہے اور جو نیکی کا کام ان سے سرزد ہوتا ہے (

اس کو محض اپنی رحمت کے طفیل منزل تک رسائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے ورنہ کہاں وہ بارگاہ ناز اور کہاں یہ پیکر عجز و نیاز۔ رب کریم کی انہی دو صفتوں غفور اور رحیم کے صدقے سالک راہ محبت ٹھوکریں کھاتا، افتاں و خیزاں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار وصال حبیب سے شاد کام ہوتا ہے۔

فاطر السموت والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ اللّٰھم صل علی سیدنا محمد رسولک المرتضٰی وعبدک المصطفٰی من الصلوٰت اجمعہا ومن التسلیمات ازکاھا ومن التحیات اسناھا وعلیٰ آلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ الی یوم الدین۔

محمد کرم شاہ

۶ رجب ۱۳۹۱ھ ، ۲۹ اگست ۱۹۷۱ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۂ سبا

نام: اس سورۂ پاک کا نام "سبا" ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۱۵ میں مذکور ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد چون ہے، آٹھ سو تینتیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو بارہ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکی ہے۔ تحقیقی طور پر اس کی تاریخ نزول کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے مضامین سے اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی جبکہ اسلام کی دعوت نے اہل مکہ کو چونکا دیا تھا اور وہ محض طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر سے ہی اس دعوت کو ناکام بنا دینا چاہتے تھے۔ ابھی انہیں اس حقیقت کا پوری طرح احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ دعوت ایک ایسے ہمہ گیر انقلاب کی دعوت ہے جو ان کے ظاہری ماحول، معاشرتی، سیاسی، رسم و رواج اور معاشی نظام کو ہی درہم برہم نہ کر دے گی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے دلوں اور ذہنوں کی دنیا کو بھی بدل دے گی۔

مضامین: سورت کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے کی جا رہی ہے اور اس کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد وقوع قیامت پر کفار کو جو اعتراض تھا اس کا جواب "بلیٰ وربی لتاتینکم عالم الغیب" کے زوردار الفاظ سے دیا جا رہا ہے کہ اس رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے قیامت ضرور آئے گی۔ ساتھ ہی "لیجزی" سے وقوع قیامت کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس کے بغیر عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال حسنہ پر جزا اور بدکاروں کو ان کی سیاہ کاریوں کی سزا قیامت کے روز ہی پوری طرح مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں جن انعامات و احسانات سے سرفراز کرتا ہے اور جو عزت و سربلندی بخشتا ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ذکر سے اس کا اظہار فرما دیا۔ اس اہمیت و جلال کے باوصف جس طرح وہ اپنا حق بندگی ادا کرتے رہے اور اپنے منعم حقیقی کے شکرگزار بنے رہے۔ اس کا بیان کر کے ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دلائی اور یہ سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے نعمتوں اور آسائشوں کے باوجود اطاعت و انقیاد کا طریقہ اپنائے رکھتے ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں ان کی یہ سرافگندگی ان کی عظمت کو کم نہیں کرتی بلکہ اسے چار چاند لگا دیتی ہے۔

ان کے ذکر کے معاً بعد ایک ایسی بستی کا حال بیان کیا جو خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی تھی جن کا آبپاشی کا نظام بڑا ترقی یافتہ تھا ان کا ملک سرسبز و شاداب باغات اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور ان میں رواں نہروں کے باعث رشک فردوس بنا ہوا تھا لیکن جب وہ

اپنے رب غفور کو بھول گئے۔ نفس پروری اور شیطان کی پیروی اختیار کی تو ہر چیز ملیامیٹ کر دی گئی۔ سد کا وہ مضبوط ڈیم جو ان کی خوشحالی کا ضامن تھا وہی ان کی تباہی و بربادی کا سبب بن گیا جس کی تفصیل آپ آیات کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔ اس واقعہ کا بڑے دلنشین پیرایہ میں ذکر کر کے نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں کو یہ سمجھا دیا کہ ان کا انجام بڑا حسرتناک ہو گا۔

اس سورت کی یہ آیت "ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ" الآیہ بڑی غور طلب اور عبرت انگیز ہے۔ ابلیس کو حکم ہوا کہ ابوالبشر کو سجدہ کرو جسے ہم نے علوم لدنیہ اور معارف الٰہیہ سے بہرہ ور فرما کر اپنی خلافت کا منصب بخشا ہے۔ اس نے از راہ تکبر تعمیل حکم سے انکار کیا۔ جس کی پاداش میں اسے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا۔ اس نے چیلنج دیا کہ میں آدم کی اولاد کو تیرا نافرمان اور ناشکرگزار بنا کر چھوڑوں گا۔ دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اولاد آدم اپنے اس ازلی دشمن کے مکر و فریب سے چوکنی رہتی اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری میں سرگرم عمل رہتی لیکن صد حیف کہ انسان کوتاہ اندیش ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بد اندیش دشمن کے ورغلانے سے اپنے رب کریم کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ اس طرح شیطان کو اترانے کا موقع دیا۔ ہر مومن کو یہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ شیطان تو صرف دلوں میں وسوسہ اندازی کر سکتا ہے۔ اس کو کسی پر ایسا قابو ہرگز نہیں جو اس کو مجبور محض بنا دے۔ اس لیے جو حماقت اہل سبا سے سرزد ہوئی اور شیطان کو اپنی کامیابی پر بغلیں بجانے کا موقع مل گیا۔ ہم ایسی حماقت سے باز رہیں اور اپنے دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔

نیز بتا دیا کہ حضور نبی رحمت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تمام نوع انسانی کے لیے ہے تا قیام قیامت حضور راہنما بن کر تشریف لے آئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی نیا نبی مبعوث ہو گا۔

اکثر اہل ثروت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ جو کرتے ہیں وہی درست ہے۔ جو وہ سوچتے ہیں وہی حق ہے۔ دوسروں پر لازم ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہیں۔ افلاس و احتیاج بھی اکثر لوگوں کو حس و غیرت سے محروم کر دیتا ہے اور انجام سے بے نیاز ہو کر یہ لوگ اہل ثروت کے پیچھے چلنے لگتے ہیں اور ان کے اشاروں پر ایسی ایسی خرمستیاں کرتے ہیں کہ آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ غلط راہ پر جو بھی چلے امیر ہو یا غریب، راعی ہو یا رعایا المناک نتائج سے لامحالہ اسے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ وہ زیردست لوگ جن کی دنیوی زندگیاں محرومیوں کا شکار رہیں روز محشر جب دوزخ کے شعلوں کو اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھیں گے تو اپنے لیڈروں اور راہنماؤں کو بے نقط سنائیں گے اور ان کے لیڈر جو جواب انہیں دیں گے اس کا تذکرہ قرآن کریم میں دیگر مقامات کے علاوہ یہاں بھی بڑے مؤثر انداز میں کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ کسی کی دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد نہ کرتے رہیں۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ شرف انسانی کا انحصار کثرت مال و جاہ پر نہیں اور نہ محض مال و اولاد کی وجہ سے کسی کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو صرف ایمان اور عمل صالح وجہ شرف اور باعث قرب ہے۔ جو شخص اس کی رضا کا طالب ہے وہ ایمان کی شمع کو فروزاں کر کے اعمال حسنہ کے پھول کھلاتا ہوا آگے بڑھتا آئے۔ در کبریائی کے دروازے وہ اپنے لیے کھلے ہوئے پائے گا۔

ان مضامین کے علاوہ دوسرے کئی حقائق ہیں جو آپ سورۂ طیبہ کے مطالعہ کے دوران میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَخَمْسُوْنَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورت سبا مکیہ ہے — اس کی چون آیات ہیں — اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ

سب تعریفیں اللہ کے لیے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے [1] اور اسی

الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي

کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں [2] اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے [3] وہ جانتا ہے جو زمین میں

الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ

داخل ہوتا ہے۔ اور جو اس سے نکلتا ہے ۔ نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج

---

[1] یعنی کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے ۔ مالک بھی وہی ہے اور ہر چیز اسی کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہے ۔ جو زیبائی و خوبی کہیں نظر آرہی ہے ، اسی کے لطف و کرم کا پرتو ہے ۔ جو جمال و کمال کسی میں پایا جاتا ہے اسی کے حسن ازل کی جلوہ نمائی ہے ۔ اس لیے ہر قسم کی حمد و ثنا کا وہی مستحق ہے ۔

الذی (محلہ) یا تو اللہ کی صفت ہے اور مجرور ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مرفوع ہے ۔ الحمد للہ ھو الذی یا اعنی فعل یہاں مقدر ہے اور جملہ اس کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے ۔

[2] اس سے یہ بتایا کہ صرف اس جہان فانی کی ہر چیز اس کی نہیں بلکہ عالم آخرت کی ہر شے کا خالق و مالک بھی وہی ہے ۔ وہاں بھی اسی کی حکمرانی ہوگی ۔ جو نعمت کسی کو ملے گی اسی کی جود و عطا کا کرشمہ ہوگا ۔ اس لیے وہاں بھی ہر قسم کی حمد و توصیف کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ لہ " خبر کو یہاں مقدم ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس دنیا میں تو کئی غلط اندیش اس کو چھوڑ کر غیروں کی حمد کرتے رہتے ہیں ، لیکن قیامت کے دن سارے حجاب اٹھ جائیں گے حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ عیاں ہو جائے گی ۔ وہاں حمد ہوگی تو صرف اسی مالک یوم الدین کی ۔

[3] اللہ تعالیٰ کا ہر ارشاد ہر کام اور اس کی شریعت کا ہر قانون بلکہ قضاء و قدر کے سارے فیصلے اس کی حکمت و دانائی کے آئینہ دار

فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

چڑھتا ہے اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور کفار کہتے ہیں

لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ

ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمایئے ضرور آئے گی۔ مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے تم پر قیامت ضرور آئے گی

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَ

نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور

لَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٣﴾ لِيَجْزِيَ

نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے قیامت آئے گی) تاکہ

ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے حالات اور ضروریات سے پوری طرح باخبر ہے۔

ے اللہ تعالیٰ کی ہمہ دانی کا بیان ہو رہا ہے۔ زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے۔ بارش کے قطرے، بیج، پانی، معدنیات، دفینے اور جو چیز نکلتی ہے نیز آسمانوں سے جو چیز اترتی ہے اور جو نیچے سے اوپر جاتی ہے۔ وہ ہر چیز کو تفصیل سے جانتا ہے۔

ے وہ مجرموں اور نافرمانوں کو فوراً سزا انہیں دیتا۔ وہ سالہا سال ظلم و بغاوت جاری رکھتے ہیں اور دندناتے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ نہیں کہ وہ انہیں سزا نہیں دے سکتا یا یہ لوگ زیادہ طاقتور ہیں اور اس کے قابو سے باہر ہیں، بلکہ یہ اس کی شان رحیمی ہے کہ وہ قادر مطلق ہونے کے باوجود انہیں مہلت دیئے رہتا ہے اور جب بھی کوئی اپنے کیے پر شرمسار ہوتا ہے تو وہ اپنی مغفرت اور بخشش کے دامن میں اسے پناہ دے دیتا ہے۔

ے کفار دور حاضر قیامت کے منکر تھے اور اس انکار میں بڑے متشدد اور متعصب تھے۔ وہ بڑے وثوق سے کہا کرتے کہ قیامت نہیں آئے گی۔ اس لیے ان کا رد بھی بڑے زوردار اور مؤثر طریقہ سے فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ قسم اٹھا کر فرمایئے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ قسم کے الفاظ بھی بڑے مؤثر اور پرجلال ہیں۔ فرمایا مجھے اپنے پروردگار کی قسم جو عالم الغیب ہے۔ قیامت ضرور آئے گی۔ "عالم الغیب" "ربی" کی صفت، عطف بیان اور بدل سب بن سکتے ہیں۔ یہاں عالم الغیب کی صفت ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کا انکار اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ جب وہ مرجائیں گے اور انہیں مرے ہوئے صدیاں بیت جائیں گی۔ اس طویل مدت میں ان کی ہڈیاں، ان کا گوشت پوست مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔ ہوا کے جھونکے ان ذروں کو کہاں سے کہاں پھینک دیں گے۔ ان منتشر ذروں کو جمع کرنا اور پھر انہیں وجود کے ساتھ زندہ کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ عالم الغیب

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ

اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے شہ یہی وہ (خوش بخت) لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور رزق

کَرِیْمٌ ۝۴ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ

کریم ہے اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں یہی ہیں جن کے لیے

مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝۵ وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ

بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے شہ اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا کہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا

خواہ کہ یہ شبہ زائل کر دیا کہ ان بکھرے ہوئے ذرّوں کو جمع کرنا تمہارے لیے ناممکن ضرور ہے جن کا علم محدود اور قدرت ناقص ہے لیکن قیامت برپا کرنے والا وہ خداوند عالم ہے جو ہر غیب کو جاننے والا ہے اور زمین و آسمان کی بیکراں وسعتوں میں کوئی ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ذرا مشکل نہیں۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔

شہ قیامت برپا کرنے کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔

شہ یعنی جو لوگ ہماری آیتوں کو غلط ثابت کرنے اور جھٹلانے میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور اس طرح وہ ہمیں مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ ای فی ابطالہا وتکذیبہا۔

معٰجزین کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کو مغلوب کرے اور اس سے آگے بڑھ جائے تو عربی میں کہا جاتا ہے عاجزہ واعجزہ اذا غالبہ وسبقہ (قرطبی)

علامہ راغب اس کے ضمن میں لکھتے ہیں: اعجزت فلانا وعجزتہ وعاجزتہ جعلتہ عاجزا یعنی کسی کو عاجز کر دینا۔

علامہ ابن حیان فرماتے ہیں: ای معجزین قدرۃ اللہ تعالیٰ فی زعمہم۔ یعنی اپنے گمان کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز کر دینا چاہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے میں نے اس کا ترجمہ ہرا دینا کیا ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تو بار بار اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ قیامت آئے گی۔ انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کے بارے میں ان سے باز پرس ہو گی لیکن یہ لوگ ان آیتوں کو جھٹلانے میں کوشاں ہیں اور اس پر طرح طرح کی بے معنی حجت بازیاں کرتے ہیں اور اپنی طرف سے عقلی و نقلی دلائل کا انبار لگاتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنا ارادہ بدل دیں گے اور قیامت برپا کرنے کا فیصلہ منسوخ کر دیں گے۔ یہ محض ان کی طفل تسلیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہمارا یہ فیصلہ قطعی ہے اور ہماری حکمت بالغہ کا یہ تقاضا ہے کہ قیامت قائم ہو، نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر ملے۔ بدکار اور سرکش اپنے کرتوتوں کی سزا پائیں۔ اس فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا اور نہ ہمیں اس کو عملی جامہ پہنانے سے کوئی باز رکھ سکتا ہے۔

إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾

ہے آپکے رب کی طرف سے وہی (دین) حق ہے۔ اور عزت والے سب خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے ۵

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا

اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے لوگو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد

مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾ أَفْتَرَىٰ عَلَى

ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے؟ ۶ کیا اس نے (دیدہ دلیری سے)

اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي

اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا وہ دیوانہ ہے۔ (میرا حبیب دونوں سے منزہ ہے) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (مبتلا)

الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ﴿٨﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں ۸ کیا انہیں نظر نہیں آتا جو انہیں آگے

"رجز الیم": رجز، بدترین اور شدید ترین عذاب کو کہتے ہیں۔ "من" بیانیہ ہے یعنی انہیں جو عذاب دیا جائے گا وہ معمولی قسم کا نہیں ہوگا بلکہ بڑا شدید اور المناک ہوگا۔ علامہ زبیدی "رجز" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابو اسحق الرجز العذاب المقلقل لشدته وله قلقلة شديدة متتابعة (تاج العروس) یعنی اپنی شدت کے باعث لرزا دینے والا عذاب پے در پے جیسے

۵ یہاں رؤیت بمعنی علم مستعمل ہے۔ "اوتوا العلم" سے مراد صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے اہل علم لوگ یا اہل کتاب کے وہ علماء جو قرآن پر ایمان لے آئے۔ "حمید" کا معنی علامہ آلوسی نے کیا ہے: المحمود فی جمیع شؤونه جو اپنی تمام شانوں میں تعریف و ستائش کا مستحق ہو (روح المعانی)

۶ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب انہیں یوم حساب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ ازراہ تعجب اپنے دوستوں سے یہ باتیں کرتے اور وقوع قیامت کو محال ثابت کرنے کے لیے بڑی عبارت آرائی سے کام لیتے۔ "ممزق" اس کا وزن اسم مفعول کا ہے لیکن یہ مصدر ہے۔ تمزیق کہتے ہیں کسی چیز کو پھاڑ کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دینا۔ مزق الشیء تمزیقه وجعله قطعا قطعا۔

۷ کفار یہ الزام لگایا کرتے کہ یا تو یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں حالانکہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ قیامت کا برپا ہونا محال ہے اور یا یہ بات ہے کہ ان کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور یہ مرض جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس لیے یہ خلاف

وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ

اور جو ان کے پیچھے ہے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے ۱۲؎ اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں

الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے درحقیقت اس میں کھلی نشانی ہے

لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۘ

ہر اس بندے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے ۱۳؎ بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی ۱۴؎

ع ۷

عقل باتیں کرتے ہیں اور جنون کے مریض کی طرح اس پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں: والجنة: الجنون ومنه قوله تعالى ام به جنة (الصحاح) یہی معنی لسان العرب اور مفردات میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے الزامات کا رد فرماتا ہے کہ میرا رسول نہ تو مجھ پر بہتان باندھتا ہے اور نہ وہ دیوانہ ہے۔ وہ تو حق اور سچ فرما رہا ہے لیکن تم لوگ اپنے کفر کے باعث اس عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے ہو کہ تم میں عقل و فہم کی قوت مر گئی ہے اور راہ ہدایت سے بہت دور ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس انکار کے باعث کل وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اور آج کھلی گمراہی میں ہیں۔ هما في العذاب واليوم في الضلال (قرطبی)

۱۲؎ چاروں طرف سے تم گھرے ہوئے ہو۔ نیچے زمین ہے اوپر آسمان۔ بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ تمہاری کارستانیوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمہیں زمین نگل جائے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر تمہیں نیست و نابود کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے۔ وہ عذاب دینے میں عجلت نہیں کرتا۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ اس کے سارے کام پُر از حکمت ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ ای ما بين ايديهم وما خلفهم (ای ما احاط بهم اشعر۔ (مظہری)

۱۳؎ یعنی ہم اپنی مختلف صفات جلیلہ کا جس طرح مظاہرہ فرماتے ہیں اس میں ایک عبد منیب کے لیے ہماری عظمت و کبریائی کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ منیب: راجع الى الله بقلبه (مظہری) یعنی تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا۔

۱۴؎ اب چند ان برگزیدہ بندوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو انابت کی صفت سے متصف ہیں۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی نوازشات اور عنایات کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے داؤد پر اپنا خصوصی فضل فرمایا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ گمنامی سے نکال کر تاج و تخت کا مالک بنا دیا۔ عوام کی صفوں سے چنا اور خواص کا سردار بنا دیا اور ایسی ایسی مصروفیتوں اور کمالات سے نوازا کہ سب قوم کو ان کی عظمت کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔ فضلاً مفعول ہے آتینا کا اور منا اس کا حال ہے اور اسی حال نے فضلاً کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ فضل الٰہی کا حصر مشکل ہے۔ وہ کریم جب اپنا دست کرم کشادہ کرتا ہے تو کون ہے جو اس کی کرم بخشیوں کی حد تعین کر سکے نبوت، حکمت، حکومت،

يٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿١٠﴾ اَنِ اعْمَلْ

(اور ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی حکم دیا شلہ نیز ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا شلہ (اور ارشاد فرمایا) اے داؤد بنا

سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

زرہیں کشادہ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور اے آل داؤد! نیک کام کیا کرو، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں

کتاب، حسن صورت، مدنی قوت، تسبیح و قراءت اس کے فضل کے مظاہر ہیں۔ ان میں سے چند کو یہاں خصوصی طور پر بیان فرمایا۔

شلہ پہاڑوں کو حکم ملا کہ جب میرا یہ حسین بندہ میری تسبیح میں مشغول ہو تو تم بھی بصرف زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے بھی اسکے ساتھ مل کر میری پاکی بیان کرو۔ اور اے پرندو! تم بھی میرے اس بندے کے ساتھ مل کر تسبیح و تہلیل میں نغمہ سرا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آوازی کی صفت سے متصف فرمایا تھا۔ دل میں محبت الٰہی کے چشمے ابلتے تھے اور شوق کی گھٹائیں دلکش تھیں جب آپ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی شیریں اور میٹھی آواز سے ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے تو سارے ماحول پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ پہاڑوں کے پتھر، چٹانیں اور سنگریزے سب تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتے۔ پرندے بھی اڑنا بند کر دیتے اور آپ کے ارد گرد حلقہ باندھ کر جمع ہو جاتے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنے رب کی حمد و ثنا کے گیت گاتے۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ صرف پہاڑوں اور پرندوں پر ہی یہ کیا موقوف تھا۔ ہر چیز پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ لٰکن المراد منه ان التاویب غير مختص بالجبال والطير۔ (تفسیر کبیر)

اَوِّبِیْ۔ کا معنی ہے سبحی۔

شلہ حضور اکرم نے فرمایا کہ ان کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ لوہا ان کا ہاتھ لگتے ہی موم اور آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور جس طرح چاہتے اس کو اسی شکل میں ڈھال دیتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو لوہا پگھلانے کا فن سکھا دیا گیا ہو جس سے آپ بڑی آسانی سے اسے پگھلا کر مختلف قالبوں میں ڈھال لیتے۔ ساتھ ہی زرہ سازی کا ہنر بھی سکھا دیا اور اس ہنر کی باریکیوں سے بھی باخبر کر دیا۔ بتایا کہ زرہیں تنگ اور چھوٹی نہ بنائیں ورنہ پہننے والے کی تکلیف کا باعث بھی ہوں گی اور اس کی پوری حفاظت بھی نہ ہو سکے گی۔ نیز فرمایا کہ جب ان کے حلقوں کو جوڑنے لگو تو قدر اور اندازے کا پورا پورا احتیاط رہے۔ ہر حلقہ چھوٹا یا بڑا، موٹا یا پتلا جیسے مناسب ہو پورے سلیقہ اور مہارت سے اسے وہاں جوڑو۔ ایسا نہ ہو کہ جوڑنے میں غلطی ہو جائے اور معمولی سی بے پروائی کی وجہ سے زرہ ناکارہ ہو جائے۔

ان آیات میں ہمارے لیے بھی دو سبق ہیں۔ (١) دستکاری میں قطعاً کوئی عیب نہیں۔ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کمانا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔ (٢) جو کام کرو بڑے سلیقہ اور ہنر مندی سے کرو۔ جو چیز بناؤ اس میں پختگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے دلی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیبا نہیں۔ کاش ہم قرآن کریم کی بتائی ہوئی ہدایات پر چلیں۔ ہماری صنعت و حرفت کو چار چاند لگ جائیں۔ ہنر مندی میں ہماری مصنوعات کی مانگ بڑھ جائے۔ ہماری ہنر مندی اور فنی مہارت کی دھاک بیٹھ جائے اور ساتھ ہی ساتھ ہماری معاشی حالت بھی قابل رشک ہو جائے۔ آج ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے ان ہدایات پر عمل کرنے کی کبھی کوشش کی ہو۔

بَصِيرٌ ﴿١١﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ

انہیں خوب دیکھ رہا ہوں ۱۷؎ اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لیے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی

وَأَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ہم نے جاری کر دیا ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ ۱۸؎ اور کئی جن (انکے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے انکے سامنے انکے رب کے

بِإِذْنِ رَبِّهٖ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم کی تعمیل سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا

السَّعِيرِ ﴿١٢﴾ يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ

عذاب ۱۹؎ وہ بناتے آپ کے لیے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے

كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رّٰسِيٰتٍ ۖ اِعْمَلُوٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ

حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں ۲۰؎ اے داؤد کے خاندان والو! (اس احسان پر) شکر ادا کرو ۲۱؎ اور بہت کم ہیں

۱۷؎ اے آلِ داؤد! دنیاداری کے کاموں میں ہی مشغول ہو کر نہ رہ جاؤ بلکہ نیک کاموں کے لیے بھی وقت نکالا کرو۔ ایسے کام جن کے کرنے کا بھی فائدہ پہنچے اور تزکیہ نفس کا اہتمام بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے تمہارا کوئی کام مخفی نہیں۔ اگر نیک کام کرو گے تو اسکے اجر عظیم کے مستحق قرار پاؤ گے۔

۱۸؎ جس طرح ہم نے حضرت داؤد پر اپنا خصوصی فضل فرمایا اسی طرح ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہما السلام پر بھی اپنی خصوصی عنایات فرمائیں۔ ہم نے آپ کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ جب آپ اپنی تبلیغ و دعوت یا بعض مملکت کے دورے پر جاتے تو آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا کر بڑی سرعت سے روانہ ہو جاتی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے۔ صبح کے وقت وہ اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک سوار سریع السیر گھوڑے پر ایک ماہ میں طے کرتا۔ اسی طرح شام کے وقت بھی۔ نیز ہم نے آپ کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تاکہ وہ حسب منشا اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔ القطر: النحاس المذاب یعنی پگھلا ہوا تانبا۔

۱۹؎ ہوا کے علاوہ ہم نے جنات کو بھی حضرت سلیمان کا تابع فرمان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ جن ہر وقت ان کی خدمت بجا لانے میں مصروف رہتے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی میں ذرا غفلت یا پہلو تہی کرے۔ سرتابی کرنے والوں کو آگ سے داغا جاتا۔

۲۰؎ حضرت سلیمان کے حکم کی تعمیل میں جو خدمات وہ انجام دیا کرتے تھے یہاں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ محاریب: اس کا واحد محراب ہے۔ اس سے مراد قلعے، اونچی اونچی عبادت گاہیں اور رہنے کے لیے بہترین اور خوشنما محلات۔ ان کو محاریب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر

عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿١٣﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ

میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں ١٣ پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا تو پستہ نہ بتایا جنات کو ان کی

مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو ٢٣ پس جب آپ زمین پر آرہے تو

کوئی قصد کرنا چاہے تو انہیں، بے وقعت جان کر بغیر لڑے دشمن کے حوالے نہیں کر دیا جاتا بلکہ لوگ ان کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ قصورا رفیعۃ ومساجد رفیعۃ ومساکن شریفۃ سمیت بحال انہا ایذت عنہا و مجاریب علیھا (مظہری)

تماثیل: اس کا واحد تمثال ہے یعنی جنات ان کے لیے بڑے بڑے پتھر وغیرہ کے مجسمے تراشتے یا ڈھالتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے مجسموں کا جواز ثابت کیا ہے حالانکہ احادیث پاک میں ان کے متعلق سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہوائے نفس کے اتباع سے محفوظ رکھے۔ جِفَان: اس کا واحد جفنۃ ہے وہ بڑے بڑے لگن جن میں کھانا ڈالا جاتا ہے اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بتایا کہ جو لگن جنات آپ کے لیے تیار کرتے تھے وہ عام قسم کے لگن نہیں ہوتے تھے بلکہ اتنے بڑے اور چوڑے ہوتے جیسے پانی کے حوض اور تالاب ہوا کرتے ہیں۔ قدور راسیات یعنی ایسی بڑی بڑی بھاری بھرکم دیگیں بناتے جو اپنی جسامت اور بوجھ کے باعث آسانی سے ادھر ادھر نہیں کی جا سکتی تھیں بلکہ جو لہوں پر مضبوطی سے جمادی جاتی تھیں۔

١٣ یعنی جب ہم نے داؤد اور آل داؤد علیہ السلام پر اتنا احسان فرمایا ہے اور ایسے ایسے انعامات سے ممتاز کیا ہے۔ تو آپ اور آل اولاد پر واجب ہے کہ وہ شکر گزاری میں سرگرم رہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے خاندان والوں کے لیے اس طرح اوقات تقسیم کر دیئے تھے کہ آٹھ پہر میں کوئی ایسا لمحہ نہ ہوتا تھا جب کہ آپ کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد شکر الٰہی میں مصروف نہ ہو۔

١٣ اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی بارش تو ہر شخص پر ہر لحظہ برس رہی ہے لیکن بہت کم ایسے بندے ہیں جو شکر کا حق ادا کرتے ہوں۔ شکر کی حقیقت اور شکر کا طریقہ اس کے متعلق تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

٢٣ جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے وہ انسانوں پر اپنا رعب جماتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی باتیں بتاتے جن کا تعلق امور غیبیہ سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا یوں راہ میں پھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے، وہ آپ کو کھڑا ہوا دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ و سلامت ہیں اگر ذرا غفلت ہوئی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ بحکم الٰہی سے دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آرہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ حسن کے

الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ

جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ پڑے رہتے اس رسوا کن

الْمُهِينِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ

عذاب میں ۔ قوم سبا کے لیے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی (وہ تھی) دو باغ تھے ایک دائیں

يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ

طرف اور دوسرا بائیں طرف ۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو ۔ اتنا پاکیزہ

خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا وہ تو ایک مدت ہوئی وفات پا چکا ہے تو اب ان کے دعویٰ کی حقیقت فاش ہو گئی۔ بیہودہ لوگ جو ان جنات کے غیب دانی کے دعویٰ کو تسلیم کرتے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں۔ دابۃ الارض دیمک مِنْسَأَةَ عصا۔ یہ لفظ نَسَأْتُ الغنم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے میں نے ریوڑ کو ہانک دیا۔ اسی سے مِنْسَأَة یعنی ہانکنے کا آلہ۔ تبیَّنَت کا فاعل یا تو جن ہیں یعنی تمام جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے سردار جو غیب دانی کی لافیں مارا کرتے تھے وہ ہا کل جھوٹے تھے اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ سال بھر تک جان کو اس مصیبت میں نہ ڈالے رکھتے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ جنات کو غیب کا کوئی علم نہیں۔

جنات کے سر نیچا کر کے خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شان نبوت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور وہ اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا۔ اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ نیز موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا۔ بدن بالکل تروتازہ رہا تعفن اور بوسیدگی تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسم گرما کی شدت اثر انداز ہوئی نہ سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے ہو۔ اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شان دیکھ لو۔

۲۲ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی صحابی نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! سبا کسی مرد کا نام ہے کسی عورت کا نام ہے یا کسی وادی کا۔ حضور نے فرمایا: بل هو رجل وَلَدَ له عشرة فسكن اليمن منهم ستة والشام منهم اربعة۔ یہ ایک آدمی کا نام ہے۔ اس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں سکونت پذیر ہو گئے اور چار شام میں آ کر آباد ہوئے۔ صاحب لسان العرب نے اس کا نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ هو سبأ بن يشجب بن يعرب بن قحطان۔ علامہ ابن کثیر نے علماء نسب کے حوالے سے اس کی تشریح کی ہے۔ صرف اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس کا نام عبد شمس تھا اور سبا اس کا لقب تھا کیونکہ اس نے جنگ میں سب سے پہلے قیدی بنائے

طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

شہر اور ایسا رب غفور۔ (اہل سبا) مشکل حوش بختی کا گیا کہنا! ۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا

لانہ اول من سبا فی العرب۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کا اکثر حصہ کوہستانی ہے۔ یہاں کوئی دریا نہیں بہتا۔ برسات کے موسم میں بارش کا پانی برساتی نالوں کے ذریعے آتا اور اس سے کہیں کہیں کھیتی باڑی کی جاتی۔ اہل یمن نے مأرب کے قریب ایک وادی میں بڑا زبردست بند ۲۰۰۰ ہاتھ تعمیر کیا۔ کہتے ہیں یہ بند ملکہ بلقیس کے زمانہ میں سنگلاخ چٹانوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اوپر نیچے اس کے تین دروازے تھے۔ اس سے نیچے ایک بہت بڑا وسیع تالاب تھا جس سے بارہ نہریں نکالی گئی تھیں جو ملک کے ہر حصہ کو آبپاشی کرتیں۔ جب ڈیم بھرا ہوتا تو سب سے اوپر والا دروازہ کھولا جاتا۔ اس سے پانی نکل کر نیچے ذخیرہ میں آتا اور وہاں سے حسب ضرورت مختلف نہروں میں چھوڑ دیا جاتا۔ پانی کی سطح کم ہو تو درمیانی دروازہ کھولا جاتا اور جب بالکل پانی کم ہوتا تو نیچے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔ یہ ڈیم اتنا بڑا تھا کہ موسم برسات میں ذخیرہ کیا ہوا پانی ان کی سال بھر کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو جاتا۔

آبپاشی کا یہ اتنا اعلیٰ نظام تھا کہ اس زمانہ میں بابل کے علاوہ کہیں اس کی نظیر نہ تھی۔ جب یمن کی زمین کو بروقت پانی ملنے لگا تو ہر طرف سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگے۔ وادی کے دونوں طرف دائیں بائیں دُور دُور تک باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ امام قشیری کہتے ہیں جنتین کا یہ مطلب نہیں کہ ملک بھر میں صرف دو باغ تھے۔ ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف۔ بلکہ مقصد یہ ہے دائیں بائیں ہر طرف باغات ہی باغات تھے۔ جدھر نگاہ اٹھتی پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز و درختوں پر ہی پڑتی۔ (قرطبی)

خود سوچیے جہاں آبرسانی کا اتنا بہترین نظام ہو، ہر طرف پھل دار درخت جھول رہے ہوں۔ باغات سے سارا ملک جنت نظیر بنا ہو۔ زمین سونا اگل رہی ہو۔ وہاں کے باشندوں کی خوشحالی کا کیا عالم ہوگا۔ مشرق و مغرب میں ان کی دولت و ثروت کے چرچے تھے۔ اس وقت کے سیاحوں نے ان کے مکانات کی تزئین اور آرائش کے چشم دید حالات لکھے ہیں، انہیں پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

۳ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے رب کریم کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ۔ رنگارنگ خوش ذائقہ پھلوں سے لطف اٹھاؤ لیکن خیال رہے جس کے خوان کرم سے تمہیں یوں اتنی اور بے حساب نعمتیں عطا کی جا رہی ہیں اس کی شکر گزاری میں سستی نہ کرنا۔ جتنا تم شکر ادا کرو گے وہ کریم اتنا ہی مزید لطف و کرم تم پر کرے گا۔

۲۶ تم کتنے خوش نصیب ہو تمہیں ملک عطا ہوا تو ایسا جو آب و ہوا کے لحاظ سے بڑا پاکیزہ ہے، زمین زرخیز ہے، پانی وافر ہے، باغ خوب پھلتے ہیں۔ ہوا اتنی لطیف ہے کہ اس کا ہر جھونکا نسیم بہار کی طرح غنچۂ دل کو شگفتہ کر دیتا ہے۔ مچھر مکھی وغیرہ کا یہاں نام تک نہیں۔ مزید برآں تمہارا رب بہت بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ اگر بھولے سے کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو فوراً پکڑتا نہیں بلکہ تم توبہ کیلئے دروازہ کھٹکھٹاؤ تو وہ تمہارے گناہ بخش دیتا ہے۔

۲۸ کچھ عرصہ تو وہ عنایات ربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور شکر بجا لاتے رہے لیکن جب دولت و ثروت کی فراوانی نے انہیں ...

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ

اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور

مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۗ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ

چند بیری کے درخت تھے ۲۸ یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے ۲۹ اور ہم احسان فراموش کے

گزرا تو ان میں سرکشی اور بے راہروی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نبی مبعوث فرمائے۔ انہوں نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ بنو۔ یہ عیش و نشاط، یہ دولت کی فراوانی اور غلوں اور پھلوں کی بہتات تمہاری کسی ذاتی حیثیت کا نتیجہ نہیں بلکہ تمہارے پروردگار کی دین ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم لگاتار گناہ کرتے رہو اور ناشکر گزار بنے رہو اور وہ تمہیں ان نعمتوں سے محروم کر دے۔ لیکن شیطان نے ان کو ایسا ورغلایا تھا کہ انہوں نے اپنے مخلص ناصحین کے حکم نصیحت کو سننے سے انکار کر دیا اور بڑی گستاخی کر دیا۔ ما نعرف لله علينا نعمة فقولوا لربكم فليحبس هذه النعمة عنا ان استطاع یعنی ہمیں تو کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے۔ تم بیشک اپنے رب کو کہو کہ اگر اس میں طاقت ہے تو جو انعام اس نے ہم پر کیا ہے وہ آئندہ روک لے۔ جب ان کے فسق و فجور کی حد ہو گئی تو مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ غضب الٰہی موسلا دھار بارشوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس نے اتنے خوفناک سیلاب کی صورت اختیار کر لی کہ جب اس کی موجیں اس چٹانوں سے بنے ہوئے بند سے جا ٹکرائیں تو ان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ چند جھٹکوں کے بعد وہ بند جس کی پختگی پر انہیں بڑا ناز تھا، اس میں دراڑیں نمودار ہونے لگیں۔ کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تند ریلا اس کے بھاری بھرکم پتھروں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ کئی روز سے موسلا دھار بارش کے باعث سارے علاقے میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ اوپر سے بند ٹوٹنے سے اس کا پانی بھی آ گیا۔ جب یہ سارا پانی بلندی سے پستی کی طرف بجلی کی تیزی سے رواں ہوا تو راستے میں بستے شہر تھے ملیامیٹ ہو گئے۔ باغات اجڑ گئے۔ درخت اکھڑ گئے اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا تو نام و نشان تک کہیں باقی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان ناشکروں اور ان فاسقوں کو تباہی اور بربادی کی چکی میں پیس ڈالا۔

عَرِم کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) سدّ يعترض به الوادي وہ بند جو وادی کے سامنے تعمیر کیا گیا ہو۔ (۲) العرم المسناة التي في اوساط الوادي : پانی کے وہ ذخیرے جو وادی کے وسط میں جگہ جگہ بنائے گئے ہوں۔ (۳) العرم السيل الذي لا يطاق : ایسا سیلاب جس کو روکنے کی کسی میں طاقت نہ ہو۔ وقيل المطر الشديد : سخت بارش۔ یہاں یہ سارے معانی چسپاں ہو سکتے ہیں۔

۲۸ کچھ عرصہ پہلے جہاں جنت نظیر وادیاں دعوت نظارہ دے رہی تھیں، جس ملک کا ہر گوشہ فردوس بریں ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا، وہاں اُلّو بولنے لگے۔ وہاں تباہی و بربادی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ سنسان ویرانے جو کہ بھی بھی ایسے نہ تھے، پھل دار درختوں کا نشان تک نہ رہا تھا۔ وہ شہر اور گاؤں جہاں زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ محو خرام تھی

إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا

ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں ۲۹؎ بجز ناشکرے کے اور ہم نے بسا دی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور

قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا

کئی بستیاں سرِ راہ ۳۱؎ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی ۳۲؎ سیر و سیاحت کرو ان میں (جب چاہو) راتوں اور دنوں میں

وہاں خاک اُڑنے لگی یوں دکھائی دیتا جیسے یہاں کبھی کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔ وہ چمن بندیاں، وہ روشیں، وہ کیاریاں اور پھولوں سے لدی ہوئی کیاریاں سب قصۂ ماضی بن چکی تھیں۔ اب خودرو بوٹے، خار دار جھاڑیاں اور کہیں کہیں جنگلی گھاس اُگی ہوئی نظر آتی تھی۔ جہاں سیب، انار اور انگور تھے وہاں کڑوے اور ترش پھل، جھاؤ کے درخت اور چند بیری کے بے رونق پودے نظر آتے تھے۔

اُکُل: پھل۔ خمط: وہ پھل جو ترش یا کڑوا ہو۔ اثل: جھاؤ کا درخت۔ سدر: بیری۔

۲۹؎ یہ تو ان کے باغات کا حال ہوا۔ اور ان ناشکروں اور خود پسندوں سے سرشار مغرور عوام پر کیا بیتی۔ اس کا کیا پوچھنا۔ ایک کثیر تعداد تو سیلاب میں بہ گئی جو بچ گئے وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں تتر بتر ہو گئے، ان کا شیرازہ بکھر گیا، جہاں گئے وہاں کی آبادی میں مدغم ہو کر رہ گئے۔ نہ وطن رہا نہ وقار رہا۔ باقی تھا قوم کا نام وہ بھی مٹ کر رہ گیا۔

۳۰؎ یہ سزا ان کی نافرمانی اور ناشکری کے باعث انہیں دی گئی۔ ہم یونہی قوموں کو بلا وجہ تباہ و برباد نہیں کر دیتے، بلکہ یہ ان کے اعمال بد ہیں جو انہیں اس ہولناک انجام سے دوچار کر دیتے ہیں۔

۳۱؎ جب وہ خوش حالی اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے اس وقت اس علاقہ کی چہل پہل کا یہ حال تھا کہ یمن سے لے کر تمام فلسطین تک سارا راستہ آباد تھا۔ جگہ جگہ پُر رونق بستیاں تھیں۔ ایک شہر سے نکلے تو دوسرے شہر کے اونچے اونچے مکانوں کی منڈیریں دکھائی دینے لگیں۔ ابھی ایک شہر کی چہل پہل ختم نہ ہوتی تو دوسری بستی کی دلچسپیاں مسافروں کی توجہ کو جذب کرنے لگتیں۔

"بینہم" سے مراد سبا کا علاقہ ہے۔ "القری التی بارکنا" سے مراد شام و فلسطین کے قصبے اور شہر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت کیا تھا۔ "قری ظاھرۃ" سے مراد وہ گاؤں اور بستیاں ہیں جو کسی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے مسافروں کو دور سے نظر آنے لگتی ہیں۔ یا وہ شہر جن میں اونچے اونچے محلات اور ایوان راہگیروں کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ "ظاہرہ" کا ایک معنی عامرہ بھی ہے یعنی آباد۔ قیل ظاھرۃ ای عامرۃ۔ (بحر محیط)

۳۲؎ یعنی ہم نے سفر کی منزلیں ان میں مقرر کر دی تھیں کہ کوئی شب باشی کے لیے کوئی دوپہر کا قیلولہ کرنے کے لیے۔ ہر جگہ ہر طرح کا سامانِ راحت میسر، آرام دہ سرائیں اور شاندار ہوٹل اپنے مہمانوں کے لیے چشم براہ۔

۳۳؎ یہاں سفر کے لیے ضروری نہیں تھا کہ دن کے اجالے میں ہی ہو۔ رات ہو یا دن ہر مسافر امن و امان سے اپنا سفر جاری کر سکتا تھا۔ نہ دن کو کسی قزاق کا اندیشہ نہ رات کو لُٹ جانے کا خوف۔

آمِنِيْنَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

کے دوران امن و امان سے ۔ پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کیا پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا ۳۲ بیشک اس داستان میں عبرت کی

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ

نشانیاں ہیں ہر بہت صبر بہت شکر کرنے والے کے لیے ۳۳ اور بیشک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان ۳۴

۳۱ لیکن اس آرام دہ زندگی سے کچھ مدت کے بعد وہ اکتا گئے، وہ خدا سے دعا کرنے لگے کہ ہماری مسافتوں کو طویل کر دے۔ ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دور ہو۔ ان کے درمیان وسیع و عریض سنسان صحرا ہوں، جو غیر آباد ویرانے ہوں۔ انہیں چلچلاتی دھوپ جلائے، گرم لو جھلس دے، پیاس کی شدت سے ہونٹ خشک ہوں، سفر کا مزا تو تب ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں:
تناولات بمعهدة النعمة بطروا وملّوا العافية وطلبوا استبدال الذي هو ادنى بالذي هو خير... فتمنوا ان يجعل الله بينهم وبين الشام المفاوز۔ (بحر)

۳۲ ان نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے انہوں نے ناشکری کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ قوم جو فارغ البالی اور خوشحالی کے باعث آفاق عالم میں رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی جس کا آفتاب اقبال بڑی بلندی پر چمک رہا تھا جب بھٹکنے لگی تو اسے داستان پارینہ بنا کر رکھ دیا۔ اب محض ان کی کہانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس قوم کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ ان کی جمعیت کو ہم نے اس طرح منتشر اور تتر بتر کر دیا کہ جب کوئی جماعت یا قبیلہ منتشر ہوتا ہے تو اہل عرب بطور مثال کہتے ہیں: ذهبوا ايدى سبا۔ کہ اس قبیلہ کے لوگ یوں بکھر گئے جس طرح سبا کی قوم کو مختلف راستوں نے ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔
وقيل للقوم اذا تفرقوا في جهات مختلفة ذهبوا ايدى سبا اى فرقتهم طرقهم التي سلكوها۔ والايدي الطرق (لسان)
علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ قبیلہ غسان شام چلا گیا۔ انمار یثرب میں، جذام تہامہ میں، اور قبیلہ ازد عمان میں جا کر آباد ہو گئے (کشاف)

۳۳ ان کی تباہی کی درد بھری داستان سے وہی لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں جو صبر و شکر کی صفات سے پوری طرح متصف ہوں۔

۳۴ جب شیطان نے مہلت ملنے کے بعد خالق کائنات کے حضور میں یہ لاف زنی کی تھی۔ فبعزتك لاغوينهم اجمعين ولا تجد اكثرهم شاكرين۔ یعنی مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس وقت اسے یہ یقین نہ تھا کہ وہ اپنے اس دعوی میں پورا اترے گا لیکن جب اہل سبا نے اس کی انگیخت پر غوایت و ضلالت کی راہ پر چلنا شروع کر دیا اور ناشکری کی انتہا کر دی، تو اب اس کا وہ گمان درست ثابت ہو گیا۔

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ

سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا) اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو

مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا

(کہ وہ بے بس ہوں) ۞ مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے

فِيْ شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ

متعلق شک میں مبتلا ہے اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ۞ آپ فرمائیے (اے مشرکو!) تم پکار دیکھو

انما قال له ظناً لانه اتبعوه واطاعوه صدق عليهم ما ظنه فيهم (مظہری)۔ یعنی پہلے تو اس کا یہ غالب گمان تھا کہ وہ انہیں گمراہ کردے گا لیکن جب اہل سبا نے اس کے اشارہ پر ناچنا شروع کردیا اور اس کی پیروی اختیار کرلی تو اب کے گمان کی تصدیق ہوگئی۔ وقال مجاهد: ظن ظناً فكان كما ظن فصدق ظنه (قرطبی)۔ کہ اس نے ایک گمان کیا تھا اور وہ گمان پورا ہوگیا تو اب گویا اس کے ظن کی تصدیق ہوگئی۔

۞ یعنی شیطان کے پاس ایسی کوئی قوت نہ تھی جس کے زور سے وہ انہیں جبراً اپنا پیروکار بنالیتا اور وہ اپنی مرضی اور ارادہ کے علی الرغم اس کے پیچھے چلنے پر مجبور ہوتے۔ اس کا کام تو صرف وسوسہ اندازی کرنا اور لطائف الحیل سے ورغلانا اور بہکانا تھا اس نے صرف گدگدایا اور یہ صاحبان وقار و متانت کو بالائے طاق رکھ کر کھل کھلانے لگ گئے۔ اس نے صرف آنکھ ماری اور یہ رقص کرنے لگے۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر یوں فریفتہ ہوگئے کہ اپنے خالق کو بھی بھلا دیا اور اپنے مخلص راہنماؤں کی پند و موعظت کو بھی ٹھکرا دیا۔

۞ یہ استثناء منقطع ہے اور الا۔ لکن کے معنی میں استعمال ہوا ہے (قرطبی)۔ العلم کے معنی کی تحقیق کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ نعلم (ظاہر کرنا) نمیز (تمیز کرنا) اور نری (دیکھنا) کے معانی میں مستعمل ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ سارے معانی چسپاں ہو سکتے ہیں اور اگر نعلم جاننے کے معنی میں ہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک علم تو وہ ہے جو کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اسے حاصل ہے لیکن اس علم پر جزا اور سزا مرتب نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی عمل عالم واقع میں ظہور پذیر ہوتا ہے تب نیکو کار کو جزا کا اور بدکار کو سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں علم سے مراد یہی علم ہے۔ یرید علم الشهادة الذي يقع به الثواب والعقاب (قرطبی)۔

لیکن علم الٰہی کے بارے میں جو تحقیق علامہ پانی پتی نے کی ہے۔ اہل حق کے نزدیک وہی اولیٰ بالقبول ہے جس کا خلاصہ چند سطور میں پیش خدمت ہے:

فرماتے ہیں "زمانہ اور زمانیات اسی طرح مکان اور مکانیات سب حادث ہیں اور ان تمام امور کے

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرّہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں

وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے

مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى

کوئی مددگار ہے اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک

متعلق اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، ازلی اور ابدی ہے۔ تقدیم و تاخیر جس کا تعلق زمانہ سے ہے اور تحت و فوق جس کا تعلق مکان سے ہے یہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان کا خالق ہے۔ وہ زمانی تقدیم و تاخیر اور مکانی فوق و تحت سے منزہ اور مبرّا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مظہری سورۂ سبا کی آیت ۳ اور ۲۱)

۲۲۔ زعمتم کا مفعول ثانی الٰہۃ مقدر ہے۔ ای زعمتموھم الالٰھۃ عبارت یوں ہے کہ ای زعمتموھم الالٰھۃ (مظہری) یعنی جن کو تم اپنا خدا یقین کرتے ہو انہیں پکارو۔ دیکھیں وہ تمہاری کیا مدد کرتے ہیں۔ وہ بیچارے تو بے بس اور بے کراں ہیں اور نہ تو زمین و آسمان میں سے کسی ذرہ کے بھی مالک نہیں۔ من شرک میں "من" زائدہ ہے اور شرک بمعنی شرکت یعنی حصہ ہے۔ یعنی ان کا زمین و آسمان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ای ادعوا الذین زعمتم انہم الالٰھۃ (قرطبی) یعنی انہیں پکارو جنہیں تم خدا خیال کرتے ہو۔ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں: زعمتموھم الالٰھۃ من دونہ (بحر) یعنی جنہیں تم اللہ کے سوا خدا سمجھتے تھے۔ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود بنائے ہوئے تھے۔ تقریباً سب مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

۲۳۔ کفار مکہ بطیبِ تقرّب کہتے تھے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ ہمارے ان بتوں کو زمین و آسمان کی کسی چیز پر اختیار نہیں اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ حصہ دار لیکن قیامت کے روز یہ ہماری شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کے باعث ہم نجات پا جائیں گے ان کے اس گمان کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ ان کا یہ خیال بھی سراسر ہذیان ہے۔ قیامت کے دن ایسا نہیں ہو گا کہ جس کا جی چاہے گا شفاعت کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے گا بلکہ شفاعت کے لیے صرف وہ آدمی لب کشائی کرے گا جس کو بارگاہِ الٰہی سے شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی اور فقط ان لوگوں کے لیے وہ شفاعت کرے گا جن کی شفاعت کرنے کا اسے اذن ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے جن مقبول بندوں کو شفاعت کرنے کی اجازت ہو گی۔ وہ تو انبیاء و اولیاء ہوں گے اور انہیں صرف ان گنہگاروں کے لیے سفارش کرنے کا اذن ملے گا جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔ رہے تمہارے یہ بت تو انہیں سرے سے سفارش کرنے کی اللہ تعالیٰ

اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ

کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے وہ کہتے ہیں حق فرمایا ہے اور

الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ

وہی بڑی شان والا سب سے بڑا ہے ۲۳؎ آپ فرمائیے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے خود ہی فرمائیے

اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ

اللہ تعالیٰ اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے ۲۵؎ فرمائیے

نے اجازت ہی نہیں دی۔ ان کی کیا مجال ہے کہ وہ شفاعت کر سکیں اور وہ بھی ان بدنصیبوں کی جنہوں نے ساری عمر کفر و شرک میں بسر کر دی اور تا دمِ مرگ ایمان نہ لائے۔

۲۳؎ فُزِّعَ کا معنی ہے جب دل سے گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ قال ابن عباس خلی عن قلوبھم الفزع۔ قطرب: اُخرج ما فیہا من الخوف۔ یعنی قیامت کے دن جنہیں اذنِ شفاعت ملے گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈر رہے ہوں گے ان کے دل گھبرا رہے ہوں گے کہ دیکھیے ان کے ساتھ آج کیا سلوک کیا جاتا ہے اور جب مولا کریم اپنے فضل و کرم سے انہیں اذنِ شفاعت بخشے گا اور یہ خوف و ہراس دور ہو گا۔ اس وقت وہ ایک دوسرے سے اطمینان کے لیے پوچھیں گے کہ پروردگار نے کیا فرمایا۔ وہ انہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بات فرمائی ہے جو عین حق ہے یعنی اس نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اہل ایمان گنہگاروں کی شفاعت کرو۔ واقعی اس کی شان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔

۲۴؎ کفار کو لاجواب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے پوچھیے کہ تمہارے رزق کا اہتمام کرنے والا کون ہے۔ کون بادلوں کے مشکیزے میٹھے پانی سے بھر کر ہواؤں کے کندھوں پر لاد کر لاتا ہے اور تمہارے کھیتوں پر آکر برساتا ہے۔ یہ سورج کی کرنیں اور چاند کی شعاعیں کس کے حکم سے ہر چیز کی مناسب نشوونما کر رہی ہیں اور ان کو رنگ اور ذائقہ سے معطر کر رہی ہیں۔ کون ہے جو یہ تمام انتظامات حسن و خوبی سے انجام دے رہا ہے۔ تمہارے کھانے کے لیے ہر طرح کی اجناس، سبزیاں اور پھل تیار کر رہا ہے۔ کفار کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اگر یہ کہتے کہ ان کے بت یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو یہ سفید جھوٹ تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو پھر شرک سے چمٹے رہنے کے لیے ان کے پاس کوئی وجہ جواز باقی نہ رہتی۔ اس لیے خود ہی حکم دیا۔ قُلِ اللّٰہُ: اے محبوب! یہ اس سوال کا جواب نہیں دیں گے۔ آپ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ۔

۲۵؎ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں اور تم شرک میں مبتلا ہو۔ ہم دونوں تو راہ راست پر ہو نہیں سکتے۔ لازماً اگر ہم راہ راست پر ہیں تو تم گمراہ ہو۔ اور اگر تم راہ راست پر گامزن ہو تو ہم بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توحید کے ماننے والے اور شرک کرنے والے

لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۲۵ قُلْ يَجْمَعُ

تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کیے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی ۴۳ فرمائیے جمع کرے گا ہم سب

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۲۶ قُلْ

کو ہمارا رب پھر وہ فیصلہ کردے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ۔ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے ۴۴ فرمائیے

اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۲۷

مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دانا ہے ۴۵

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر ۴۶ لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ

دونوں راہِ حق پر چل رہے ہوں۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ حق پر کون ہے ہم یا تم۔ دلائل کس کی تائید کرتے ہیں۔ عقل سلیم کا فیصلہ کس کے حق میں ہے اور خود تمہارے دل کیا کہہ رہے ہیں۔ قیاس استثنائی کی یہ بہترین مثال ہے۔

۴۳ ہر شخص اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا۔ اب وقت ہے سمجھنے کی کوشش کرو اور اگر اس حقیقت کو جو سورج سے بھی روشن تر ہے، سمجھ چکے ہو تو ناداں بچوں کی طرح بے جا ہٹ اور ضد نہ کرو ورنہ پچھتانا پڑے گا۔

۴۴ اللہ تعالیٰ ہم سب کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا اور ہمارے جھگڑے کا خود فیصلہ فرمائے گا۔ اس سے بہتر اور کون فیصلہ کر سکتا ہے۔ کون سی بات ہے جس کا اسے علم نہ ہو۔ یفتح ای یحکم و یفصل (مظہری)

۴۵ مجھے دکھاؤ وہ کہاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بنتے ہیں یا جنہیں بنایا جاتا ہے۔ "ارونی" کا پہلا مفعول ضمیر متکلم منصوب متصل، دوسرا مفعول "الذین الحقتم بہ" اور تیسرا مفعول "شرکاء" ہے۔

۴۶ اس آیت کی تفسیر اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔

"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فُضِّلْتُ علی الانبیاء بستٍ۔ اُعطیتُ جوامع الکلم۔ ونُصِرْتُ بالرعب۔ واُحِلَّتْ لی الغنائم وجُعِلَتْ لی الارض مسجداً وطهوراً۔ واُرسلتُ الی الخلق کافۃ۔ وخُتِمَ بی النبیون"

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی ہے۔ مجھے اس نے جوامع الکلم عطا فرمائے یعنی قلیل الفاظ میں کثیر معانی کو بیان کر دینا۔ اس نے رعب سے میری مدد کی۔ میرے لیے غنیمت حلال کی

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۞ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ

نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم

صَادِقِينَ ۞ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً

سچے ہو فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لیے وعدہ کا دن مقرر ہے۔ نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور

وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۞ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ

نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکو گے۔ کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر

وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ

اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (اے منکر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے

عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ

اپنے رب کے روبرو اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو دبا دیئے گئے تھے!

گئی۔ میرے لیے تمام روئے زمین مسجد قرار دی گئی اور طہارت کا ذریعہ بنایا اور مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھے تمام نبیوں کے آخر میں بھیج کر سلسلۂ نبوت ختم کیا۔

* کَآفَّۃً کے مفہوم اور ترکیب کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ زجاج کے نزدیک کَآفَّۃً کا معنی جامع ہے۔ قال الزجاج ای وما ارسلناک الا جامعا للناس بالانذار والابلاغ۔ بعض کے نزدیک یہ کفٌّ کا اسم فاعل ہے جس کا معنی روکنا ہے اور "ۃ" مبالغہ کے لیے ہے یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ سب لوگوں کو کفر و عصیان سے روکیں۔ معناہ کافا للناس یکفہم عن ما ھم فیہ من الکفر۔ اور آخرت میں آپ انہیں دوزخ میں گرنے سے روکیں گے۔ اس کی ترکیب میں بھی متعدد قول ہیں۔ بعض نے اسے مصدر محذوف کی صفت بنایا ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یوں ہوگی۔ وما ارسلناک الا ارسالۃ کافۃ یعنی عامۃ شاملۃ۔ اور بعض نے اسے ارسلناک کی ضمیر خطاب کا حال بنایا ہے اور للناس جار مجرور اس کے ساتھ متعلق ہے اور بعض نے اسے للناس کا حال بنایا ہے۔ اگرچہ اکثر نحوی مجرور پر حال کو مقدم کرنا درست نہیں سمجھتے لیکن یہاں اہتمام کی وجہ سے تقدیم جائز ہے۔ وکافۃ حال من الناس قدم علیہ للاہتمام یعنی (ارسلناک لجل ارشاد الناس کافۃ عامۃ احمرھم واسودھم وعطی)

۱؎ آج تو کتاب ورُسے کر غرور سے قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر رہے ہیں اور اپنی اس احمقانہ ضد کو دانشمندی قرار دے رہے ہیں لیکن

اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ

کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ

متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا

الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

ہدایت قبول کرنے سے بعد اس کے کہ ہدایت تمہارے پاس آ گیا تھا؟ بلکہ درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ

اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا

کمزور لوگ ان مغروروں سے ایسا نہیں، بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں روکے رکھا جب تم ہمیں حکم

أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا

دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور ٹھہرائیں اس کے ہمسر ۳۳؎ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے

جب قیامت کے دن انہیں قبروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا اس وقت ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ سارا خمار اتر چکا ہوگا۔ مگر اب مسکین بنے فرط ندامت سے ہونٹ کاٹ رہے ہوں گے۔ جب غضب الٰہی کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھیں گے تو آپس میں الجھنا شروع کر دیں گے۔ ان آیات کا مفہوم واضح ہے۔

۳۳؎ اس کی ترکیب غور طلب ہے۔ کمزور اور ضعیف لوگ کہیں گے کہ اے سردارو! تم رات دن اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ کبھی قرآن کی کسی آیت پر اعتراض کرتے، کبھی حامل قرآن پر پھبتیاں کستے، کبھی مسلمانوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑاتے اور ہمیں بار بار اس امر کا یقین دلایا کرتے تھے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہی سیدھی راہ ہے۔ مبادا کسی کے کہنے سے اس سے بھٹک جاؤ۔ دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں آنکھیں بند کیے ہمارے پیچھے چلے آؤ۔ تم خود سوچو اگر مسلمانوں کا مذہب سچا ہوتا تو ہم جو اتنے زیرک اور قوم کے راہنما اور اپنے ملک کے لیے وجہ افتخار ہیں، اسے قبول نہ کر لیتے۔ ہم نے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کیا ہے۔ ہم نے اس کی بڑی پوری تحقیق کی ہے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان اپنا آبائی دین چھوڑ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اے ہمارے سردارو! ہمیں دین حق سے روکنے کے لیے تم شب و روز اسی قسم کے مکر و فریب کرتے رہتے تھے۔ کیا تمہاری بیٹھکوں پر ہر وقت اسی قسم کی گفتگو نہیں ہوا کرتی تھی۔ تم لوگوں کو کفر پر اڑے رہنے کی ہر وقت ترغیب نہیں دیا کرتے تھے؟ ہمیں تو تمہاری ہی مکاریاں لے ڈوبیں اور برباد کیں۔

الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ

عذاب کو — اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا

بدلہ دیا جائیگا بجز اسکے جو وہ کیا کرتے تھے ۵۵ — اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا — مگر یہ کہ اعلان

قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ

کر دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہ ہم اس دین کا جو دیکر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔ — اور کہتے (رہے) ہم کہیں زیادہ ہیں بلحاظ

أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٣٥﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ

مال میں (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی ۵۶ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا ۵۷ — آپ فرمائیے بیشک میرا رب کشادہ کرتا ہے

اپنی عاقبت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دلیل اور بنا یہ کہ ان سنگدلیوں اور حیلہ سازیوں کے لیے طوق بہ زمان ہیں اس لیے طوق کی نسبت بطور مجاز ان کی طرف کر دی گئی۔ "اغلال" اس کا واحد غل ہے۔ وہ زنجیر جو گلے میں ڈال جاتی ہے۔

۵۵ آخر میں یہ بات واضح کر دی کہ ہر شخص کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں صرف کرے۔ اگر کوئی نادان کسی کی خوشنودی کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور کسی کی کورانہ تقلید کی وجہ سے گمراہی کے راستہ پر گامزن رہتا ہے تو وہ سن لے کہ قیامت کے دن اس کا یہ عذر ہرگز مقبول نہ ہوگا کہ اس نے فلاں شخص کے مجبور کرنے سے ایسی حرکت کی۔ اگر وہ اس کو مجبور نہ کرتا یا اسے اپنے فریب میں مبتلا نہ کرتا تو وہ ہرگز یہ غلطی نہ کرتا۔ فرما دیا جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جو جنس کاشت کرو گے وہی کاٹو گے۔ اب اچھی طرح سوچ لو تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

۵۶ طبقہ امرا کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے انہیں زندگی کے سارے عیش و آرام نصیب ہوتے ہیں۔ روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے جس طرف سے گزرتے ہیں لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ انہیں اور کیا چاہیے۔ اگر غریبوں پر ظلم ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ اگر کسی کی آبرو لٹتی ہے تو لٹتی رہے۔ اگر اقدار عالیہ کا ان کے معاشرہ میں مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کی بلا سے۔

ان حالات میں جب کبھی انقلاب کا کوئی داعی اٹھتا ہے تو سب سے زیادہ پریشانی انہیں لاحق ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ انقلاب برپا ہو گیا تو ان کی عیش و نشاط کی بساط الٹ دی جائے گی۔ اس لیے جب کبھی عقائد کی اصلاح اور معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی اللہ کا بندہ تشریف لایا تو اس طبقہ امراء نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

۵۷ اور کہا تم کون ہو ہماری اصلاح کرنے والے۔ یہ عالیشان حویلیاں تمہاری ہیں یا ہماری۔ یہ باغات اور حد نظر تک لہلہاتے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ

رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کیلئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے ف۲۲ اور

مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ

نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں ف۲۳ مگر جو ایمان لایا اور

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ

نیک عمل کرتا رہا ایسے ہی کو (یہ) اعزاز نصیب ہوگا ف۲۴ پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور

هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

وہ بالاخانوں میں امن و امان سے رہیں گے ف۲۵ اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں ف۲۶

ہوئے کھیت کس کے ہیں۔ یہ وہ جھولی پنچ جن کی جوانی اور طاقت کی بلائیں زمانہ لے رہا ہے۔ ان کا باپ کون ہے۔ اگر ہم گمراہ ہوتے تو ہمارے ہاں دولت کی یوں فراوانی ہوتی، سامانِ عیش و عشرت کی یوں کثرت ہوتی۔ گمراہ تو تم ہو، اسی وجہ سے نہ تمہیں کھانے کو روٹی ملتی ہے اور نہ پہننے کو کپڑا، جاؤ اپنا کام کرو۔ ہماری پرسکون زندگی میں بے اطمینانی کا زہر مت گھولو۔

ف۲۱ پہلے تو قیامت کا تصور ہی خلافِ عقل ہے۔ اگر بفرضِ محال تمہارے کہنے کے مطابق قیامت آ بھی گئی تو کس کی مجال ہے کہ ہم جیسے اکابرِ ملت اور زعماءِ قوم کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

ف۲۲ یہ غلط فہمی صرف دورِ قدیم کے اغنیاء، دولت وروں کو ہی نہ تھی، بلکہ اس روشن زمانہ کے اکثر متمول اور خدا فراموش لوگوں کا یہی حال ہے اس لیے اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا کہ رزق کی کمی بیشی کسی کے گمراہ یا ہدایت یافتہ ہونے کی کوئی کسوٹی نہیں۔ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنی حکمت کے پیشِ نظر کسی کو رزق زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ ہدایت چیز ہی الگ ہے۔ یہ نعمت انہیں کو دی جاتی ہے جن کے دل میں اس کی طلب ہو اور اس کو قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ وہ رزق کے پیمانے سے ہدایت کو ماپتے رہتے ہیں۔

ف۲۳ یہ نہ سمجھو کہ اگر تمہارے پاس مال بکثرت ہوگا اور بیٹوں کی تعداد زیادہ ہوگی تو تم خدا کے مقرب بن جاؤ گے۔ یہاں قرب و پذیرائی اسے بخشا جاتا ہے جس کے دل میں ایمان کا چراغ روشن ہو اور جو اپنے حسنِ عمل سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی فلاح و بہبود میں کوشاں ہو۔

ف۲۴ ایسے نیک بختوں کو ان کے اعمالِ حسنہ کا کئی گنا اجر ملے گا۔ فردوسِ بریں کے بالاخانوں میں وہ قیام کریں گے۔ کسی قسم کا غم و اندیشہ ان کی راحتوں میں خلل انداز نہیں ہوگا۔ ف۲۶ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو اسی سورت کی آیت ۵۔

أُولَٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ

وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے ۵۸ آپ فرمائیے بے شک میرا پروردگار کشادہ کر دیتا ہے رزق

لِمَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ

کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ

فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴿٣٩﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ

اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر

يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَٰنَكَ

فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے۔ ۵۹ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر

أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم

شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر

بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا

ان پر ایمان رکھتے تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ

۵۸ ان بدبختوں کو پکڑ کر عذاب الٰہی میں جھونک دیا جائے گا۔ وہ ادھر ادھر نہیں بھاگ سکیں گے۔

۵۹ بعض مشرک قبائل فرشتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ قیامت کے دن انہیں شرمندہ کرنے کے لیے فرشتوں سے پوچھا جائے گا (ای تبکیتا لھم) اے ملائکہ! یہ ہیں تمہارے پجاری کم از کم انہیں خوب پہچانتے ہو گے اور ان سے تمہارے بڑے گہرے مراسم ہوں گے۔ فرشتے کہیں گے اے ہمارے مالک! اے معبود برحق! تو ہر قسم کے شریک سے منزہ ہے۔ ہماری بندگی بھی تیرے لیے، ہماری دوستی بھی تیرے ساتھ۔ تو ہی ہمارا آقا اور تو ہی ہمارا مالک۔ ان سے تو ہمارا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ (ای انت ربنا الذی نتولاہ ونطیعہ ونعبدہ ونخلص فی العبادۃ) (قرطبی) علامہ آلوسی لکھتے ہیں (ای انت الذی نوالیہ من دونھم لا موالاۃ بیننا وبینھم) (روح المعانی) یہ تو شیطان اور اس کے حواریوں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں فرشتہ کہتے تھے۔

ضَرًّا ۗ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا

نقصان کی۔ اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم

تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا

جھٹلایا کرتے تھے ٦٩ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں روشن تو کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر

رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا

ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے نیز کہتے ہیں نہیں ہے

إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ

یہ قرآن مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا

یہ مگر جادو کھلا کھلا ٧٠ اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دی تھیں جنکا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ

أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا ٧١ اور (اسی طرح) جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ٧٢

٦٩ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرتے تھے اور ان کو اپنا معبود یقین کرتے تھے۔ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کو کوئی نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ حکم خداوندی کے مطابق انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ اپنے کرتوتوں کی سزا چکھیں۔

٧٠ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں ان کے سب سے بڑے الزامات کا ذکر ہو رہا ہے۔ میرا نبی تو انسانیت کی بہتری کے لیے کوشاں ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں راہ حق سے بھٹکانا چاہتا ہے۔ قرآن کریم کا نور تو ظلمت کدہ عالم کو رشک طور بنا رہا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ انہیں معجزات دکھائے جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں یہ تو سحر مبین ہے۔ ایسے الٹی کھوپڑی کے لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں۔

٧١ ان کی جہالت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

٧٢ ان سے پہلے بھی میرے انبیاء تشریف لائے اور ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا، ان کو طرح طرح سے ستایا۔ آخر کار ہم

وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾

اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو قوت (و دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو (دیکھو) کیسا تھا میرا عذاب۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ

(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ) کہ تم اللہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے

تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ

پھر خوب سوچو (تمہیں معلوم ہو جائے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں ۵۳ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں

نے ان کو برباد کر دیا۔ قریش مکہ جو آج میرے حبیب مکرم سے اکڑ اکڑ کر باتیں کرتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے۔ ان کے پاس تو اسکا دسواں حصہ بھی نہیں جو ہم نے پہلی قوموں کو دیا تھا۔ ان کا ملک بھی زیادہ وسیع تھا۔ ان کی زمین بھی بڑی زرخیز تھی۔ ان کی حکومت بھی بڑی مستحکم تھی لیکن جب انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی تو ہم نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا جس نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ یہ بیچارے کس باغ کی مولی ہیں اور اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہیں۔ معشار اور عشر۔ ہم معنی ہیں یعنی دسواں حصہ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور معشار دسویں حصے کے دسویں حصہ کو کہا جاتا ہے۔ المعشار و العشر سواء لغتان۔ وقیل المعشار عشر العشر۔ قال الجوہری معشار الشئ عشرہ۔ کبیر۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ وقیل المعشار عشر العشیر والعشیر ہو عشر العشر فیکون جزأ من الف جزء۔ قال الماوردی وہو الاظہر: لان المراد به المبالغۃ فی التقلیل یعنی بعض نے کہا ہے کہ معشار عشیر کے دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور عشیر عشر کا دسواں حصہ ہوتا ہے تو اس طرح معشار ہزارویں حصہ کو کہیں گے۔ ماوردی کہتے ہیں یہ معنی بہت مناسب ہے کیونکہ یہاں مقصد ان کی قلت بیان کرنا ہے۔

۵۳ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف جو لوگ طوفان بدتمیزی برپا کیا کرتے تھے اور نارو الزامات لگا کر سادہ لوح لوگوں کو متنفر کیا کرتے تھے انہیں کہا جا رہا ہے کہ ہم اس تنازعہ کا فیصلہ تم پر چھوڑتے ہیں۔ کسی غیر کو یہاں حکم بنانے کی ضرورت نہیں ہے تم میری صرف ایک نصیحت مان لو وہ یہ ہے کہ تم دو دو مل کر یا اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر اس امر پر غور کرو کہ تم جو اپنے رفیق اور بچپن کے ساتھی کو مجنون کہتے ہو۔ اس کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ بھی ہے۔ کیا تم نے انہیں مجنونوں کی طرح بے سر و پا باتیں کرتے کبھی سنا ہے؟ دیوانوں کی طرح شور مچاتے ہنگامہ آرائی کرتے کبھی دیکھا ہے؟ تم انہیں کتنا دق کرتے ہو کتنی اذیت پہنچاتے ہو۔ اس کے باوجود کبھی یہ آپے سے باہر ہو کر تم سے دست و گریبان ہوئے ہیں۔ کبھی انہوں نے ناشائستہ بات تک بھی کی ہے۔ ان کا ہر کلام مقصدیت اور معنویت کا لاجواب نمونہ ہوتا ہے۔ ان کا ہر فعل آتنا دلربا اور روح افزا ہوتا ہے کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ گفتگو کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکمت کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ متانت، وقار، سچائی اور بردباری میں ان کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی کل تک تم بھی انہیں

يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ

سخت عذاب کے آنے سے پہلے ۔ فرمائیے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ

رکھو میری (دلسوزیوں) کا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ٦٢ ۔ فرمائیے

إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا

بیشک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے ٦٣ ۔ (اے محبوب!) اعلان کر دیجئے حق آگیا

يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ

اور باطل کی تو قوت کا خاتمہ ہو گیا ٦٤ ۔ فرمائیے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال

صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان میں یکایک کون سی تبدیلی آگئی ہے کہ تم نے ان کے بارے میں اپنی رائے بدل لی ہے۔ ان امور میں اکیلے بیٹھ کر غور کرو یا اپنوں میں سے جن کو تم باشعور اور زیرک سمجھتے ہو انہیں بلاکر ان سے تبادلۂ خیال کرو۔ لیکن خدارا تعصب اور ضد کو ایک طرف رکھ دو۔ محض حق سمجھنے کے لیے اگر ایسا کرو گے تو یقیناً تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اللہ کا محبوب نہ مجنون ہے نہ اس پر آسیب کا اثر ہے۔ نہ یہ مفتری ہے اور نہ اس کے پیش نظر کوئی سیاسی مفاد ہے۔ یہ جو کچھ کر رہا ہے محض تمہاری خیر خواہی کے لیے کر رہا ہے۔ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں بروقت خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے۔ دل کی آنکھوں سے انہیں دیکھو انہیں پہچانو۔ ان کی قدر کرو۔ ان کے بروقت انتباہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ تم تو بڑے دوراندیش اور معاملہ فہم لوگ ہو۔ ایسی ناشائستہ حرکتیں تمہیں تو زیب نہیں دیتیں۔

٦٢ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ انہیں فرمائیے کہ اگر میں نے کبھی تم سے کوئی معاوضہ طلب کیا ہو اپنے لیے چندہ فراہم کیا ہو تو وہ تم مجھ سے واپس لے لو۔ میں اس خیر خواہی کا اجر تم سے آخر کیوں مانگوں۔ تم مجھے دے کیا سکتے ہو زیادہ سے زیادہ دو چار ٹکے تو چند درہم اور چند دینار ہی مجھے دو گے۔ میری نگاہ میں تو دنیا بھر کے سیم و زر کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ میرا اجر دینے والا میرا رب کریم ہے جو غنی بھی ہے اور سخی بھی۔ نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ دیتے ہوئے اس کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ اور اس نے مجھے اتنا دیا ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میرا رب وہ ہے جو میرے اور ہر شخص کے ظاہری اور باطنی احوال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس علیم و خبیر رب پر ایمان رکھتے ہوئے میں یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں کہ ناحق نبوت کا دعویٰ کر بیٹھوں۔

٦٣ آپ فرمائیے میرا رب وہ جبار و قہار ہے کہ باطل کی طاغوتی قوتوں پر حق کا وار کرتا ہے اور انہیں ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا

عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ

میری جان پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (یہ محض) اس وحی کے باعث جو بھیجتا ہے میری طرف میرا رب بے شک وہ سب کچھ سننے

قَرِیْبٌ ۝۵۰ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ

والا، بالکل نزدیک ہے کاش! آپ دیکھیں جب یہ گھبرائے ہوں گے، بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لیے

قَرِیْبٍ ۝۵۱ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ

جائیں گے اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے اس پر لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی

بَعِیْدٍ ۝۵۲ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَیَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ

دور جگہ سے حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں

ہے۔ یبدی به اہل الباطل فیہ منه۔ (قرطبی)

آپ اعلان کر دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل کے مٹنے کو "ما یبدئ الباطل وما یعید" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عربی محاورہ میں جب کسی چیز کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرنا ہو تو انہی الفاظ سے کرتے ہیں۔ لا یبدی ولا یعید، ضار قولہم لا یبدی ولا یعید مثلا فی الہلاک کیونکہ جو ہلاک اور فنا ہو جائے نہ وہ کوئی نیا کام شروع کر سکتا ہے اور نہ کسی کام کا اعادہ کر سکتا ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بے بس اور کمزور ہو جاتا ہے اس وقت کہتے ہیں فلان ما یبدی وما یعید ای لم تکن له حیلة۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ یعنی اسلام کو قوت و غلبہ نصیب ہو گیا اور باطل کے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی گئی، اب یہ نہ اسلام کو مٹا سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اب تو بڑی ڈینگیں مار رہے ہیں۔ ذرا اس منظر کا تصور کیجیے جب روز حشر انہیں ہانک کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور سامان خطا ہوش اڑی ہوئی، آنکھیں پھٹی پھٹی، کوشش کریں گے کہ کوئی راہ مل جائے تو فرار ہو جائیں لیکن وہاں بھلا کون انہیں بھاگنے دے گا۔ اسی وقت فرشتے انہیں اٹھا کر ڈال دیں گے و دھر لیں گے۔ اخذوا من مکان قریب میں ایک خاص لطف ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ابھی انہیں کسی نے نہیں دیکھا اب وقت ہے روپوش ہونے کا۔ کانوں کان کسی کو خبر ہی نہیں ہوگی کہ کہاں تھے اور کدھر غائب ہو گئے۔ لیکن اس وقت ان کے بالکل قریب سے انہیں پکڑنے والے اچانک نمودار ہو جائیں گے اور بھاگ جانے کی جو تدبیریں وہ کر رہے تھے وہ یکایک خاک میں مل جائیں گی۔

اس وقت بکارنے لگیں گے کہ ہم تو اس نبی مکرم پر دل و جان سے ایمان لے آئے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور

مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ

کرتے رہے ملے اور رکاوٹ کھڑی کردی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کی وہ

وادی پر حق ہیں۔

ث کفار اب ایمان لانا چاہتے ہیں اور توبہ کرنا چاہتے ہیں۔ اب وہ وقت بیت گیا۔ اب وہ گھڑیاں دور بہت دور ماضی بعید میں کھو گئیں۔ وہ روز و شب کتنے قیمتی تھے جب انہیں حق کی طرف بلانے والا ان کے پاس آ آ کر دعوت دیتا تھا۔ جب سعادت دارین بانٹنے والا ان کے دروازوں پر آکر دستک دیا کرتا تھا۔ افسوس انہوں نے اس وقت اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا آج قیامت کے روز وہ چاہتے ہیں کہ ہدایت کا نور انہیں مل جائے۔ ان کی توبہ قبول ہو جائے۔ "ناممکن است و محال"۔

تناوش کا معنی بتلاتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ والتناوش: التناول، وقوله تعالى وانى لهم التناوش من مكان بعيد يقول انى لهم تناول الايمان فى الآخرة وقد كفروا به فى الدنيا۔ یعنی تناوش کا معنی کسی چیز کو پالینا اور لے لینا ہے۔ اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ آج قیامت کے دن وہ ایمان کو کس طرح پا سکتے ہیں جب کہ دنیا میں وہ اس کا انکار کرتے رہے۔

قرآن کریم ہمیں ان حقائق سے اس لیے آگاہ نہیں کرتا کہ ہم دوسروں کی نادانیوں کے قصہ خواں بنے رہیں۔ مقصد تو ہمیں ہشیار کرنا اور ہمیں تنبیہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں چشم بینا عطا فرمائے۔

ث یعنی آج ایمان لانے کا کیا فائدہ۔ دنیا میں تو وہ ہمارے رسول کے ساتھ کفر ہی کرتے رہے اور ان کی دل آزاری میں مشغول رہے۔ میرے نبی محترم کے کمالات کا انکار کرنے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔

ث جب کوئی شخص لایعنی باتیں کرتا ہے اور ہرزہ سرائی کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ یقذف بالغیب۔ العرب تقول لكل من تكلم بما لا يحقه: هو يقذف ويرجم بالغيب۔ (قرطبی)

کفار کا بھی یہی حال ہے۔ بغیر کسی عقلی دلیل کے اپنے کفریہ عقائد پر اترے ہوئے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں کبھی قرآن کو من گھڑت افسانہ کہتے ہیں۔ کبھی قیامت کے عقیدہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ "من مكان بعيد" کہہ کر ان کی بیہودہ گوئی کی خوب وضاحت کر دی کہ ایک تو اندھیرے میں تیر مار رہے ہیں دوسرا نشانہ سے بہت دور کھڑے ہیں کیا ایسے تیر انداز کا تیر بھی نشانہ پر لگ سکتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ اس آیت میں بھی روز حشر کو ان کا جو حال ہو گا، اس کو بیان کیا گیا ہے۔

ث اس آیت میں بھی قیامت کے دن ان پر جو گزرے گی اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔

یعنی اس وقت ان کی بڑی خواہش ہو گی کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے اور انہیں عذاب سے نجات مل جائے لیکن آج وہ اپنی اس آرزو کو نہیں پا سکتے۔ ان کے درمیان اور ان کی آرزو کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی گئی ہے جس کو پھاندنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ آج یوں ہی کف افسوس ملتے، اشک ندامت بہاتے اور اپنی قسمت کو کوستے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾

دلی سے چاہتے تھے جیسے کیا گیا ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے بیشک وہ (بھی) ایسے شک میں مبتلا تھے جو دور رس کر بھی نکلنے نہ دینے والا تھا

۵۳ اشیاع، جمع الجمع ہے شیع کی، اور شیع جمع ہے شیعہ کی۔ یعنی ان کے ہم عقیدہ دوسرے کفار کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔

۵۴ مریب باب افعال کا اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے دوسرے کو شک میں ڈالنا۔

اَرَبْتُ الرجل جعلت فیه ریبة، و ریبه، اوصلت الیه الریبة (لسان العرب)

یعنی وہ کم بخت شک میں یوں مبتلا ہوئے کہ دوسرے لوگ بھی ان کے باعث شک میں مبتلا ہو تے چلے گئے، نیز ان کا شک اتنا سنگین قسم کا تھا کہ وہ دوسروں کو بھی لے ڈوبا اور ان کے یقین کا چراغ بھی گل کر گیا۔

ایاك نعبد وایاك نستعین ۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔ آمین ثم آمین۔

وصلی الله تعالی علی حبیبه الکریم ورسوله الرؤف الرحیم وعلی آله وصحبه وبارك وسلم۔

قد فرغت بتوفیقه تعالی من هذه التعلیقات وقد اخذ المؤذن یعلن بصوته الرخیم اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله

لا زالت کلمة الله هی العلیاء

وکلمة الذین کفروا السفلی

اللهم ارفع ذکره وعظم شانه وبین برهانه وامتنا علی دینه وحبه واحشرنا یوم القیامة تحت لوائه انت یارب کریم جواد وهاب۔

محمد کرم شاہ

نظر ثانی

وقت الضحی ۔ یوم السبت

۱۵ رجب ۹۲ھ ۲۶ اگست ۱۹۷۲ء

برد وسروش

وقت العصر

یوم الثلاثاء ۸ رجب ۹۱ھ

۳۱ اگست ۱۹۷۱ء

تنگھال

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۂ فاطر

نام : یہ سورت دو ناموں سے مشہور ہے۔ فاطر اور ملائکہ۔ یہ دونوں لفظ پہلی آیت میں مذکور ہیں۔ اس کی آیتوں کی تعداد پینتالیس ہے۔ اس میں نو سو ستر کلمات اور تین ہزار ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مکی عہد میں نازل ہوئی۔ مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ سبا اور فاطر کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔

مضامین : کفر و شرک، فسق و فجور کے گھپ اندھیروں میں انسانیت کا کارواں عرصہ سے ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ ان اندھیروں سے اب اتنا مانوس ہو چکا تھا کہ جتنے ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے سے گھایل ہے یا ندامت تک محسوس نہ ہوا کرتی۔ ایسے لوگوں کو ان تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی چمکتی دمکتی شاہراہ پر گامزن کرنے کا فریضہ اس سورت میں بھی انجام دیا جا رہا ہے۔ اس میں افہام و تفہیم بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی۔ اس میں دلجوئی اور دلداری بھی ہے اور سرزنش اور جھڑک بھی۔ انتہائی صراحت اور بڑی وضاحت سے اپنے قارئین کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کے اعمال نیک و بد پر کیا نتائج مرتب ہونے والے ہیں۔ ویسے تو سورۂ پاک کی ہر آیت گنجینۂ معرفت اور مخزن ہدایت ہے لیکن چند مضامین خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔

۱۔ عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کی شان یکتائی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بالمقابل وہ معبودانِ باطل جن کی پرستش مشرکین مکہ بلکہ دنیا بھر کے مشرک کیا کرتے تھے ان کی بے بسی کا بڑے مؤثر پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر انسانیت دم نہ توڑ چکی ہو تو انسان کی آنکھیں حیرت سے کھل جاتی ہیں اور اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے بغیر کسی کی عبادت عقل و خرد کی رسوائی اور انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ جو ذات یہ اختیار رکھتی ہو کہ جس کو جیسے چاہے پیدا کر دے جو چاہے جتنا چاہے دے دے اور جس وقت چاہے اپنی نعمتیں واپس لے لے اور زمین و آسمان میں کوئی ایسی قوت نہ ہو جو اس کے فیصلے کو بدل دے تو وہی قوی اور عزیز ساری کائنات کا معبود اور پروردگار ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی ایسا نہیں جسے خدا سمجھا جائے یا اس کی پرستش کی جائے۔ اس مضمون کو مختلف انداز سے کئی بار اس سورت میں دہرایا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں توحید کا نقش پوری طرح نقش ہو جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب نبی اور برگزیدہ بندہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سراپا رافت و رحمت بن کر تشریف لایا تھا جس کے پاک دل

میں شفقت و خلوص کا سمندر موجزن تھا جس کی اولوالعزمی کا یہ تقاضا تھا کہ انسانیت کے دامن پر کفر و فسق کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔ بھولا ہوا انسان، بھٹکا ہوا انسان، منزل سے دور بہت دور، واماندۂ راہ انسان، پھر اپنے آپ کو پہچان لے۔ اس کا سینہ علوم لدنیہ کا مخزن بن جائے۔ اس کی پیشانی انسانی سعادت کا عنوان بن جائے تاکہ فرشتے پھر اس کے سامنے سر جھکانے لگیں۔ وہ رؤف و رحیم مرشد اور اولوالعزم ہادی کفار کے عناد اور بے جا تعصب کو دیکھتا تو اسے بڑا ہی دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بار بار تسلی دے رہے ہیں کہ اے حبیب! آپ نے تو اپنا فرض بااحسن طریق ادا کر دیا اگر یہ ہدایت قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت۔ آپ افسردہ نہ ہوں، آپ غمزدہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی جو انبیاء تشریف لائے ان کی قوموں نے بھی ان کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا۔

۳۔ جو لوگ راہ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں، صاف ستھری پاکیزہ زندگی کے بجائے فسق و فجور سے آلودہ غلیظ زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے اسباب کا ذکر فرمایا۔ پہلا سبب تو یہ بتایا کہ دنیوی زندگی کی چمک دمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اہل دنیا جس سروسامان اور جاہ و جلال سے اپنا وقت بسر کرتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی رشک پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں بھی یہ عیش و نشاط میسر ہو۔ وہ بھی جب راستے سے گزریں تو زمین ان کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ وہ اس ظاہری چمک دمک کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتے۔ ورنہ اس کی تہہ میں جتنے خوفناک اندھیرے ہیں وہ انہیں نظر آ جاتے اور وہ یوں اس پر لٹو نہ ہو جاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ فطرت انسانی طبعی طور پر گناہوں سے متنفر ہوتی ہے لیکن شیطان ان گناہوں کو اس طرح آراستہ پیراستہ کر کے ان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور فطرت سلیمہ کے پُر زور احتجاج کے باوجود وہ گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنا نقد دین و ایمان، جنس ناموس و مروت کو بھی بے دریغ اس راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ آیت نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں بڑی واضح تنبیہ فرما دی کہ اے لوگو! کان کھول کر سن لو تمہیں دنیا کی زندگی کے یہ ٹھاٹھ باٹھ راہ حق سے برگشتہ نہ کر دیں یہ سراب ہے چمکتا ہوا سراب، جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔ ابلیس اور اس کے چیلے چانٹے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں بدکاریوں کا خوگر نہ بنا دیں۔ یاد رکھو شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے اپنی سلامتی چاہتے ہو تو اس کو اپنا دشمن ہی سمجھا کرو ورنہ وہ تمہیں ایسی لڑھکنیاں دے گا کہ قعر جہنم میں جا گرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس محبت و شفقت سے اپنے ازلی دشمن کی فریب کاریوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

۴۔ پہلے اپنی قدرت و حکمت اور کبریائی کی تکوینی دلیلیں پیش فرمائیں۔ ان میں تفکر و تدبر کی دعوت دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اس طرح اہل علم کی عزت افزائی بھی فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اہل علم وہ ہیں جو آیات ربانی میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان اسرار و رموز کا سراغ لگاتے ہیں جو کائنات کے مختلف مظاہر میں جلوہ نما ہیں۔

آخر میں بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم نہ ہوتا تو ہر بدکار کو چشم زدن میں نیست و نابود کر دے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو بار بار سنبھلنے کی مہلت دی جائے اور ان پر قبول ہدایت کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ مقررہ گھڑی سے پہلے جو چاہے آ جائے اور رحمت خداوندی سے اپنے دامن حیات کو معمور کر لے۔

سورۃ فاطر مکیۃ ۴۳ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَاٰیَاتُہَا ۴۵ رُکُوۡعَاتُہَا ۵

سورۃ فاطر مکی ہے اس کی ۴۵ آیتیں اور ۵ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں[1] جو پیدا کرنے والا ہے[2] آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں[3] جن کے

اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ

پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے

۱ حمد کہتے ہیں کسی کے کمالات اختیاریہ پر اس کی توصیف اور ثنا کرنا۔ کیونکہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تمام کمالات اختیاریہ سے موصوف ہے اس لیے حقیقی حمد و ثنا اسی کے لیے سزاوار اور اسی کے لیے مخصوص ہے۔ باقی جہاں کہیں کوئی خوبی اور کمال پایا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے۔ اس لیے جس چیز کی بھی ثنا کی جائے در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ثنا ہوگی جس نے اس شخص یا چیز کو اس کمال و خوبی سے متصف فرمایا ہے۔

۲ یہاں اللہ تعالیٰ کے چند کمالات قدرت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

کسی چیز کو بغیر کسی پہلے نمونہ کے عدم محض سے موجود کرنے کو فطر کہتے ہیں۔ الفطرۃ: الابتداء والاختراع یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو نیست سے ہست فرمایا ہے۔ ان کا پہلے کوئی نمونہ نہ تھا جس کو دیکھ کر اس کی نقل اتاری گئی ہو۔ اس کے علم، قدرت اور حکمت کا اندازہ کیونکر لگایا جا سکتا ہے جس نے اتنی بڑی کائنات کو یوں آراستہ پیراستہ کر کے تخلیق فرمایا اور اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ ان گنت سال گزر گئے۔ اس میں کوئی شکاف، بوسیدگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فاطر کے لفظ کا صحیح مفہوم مجھے اس وقت معلوم ہوا جب دو اعرابی ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: اَنَا فَطَرۡتُہَا۔ یعنی اس کنوئیں کو میں نے ابتداءً کھودا ہے۔ اَیۡ اَنَا ابۡتَدَأۡتُ حَفۡرَہَا (منار)

۳ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء اور رسل تک پیغام رسانی کی خدمت فرشتوں کے ذمہ لگائی ہے۔ وہ جناب الٰہی سے وحی لے کر انبیاء و رسل تک پہنچاتے ہیں اور الہام والقاء سے اولیاء کاملین کو مشرف فرماتے ہیں۔ یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے اس میں ذرا سی خیانت اور معمولی سی غفلت ناقابل برداشت ہے لیکن فرشتے اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں کہ خیانت و غفلت کا ان کے متعلق گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔

۴ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کی تنفیذ بھی ان کا کام ہے اس لیے ہر فرشتہ کو اس کی ذمہ داریوں کے

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے ۔ جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَ

اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو روک دے تو اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اسکے روکنے کے بعد اور

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے ۔ اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی تھی

پیش نظر مختلف وجوہ کی قوت ارزانی فرمائی گئی ہے۔ اجنحۃ اس کا واحد جناح ہے یعنی بازو۔ یعنی کسی کو دو، کسی کو تین، کسی کو چار پر بخشے گئے ہیں اور بعض جلیل القدر فرشتے ایسے بھی ہیں جنہیں اس سے بھی زیادہ پر عنایت کیے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے:

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای جبرئیل علیہ السلام له ستمائة جناح ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے

اس سے ایک طرف فرشتوں کی قوت اور غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار فرما دیا، دوسری طرف ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید کر دی جو ان کو اپنا خدا مانتے ہیں۔ بتا دیا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت ہی فرمانبردار نورانی مخلوق ہے تعمیل حکم ربانی میں ذرا سستی نہیں کرتے

ے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق پر جسامت، قوت، حسن، علم اور دیگر کمالات میں جس طرح چاہتا ہے برتری اور بزرگی عنایت فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی امر اس کے لیے دشوار نہیں اور نہ اس کی عطا پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق ہے

ف اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کے رحمت (بانٹنے) کے انداز نرالے ہیں۔ اپنی رحمت کا دروازہ وہ جس کے لیے کھول دے کسی کی مجال نہیں کہ اگر چہ بزور اسے بند کر دے اور اگر وہ کسی پر اپنے در رحمت کو بند کر دے تو کسی کی طاقت نہیں کہ زبردستی اسے کھول سکے۔ وہ قادر مختار ہے۔ اس کا ہر کام اس کی شان حکمت کا آئینہ دار ہے۔

یفتح کا اصل معنی تو یہ ہے کہ کسی بند چیز کو کھول دینا۔ یہاں بطور مجاز یہ عطا کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی عطا کرنا، بخشش کرنا۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ ای ما یعطی اطلق الفتح وھو الاطلاق واراد به الاعطاء تجوزا اطلاقا للسبب علی المسبب۔ (طبری)

ے قدرت الٰہی کے چند مظاہر پیش کرنے کے بعد روئے سخن سب انسانوں کی طرف ہے کہ اے انسانو! زندگی، صحت، علم، عزت، دولت وغیرہا جن نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالا مال کیا ہے انہیں یاد رکھو اور اس محسن حقیقی کا شکر ادا کیا کرو۔ وحق

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

(بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے ۔ ۵

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ

نہیں کوئی معبود بجز اس کے سو کہاں سے اوندھے پھیرے جا رہے ہو ۔ اور اے حبیب! اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ

بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور آخر کار اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں ۔ اے لوگو! (یاد رکھو) یقیناً

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے

ھذا الحمد حمد الشکر (قرطبی)

۵ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خالق نہیں، تمہیں بھی اس نے پیدا فرمایا اور تمہارے رزق کے سارے سامان بھی اسی نے پیدا فرمائے۔ تخلیق میں جب اس کا کوئی شریک نہیں تو رزق رسانی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب خالق بھی وہی ہے اور رازق بھی وہی تو پھر خود انصاف کرو اور کون ہے جو عبادت کرنے کے لائق ہو۔ ہرگز نہیں سب کہو۔ لا الہ الا ھو۔

۶ تؤفکون کے دو ماخذ ہو سکتے ہیں۔ الأفك و الإفك۔ الأفك کا معنی پھیرنا ہے اور الافک کا معنی جھوٹ بولنا۔ علامہ قرطبی اور دیگر علماء تفسیر نے یہاں الأفك کو تؤفکون کا ماخذ قرار دیا ہے یعنی تم کتنے نادان ہو کہ اپنے خالق، رازق اور اپنے معبود حقیقی سے منہ موڑ کر شیطان کی پیروی میں دیوانہ وار دوڑے جا رہے ہو۔ من الأفك (بالفتح) و ھو الصرف یقال ما افکك عن کذا ای ما صرفك عنه (قرطبی)

۷ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دعوتِ حق سے ان کی روگردانی ملاحظہ فرماتے تو از حد افسردہ خاطر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان کا انکار کوئی انوکھا نہیں۔ ہمیشہ سے باطل پرستوں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ اس لیے رنجیدہ خاطر نہ ہوں سب معاملات آخر کار اللہ تعالیٰ کے پاس ہی لوٹ کر آنے والے ہیں وہ خود فیصلہ فرما دے گا

۸ پہلے یایھا الناس فرما کر لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی۔ اب یایھا الناس فرما کر ان امور سے باخبر کر دیا جو انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اس دوسرے خطاب کا آغاز اس چیز سے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت آنے کی اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ یہ وعدہ کسی عام آدمی کا نہیں جو مجبوراً وعدہ کرنے میں شرم

الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا

بارے میں وہ بڑا فریبی ۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو ۱۲ وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو

محسوس نہ کرے یا اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے ایسا نہیں ہے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوا کرتا ہے ۔ اس کے بعد تاکید فرمائی کہ زندگی کی ان دلفریب لذتوں میں اس حد تک نہ کھو جاؤ کہ تمہیں قیامت کا دن سرے سے یاد ہی نہ رہے ۔ نیز ہوشیار رہنا کہیں وہ فریبی اور دھوکہ باز تمہیں کوئی چکمہ دے کر راہ حق سے بہکا نہ دے ۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پہلے جملے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے : غرور الحیٰوۃ الدنیا ان یشتغل الانسان بنعیمہا ولذاتہا عن عمل الاٰخرۃ ۔ یعنی دنیوی زندگی کا دھوکہ یہ ہے کہ انسان اس کی نعمتوں اور لذتوں میں یوں مشغول ہو جائے کہ آخرت کے لیے کوئی عمل کرنے کی اس کے پاس فرصت ہی نہ رہے ۔ الغرور سے کیا مراد ہے اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے غرور کا مفہوم ذہن نشین کر لینا ضروری ہے ۔ قال الاصمعی الغرور الذی یغرک من انسان و شیطان و غیرھما ۔ (لسان العرب) ۔ یعنی اصمعی جو فن لغت اور ادب کے امام ہیں کہتے ہیں ۔ غرور اسے کہتے ہیں جو تجھے دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر دے ۔ فریبی ، ٹھگ ، دھوکہ باز اور غرور ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کی محبت اور چاہت کے باعث انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ ارشاد ربانی ہے ، اے لوگو ! تمہیں کوئی فریبی ، کوئی دھوکہ باز دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے ۔ کیونکہ سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے اس لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں غرور سے مراد شیطان ہے ۔ چونکہ شیطان دھوکہ بازی کے فن میں یگانہ ہے وہ ہر شخص کو ایک قسم کے دام فریب میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتا ۔ وہ ہر شخص کی نفسیات کو جانتا ہے ، وہ ہر انسان کی کمزور پہلوؤں سے خوب واقف ہے اور ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے کمزور پہلو سے ہوا کرتا ہے ۔ عقل کے پجاریوں کو وہ ایسا چکر دیتا ہے کہ وہ کبھی تو خدا کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں ، کبھی اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور کبھی اس کا کائنات کے کارخانہ سے اس کا تعلق توڑ دیتے ہیں اور کبھی نزول وحی اور وقوع قیامت کو عقل کے منافی ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ علم و عقل سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے انہیں کبھی دولت کا لالچ دے کر کبھی اقتدار کے سنہرے خواب دکھا کر کبھی شہرت دوام کے چکر میں اسیر کر کے ان سے ایسی ایسی خسیس اور مکروہ حرکتیں کراتا ہے کہ آدمی دیکھنے والے شرمسار ہو جاتے ہیں اور جو خدا پر اور قیامت پر ایمان محکم رکھتے ہیں ان کی شمع ایمان اگر بجھا نہیں سکتا تو ان کے کانوں میں چپکے سے یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ تیرا رب غفور رحیم ہے بیشک نماز نہ پڑھو ، بیشک داد عیش دیتے رہو ، اس کی مغفرت کے سامنے تیرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے ۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس جگہ کی بہترین تشریح حضرت سعید بن جبیر نے فرمائی ہے :

" قال الغرور باللہ ان یعمل بالمعاصی ثم یتمنی علی اللہ تعالیٰ المغفرۃ "

ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غرور کا مطلب یہ ہے کہ انسان دھڑا دھڑ گناہ کرتا رہے اور تمنا یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا ۔

۱۲ ۔ شیطان تمہاری خیر خواہی کے ہزار دعوے کرے ، وہ قسم سے دوستی کے عہد و پیمان کرے ، چاہے کتنی سخت قسمیں کھائے ، تم کبھی اس

حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے سخت

شَدِيْدٌ ۬ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

عذاب ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا

كَبِيْرٌ ۝٧ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

اجر ہے۔ پس کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اسکا برا عمل اور وہ اسکو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کیلئے آپ آزردہ

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ

کیوں ہوں)، بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسکو چاہتا ہے ۱۲ پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لیے

وہ جھوٹا ہے وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ تمہاری وجہ سے جو چوٹ اس کو لگی ہے اس کی ٹیسیں کم نہیں ہوئیں۔ تم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آجاتے ہو۔ وہ تو ہر لمحہ ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ فرصت ملے تو تمہیں ایسی ٹھوکر دے کہ تم اپنے بلند مقام سے منہ کے بل خاک مذلت پر آگرو اور وہ زور سے قہقہہ لگائے اور تمہارا مذاق اڑائے۔ نادان نہ بنو ایسے خطرناک دشمن سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ جب وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو تب ہی تم اس کے فریب سے بچ سکتے ہو۔

۱۲ علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ افمن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا۔ یہ سارا جملہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے جس پر فلا تذھب نفسک دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ افمن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا ذھبت نفسک علیھم حسرات۔ یعنی کیا ایسے لوگ جو اپنے برے اعمال کو خوشنما سمجھتے ہیں ان کے لیے ازراہ غم آپ اپنی جان گھلا رہے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ وہ ایسی ہمدردی اور دلسوزی کے مستحق نہیں۔

ابتدا میں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کا دل اسے ملامت کرتا ہے۔ اس کے رویہ کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے لیکن اگر وہ باز نہیں آتا تو دل کی آواز مدھم پڑ جاتی ہے یا اس کے کان بہرے ہو جاتے ہیں کہ ضمیر کی صدائے احتجاج سنائی نہیں دیتی۔ اس کے بعد ایک اور مرحلہ آتا ہے کہ گناہ، گناہ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی عین صواب نظر آنے لگتا ہے جب کوئی شخص اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو وہ ایک لاعلاج مریض ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل دنیوی زندگی کے فریب سے بھی بچائے اور اس شاطر و عیار دشمن کے شر سے بھی محفوظ رکھے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ

حسرتوں سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کرتوت وہ کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے

الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ

ہواؤں کو وہ اٹھا لاتی ہیں بادل کو پھر ہم لے جاتے ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف ۲۲ ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ

(کے مینہ) سے زمین کو اسکے مردہ ہو جانے کے بعد۔ یونہی (انسانوں کو) قبروں سے اٹھایا جائے گا ۲۳ جو عزت کا طلبگار ہو (تو وہ جان لے)

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۲۴ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل

۲۳ تم مرنے کے بعد کی دوبارہ زندگی کو محال سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہیں دیدۂ حق بین میسر ہے تو ذرا اسے کھول لو کہ رحمت الٰہی اور ہر طرف دیکھو کیا تمہیں ایسے مناظر بار بار دکھائی نہیں دیتے کہ خشک سالی کے باعث زمین اجاڑ ہو جاتی ہے۔ زندگی کی کوئی رمق بھی اس میں باقی نہیں رہتی۔ یکایک ٹھنڈی ہوا اپنے کندھوں پر مستی بادل اٹھائے اٹھکیلیاں کرتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار مینہ برسنے لگتا ہے۔ ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے۔ اس مردہ زمین میں پھر زندگی انگڑائی لینے لگتی ہے اور طرح طرح کی سبزیاں اٹھانے لگتی ہیں جو قادر مطلق پانی کے چند قطروں سے زمین کو از سر نو زندہ کر دیتا ہے۔ کیا اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات ہے کہ تمہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ ذرا غور کرو۔ ذرا عقل سے تو کام لو۔

۲۴ ارشاد ہے جو عزت و آبرو کا آرزو مند ہے اسے بتاؤ کہ ساری عزتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کو عزت ملی ہے اسی کی بارگاہ اقدس سے ملی ہے۔ تم بھی اس کی جناب میں حاضر ہو کر سر نیاز جھکا دو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنا لو وہ تمہیں بھی سرفراز کر دے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

" فمن طلب العزة من الله وصدقه في طلبها

بافتقار وذل وسكون وخضوع وجدها عنده ان شاء الله تعالى غير ممنوعة ولا محجوبة عنه۔ (قرطبی)

ترجمہ : جو شخص اللہ تعالیٰ کی جناب سے عزت طلب کرتا ہے اور اپنی اس طلب کی صداقت کو اپنے افتقار عاجزی اور نیازمندی سے سچا ثابت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس عزت کو پالے گا۔ وہ عزت اس سے روکی بھی نہیں جائے گی اور اس سے چھپائی بھی نہیں جائے گی۔ ان شاء اللہ

يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَ

پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے اللہ۔ اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں بُرے کاموں کے لیے ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ اور

کسی نے کیا خوب کہا ہے : ؎

تا داغِ غلامی تو داریم — ہر جا کہ روی بدوِیم پادشاہیم

الکلم الطیب : یعنی پاکیزہ کلمہ، اس سے مراد ذکر الٰہی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی مسلمان یہ کہتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ ۔ تو ان جملوں کو ایک فرشتہ اپنے پروں کے نیچے محفوظ کر لیتا ہے اور آسمان کا رخ کرتا ہے فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے اس کا گزر ہوتا ہے وہ فرشتے ان جملوں کے قائل کے لیے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ابن کثیر) اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ پاکیزہ کلام سے مراد الذکر والتلاوۃ والدعاء ذکر، تلاوت اور دعا ہے۔ (ابن کثیر) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جس میں یا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا وہ کلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا گیا ہو جس طرح کسی کو وعظ و نصیحت کرنا یا اسے علم سکھانا۔ والمختار انہ کل کلام ھو ذکر اللہ او ھو للہ سبحانہ کالنصیحۃ والعلم (روح المعانی) نیز علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صعودِ کلام سے مراد اس کی مقبولیت ہے۔ صعود الکلام الیہ مجاز مرسل عن قبولہ۔ (روح المعانی)

لہٗ یرفعہ کا فاعل عمل صالح اور ضمیر مفعول کا مرجع الکلم الطیب ہے یعنی پاکیزہ کلام کو عمل صالح بارگاہِ الٰہی میں قبولیت سے مشرف کرتا ہے۔ اگر یہ ہیں تو اچھی باتیں لیکن عمل اس کے خلاف ہو تو وہ باتیں مسترد کر دی جاتی ہیں۔

بعض حضرات نے یرفعہ کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بتایا ہے اور ضمیر کا مرجع العمل الصالح ہے اور عمل صالح سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں ریا و نمود نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جائیں۔ ای ماکان خالصا لوجہ اللہ لا یکون مشوبا بریاء و سمعۃ یرفع اللہ تعالیٰ ای یقبلہ ۔ لیکن زیادہ راجح اور صحیح یہ قول ہے کہ " المراد ان الکلم الطیب یصعد الی اللہ تعالیٰ وان کان معہ عمل صالح یرفع شان تلک الکلمۃ و یزید فی ثوابھا و منزلتھا، یعنی پاکیزہ کلام بارگاہِ الٰہی میں شرفِ باریابی حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ عمل صالح بھی ہو تو اس کی شان بلند ہو جاتی ہے اور اس کے ثواب میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

والحق ان العاصی التارک للفرائض اذا ذکر اللہ تعالیٰ وقال کلاما طیبا فانہ مکتوب لہ متقبلۃ منہ ولہ حسناتہ وعلیہ سیاٰتہ (قرطبی)

یعنی حق یہ ہے کہ اگر کوئی گنہگار یا فرائض کا تارک ہو، جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اچھی باتیں کرتا ہے تو انہیں لکھ دیا جاتا ہے اور انہیں قبول بھی کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی نیکیوں کا اسے ثواب ملے گا اور اس کی برائیوں کی اسے سزا ملے گی۔

مَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ

ان کا مکر و فریب ناکام ہو کر رہے گا ۱۷ — اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ

پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے — اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کو اس کا علم ہوتا ہے

وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ

اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) ایک کتاب میں درج ہے ۱۸ بیشک

ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے — اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے ۱۹ — یہ (ایک) میٹھا ہے بہت شیریں

۱۷ یعنی جو لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف مکر و فریب اور سازشیں کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کو شکست دینے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے سکیمیں چلاتے ہیں انہیں شدید عذاب ہوگا اور ان کا مکر و فریب ناکام ہو جائے گا۔ یقال بَارَ یَبُورُ: اذا ھلک وبطل، و بارت السوق ای کسدت (قرطبی)، جب کوئی چیز ہلاک و فنا ہو جائے تو عرب کہتے ہیں بار یبور۔ اور جب کوئی بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور بے رونق ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں بارت السوق۔

۱۸ تمہارے آغاز آفرینش سے تمہارے سفر حیات کے اختتام تک کے تمام حالات سے اللہ تعالیٰ تفصیلاً آگاہ ہے اور تمام جزئیات اور تفصیلات لوح محفوظ میں درج کر دی گئی ہیں۔

۱۹ اکثر تراجم میں عام طور پر البحران کا معنی دو سمندر یا دو دریا کیا گیا ہے۔ حالانکہ سمندر سارے کھارے ہیں کوئی میٹھا نہیں اور دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے کھاری نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک لفظ 'بحر' کی لغوی تحقیق نہ کی جائے یہ الجھن دور نہیں ہوتی۔ علامہ ابن منظور نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے: البحر: الماء الکثیر ملحا کان او عذبا، یعنی پانی کی کثیر مقدار اور وسیع ذخیرہ کو بحر کہتے ہیں۔ خواہ وہ نمکین ہو یا شیریں۔ بحر کو بحر کہنے کی وجہ اہل لغت نے یہ لکھی ہے کہ اس میں وسعت اور انبساط کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے کوئی شخص بہت سخی ہو تو اسے کہتے ہیں انہ لبحر کہ وہ تو بحر ہے۔ یہ درست ہے کہ عام طور پر بحر کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے لیکن میٹھے پانی کے وسیع ذخیرہ کو بھی اہل عرب بحر کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مذکور نے ابن مقبل کا یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا ہے ؎

ونحن منعنا البحر ان یشربوا بہ — وقد کان منکم ماءہ بمکان

یہاں بحر میٹھے پانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ میٹھے پانی کو ہی پینے سے روکا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا

اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا سخت نمکین، کھاری تلخ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت ۲۰

وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ

اور نکالتے ہو زینت کا سامان، جسے تم پہنتے ہو۔ ۲۱ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ لیے چلی جا رہی ہیں

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝12 يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

چلی جا رہی ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو ۲۲ اور یہ سب اس لیے ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ۲۳ وہ داخل کرتا ہے رات کے ایک حصہ کو

اس تحقیق کے بعد اب وہ خلش باقی نہیں رہتی۔ عذب وشیٹھا۔ فرات، شدید العذوبۃ۔ بہت شیریں یا جو پیاس کو بجھا دے۔ قیل ماء یکسر العطش (مظہری)۔ سائغ، وسہل الانحدار، جس کا پینا بہت خوشگوار ہو۔ خود ہی گلے سے نیچے اترتا چلا جائے۔ ملح۔ نمکین۔ اجاج: شدید الملوحۃ، از حد کھاری۔ وقیل ہو ما یحرق بملوحتہ۔ جو اپنے کھارے پن کی وجہ سے جلا دے۔ (مظہری) علامہ جوہری لکھتے ہیں: ماء اجاج: ای ملح مر (الصحاح)، یعنی کھاری تلخ۔

۲۰ ذائقہ کے اس تفاوت کے باوجود دونوں مچھلیوں کا تازہ گوشت تمہارے کھانے کے لیے دستیاب ہوتا ہے۔ طویل سمندری سفر میں اگر خوراک کے ذخائر ختم بھی ہو جائیں تو مچھلی کے گوشت پر انسان گزر اوقات کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرت کا کرشمہ ملاحظہ ہو۔ ایسا نہیں کہ دریائی مچھلیوں کا گوشت لذیذ اور کھانے کے قابل ہو اور کھاری سمندروں کی مچھلیوں کا گوشت نمکین اور کھاری ہو۔ جگر جس پانی میں وہ پیدا ہوئیں، خوراک کھاتی رہیں، وہ تو کڑوا اور کھاری ہے۔ چکھا نہیں جا سکتا، لیکن اس کی مچھلیوں میں نہ سمندر کی بدبو ہے اور نہ وہ ناپسندیدہ ذائقہ۔ اس خالق کی قدرت کا اس سے زیادہ روشن تر ثبوت کوئی اور بھی تمہیں درکار ہے۔

۲۱ اس کا مزید کرم ملاحظہ ہو۔ اسی سمندر میں تمہیں موتی، جواہرات اور مرجان ملیں گے جن کو زیوروں کی طرح پہن کر تم اپنی زیب و زینت کو چار چاند لگا سکتے ہو۔

۲۲ اس کی عنایت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ تم ان کشتیوں، ان بھاری بھرکم سمندری جہازوں کو دیکھیں اپنی پشتوں پر ہزاروں ٹنوں کو اٹھائے، ہزاروں لاکھوں من سامان سے لدے، سمندر کی موجوں کو چیرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں تاکہ تم اپنے ملک سے دوسرے ملکوں میں جا کر علم اور ہنر سیکھو اپنا سامان تجارت لے جا کر وہاں کی منڈیوں میں فروخت کرو، وہاں کے نوادرات اور صنعت کی مصنوعات خرید کر انہیں اپنے وطن میں لا کر بیچو اور ایک سفر سے دوہرا منافع کماؤ۔ ان تمام امور کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا فضل کہا ہے۔ مواخر جمع ہے اس کا واحد ماخرۃ ہے کشتیاں۔ علامہ جوہری مخر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

لہ ایجرت تشق الماء مع صوت (صحاح)، یعنی متحرکہ ہیں پانی کو اس طرح چیرنا کہ اس سے شور پیدا ہو۔ کشتیاں جب پانی کو چیرتی

وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي

دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ) کو رات میں اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک رواں ہے

لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ

مقررہ میعاد تک — یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے — اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو

مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا

اللہ تعالیٰ کے سوا — وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ۲۷ — اگر تم انہیں پکارو تو وہ سن نہ سکیں گے

ہری گزرتی ہیں تو تشنہ پیدا ہوتا ہے اس لیے انہیں مواخر کہا گیا۔

۲۵ تاکہ تم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو اور اپنے منعم حقیقی کا شکر بجا لاؤ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ اس کے رسول مکرم پر ایمان لاؤ۔ اس کے تمام اوامر و نواہی کی سختی سے پابندی کرو تاکہ تم پر مزید لطف و کرم کی بارش کی جائے۔

۲۶ سال بھر موسم بھی ایک سا نہیں ہوتا اور دن رات بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، ورنہ تم اس یکسانیت سے اکتا جاتے۔ نیز طرح طرح کی سبزیاں گرمی اور سردی کے پھل ان سے بھی تم محروم ہو جاتے۔ اس لیے اپنی قدرت کاملہ سے اس نے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ مناسب وقفوں کے بعد موسم بدلتے رہیں۔ گرمی کے بعد سردی، خزاں کے بعد بہار کی آمد کا تسلسل قائم رہے۔ دن لمبے اور راتیں گھٹتی بڑھتی رہیں۔ تاکہ اس کی قدرت کے مختلف شئون ظہور پذیر ہوتے رہیں۔ اس نے سورج اور چاند کے لیے بھی ایک نظام الاوقات مقرر کر دیا ہے۔ وہ اسی کے مطابق سرگرم عمل ہیں۔

جو اتنی قدرتوں کا مالک، جو اتنی حکمتوں والا اور جو یہ لطف و احسان فرمانے والا ہے وہ ہے تمہارا خدا جو تمہارا رب ہے۔ جو تمہیں ضعف سے قوت کی طرف، نقص سے کمال کی طرف، جہالت سے علم کی طرف تدریجاً تم ربیتاً لیے جا رہا ہے۔ سارا ملک اسی کا ہے سب جہانوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔

۲۷ اے کفار و مشرکین! اپنے رب کریم، معبود برحق، شہنشاہ حقیقی کو چھوڑ کر اس کی معبودیت کا رشتہ توڑ کر جن بتوں وغیرہ کو تم نے خدا بنا رکھا ہے اور جن کی پوجا پاٹ میں تم مشغول رہتے ہو ان کے افلاس اور بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ زمین و آسمان کے خزانے تو کجا وہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا سفید چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں۔ جو اتنے مفلس قلاش اور بے بس ہوں ان کو اپنا معبود بنانا، ان کی پوجا کرنا، اور رب قدیر و حکیم اور مالک الملک کو چھوڑ دینا کہاں کی دانائی اور عقلمندی ہے کچھ تو سوچو۔ تم کیا کر رہے ہو۔ ذرا غور تو کرو۔ تم کدھر جا رہے ہو۔ مختلف مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو:

تدعون من دونہ ای الاصنام (قرطبی) ای الذین تعبد ونہا من الاصنام (مظہری) تدعون من دونہ ہو

دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ

تمہاری پکار اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور روزِ قیامت وہ صاف انکار کر دیں گے

بِشِرْكِكُمْ ۗ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

تمہارے شرک کا ۲۲ اور (حقیقتِ حال سے) کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند ۲۳ اے لوگو! تم سب محتاج ہو

اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا ۲۴ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابود کر دے اور لے آئے

الاوثان۔ ان سب کا مفہوم ایک ہے یعنی وہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت بتوں اور ان کے پجاریوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ قطمیر: لفافة وثيقة علی النواة۔ (مظہری) وہ باریک پردہ جو گٹھلی پر ہوتا ہے۔

۲۲ مشرکین کے معبودوں کی بے بسی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ بے جان مورتیاں تم ان کو پکارو فریاد کرو انہیں کیا خبر؟ تم کیا کہتے ہو اور بالفرض یہ سن بھی لیں تو یہ تمہاری کیا مشکل حل کر سکتی ہیں تمہاری کیسے مدد کر سکتی ہیں۔ جب ان کے پاس ہی سے کوئی اختیار ہی نہیں، کوئی طاقت ہی نہیں۔ قیامت کے روز انہیں دنیا میں معبود بنایا گیا تھا وہ صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم معبود تھے نہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی ہمارا اور ان کا باہمی کوئی تعلق تھا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ بت تو اس لیے جواب نہیں دیں گے کہ وہ بے جان نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں، لیکن جو کم بخت فرشتوں کو یا اللہ تعالیٰ کے مقربین کو پکارتے ہیں وہ اس لیے جواب نہیں دیں گے کہ ان کا حوالہ نے انہیں خدا سمجھ رکھا تھا حالانکہ وہ خدا بننے سے بالکل الگ تھے پس وہ ایسے لوگوں کی فریاد کا کیوں جواب دیں گے جو ان پر اتنی بڑی تہمت لگا رہے تھے۔ وكيف يجيبون ذاهم وذلك خبهم وغير من التهمة ما فيه (روح المعانی)

معلوم ہوا کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود مانتے تھے ان بدبختوں کی حرماں نصیبی کا یہ حال ہوگا۔

۲۳ اے سننے والے! صحیح حالات سے تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے اور آگاہ کرنے والا وہ رب ہے جو ظاہر و باطن جلی و خفی ہر چیز سے خبردار ہے۔ اب تو خود ہی سوچ لے کہ کوئی اور ایسی ہستی ہے جو اس خبیر و علیم کی طرح حقائق اور صداقتوں سے تجھ کو اس طرح آگاہ کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ مفہوم کلام یوں ہے۔ لا ينبئك اى لا يخبرك بحقيقة الامر الا مخبرٌ مثل خبير (مظہری)

۲۴ اے لوگو! تم اپنے وجود میں، اپنی بقا میں، اپنی نشو و نما میں غرضیکہ دونوں جہان کی زندگی میں ہر ہر قدم پر اس کے فضل و کرم کے محتاج ہو۔ اگر وہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے بھی کم کے لیے اپنی نگاہِ لطف پھیر لے تو تمہیں ہوش آ جائے۔ تم سب اس کے محتاج ہو اور وہ بے نیاز ہے۔ کوئی اس کی تعریف نہ بھی کرے تب بھی وہ سب خوبیوں والا ہے۔

جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں۔ اور بوجھ نہیں اٹھائیگا کوئی گنہگار کسی دوسرے

أُخْرٰى ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ

کا بوجھ ۲۷ اور اگر بلائے گا جس کی پشت پر بوجھ ہے اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کیلئے تو نہ اٹھایا جاسکے گا اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ إِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا

وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو ۲۸ آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور جنہوں نے ادا کیے

۲۷ وازرۃ: صفت ہے اس کا موصوف نفس محذوف ہے۔ اس کا مطلب ہے: لا تحمل نفس آثمة اثم نفس اخری (روح المعانی) یعنی کوئی گنہگار جو پہلے ہی اپنے بار گناہ کے نیچے دبا چلا جا رہا ہے وہ کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ کیونکر اٹھا سکتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کی آیت ہے: ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم کہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے علاوہ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ دو آیتیں متضاد ہیں کیونکہ سورۂ عنکبوت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ وہ لوگ ہیں جو کفر اور باطل کے سرغنہ تھے۔ خود بھی گمراہ، بدکار اور مشرک تھے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے بھٹکانا انہیں گناہوں اور شرک میں مبتلا کرنا ان کا معمول تھا۔ ایسے لوگوں پر دوہرا بوجھ ہوگا۔ ایک اپنی بدکاریوں کا اور دوسرا ان بدکاریوں کا جن میں ان کے ورغلانے سے دوسرے لوگ مبتلا ہوئے تھے یعنی خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے دو بوجھ ان کی گردن پر ہوں گے۔ گمراہ ہونا جس طرح ان کا فعل ہے اسی طرح لوگوں کو گمراہ کرنا بھی انہیں کا فعل ہے۔

۲۸ پہلے مفہوم کی مزید توضیح کی جا رہی ہے۔ مثقلۃ: بوجھ سے لدا ہوا، لدی ہوئی۔ یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمل ہوتا ہے۔ (قرطبی) ای نفس اثقلتھا الاوزار۔ حمل: ما کان علی الظھر۔ اس بوجھ کو کہتے ہیں جو پیٹھ پر لدا ہوا ہو۔ جو پیٹ میں یا درختوں کی شاخوں میں ہو اسے حمل کہتے ہیں۔ والمحمل حمل المرأة والنخلة (قرطبی)

حضرت فضیل بن عیاض سے منقول ہے۔ اس سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ جنا ہو گا اور وہ اس دن اپنے بچے کو کہے گی: یا ولدی! الم یکن بطنی لک وعاء، الم یکن ثدیی لک سقاء، الم یکن حجری لک وطاء فیقول بلی یا اماہ۔ اے میرے بیٹے! کیا میرا پیٹ تیرے لیے قرار گاہ نہ تھا، کیا میری چھاتیاں تیرے لیے مشکیزہ نہ تھیں، کیا میری گود تیرے لیے آرام کی جگہ نہ تھی؟ وہ کہے گا ہاں میری اماں جان!

فتقول یا بنی قد اثقلتنی ذنوبی فاحمل عنی منھا ذنبا واحدا۔ فیقول الیک عنی یا اماہ فانی بذنبی عنک مشغول (قرطبی) پھر وہ کہے گی میرے بیٹے! میرے گناہوں نے میری کمر توڑ دی ہے پس اس انبار سے ایک گناہ تو اٹھالو۔

الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

رکھیں نماز ۔ اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لیے ہی اختیار کرتا ہے ۔ اور اللہ کی طرف

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَ

ہی لوٹنا ہے ۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا ۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور ۔ اور

لَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ

نہ یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مُردے ۳۲ بیشک

وہ کہے گا ماں! دُور ہٹ جا! میں اپنے گناہوں میں مشغول ہوں، میں تیری طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

اس آیت یا اس روایت سے مطلق شفاعت کا انکار کم فہمی یا تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ شہید، حافظ قرآن بیٹا اپنے والدین کو بخشوائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام محمود پر فائز ہوں گے اور اپنی اُمت کے گنہگاروں کی بخشش کے لیے التجا کریں گے جو قبول ہوگی۔ اسی طرح دیگر انبیاء و اولیاء اور علماء ربانیین اپنے اپنے درجہ کے مطابق شفاعت کریں گے۔

آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ایسے لوگ جو خود گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں گے۔ جنہوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی میں بسر کی ہوگی، جنہوں نے اس دُنیا میں حضور کی شفاعت کا انکار کر کے اپنے آپ کو شفاعت محمدی سے محروم کر دیا ہوگا یہاں ایسے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ نیز انبیاء و اولیاء کی شفاعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گناہ گاروں کے گناہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں گے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کی بخشش کے لیے دُعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی دُعا کی برکت سے ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور گناہوں کا بوجھ سرے سے باقی ہی نہیں رہے گا۔

۳۰ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ سب کو آنے والے عذاب سے ڈراتے تھے اور سب غافلوں کو بروقت متنبہ فرماتے تھے لیکن حضور کی اس تنبیہ سے فائدہ اٹھانے والے فقط یہی خوش نصیب تھے جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے۔

۳۱ جو شخص اپنے دامن کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے تقویٰ اور پارسائی کو اپنا شعار بناتا ہے کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں سراسر اس کا اپنا بھلا ہے۔ اسی کے مراتب بلند ہوں گے اور اسی کو بارگاہ رب العزت میں شانِ رفیع بخشی جائے گی۔

۳۲ ان آیات میں ذرا غور فرمائیے!

اعمٰی سے مراد کافر۔ بصیر سے مراد مومن۔ ظلمت سے مراد باطل۔ نور سے مراد حق۔ ظل (سایہ) سے مراد ثواب۔ حرور (سخت گرمی) سے مراد عقاب ہے۔ اسی طرح احیاء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل زندہ ہیں جن کی آنکھیں نورِ حق کو دیکھ سکتی ہیں جن کے کان آوازِ حق کو سُن سکتے ہیں اور اموات سے مراد وہ مُردہ دل ہیں جن کی ظاہری اور باطنی

اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۲۲ اِنْ اَنْتَ

اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے ۳۲ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں ۳۳ نہیں ہیں آپ

اِلَّا نَذِيْرٌ ۲۳ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ

مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی

اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۲۴ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو ۳۴ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بیشک جھٹلاتے رہے

تو تمہیں بیکار ہو چکی ہیں۔

۳۲ یہاں سماع سے مراد فقط سننا نہیں بلکہ ایسا سننا جو ہدایت پذیری کا سبب بن جائے جس سننے کے بعد انسان کفر کے اندھیرے سے نکل کر ہدایت کی روشنی کی طرف آ جائے۔ ان المراد يسمع من يشاء سماع تدبر و قبول تو یاۃ عزوجل

۳۳ یہاں بھی سماع سے مراد مطلق سننا نہیں بلکہ وہ سننا ہے جس کا ذکر پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔ والمراد بالاسماع هنا ما اريد به في سابقه (روح المعانی) علامہ قرطبی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں، اى بمنزلة اهل القبور في انهم لا ينتفعون بما يسمعونه ولا يقبلونه (قرطبی) یعنی یہ کفار اہل قبور کی طرح ہیں کہ اگر انہیں کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس سے نہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں۔ سماع موتی کے متعلق مفصل بحث سورۂ روم آیت ۵۲ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۳۴ یعنی نبوت کا سلسلہ کسی ملک، علاقہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، جہاں بھی انسانوں کا کوئی گروہ آباد تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس ضرور آیا۔ خواہ وہ نبی ہو یا کسی نبی کا پیروکار جس نے تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ اس میں عرب، مصر یا فلسطین کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہند، چین، جاپان، افغانستان اور دیگر ممالک میں بھی نذیر تشریف لے آئے۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اب جن انبیاء کرام کے اسماء گرامی قرآن کریم یا احادیث میں مذکور ہیں۔ ان کی نبوت پر ایمان لانا شرط اسلام ہے اور جن کے اسماء مذکور نہیں ان پر بھی اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی ان علاقوں میں کسی زمانہ میں جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہم اس کی نبوت کو مانتے ہیں۔ لیکن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کیونکہ سلسلہ نبوت ہی ختم ہو گیا۔ اس آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد کسی چراغ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آیت میں بھی خَلَا یعنی گزر چکا ہے آگے کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو گزشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اب ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں حضور سید الانبیاء و خاتم الرسل کی ذات پاک ہی منبع ہدایت اور اسوۂ حسنہ ہے۔

اب تبلیغ کا فریضہ حضور کی امت کے اولیاء و علماء انجام دیں گے۔ حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کذاب اور دجال ہے۔

قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

ان سے پہلے تھے۔ تشریف لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر پھر جب

اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ

ان کی سرکشی کی حد ہو گئی تو میں نے پکڑ لیا کفار کو پس (سازی دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ

آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ۲۷ اور

الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ کے ہیں کوئی سفید کوئی سرخ، مختلف رنگوں میں اور کوئی شوخ کوئی مدہم اور بعض بہت سخت سیاہ ہیں ۲۸

جس طرح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ نیز ان آیات میں غور کرو: یا ایہا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا۔ نیز وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ارشاد خداوندی کے مطابق تمام بنی نوع انسان کے لیے ہادی رسول ہیں، تو پھر کسی مزید رسول کی گنجائش نہیں رہتی۔

۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بوقلمونیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ایک زمین ہے اور ایک ہی پانی لیکن پھلوں کی قسمیں گنی ہی نہیں جا سکتیں۔ رنگ، ذائقہ اور بو سب کی الگ الگ خصوصیات اور اثرات بھی ایک دوسرے سے یکسر جدا۔ اس یکسانی میں یہ بے رنگی، حکمت ربانی کی کتنی بڑی دلیل ہے۔

۲۸ مختلف پہاڑوں کی بناوٹ، ان کی بلندی و پستی میں قدرت ربانی کے صدہا جلوے نظر آ رہے ہیں۔ خود ان کے رنگوں کو ملاحظہ فرمایئے۔ کہیں تو بالکل سفید دھاری چلی گئی ہے۔ کہیں رنگت سرخ ہے اور سرخی بھی ایک جیسی نہیں اس رنگ میں بھی کئی رنگ ہیں۔ کوئی بلکا سرخ، کہیں گہرا عنابی، کہیں گلابی مائل اور کہیں سیاہ ہے تو ایسا سیاہ کہ بس حد ہی ہو گئی۔ جُدَدٌ کا معنی طرائق راستے بھی کیا گیا ہے یعنی پہاڑوں کا اپنا رنگ ہے لیکن ان کی گھاٹیوں میں سے جو راستے گزرتے ہیں ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔ وھی ما تخالف من الطرائق فی الجبال۔ اور بعض نے جُدَد کا معنی قطع ٹکڑے کیا ہے یعنی پہاڑوں کے مختلف حصوں کے مختلف رنگ ہیں۔ جُدَد: قطع من قولک جددت الشیء اذا قطعتہ یعنی جب کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے تو کہتے ہیں جددتہ۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ

اور انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ بیشک

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے۔

پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کرکے ان معدنیات کا کھوج لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جو ان کے شکموں میں موجود ہیں اور مدت سے کسی جواں مرد اور باہمت انسان کی عزم عالی اور اکتشاف کے لیے چشم براہ ہیں اور پہاڑوں کی یہ مختلف رنگتیں ان مدفون خزانوں کا پتہ بتا رہی ہیں۔ افسوس وہ قوم جسے قرآن کریم جیسی کتاب منیر عطا کی گئی تھی وہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر سو گئی اور یورپ کی وحشی قومیں اس چشمۂ معانی سے اپنی کشت حیات کو سیراب کرنے میں سبقت لے گئیں۔

غرابیب: غربیب ای شدید السواد: یعنی بہت سیاہ

قدرت کی ندرت آفرینیاں یہاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ مصور فطرت کا موقلم انسانوں، چوپایوں اور جانوروں کو مختلف رنگ آمیزیوں سے یوں آراستہ و پیراستہ کر رہا ہے کہ دل کھچے چلے جاتے ہیں۔ آنکھیں ہزار بار دیکھنے کے باوجود سیر نہیں ہوتیں اور پھر بار دیگر دیکھنے کی آرزو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ خصوصاً انسان اپنے قد و قامت، خد و خال، صباحت و ملاحت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، اپنی باطنی قوتوں، ذہنی صلاحیتوں، فطری استعدادوں میں بھی ایک حیرت انگیز تنوع پیش کرتی ہیں۔ انسانوں میں اگر یہ تفاوت نہ پایا جاتا، تو عروس کائنات کے گیسو کون سنوارتا۔ ان لق و دق صحراؤں کو چمنستان کیسے بنایا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کی ان گوناگوں آفرینیوں کا عمیق و دقیق نگاہ سے جو لوگ مطالعہ کریں گے حکمت ربانی کے نئے نئے جلوے رونما ہوتے نظر آئیں گے انہیں اس تدبر اور مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ایسا علم نصیب ہوگا جو انہیں عین الیقین کی منزل تک پہنچا دے گا اور وہاں سے حق الیقین کی منزل زیادہ دور نہیں۔ طلب صادق ہوگی تو توفیق کا ہاتھ بڑھے گا اور انہیں ان بلندیوں پر فائز کر دے گا جہاں حق الیقین کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں شک و شبہ کا غبار نہیں۔ وہاں پہنچ کر انہیں اپنے رب ذوالجلال والاکرام کی معرفت نصیب ہوگی۔ پھر ان کی خشیت سے ان کے دل معمور ہوں گے ہمارے لیے اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اکابر علمائے اسلام کے نزدیک علم کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے لیے چند اقوال ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: لیس العلم عن کثرۃ الحدیث لکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ۔

ترجمہ: زیادہ باتیں بنانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت (ڈرنا) کو علم کہتے ہیں۔

۲۔ امام مالک فرماتے ہیں: ان العلم لیس بکثرۃ الروایۃ وانما العلم نور یجعلہ اللہ فی القلب

ترجمہ: کثرت روایت کرنے کا نام علم نہیں، بلکہ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈال دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا

بیشک جو (غور و تدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ

مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ، وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں ۲۲ تاکہ اللہ

أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ إِنَّهٗ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِي

انہیں پُورا پُورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے بیشک بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے ۲۳ اور جو

۳۔ مجاہد فرماتے ہیں: انما العالم من خشی اللہ عزوجل۔ (ترجمہ: عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل سے ڈرتا ہے۔

۴۔ ربیع بن انس کا ارشاد ہے: من لم یخش اللہ تعالیٰ فلیس بعالم

ترجمہ: جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں وہ عالم نہیں۔

۵۔ حضرت ابن مسعود سے ایک قول مروی ہے: کفی بخشیۃ اللہ تعالیٰ علما وبالاغترار جھلا۔

ترجمہ: اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے تو انسان کے لیے اتنا علم ہی کافی ہے اور اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ انسان خدا سے مغرور ہو کر رہنے لگے۔

۶۔ سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ اس شہر میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

من افقہ اھل المدینۃ قال اتقاھم لربہ عزوجل۔

۷۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشادِ گرامی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

"ان الفقیہ حق الفقہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ ولم یرخص لھم فی معاصی اللہ تعالیٰ

ولم یؤمنھم من عذاب اللہ تعالیٰ ولم یدع القرآن رغبۃ عنہ الی غیرہ"

ترجمہ: یعنی صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور خدا کی نافرمانی پر انہیں جری نہ کرے، خدا کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے اور قرآن کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (قرطبی)

۲۲ یعنی یہ لوگ ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں نفع ہی نفع ہے جس میں خسارے اور گھاٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

۲۳ ایسے پاکباز لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسنہ کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور صرف اسی اجر پر بس نہیں بلکہ ویزیدھم من فضلہ، انہیں اپنے فضل و کرم سے مزید بخشے گا۔ اس فضل مزید کا اندازہ کون لگائے اس کو کس ترازو سے تولا جائے اور

اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِؕ

کتاب جو ذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے وہی سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو

اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ

جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں

وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾

اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے ؕ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے۔

کسی پیمانے سے ناپا جائے۔ وہ شکور بھی ہے اور شکور بھی۔ خالص عمل اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ اس کو قبول فرماتا ہے اور اس پر ثواب بے اندازہ عطا کرتا ہے۔ یقبل القلیل من العمل الخالص ویثیب علیہ الجزیل من الثواب (قرطبی)

اس آیت میں بھی ختم نبوت کی دلیل ہے۔ فرمایا یہ کتاب حق ہے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ اگر اس کتاب کے بعد بھی نبوت اور وحی کا سلسلہ جاری رکھنا مقصود ہوتا تو یہاں بھی یہ فرمایا جاتا کہ پہلی کتابوں کی طرح یہ بعد میں نازل ہونے والی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے:

ھم امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہے۔ اس اُمت میں ایک گروہ وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں بھی سستی ہو جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جو درمیانہ رو ہیں۔ جو فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ لیکن مستحبات میں سستی کرتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ اور تیسرا گروہ ان پاکبازوں اور وفا شعاروں کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی ہے۔ دنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ دنیا کے مشاغل یاد حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت، ان کا مال، ان کا دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر لکھی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

"ھم امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظالمھم یغفرلہ ومقتصدھم یحاسب حسابا یسیرا وسابقھم

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ

سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے۔ پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور

لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ

موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے

عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ

دور کر دیا ہم سے تمام اندوہ، یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے میں اپنے فضل

مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

(و احسان) سے۔ نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡهِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور

یدخل الجنۃ بغیر حساب"

ترجمہ: کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ امت محمدیہ ہے۔ ان میں جو گنہگار ہیں ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ اور جو درمیانہ رو ہیں ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔ جو سابقین ہیں ان کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید کا وارث بنانا اور پھر قوم میں ایسے گروہ کا پیدا کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل و کرم ہے جو اس کریم نے ہم پر فرمایا ہے۔

ان آیات میں اس انعام و اکرام کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فرمائے گا۔

حل الغات: اساور: اس کا واحد اسورہ ہے کنگن جو کلائیوں میں پہنے جاتے ہیں۔ الحزن: غم و اندوہ۔

عکرمہ نے حزن کی وضاحت کی ہے: حزن الذنوب والسیئات وخوف رد الطاعات (مظہری)

یعنی گناہوں اور غلطیوں کا غم اور عبادتوں کے مسترد ہونے کا اندیشہ۔

دار المقامہ: دار الاقامہ، مقامہ، مصدر میمی ہے۔ دار الاقامۃ کا معنی ٹھہرنے کی جگہ۔ نصب: نصب، تھکاوٹ۔

لغوب: کلال واعیاء، من التعب: تھکاوٹ سے بدن میں جو اضمحلال اور ذہن میں جو پژمردگی پائی جاتی ہے۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ

نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو شک۔ اور وہ

يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا

اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال ہم نیک کام کریں گے ایسے

نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ

نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کرسکتا جو نصیحت

فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ

قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے کوئی بات نہ مانی) پس اب (مزہ) چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں بیشک

وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو یقیناً وہ جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو۔ وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا)

شک پہلے تو اہل ایمان اور ان کے تینوں گروہوں کا حال بیان کیا گیا اب کفار کے حالات کا ذکر ہو رہا ہے۔ لا یُقْضٰی علیھم ای لایحکم علیھم بالموت، یعنی کفار کو جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ تمنا کریں گے کاش موت ہی آجاتی اور اس عذاب سے ہماری جان چھوٹ جاتی۔ لیکن نہ انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب میں تخفیف ہوگی۔ ہمیشہ اسی طرح اپنے کفر اور ناشکری کی سزا بھگتتے رہیں گے۔

شک وہ دوزخ میں رونا اور چلانا شروع کر دیں گے اور یا دوزخ سے نکالے جانے کی درخواست کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ اگر ایک بار ہمیں موقع مل گیا تو ہم بجز نیک کام ہی کرتے رہیں گے انہیں کہا جائے گا کہ اب ایسی باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم دنیا میں پل بھر کے لیے جاتے اور پھر وہاں سے رخصت کر دیے جاتے تو تم یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ اے ہمارے خداوند! ہم دنیا میں گئے ضرور لیکن صرف پل بھر کے لیے، نہ ہمیں کچھ سوچنے کا موقع ملا نہ سمجھنے کا۔ نہ کوئی ہمیں سمجھانے آیا اور کسی نے ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش کی۔ اس لیے ہم معذور تھے خطا کار ضرور ہیں لیکن ہماری مجبوری اور معذوری بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اے کفار! تم جانتے ہو ایسا تو نہیں ہوا بعمر مدت دراز تک تم دنیا میں رہے۔ تمہیں سوچنے اور سمجھنے کے لیے بھی مہلت دی گئی۔ ہمارے نبیوں نے خوب جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر تمہیں خواب غفلت سے بیدار کیا۔ لیکن تم نے کسی موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اب تمہارا رونا اور چلانا بے سود ہے۔

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ

جانشین بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور نہیں اضافہ کرے گا کفار

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا

کے لیے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے اور نہ اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر بجز گھاٹے اور

خَسَارًا ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

خسران کے ف آپ فرمائیے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔

اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ

مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہے آسمانوں (کی تخلیق) میں یا ہم نے

اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ

انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر عمل پیرا ہوں۔ ایسا کچھ بھی نہیں بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ

تمہیں اچھی طرح آزما لیا گیا ہے۔ اب دوبارہ آزمانے کی ضرورت نہیں۔

ف یعنی کفر و سرکشی کا جو وتیرہ ان کفار نے اختیار کر رکھا ہے اس سے اور تو کچھ نہ ہوگا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی آتش غضب ان پر اور بھڑک اٹھے گی اور زندگی کی اس بازی میں وہ شکست پر شکست کھاتے چلے جائیں گے اور ان کا کاروبار حیات گھاٹے کا شکار ہو جائے گا۔

ف ان کے مشرکانہ معتقدات پر ضرب کاری لگائی جا رہی ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ان کے حالات اور کمالات سے ہم تو بالکل بے خبر ہیں لیکن تمہیں تو ان کے حالات و کمالات پوری طرح معلوم ہوں گے۔ ذرا ہمارے ان شکوک کا ازالہ کر دو کہ ہم بھی تمہارے موقف کی معقولیت کا اعتراف کرنے لگیں۔ اگر تمہارے خداؤں نے زمین کا کوئی گوشہ کوئی جزیرہ یا کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہی بنایا ہو تو بتاؤ ہم بھی جا کر اسے دیکھیں۔ اگر انہوں نے آسمانوں کی تخلیق میں کوئی اہم حصہ لیا ہو کوئی مشورہ دیا ہو کوئی نقشہ پیش کیا ہو اور کچھ نہیں تو کوئی چھوٹا سا ستارہ ہی اس آسمان کی چھت میں آویزاں کیا ہو وہی ہمیں دکھا دو۔ اور اگر نہ زمین کے کسی گوشہ کے وہ خالق ہیں اور نہ آسمان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے اور تم بھی اس کو تسلیم کرتے ہو تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کسی کتاب میں اپنے شرک کی کوئی دلیل دکھا دو۔ اور اگر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تو پھر فساد انگیزی سے کیوں باز نہیں آتے ہو اور ایک دوسرے کو گمراہ کرنے اور دھوکہ دینے کے لیے جھوٹے وعدے کیوں کرتے ہو۔

بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَاۚ

بعض دوسروں سے مگر فریب ۔ بیشک اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں

وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

اور اگر وہ سرکنے لگیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد بیشک وہ بڑا حلیم (اور) بخشنے

غَفُوْرًا ۝۴۱ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ

والا ہے [۶۷] اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا

لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ

تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے [۶۸] پس جب آیا ان کے پاس ڈرانے والا قرآن کی

۶۷ یہ تو تم نے بھی مان لیا کہ تمہارے شریکوں کا آسمان وزمین کی تخلیق میں کسی قسم کا ہو لے نام حصہ بھی نہیں ہے ۔ اب ہم سے سنو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اس کارخانۂ ہستی کو بنانے والا بھی وہی ہے اور چلانے والا بھی وہی ہے ۔ زمین کا یہ کشادہ فرش اسی نے بچھایا ہے آسمانوں کا یہ محیر العقول سائبان اسی نے تانا ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر ٹھہرا دیا ہوا بھی اسی نے ہے ۔ سارے آسمان اسی کے حکم سے اپنے اپنے مقام پر ایستادہ ہیں اور کرۂ زمین کو اس بیکراں فضا میں جہاں اس نے فٹ کر دیا ہے وہاں سے ایک انچ بھی ادھر نیچے نہیں ہو سکتا ۔ اگر زمین و آسمان اپنے اپنے مستقرہ مقام سے مشیت الٰہی کے مطابق ہٹنے لگیں تو اس کے بغیر کوئی ذی ہمت اور طاقتور ہستی نہیں ہے جو آگے بڑھ کر گرتے ہوئے آسمانوں کو کسی حادثے یا ڈگمگاتی ہوئی زمین کو سنبھال سکے ۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے جو گناہوں سے باز نہیں آتے لیکن وہ انہیں مسلسل مہلت دیتا چلا جاتا ہے اور بردبار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ غفور بھی ہے ۔ یعنی اگر کوئی توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے ۔

۶۸ واؤ ضمیر مرفوع متصل ذوالحال ہے ۔ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ حال ہے یعنی جاھدین فی ایمانھم ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے جب کفار مکہ کے سامنے ان قوموں کے حالات بیان کیے جاتے جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا ، سرکشی اور عصیان کوشی میں مگن رہے حتیٰ کہ نتیجہ میں خدا کا عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے ۔ یہ حالات سن کر وہ ان تباہ ہونے والی قوموں پر بڑا لعن طعن کرتے اور کہتے کہ وہ لوگ بڑے بدبخت اور بدسرشت تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا دیا ۔ وہ قسمیں اٹھاتے ، سادہ سی قسم نہیں بلکہ انتہائی سخت قسم کی قسمیں کھا کر کہتے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی آیا تو ہم اس کی پیروی کریں گے اور راہ راست پر یوں ثابت قدمی سے گامزن رہیں گے کہ گزشتہ زمانہ میں جن قوموں نے

إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ

(حق سے) نفرت اور بڑھ گئی۔ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے اور نہیں گھیرتی گھناؤنی

السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ

سازش بجز سازشیوں کے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو پہلے نافرمانوں کے ساتھ کیا گیا تھا

لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا

(اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر۔ کیا انھوں نے سیر و سیاحت

ہدایت قبول کی ان سے بھی بازی لے جائیں گے اور کوئی قوم راست روی اور ثابت قدمی میں ہماری ہمسر نہیں ہوگی۔

مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں:

"من کان من الامم السالفة علی ھدی نحن نکون اھدی منھم" (مظہری)

اور جب وہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بزم امکان میں رونق افروز ہوا اور اس کی طلعت زیبا سے ہدایت کے نور نے تاریکیوں کو شکست پر شکست دینی شروع کی تو یہ کور باطن جو پہلے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے، انھوں نے مخالفت شروع کر دی اور دن بدن ان کے عناد اور ان کی نفرت میں اضافہ ہونے لگا۔ انہیں وہ اپنی قسمیں بھول گئیں۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ کل وہ حلفیہ طور پر کیا کہتے تھے اور آج وہ کیا گل کھلا رہے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کو توڑ رہے ہیں۔

اس آیت کا پہلی آیت سے کیا تعلق ہے۔ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اسے حال بنایا اور بعض نے نفورا کا بدل۔ اور بعض نے مفعول لاجلہ۔ لیکن میرے نزدیک احسن یہ ہے کہ یہ نفورا پر عطف ہو یعنی فلما جاء ھم نذیر ما زاد ھم الا نفورا وما زاد ھم الا استکبارا فی الارض وما زادوا الا مکر السیئ یعنی جب وہ نذیر تشریف لایا تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی آمد کے بعد ان کے غرور اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور انھوں نے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر گھناؤنی سازشیں شروع کر دیں۔

حاق یحیق کا معنی ہے۔ احاطہ کرنا۔ چاروں طرف سے گھیر لینا یعنی وہ سازشیں تو اسلام کے خلاف کرتے تھے لیکن اس سازش کا وبال خود ان پر پڑتا تھا۔ جو حیلہ کیا جو مکر کیا اسلام کے خلاف ہر منصوبہ خاک میں مل گیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتے اور طرح طرح کے بہتان لگا کر بدنام کرنے کی کوششیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو اور زیادہ بلند کر دیتا۔ حضور کی عظمت کا ڈنکا دور دور تک بجنے لگتا۔ غرضیکہ جو تدبیر بھی کی الٹی پڑی۔

ینظرون بمعنے ینتظرون ہے۔ کفار بار بار ٹھوکریں کھانے کے باوجود نہیں سنبھلتے اور اپنی خسیس حرکتوں سے باز نہیں آتے۔

فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا

نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا دردناک ہوا انجام ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ

أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ

قوت و طاقت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے[۹] اور (سنو!) اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور

وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ

زمین کی کوئی چیز نیچا دکھا سکے۔ وہ ہر بات جاننے والا بڑی قدرت والا ہے[۹] اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو

بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا

مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

انہیں ایک مقررہ میعاد تک پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بیشک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں[۱۰]

کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر بھی ایسا عذاب نازل ہو جو ان سے پہلے گزری ہوئی سرکش قوموں پر نازل ہوا تھا اگر ان کی یہی تمنا ہے تو پوری کر دی جائے گی کیونکہ نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

[۹] گزشتہ تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات جو داستانِ عبرت سنا رہے ہیں کیا ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے وہ کافی نہیں۔ وہ لوگ قوت، دولت اور وسائل ہر اعتبار سے ان سے زیادہ تھے۔ عذابِ الٰہی سے وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے ان بیچاروں کی کیا حقیقت ہے۔ [۹] لیعجزہ کا فاعل شیءٍ ہے۔ من زائدہ ہے تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور نہیں ہے آسمان یا زمین پر بسنے والی کوئی چیز خواہ وہ کتنی گرانڈیل، طاقتور، حیلہ ساز ہو اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔ اس کے علم اور اس کی قدرت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

[۱۰] عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ عجلت اور جلد بازی نہیں کرتا۔ ورنہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی چیز سلامت نہ رہتی۔ لیکن وہ بڑا حلیم اور بڑا کریم و رحیم ہے۔

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر وعلى نبيك وصفيك وحبيبك سيدنا ومولٰينا

محمد افضل الصلوت وازکی التسلیمات واطیب التحیات واسنی البرکات
وعلی آله واصحابه واولیاء امته اجمعین۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان
اعمل صالحا ترضٰه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین
اللهم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس علیه الصلوٰۃ والسلام۔

محمد کرم شاہ

نظر ثانی

صلوٰۃ الظہر	وقت الاشراق
یوم الخمیس	یوم الاحد
۱۰ رجب ۱۳۹۱ھ	۱۷ رجب ۱۳۹۲ھ
۲ ستمبر ۱۹۷۱ء	۲۸ اگست ۱۹۷۲ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سورۂ یٰسین

نام : اس سورت مبارکہ کا نام یٰسٓ ہے جو اس کی پہلی آیت ہے۔ اس میں پانچ رکوع، تراسی آیات، کلمات سات سو انتیس اور حروف تین ہزار۔

ترمذی کی حدیث شریف میں ہے کہ ہر چیز کے لیے قلب ہے اور قرآن کا قلب یٰسین ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اَموات پر یٰسین پڑھو۔ اسی لیے قریب الموت حالت نزع میں گرفتار کے پاس یٰسین پڑھی جاتی ہے۔ (خزائن العرفان)

زمانۂ نزول : مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ بڑی شدت اور پوری قوت سے اسلام کی تعلیمات کا انکار کرنے لگے تھے اور اسلامی دعوت اپنے فطری حسن و جمال کے باعث سعادتمند رُوحوں کو اپنی طرف تیزی سے کھینچنے لگی تھی۔ اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے مشرکین گھبرا گئے تھے۔

مضامین : اس میں اسلامی دعوت کے تین بنیادی اصولوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے یعنی توحید، رسالت اور قیامت سب سے پہلے حضور کی رسالت کو قرآن کی قسم کھا کر بیان کیا گیا اور یہ بھی بتا دیا کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ مدت دراز سے سرزمین عرب نورِ نبوت سے محروم چلی آ رہی تھی صدیاں بیت گئی تھیں اس علاقہ میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ عرصہ دراز تک گمراہ رہنے کے باعث فہم و فکر کی قوتیں بانجھ ہو گئیں اس لیے انہوں نے حضور پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ایک تباہ شدہ بستی کا حال انہیں سنایا گیا۔ انہیں بتایا کہ اس بستی کے رہنے والوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور وہ برباد ہو گئے تھے تم ان کی روش اختیار نہ کرنا۔ اس ضمن میں ایک بندۂ مومن کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جس کی قوتِ ایمانی اور جذبہ جانفروشی آج بھی ہمارے مُردہ دلوں کو نئی زندگی بخش رہا ہے۔

اس کے بعد اپنی توحید اپنی قدرت اور حکمت پر تکوینی دلائل پیش فرمائے۔ بنجر زمین پر کون مینہ برساتا ہے کس کے حکم سے غذائی اجناس اور رنگ برنگے پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ سورج اور چاند کے طلوع و غروب اور ان کی مقررہ رفتار کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ سب اپنے اپنے مدار میں محوِ خرام ہیں نہ کبھی باہمی ٹکر ہوتی ہے اور نہ کوئی اپنے مقررہ وقت سے ایک لمحہ بھی لیٹ ہوا ہے اور نہ کبھی کسی نے آگے گزرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پیچیدہ نظم و نسق اس بات کی

ہے کس کی تدبیر سے مصروف عمل ہے۔ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں کس کے حکم سے سامان اور مسافروں کو اٹھائے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک کو جا رہی ہیں۔

انسان جس کی تخلیق ایک قطرۂ آب سے کی گئی ہے وہ کس ڈھٹائی سے قیامت کا انکار کرتا ہے اور وقوع قیامت پر شبہات و اعتراضات کے انبار لگاتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے حبیب! آپ اس ناہنجار کو بتا دیجیے وہی جس نے انہیں پہلے زندگی بخشی تھی وہی جس کے امر کن سے یہ جہان رنگ و بو معرض وجود میں آگیا، وہی جس کے دست قدرت میں زمین و آسمان کی حکومت ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہے، وہی قیامت کے روز تمہیں قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور جواب دہی کے لیے اپنی عدالت میں پیش کرے گا۔

اس سورت میں دو چیزیں آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ آیت ۴۷ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ جب انہیں اپنے ان ضرورت مند بھائیوں کی ضروریں پوری کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے رزق نہیں دیا ہم کون ہیں ان کو رزق دینے والے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے۔ درحقیقت ان کا یہ جواب محض اپنی کنجوسی اور بخل پر پردہ ڈالنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔ اگر وہ ایسے ہی راضی بقضا ہیں تو پھر کیوں کسب معاش میں وہ کسی ضابطے اور قانون کی پابندی کو بھی گراں سمجھتے ہیں۔ دولت کے لالچ میں تمام حدود کو روندتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں بھلا ایسی بات کرنے کا کیسے حق پہنچتا ہے۔ ان کے دلوں میں اپنی دولت کی اتنی محبت ہے کہ وہ اس سے کچھ خرچ کرنا نہیں چاہتے اور کسی محروم کی محرومی پر انہیں ذرا ترس نہیں آتا۔ کسی یتیم اور بیوہ کی حالت زار کو دیکھ کر ان کے دل میں رحم کا جذبہ نہیں ابھرتا۔

دوسری بات یہ ہے جس کا ذکر آیت ۶۹ میں کیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ میرے نبی کریم کے علوم و معارف کا ماخذ خیال آفرینی، مبالغہ آرائی اور شعراء کی کذب بیانی نہیں بلکہ ان کا سرچشمہ وہ کتاب مقدس ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے حبیب مکرم پر نازل فرمایا ہے تاکہ ہر اس شخص کو بروقت خبردار کر دے جس میں انسانیت کی زندگی کا کچھ نہ کچھ اثر موجود ہے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ یٰسٓ مکی ہے اس کی آیتیں ۸۳ ، اس کے رکوع ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰسٓ ﴿١﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ عَلٰى

اے سیدِ عرب و عجم[1] قسم ہے قرآن حکیم کی[2] بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (بیٹھے) آپ

[1] اس کے متعلق علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں (۱) یہ سورت کا نام ہے (۲) قرآن کے اسماء سے ہے۔ (۳) یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے۔ (۴) یاسین کا معنی لغت طے میں یا انسان ہے اور اس سے مراد انسان کامل یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (۵) رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ سے ہے۔ (۶) ابوبکر وراق کہتے ہیں : یہ مخفف ہے یا سید البشر کا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیث پاک میں ہے :

الله تعالٰی المعطی وانا القاسم فمنزلته صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم من العالم بأسره بمنزلة القلب من البدن فما الطف افتتاح قلب القرآن بقلب الاکوان۔

ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " دینے والا اللہ تعالیٰ اور بانٹنے والا میں ہوں "۔ اس حدیث پاک کے مطابق کائنات کے جسم میں حضور دل کی مانند ہیں اور سورۂ یاسین قرآن کریم کا دل ہے تو کتنا لطیف اور پیارا نکتہ ہے اس سورت کا کہ قرآن کے دل کو ساری کائنات کے دل کے ذکر سے شروع کیا جا رہا ہے۔

[2] کفار مکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور طرح طرح کے الزامات اور اتہامات پیش کرتے تھے۔ یہاں خداوند عالم قسم اٹھا کر اپنے رسول کی رسالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ فرمایا اے انسان کامل ! یا اے عرب و عجم کے سردار ! مجھے اس قرآن حکیم کی قسم ہے کہ آپ ان برگزیدہ انسانوں میں سے ہیں جن کو شرف رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور مجھے قرآن حکیم کی قسم ہے کہ آپ سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔

اے حبیب ! جب تیرا پروردگار تیری رسالت کی شہادت دے رہا ہے اور وہ بھی قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر، اس کے بعد اگر کوئی بدبخت تیری رسالت کو ماننے سے انکار کرے تو آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

قسم اٹھاتے ہوئے صرف والقرآن نہیں فرمایا بلکہ والقرآن الحکیم فرمایا یعنی قرآن جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے یہ کوئی عام قسم کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

راہ راست پر ہیں ۔ نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے تاکہ آپ ڈرا سکیں اس قوم

مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ

کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل ہیں ۔ بے شک (انکے تمرد و عناد کے باعث) یہ

عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ

بات لازم ہو گئی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔ ہم نے ڈال دیے ہیں ان کی گردنوں میں طوق

اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ

پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں ۔ اور ہم نے بنا دی ہے

کتاب نہیں بلکہ یہ کتاب حکیم ہے یعنی پر از حکمت ہے ۔ یا یہ ایسی محکم کتاب ہے کہ باطل کسی گوشہ سے اس پر حملہ نہیں کر سکتا (مظہری، قرطبی، البحر المحیط) یہ کسی فلسفی کسی دانشور کسی سحر بیان ادیب کی تصنیف نہیں بلکہ اسے عزیز و رحیم نے نازل فرمایا ہے ۔ تنزیل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ۔ اے نزل اللّٰہ ذلك تنزیلا (قرطبی)

ف عزیز و رحیم نے اسے کیوں نازل فرمایا؟ بتا دیا کہ اس کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسی قوم کو بروقت خبردار کر دیا جائے جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی ڈرانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا نہیں آیا ۔ یہ اہل عرب تھے جن کے پاس حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی اور رسول تشریف نہیں لایا تھا ۔ اور انہوں نے اپنی عقل خداداد سے کام لینا بھی چھوڑ دیا تھا ۔ انکے ارد گرد دلائل توحید کا گلشن آراستہ تھا اس کی طرف بھی توجہ نہ کی ۔ ان کے تجارتی کاروانوں کا گزران اجڑی ہوئی بستیوں پر بھی ہوتا تھا جن کے اداس کھنڈر اپنے بنانے والوں کی داستان عبرت ہر اس شخص کو سناتے تھے جو وہاں سے گزرتا تھا ۔ انہوں نے اس سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور آنکھیں موند کر غفلت اور بے خبری کی زندگی بسر کرتے رہے ۔

ف جن کو ڈرانے کے لیے اے حبیب آپ تشریف لے آئے ہیں اور جن کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قرآن کریم نازل کیا گیا ہے ان میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کافی ہے جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے کیونکہ وہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی ایسی روش اختیار کریں گے جہاں کوئی پند و موعظت کارگر نہیں ہو گی ۔ وہ مواعظ سننے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے ۔ یہاں قول سے مراد انہیں عذاب دینے کا خدائی فیصلہ ہے اور حق کا معنی واجب ہونا ، لازم ہونا ۔ ای وجب العذاب علی اکثرهم ۔

ف پہلے آیت کا لغوی معنی ذہن نشین فرما لیجیے ۔ اس کے بعد اس کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے گا ۔ اعناق عنق کی جمع ہے اس

بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنٰهُمْ

ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ

فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٩﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ

نہیں دیکھ سکتے ٹ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

کا معنی ہے گردن مقمحون۔ فقہ اللغۃ کے امام الاصمعی کہتے ہیں۔ یقال اقمحت الدابۃ اذا اخذت لجامہ لترفع رأسہا، یعنی گھوڑے کی جب باگ زور سے کھینچی جائے تاکہ وہ اپنا سر اوپر اٹھائے۔ تو عرب کہتے ہیں اقمحت الدابۃ اور جب کسی کے گلے میں طوق ڈالا جائے اور اسے کھینچ دیا جائے تاکہ اس کا سر اوپر اٹھا ہوا رہ جائے تو کہا جاتا ہے اقمحہ الغل (قرطبی)۔ حضرت عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ہمیں اس لفظ کا معنی سمجھانے کے لیے اس طرح کیا کہ پہلے اپنی داڑھی مبارک کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور سر کو اوپر اٹھا لیا کہ وہ نیچے نہ ہو سکے۔

یعنی ان منکرین اور معاندین کی ایسی حالت ہے جیسے ان کے ہاتھوں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال کر انہیں گردن کے ساتھ یوں سختی سے جکڑ دیا ہو کہ ان کا سر اوپر اٹھ کر رہ گیا ہو۔ وہ یوں اکڑے اور جکڑے ہوئے ہوں کہ آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہوں، نہ منہ ہلا سکیں نہ دائیں بائیں دیکھ سکیں۔ اس حالت میں جو شخص مبتلا ہو نہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہے اور نہ کسی کی بات کو تسلی سے سن سکتا ہے۔ بس یہی حال ان نابکاروں کا ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے حضور کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو پتھر سے سر مبارک کو چور چور کر دے گا۔ ایک دفعہ حضور نماز پڑھ رہے تھے تو وہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضور کی طرف بڑھا۔ جب پتھر مارنے کے لیے اٹھایا تو ہاتھ گردن کے ساتھ چمٹ کر رہ گیا اور پتھر ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا۔ وہاں سے واپس لوٹنے میں ہی سلامتی دیکھی۔ جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو سارا ماجرا انہیں بتایا۔ یہ سن کر ولید بن مغیرہ اٹھا اور کہا کہ اے ابوجہل! تم تو ہو ہی بزدل، میں جاتا ہوں اور سر پھوڑ کر آتا ہوں۔ تو بات ہوئی۔ جب وہ اس نیت بد سے نزدیک گیا تو اللہ تعالیٰ نے بینائی سلب کر لی اور اندھا ہو گیا۔ حضور کی آواز سن رہا تھا لیکن حضور نظر نہ آتے تھے۔ اس نے بھی واپس آ کر اپنا قصہ سنایا تو ایک اور کافر غصہ سے بے قابو ہو کر اٹھا اور کہنے لگا۔ واللہ لأشدخن رأسہ۔ بخدا میں ان کے سر کو چور چور کروں گا۔ وہ پتھر لے کر نزدیک پہنچا تو گھبرا کر پیچھے بھاگا اور غش کھا کے منہ کے بل گر پڑا۔ ساتھیوں نے اٹھایا، پوچھا تم پر کیا بیتی۔ اس نے کہا مت پوچھو جو مجھ پر گزری ہے۔ جب میں ان کے قریب ہوا تو ایک بہت بڑا بیل دم ہلاتا ہوا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ واللات والعزی لو دنوت منہ لاکلنی مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں آگے جاتا تو وہ بیل مجھے کچا چبا جاتا۔

ٹ سدّا: دیوار یعنی ہم نے ان کے آگے بھی دیوار چن دی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ

تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۹ آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا

الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ

ہے (خداوند) رحمان سے بن دیکھے ۱۰ پس مژدہ سنا دیجئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا ۱۱ بیشک ہم ہی

نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ

زندہ کرتے ہیں مُردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ۱۲ اور ہر چیز کو

اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ

ہم نے شمار کر رکھا ہے روشن کتاب میں ۱۳ اور بیان فرمائیے ان کے (سمجھانے کے) لیے مثال اس

ڈال دیا ہے۔ اب ان کا یہ حال ہے کہ نہ آگے جا سکتے ہیں، نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ انہیں کچھ دکھائی دیتا ہے۔

۹ ان کے کفر و انکار کا مرض لا علاج ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا اپنے ہاتھ سے گلا گھونٹ دیا ہے۔ اس آنکھ کو پھوڑ ڈالا ہے جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور ان کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بہرا کر دیا ہے جو حق کی آواز کو سن سکتے ہیں۔ اب ان کو اسلام کی طرف بلانا اور ہدایت کی دعوت دینا بے سود ہے۔ جگایا تو اس کو جاتا ہے جو سو رہا ہو اور جو مر چکا ہو وہ تو حشر سے پہلے جاگنے سے رہا۔

۱۰ آپ کا خبردار کرنا اور ڈرانا انہی لوگوں کے لیے سود مند ہو سکتا ہے جن میں حق پذیری کی استعداد ہو جن کے دل میں راہِ راست پانے کی تڑپ ہو جن کو آپ نصیحت فرمائیں تو وہ اس پر عمل کرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہوں۔ یہ لوگ ہی اس قرآن کو مانیں گے، آپ کی رسالت کو تسلیم کریں گے۔

۱۱ آپ ان لوگوں کو مغفرت کا مژدہ سنا دیجئے کہ بشری تقاضوں کے باعث جو قصور تم سے سرزد ہوئے ہیں، تمہارا مہربان خدا انہیں بخش دے گا اور جو نیکیاں تم نے کی ہیں ان پر تمہیں اجر عطا فرمائے گا۔ صرف اجر نہیں بلکہ اجرِ عظیم۔

۱۲ یعنی تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے اور مرنے کے بعد نہ تمہیں زندہ کیا جائے گا اور نہ تم سے کسی قسم کی باز پرس کی جائے گی۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ہم مردوں کو ضرور زندہ کریں گے اور اس روز انہیں نیک و بد اعمال کی جزا یا سزا ضرور دیں گے۔

۱۳ ہمارے لیے ان سے حساب لینا کوئی مشکل نہیں جو کام انہوں نے خود کیے ہیں ہم ان کو بھی لکھ رہے ہیں اور جو طریقے ایجاد کر کے وہ آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں گے۔ ان کو بھی ہم ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس لیے جو نیک کام انہوں نے خود کیے یا جو نیک طریقے

الْقَرْيَةِ ۘ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١٣﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے بھیجے ہوئے رسول ۱۳ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو

انہوں نے رائج کیے جن پر آنے والی نسلیں گامزن رہیں ان کی جزا سے تہی دامن رکھنا کوئی مشکل نہیں ہوگا اسی طرح جو بُرے کام کسی نے خود کیے اور جن اجتماعی اور متعدی خرابیوں کے جراثیم وہ اپنے معاشرہ کو بطور ورثہ دے کر یہاں سے سدھارے ان سب کا ریکارڈ ہمارے پاس محفوظ ہے اس لیے ان کو سزا دینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

علامہ راغب لفظ امام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الامام المؤتم به انسانا كان يقتدى بقوله او فعله او كتابا او غير ذلك محقا كان او مبطلا وجمعه ائمة۔ یعنی امام اس کو کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ انسان ہو یا کتاب وہ حق پر ہو یا باطل کا علمبردار۔ اس کی جمع ائمہ ہے۔ آیت میں امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔

۱۳ عام طور پر ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ جس گاؤں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد انطاکیہ ہے جو ملک شام کا ایک شہر ہے اور پہلے دو رسول جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھیجے تھے ایک کا نام صادق اور دوسرے کا نام مصدوق تھا جب ان کو ستایا گیا اور تکلیف پہنچائی گئی تو ان کی مدد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیسرا رسول بھیجا اس کا نام شمعون تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑ کر آیا تھا اس کا نام حبیب نجار تھا۔

لیکن محققین نے ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ تفصیلات کئی وجوہ سے قابل اعتماد نہیں۔

۱۔ جن حضرات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ اپنا تعارف لوگوں سے یوں کراتے ہیں: قالوا ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون۔ کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہمیں صرف تمہاری طرف بھیجا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے رسول تھے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے حواری اور فرستادہ تھے۔ اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا انداز یہ نہ ہوتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں جس گاؤں کا ذکر ہے اس کے باشندوں نے ان رسولوں یا فرستادوں کا انکار کیا ہے ان کو طرح طرح سے اذیتیں دیں۔ ان کو منحوس تک کہا اور اپنی ساری شامتوں کا باعث انہیں قرار دیا یہاں تک کہ ان کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ ان حضرات کے بار بار سمجھانے کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا یہاں تک کہ عذاب الٰہی ایک کڑک کی صورت میں نازل ہوا اور اس بستی اور اس میں بسنے والوں کو خاک سیاہ بنا دیا۔ جب ہم انطاکیہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے مسیحی دین کو قبول کیا اس کی ساری آبادی حضرت مسیح پر ایمان لائی۔ اس لیے آج تک اس کا شمار ان چار شہروں میں ہوتا ہے جو عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ نیز یہ بھی کسی تاریخ میں مذکور نہیں کہ اس شہر پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور یہ نیست و نابود ہو گیا۔ ان حقائق کے پیش نظر قرآن میں مذکورہ قریہ کو انطاکیہ اور رسولوں سے مراد حضرت عیسیٰ کے حواری لینا بعید از قیاس ہے۔

اس لیے مناسب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گاؤں کا نام ذکر نہیں کیا اور ان رسولوں کا تعین بھی نہیں فرمایا تو ہم اپنے آپ کو

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا

انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے کہا ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ

بستی والوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز نہیں ہو تم

اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

مگر جھوٹ بول رہے ہو ۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ۔

اس الجھن میں ستشرقین یورپ کے مستشرقین کو قرآن کریم پر اعتراض کرنے کا ایک نیا موقع بہم پہنچا ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے پیارے رسول! کفار مکہ اور مشرکین عرب آپ سے الجھ رہے ہیں۔ آپ ان کے سامنے ان لوگوں کا واقعہ بطور نصیحت پیش کیجیے جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور انہیں تباہ کر دیا گیا۔ شاید یہ واقعہ سن کر انہیں عبرت حاصل ہو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں اور گمراہی سے باز آجائیں۔

ٹلہ پہلے دو رسول اس شہر میں تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں کو راہ ہدایت پر چلنے کی دعوت دی لیکن وہاں کے باشندے بپھر گئے اور انہیں جھٹلانا شروع کر دیا اور طرح طرح سے اذیت پہنچانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقویت کے لیے ایک تیسرا رسول بھیج دیا اور تینوں نے مل کر تبلیغ کا کام زور شور سے شروع کر دیا۔ وہاں کے لوگ حقیقت شناس نہ تھے وہ اس نور نبوت کو نہ دیکھ سکے جو ان کی جبینِ سعادت سے چمک رہا تھا۔ وہ روحانیت کی ان لطافتوں کے ادراک سے قاصر تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو بخشی تھیں۔ وہ ان کے ظاہر کو دیکھ کر فریب کھا گئے۔ کہنے لگے کہ تمہارا قد و قامت ہماری طرح، تمہارا چلنا پھرنا ہماری طرح، تم کھاتے پیتے بالکل ہماری طرح ہو تم رسول کیسے بن گئے۔

ٹلہ انہیں ان پاک ہستیوں کے اس دعوے پر بھی اعتراض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوق کی راہنمائی کے لیے کوئی پیغام ہدایت لے آئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے تو خدا ہے ہی نہیں۔ اور اگر واقعی کوئی اتنی جلیل القدر ہستی ہے جس نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، سمندروں جیسی بڑی بڑی عظیم الشان چیزیں بنائی ہیں تو اتنی بڑی ہستی کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ انسان جیسی حقیر مخلوق کے لیے وہ قواعد و ضوابط مرتب کرتا ہے۔ اس لیے ان رسولوں کا یہ دعویٰ ہرگز قابل قبول نہیں۔

ٹلہ ان حضرات نے حلف اٹھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس نے ہی انہیں ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اذ تشھد وا بعلم اللہ تعالیٰ وھو یجری مجری القسم (مظہری)۔ انہوں نے اہل قریہ کو بتا دیا کہ ہمارا فرض صرف اس قدر ہے کہ پیغام حق نہایت مؤثر انداز میں اور پوری دلسوزی سے تمہیں پہنچا دیں۔ اس کو قبول کرنا

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ

اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں شلہ اگر تم

تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا

باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب شلہ رسولوں نے فرمایا

طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے شلہ کیا یہ وجہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے شلہ (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو

یاد دہانی کرانا تمہارا کام ہے ہم نے اپنی ذمہ داری باحسن طریق پوری کر دی ہے۔

شلہ لیکن ان لوگوں کا انکار بڑھتا چلا گیا۔ وہ کہنے لگے جس روز سے تمہارے یہ قدم ہمارے شہر میں آئے ہیں ہم طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہم قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں کبھی کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے کبھی کوئی بیماری شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو ان سب مصائب کا سبب تم ہو۔ تمہاری نحوست سے ہماری مسکراتی ہنستی زندگی غم و اندوہ کا شکار ہو گئی ہے۔ ہماری معاشی خوشحالی افلاس و تنگدستی میں بدلتی جا رہی ہے۔ تمہاری گستاخیوں سے ہمارے دیوتا ہم پر ناراض ہو گئے ہیں۔

شلہ اب بہتر یہ ہے کہ تم اپنے وعظوں کا یہ سلسلہ بند کر دو ہمارے معبودوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے باز آ جاؤ ہمیں اپنے حال پر رہنے دو اور ہمیں بار بار تنگ نہ کرو۔ ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ ہمارے شہر میں تم صرف تین ہو۔ ہم تمہیں پکڑ لیں گے اور ایک چوراہے میں کھڑا کر کے اتنی سنگباری کریں گے کہ تمہاری بوٹی بوٹی الگ ہو جائے گی اور ہم تمہیں سخت المناک سزا دیں گے۔

شلہ ان حضرات نے فرمایا تمہاری بدبختی اور بدفالی تو تمہارے ساتھ ہے۔ جب تم اس دنیا میں آئے تھے تو تمہارا فال نامہ تمہارے گلے میں لٹکا دیا گیا تھا۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ تم اپنے منہ زور کرتوت ہو جس کے باعث تلخ و ترش حادثات کا تم شکار ہوتے ہو۔ جہالت اور توہم پرستی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عہد جاہلیت میں نیک و بد شگون کا بڑا رواج تھا۔ کئی چیزیں ان کے نزدیک منحوس تھیں۔ اگر صبح سویرے ان میں سے کوئی چیز انہیں دکھائی دیتی تو سمجھتے تھے کہ آج کا دن بڑا منحوس ہے۔ اگر سفر پر جاتے اور ایسی چیز سے آمنا سامنا ہو جاتا تو گھر واپس آ جاتے اور سفر کا ارادہ ترک کر دیتے۔ تطیر کا معنی ہے کسی سے برا شگون لینا اور اسے منحوس سمجھنا۔

شلہ یہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے۔ ان ذکرتم تطیرتم بنا وتوعدتونا۔

یعنی ہم اگر تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بدفالی پکڑنے لگتے ہو اور ہمیں سنگسار کرنے کی دھمکیاں دینے لگتے ہو تمہارا یہ رویہ ہرگز معقول نہیں۔ چاہیے تو یہ کہ تم ہماری باتوں میں غور و فکر کرتے۔ لیکن تمہارے طریقہ کار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنا تمہارا شیوہ نہیں۔ تم اس معاملہ میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے ہو۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا

اور آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم! پیروی کرو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ ٢١

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ

اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے ٢٢ کیا

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ

(میرے لیے جائز ہے کہ) میں بنالوں اس کے سوا کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ

٢١۔ جب حالات زیادہ خراب ہوگئے اور وہاں کے باشندوں نے ان حضرات کو سنگسار کرنے کی تیاری شروع کر دی تو اسی شہر کے ایک دور دراز گوشہ میں ایک سلیم الفطرت آدمی رہتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان لوگوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑے ہوئے ہو۔ یہ کافی عرصہ سے یہاں مقیم ہیں اور بڑی دلسوزی سے تمہیں اس دعوت کو قبول کرنے کی تلقین کر رہے ہیں جسے وہ حق سمجھتے ہیں اور تم ان پر برابر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہو۔ میں بھی تمہارے شہر کا باشندہ ہوں اور تمہاری قوم کا ایک فرد۔ میرا مخلصانہ مشورہ تو یہ ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ اور ان کا اتباع شروع کر دو۔ ان کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کبھی تم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ چندہ کی اپیل نہیں کی۔ اگر یہ سچے نہ ہوتے اور اپنی دعوت میں مخلص نہ ہوتے بلکہ کسی دنیاوی مقصد کے لیے انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہوتا تو دو چار ماہ، سال دو سال میں ان کا بھرم کھل جاتا۔ ان کی خود غرضی سامنے آجاتی۔ لیکن آج اتنا عرصہ گزر گیا۔ کیا تم ان کے اخلاص پر کوئی اعتراض کر سکتے ہو۔ نیز وہ خود بھی ان احکام پر بڑے اہتمام کے ساتھ عمل پیرا ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم وہ تمہیں دیتے ہیں۔ خود بھی اسی راستہ پر گامزن ہیں جس پر چلنے کی وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں۔ ایسے مخلصین کی نیت پر شک کرنا اور ان پر ایمان نہ لانا بڑی بے انصافی ہے۔

٢٢۔ تم اپنے لیے جو چاہو راستہ اختیار کرو۔ البتہ میں تو اپنے خالق کی عبادت سے سرتابی نہیں کر سکتا اور نہ اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا الٰہ اور معبود مان سکتا ہوں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ تمہیں ہمیشہ اس دنیا میں زندہ نہیں رہنا ہے۔ ایک دن آنے والا ہے جب تم یہاں سے کوچ کرو گے اور اپنے رب کے حضور پیش کر دیئے جاؤ گے۔ تو ذرا سوچو اگر ساری عمر اس کی نافرمانی میں برباد ہوگئی تو کس منہ سے وہاں حاضر ہو گے۔

شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ

بچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے ٢٣ اگر میں شرک کروں، تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا ٢٤ میں ایمان لے آیا ہوں

بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ

تمہارے رب پر پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو ٢٥ حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا ٢٦ وہ بولا کاش! میری قوم بھی

یَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَاۤ

جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے با عزت لوگوں میں ٢٧ اور نہ

٢٣ آخر میں اپنے رب حقیقی کے بغیر کسی بے بس اور ضعیف چیز کو خدا کیونکر مان لوں۔ ان کی تو یہ مجال ہی نہیں کہ اگر میرا رحمان مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو وہ اگر زبردستی مجھے اس کی گرفت سے چھڑا لیں یا میری سفارش ہی کر سکیں۔ ایسے نکمے اور بیکار خداؤں کو مان کر میں کیا کروں گا۔

٢٤ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اگر میں پھر شرک میں مبتلا ہو جاؤں تو مجھ سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا۔

٢٥ حق کتنا جری ہوتا ہے۔ حق کا علمبردار کتنا نڈر اور بیباک ہوتا ہے اس آیت کو پڑھ کر ہی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سماں بھی ایک عجب ہے۔ قوم کے تمام رئیس اور سردار ایک طرف ہیں۔ سارے مذہبی پیشوا اور سارے سیاسی حکام آگ بگولا ہو رہے ہیں۔ سارا ماحول غیظ و غضب سے بھرا ہوا ہے۔ حالات کے بھڑکتے ہوئے اس آتشکدہ میں کھڑا ہو کر ایک مومن ہی یہ اعلان کر سکتا ہے: اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ۔ سارے دشمنو! میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں اور میرا جس کے جی میں آتا ہے بگاڑ لے۔ مجھے اس کی ذرا پروا نہیں۔ اس مرد پاکباز نے آمنت بربی (میں اپنے رب پر ایمان لایا ہوں) نہیں کہا بلکہ بربکم فرمایا تاکہ انہیں یہ احساس دلائے کہ میں خدا کا وہ بندہ ہوں جو صرف اس کا پروردگار نہیں بلکہ ان سب کا پروردگار بھی ہے۔

٢٦ لوگوں نے اس پر پتھروں کی بارش کر دی اور چند لمحوں میں اس کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔

خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جسم تو یہ چور چور ہو رہا ہے اور ادھر سے صدا آ رہی ہے اے عاشق دلفگار آ جاؤ۔ جنت کی بہاریں تمہارا انتظار کر رہی ہیں، خیابان رحمت کے رنگین پھولوں کے ہار لے کر حوریں تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں اور میرا حسن ازل تیرے دل بیتاب اور چشم مشتاق کی حسرتوں کو پورا کرنے کے لیے نقاب الٹنے ہی والا ہے۔

٢٧ قوم نے ظلم کی حد کر دی۔ لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن ہمدردی کا جذبہ سرد نہیں ہوتا۔ کہتا ہے کاش میری قوم کو پتہ چل جائے۔ اسے جا کر کوئی بتا دے کہ سرفروشی اور جانبازی کی راہ پر چل کر تمہارے اس مقتول اور شہید بھائی نے کچھ کھویا نہیں بلکہ بہت کچھ پایا ہے۔

اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا

اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی

مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾

ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

صد افسوس ان بندوں پر۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ

مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور یہ وہ (آج تک) ان کی

بے قصور! میرے رب نے معاف کر دیے ہیں اور مجھے ان لوگوں کی صف میں جگہ دے دی ہے جن کو اس نے اعلیٰ مقام اور لازوال عزتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس پر سچے دل سے ایمان لایا تھا اور جب امتحان کے میدان میں مجھے کھڑا کیا گیا میں نے جان دے دی، لیکن اپنے ایمان پر آنچ نہیں آنے دی۔ حضرت علامہ مرحوم کا ارشاد ملاحظہ ہو :

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس شخص کا نام حبیب نجار تھا۔ علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ حبیب اہل انطاکیہ سے تھے اسے شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ انطاکیہ میں مومن اور کافر دونوں آباد تھے۔ وہ خوفناک کڑک جس نے کفار کو موت کی نیند سلا دیا، اہل ایمان کو اس سے محفوظ رکھا گیا یہاں تک کہ جو اہل ایمان محو خواب تھے وہ بدستور سوتے رہے ان کی آنکھ بھی نہ کھلی۔ انطاکیہ کے بازار میں ایک مسجد ہے اس مسجد کو مسجد حبیب کہا جاتا ہے۔ اس کے صحن میں ان کا مزار پر انوار ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں۔

(آثار البلاد و اخبار العباد للقزوینی ص ١٥١ مطبوعہ بیروت)

مشہور جغرافیہ دان علامہ یاقوت حموی متوفی ٦٢٦ھ اپنی کتاب معجم البلدان میں 'انطاکیہ' کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں :

"انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے دور و نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیات انہی حبیب کے حق میں نازل ہوئیں وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعی الخ لیکن یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ علامہ ابن کثیر کی رائے آپ چند صفحے پہلے پڑھ آئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٢٠۔ ہمیں ان سرکشوں کی سرکوبی کے لیے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جب ہم نے ان کو تباہ کرنے کا

إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾ وَ ع ۲

طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور

آيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ۳۲ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ

يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا

اسی سے کھاتے ہیں ۳۳ اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیے اس میں

فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ

چشمے ۳۴ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے

نیست کیا تو ایک ایسی گرج اور کڑک پیدا کی کہ وہ چشم زدن میں بجھی ہوئی راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ خامدین، خمد کی جمع۔ آگ کے بجھ جانے کو خمود کہتے ہیں۔ یعنی پہلے وہ آگ کے انگاروں کی طرح دہک رہے تھے اور اس کے شعلوں کی طرح لپک رہے تھے۔ ایک گرج نے ان مغروروں کا قصہ تمام کر دیا جیسے کسی نے منوں پانی ڈال دیا ہو۔

۳۲ یہاں سے ان تکوینی دلائل کے بیان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو توحید اور قیامت کے منکرین کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ایسے دلائل نہیں کہ وقتی طور پر تو مدمقابل کو خاموش اور لاجواب کر دیں، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد بغاوت کا مادہ پھر ابھرنے لگے۔ بلکہ ان دلائل میں غور کرنے سے دل کو یقین کا گوہر نصیب ہو جاتا ہے اور روح کو اطمینان اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ پہلی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بنجر اور مردہ زمین جس میں نباتاتی زندگی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی جب اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو اس میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ زندگی کی مردہ قوتیں اپنی ساری شوخیوں اور رعنائیوں کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے رنگ و بو کے گلزار چمن مسکرانے لگتے ہیں۔

۳۳ کسان جو تخم ریزی کرتا ہے اس کی بالیں زمین کے جگر کو چیرتی ہوئی باہر نکل آتی ہیں۔ چند مہینوں میں فصل پک جاتی ہے جس سے تم غذا حاصل کرتے ہو۔

۳۴ اور ہم باغ اگا دیتے ہیں اور ان باغوں میں کھجور کے لانبے لانبے درخت بھی اگتے ہیں جو آسمان کو چھو رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف انگور کی نازک بیلیں ہیں جو زمین پر بچھی چلی جاتی ہیں۔ جن کو اوپر اٹھانے کے لیے تم چھپر بناتے ہو۔ وہاں چشمے ابل رہے ہوتے ہیں جن سے تمہارے باغ آبپاش ہوتے ہیں۔ تم ان پھلوں کو یا تو جوں کا توں کھاتے ہو یا ان کو مختلف شکلوں میں بدل کر ان سے

أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ

کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے

الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ

اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے ٣٣ے اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا

ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ٣٤ے اور یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔

لطف اندوز ہوتے ہو۔ ایک آم کے پھل ہی کو لیجیے۔ ابتدائی حالت میں اس سے ترشی اندیشی بنتی ہے جب وہ پھل کچھ بڑا ہوتا ہے تو اس کا اچار بنایا جاتا ہے۔ چند ماہ بعد اس کا مربہ جاکر چٹنی اور شیشے کے خوبصورت مرتبانوں میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ جب آم پک جاتے ہیں یا تو تم ان ہی کا رس چوس لیتے ہو یا ان کو کاٹ کر کھاتے ہو۔ یا کہیں ملک شیک بن رہی ہوتی ہے کہیں آئس کریم۔ وما عملته ایدیھم میں انہی چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ وما عملت الآیۃ کا ایک دوسرا مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ سرسبز و شاداب کھیت، یہ بہار آفریں باغات اور رنگین اور لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیاں، یہ رنگا رنگ مہکتے ہوئے پھول ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جو تمہارے ہاتھوں نے بنائی ہو۔ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت آفرینیوں کا اعجاز ہے۔ اس صورت میں ما موصولہ نہیں بلکہ نافیہ ہوگا۔

٣٣ے یہ نہ سمجھو کہ انسان اور حیوانات کو ہی مذکر و مؤنث پیدا فرمایا ہے اور اسی طرح ان کی بقا اور نشو و نما کا انتظام کر دیا ہے بلکہ اس سبوح و قدوس نے زمین سے جو چیزیں اگائی ہیں انہیں جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ نر اور مادہ کا سلسلہ درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں، جھاڑیوں، گھاس غرضیکہ جو چیز زمین سے اُگتی ہے اس کو نر و مادہ میں تقسیم کر دیا ہے اور وعصلنا الریاح لواقح سے پتا دیا کہ نر درخت کے تولیدی اجزا کو ہوائیں اٹھا کر مادہ کے پاس لے جاتی ہیں۔ اور اسے بار آور کرتی ہیں۔ تلقیح کا عمل صرف حیوانات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ حیوانات، نباتات اور ایسی اجناس ہیں کہ ابھی تم جانتے بھی نہیں ہو۔ وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔

(مزید تشریح کے لیے ضیاء القرآن جلد دوم سورہ حجر آیت ٢٢ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

٣٤ے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک اور دلیل بیان کی جا رہی ہے۔ جب دن ہوتا ہے تو ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے جب رات آجاتی ہے نور غائب ہو جاتا ہے اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اگر ہمیشہ دن کا اجالا رہتا یا ہر وقت رات کی تاریکی پھیلی رہتی تو یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ نیرنگی فطرت کے کرشمے ختم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عروس کائنات کو شب و روز کا تسلسل قائم کر کے سجایا۔ پھر اس میں مسند کرامت بچھائی اور حضرت انسان کو اس پر بٹھا دیا۔ اب بھی اگر انسان اپنے کریم رب کا

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ

یہ انداز مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا) کا جو عزیز (اور) علیم ہے۔ ۳۴ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں

كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ

آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند ۳۵ نہ سورج کی یہ مجال کہ (دوڑ کر) چاند کو پکڑ لے اور نہ

وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ

رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب ستارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں ۳۶ اور ایک نشانی ان

اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ

کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی ۳۷ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس کشتی کی مانند

شکر کرے تو اس سے بڑی احسان فراموشی اور نادانی کیا ہو سکتی ہے۔

سلخ کہتے ہیں جب بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتاری۔ دن کے وقت روشنی کا لبادہ جو دنیا کو پہنایا جاتا ہے، جب رات آتی ہے تو آہستہ آہستہ اس لبادہ کو اتار لیا جاتا ہے یہاں تک کہ ہر طرف سیاہی پھیل جاتی ہے۔

۳۴ سورج اپنے مقررہ مقام کی طرف محو حرکت ہے اور اس کی مجال نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ تاخیر سے وہاں پہنچے یا وہاں سے سرک کر کسی اور جگہ پہنچ جائے جو مدار اس کے لیے متعین کر دیا گیا ہے جو ٹائم ٹیبل اس کے طلوع و غروب، ارتفاع و انخفاض کا مقرر کر دیا گیا ہے اس میں کمی بیشی کا امکان تک نہیں۔ نظام الاوقات عزیز علیم کا مقرر کیا ہوا ہے۔ تو اس میں رد و بدل کی گنجائش ہے اور نہ کوئی چیز اس کی خلاف ورزی کر سکتی ہے۔

۳۵ ہماری قدرت پر ایمان لانے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت ہو تو چاند کو دیکھو اور اس کے گھٹنے بڑھنے کو دیکھو کیسے ناخن کے تراشے کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ بڑھتے بڑھتے بدر تمام بن جاتا ہے پھر گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ آخری راتوں میں کھجور کی ایک خمیدہ سوکھی اور زرد ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ ۳۶ سورج اپنے مدار میں مصروف گردش ہے اور چاند اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ انہی دو پر کیا موقوف سارے سیارے بلکہ ثوابت بھی اپنے اپنے مقررہ مداروں میں تیر رہے ہیں کوئی کسی سے ٹکراتا نہیں کوئی کسی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا، کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ کیا قدرت اور حکمت ہے اس قادر علیم کی کہ ان گنت ستارے محو حرکت ہیں اور کبھی کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ (اس کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ الانبیاء آیت ۳۳ کے حاشیہ۔ تسخیر قمر کے متعلق علماء اسلام کی تحقیقات وہاں تفصیل سے مذکور ہیں۔)

۳۷ ہماری قدرت کی مذکورہ بالا آیات کبریٰ اور روشن نشانیوں کو اگر تم پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تو یہ بات تو ہر روز تمہارے مشاہدہ

مَا یَرْکَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ وہ بچائے جاسکیں

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا

بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں ۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس سے

بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ

جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۔ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی

میں آتی رہتی ہے کہ ہم نے دریاؤں اور سمندروں کو تمہارا تابع فرمان بنا دیا ہے۔

۴۲ ؎ فلک مشحون ، وہ کشتی جو سامان اور سواریوں سے بھری ہوئی ہو اس سے مراد سفینہ نوح ہے کس طرح وہ اس عظیم سیلاب کی تند و تیز موجوں اور ہولناک گردابوں سے تمہیں بچا کر لائی پھر ہم نے تمہیں کشتیاں بنانے کا فن سکھا دیا اب دخانی جہاز بلکہ برقی اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے جہاز، آبدوزیں، تیل بردار ٹینکر تم نے بنا لیے ہیں اور دور دراز کی مسافتیں بڑی آسانی سے طے کرتے ہوئے تم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہو۔

۴۳ ؎ وہ یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے جو مضبوط کشتیاں بنالی ہیں یا آج کل جو بڑے مضبوط اور کوہ پیکر جہاز بن گئے ہیں اور ان میں برقی مواصلاتی آلات نصب کر دیے گئے ہیں اب یہ غرق نہیں ہوں گے۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں ایسا خیال ہے تو یہ اس کی کم فہمی ہے۔ ہم جب چاہیں انہیں غرق کر دیں۔ اس وقت ان کی فریاد کو کوئی نہیں سن سکے گا اور نہ سمندر کی لہروں سے انہیں کوئی چھڑا سکے گا۔ آئے دن ہم اخبارات میں یہ پڑھتے رہتے ہیں کہ وہ جہاز اپنے سامان اور اپنے ہزاروں مسافروں سمیت سمندر میں غرق ہو گیا جس جہاز کے بنانے والوں نے اسے اس طرح بنایا تھا کہ وہ کبھی ڈوبے گا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں انسان کے غرور کا بت توڑتی رہی اور توڑتی رہتی ہے اور بیچارے ناچار انسان کو اپنی بے بسی اور ناتوانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

فضائیں ان کی ہوائیں ان کی سمندر ان کے جہاز ان کے — گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

۴۴ ؎ اگر بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل جیسے وسیع و بیکراں سمندروں کو تم سلامتی کے ساتھ عبور کر لیتے ہو تو اس کی دو وجہیں ہیں یا تو ہم تم پر اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتے ہیں، تمہارے بوڑھے ماں باپ، جوان بیوی اور ننھے معصوم بچوں کے صدقے تم کو ساحل مراد تک پہنچا دیا جاتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تمہیں کچھ مدت تک یہاں زندہ رہنے اور متاع دنیا سے لطف اٹھانے کی مہلت دینا چاہتے ہیں اور ہماری حکمت کا یہی تقاضا ہے۔

۴۵ ؎ اور جب انہیں ازراہ نصیحت کہا جاتا ہے کہ اب تو ہوش کرو! اب تو سنبھل جاؤ۔ ساری عمر گناہوں میں اور فسق و فجور

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ

نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں — اور جب انہیں کہا جاتا

لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے — تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کیا ہم انہیں

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ (اے ناصحو!) تم تو بالکل بھٹک گئے ہو۔

میں برباد کر رہی ہے۔ اب بھی باز آ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر معافی مانگو۔ وہ رحیم و کریم تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں نئی اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا ایک اور زریں موقع دستیاب ہو جائے گا۔ لیکن وہ باز نہیں آتے اور جتنے دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کو بڑی بے پرواہی سے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

۴۷۔ اگر وہ [illegible] کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اس کے نادار اور مفلس بندوں کی خدمت کے لیے کچھ خرچ کرو تو وہ بڑی بے حیائی سے اس دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں کہ تم ان نکھٹو مشٹنڈوں کے لیے ان ناداروں اور مفلسوں کے لیے ہم سے مدد کی اپیلیں کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے مفلسی کے عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو یوں محتاج نہ کرتا ہم اس کی مرضی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

اس آیت میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی کتنی صحیح عکاسی کی گئی ہے۔ پہلے بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی اس ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے چند لوگ اس زہریلی ذہنیت کے مالک ہوتے تھے اور آج اس مادی ترقی کے دور میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ پہلے مروت و احسان کی کوئی نہ کوئی جھلک ان لوگوں میں بھی نظر آ جاتی تھی۔ آج یورپ کے اس مشینی دور نے احساس مروت کو بھی کچل کر رکھ دیا ہے۔ دولت کی والہانہ محبت ان کو کس مقام پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ کتنے حجت باز اور حیلہ ساز بن جاتے ہیں۔ جو سیدھی اور صاف بات انہیں کہی جاتی ہے اس کا کتنا الٹا جواب دیتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ نہ تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی انہیں توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ اپنے بھائیوں کی خستہ حالی اور تنگ دستی پر ان کا دل پسیجتا ہے۔ ایسی ہی ذہنیت کے باعث ہی دنیا میں خونی انقلاب آئے۔ کئی شاہی خاندان خون کے تلاطم میں بہہ گئے۔ جھونپڑیوں میں بسنے والوں نے تنگ آ کر محلات اور امراء کی حویلیوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ اس کے باوجود دولت کی محبت کا نشہ کم نہیں ہوا۔ وہی لوگ جو کل سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھے تھے اور اس بے رحم ذہنیت سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دیا تھا۔ آج جب اقتدار اور دولت کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں آئیں، انہیں وہ نعرہ ہی

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ

اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس کا مقررہ وقت بتا دو) ۴۸ یہ (ناہنجار) نہیں انتظار

إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

کر رہے مگر اس ایک چیخ کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے ۴۹ پس نہ وہ (اس وقت)

فراموش ہو گیا۔ انہوں نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح کشتی دیوی کی پوجا شروع کر دی اور سانپ بن کر خزانوں پر بیٹھ گئے۔ مزدوروں، محنت کشوں اور کسانوں وغیرہ کے ساتھ انہوں نے وہی بے رحمانہ سلوک شروع کر دیا۔ ان قرآنی انقلابات کی تاریخ کا جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے محاسبہ کا یقین دلوں میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک جور و ستم کو مٹانے کے لیے جو کوشش کی جائے گی اس سے جور و ستم کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ مسند اقتدار پر فائز ہونے کے بعد اور ملکی خزانوں پر تصرف کا مکمل اختیار رکھنے کے باوجود وہی لوگ دنیا کی محبت سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں جنہیں فیضِ نبوت سے کچھ حصہ مرحمت ہوتا ہے۔

۴۸؎ وہ یہ سوال اس لیے نہیں پوچھتے تھے تاکہ وہ بروقت اپنی اصلاح کر لیں بلکہ از راہ استہزاء پوچھا کرتے تھے۔

۴۹؎ یہاں قیامت کی آمد کا حال بیان ہو رہا ہے۔ قیامت اس طرح نہیں آئے گی کہ پہلے اس کا اعلان کیا جائے کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر کائنات کا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا بلکہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں گے قیامت برپا ہونے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ اچانک حضرت اسرافیل کو بارگاہ الٰہی سے حکم ملے گا کہ صور پھونک کر دنیا کے خاتمے کا اعلان کر دو۔ پھر ایک ہولناک کڑک ہو گی، جس سے ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وقوعِ قیامت کا جو منظر بیان فرمایا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے سماعت فرمایئے:

تقوم الساعة والرجلان قد نشرا ثوبهما يتبايعانه، فما يطويانه حتى تقوم الساعة والرجل يليط حوضه ليسقى ماشيته فما يسقيها حتى تقوم الساعة والرجل يخفض ميزانه وما يرفعه حتى تقوم الساعة والرجل يرفع اكلته الى فيه فما يبتلعها حتى تقوم الساعة۔

ترجمہ: یعنی قیامت اس حال میں قائم ہو گی کہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے۔ انہوں نے کپڑے کا تھان کھولا ہوا ہو گا، اس سے پیشتر کہ وہ اس تھان کو لپیٹیں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک شخص اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے حوض کی لپائی کر رہا ہو گا تو انہیں پانی پلانے سے پہلے ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ ایک آدمی کوئی چیز تول رہا ہو گا اس سے پہلے کہ وہ ترازو اٹھا کر رکھے قیامت برپا ہو جائے گی۔ انسان لقمہ منہ میں ڈالے گا اور گلے سے نگلنے سے پہلے

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۵۰ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ

کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے ۵۰ اور دوبارہ جب صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۵۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ

اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے ۵۱ (اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے

مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۵۲ اِنْ كَانَتْ

ہمیں اٹھا کر لا کھڑا کیا ہے ہماری خواب گاہوں سے ۵۲ (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا رسولوں نے۔ نہیں

قیامت برپا ہو جائے گی۔

۵۰ اس افراتفری میں نہ وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ سکیں گے۔

۵۱ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو نظام کائنات تہ و بالا ہو جائے گا۔ نہ آسمان اپنی جگہ پر قائم رہے گا اور نہ زمین باقی رہے گی پہاڑ بھی روئی کے گالے کی طرح ہوا میں تیرنے لگیں گے۔ انسان بھی جیسے ننھے ننھے کیڑے پتنگوں کی طرح بے سدھ ادھر ادھر گر پڑیں گے پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور سب اپنی قبروں سے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور تیزی سے خداوند ذوالجلال کی عدالت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑیں گے کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ اجداث: اس کا واحد جدث ہے، قبر۔ ینسلون کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں: ونسل فی العدو ینسل نسلا ونسلانا ای اسرع، قال تعالیٰ الی ربھم ینسلون (صحاح) نسل کا معنی ہے تیزی سے بھاگنا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ھو الاسراع فی المشی فالمعنی یخرجون مسرعین: یعنی تیزی سے چلنا۔ آیت کا معنی ہے کہ وہ بڑی سرعت اور عجلت سے قبروں سے باہر نکل رہے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچنے میں تاخیر نہ ہو جائے۔ (قرطبی)

۵۲ منکرین قیامت قبروں سے نکل کر جب میدان حشر میں کھڑے ہوں گے تو اپنا سر پیٹ لیں گے اور کہیں گے آج تک ہم اس کا انکار کرتے رہے۔ اسے محال عقلی گردانتے رہے لیکن ہمیں پکڑ کر یہاں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ پوچھیں گے کون ہے جس نے ہمیں اپنی خواب گاہوں سے جگا کر یہاں لا کر کھڑا کر دیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے نفخہ اور دوسرے نفخہ کی درمیانی مدت میں کفار سے عذاب قبر ہٹا لیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے۔

۵۳ اس وقت تعصب کی پٹی آنکھوں سے کھل جائے گی۔ یاد آ جائے گا کہ یہ تو وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور ہم اس کو جھٹلاتے رہے اور اس کے نبیوں کو جھوٹا کہتے رہے اور ان پر یہ الزام لگاتے رہے کہ یہ لوگ ایسی انہونی باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ ہائے آج پتہ چلا کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہی تھا اور اس کے نبیوں نے

إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ

ہوگی مگر ایک زور دار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ۔ پس آج نہیں

لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ أَصْحَابَ

ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے ۔ بیشک اہل

الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى

جنت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع)

جو کچھ ہمیں بتایا تھا وہ سچ تھا ہم ہی کم بخت اور نادان تھے کہ اس کو نہ مانا اور آج ان حالات سے دوچار ہیں کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے سوال کا جواب فرشتے دیں گے۔

۵۳ پھر ایک اور ہولناک چیخ کی آواز آئے گی اور سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔

۵۴ اس روز کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں ہوگی۔ عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔

۵۵ اہل جنت پر نعیم جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہ وہاں کی لذتوں اور لطف و سرور میں اس طرح کھو جائیں گے کہ انہیں دوسری کسی بات کی خبر تک نہ ہوگی۔ وہ اور ان کی بیگمات جنت میں ان ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں مرصع اور آراستہ مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر قسم کے پھل زریں تھالوں میں رکھ کر حور و غلمان ان کی خدمت میں پیش کریں گے ان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی جو چیز طلب کریں گے مہیا کر دی جائے گی۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

" والاولی ان یقال فی شغل مایشتھونہ فالصوفیۃ العلیۃ الذین لا مقصود لھم الا اللہ تعالیٰ شغلھم التمتع والاستغراق فی التجلیات الذاتیۃ علی حسب مدارجھم وغیرھم کان شغلھم بالسماع والریاح والاکل والشرب والجماع علی حسب شھواتھم ورغباتھم " (مظہری)

ترجمہ : یعنی ہر ایک اپنی خواہش کے مطابق مشغول ہوگا۔ صوفیائے کرام جن کا مقصود اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں ان کا شغل یہ ہوگا کہ وہ اپنے مدارج کے مطابق تجلیات ذاتیہ کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق ہوں گے اور دوسرے لوگ اپنی دنیاوی لذتوں میں اپنی خواہش کے مطابق مشغول ہوں گے۔

علامہ مذکور نے ابو نعیم سے بایزید بسطامی کا ایک قول نقل کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے :

الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾

تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں (ہر طرح کے لذیذ) میوے ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں

سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

تم سلامت رہو (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے [1] اور (حکم ہوگا) اے مجرمو (ذرا تم دوسروں سے) آج الگ ہو جاؤ [2]

"اخرج ابو نعیم عن شیخ طریقتنا ابی یزید البسطامی انہ قال ان للہ خواص من عبادہ لو حجبہم عن رؤیتہ لاستغاثوا کما یستغیث اھل النار بالخروج من النار"

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے خاص بندے بھی ہیں کہ اگر انہیں دیدار جمال خداوندی سے روک دیا جائے تو وہ جنت میں اس طرح آہ و فغاں اور فریاد کرنا شروع کر دیں جس طرح جہنمی آگ سے نکلنے کے لیے چیخ و پکار کریں گے

[1] سب خوشیاں، سب راحتیں بجا۔ لیکن رب کریم خداوند ذوالجلال وہ محبوب حقیقی جس کو راضی کرنے کے لیے وہ عمر بھر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ جب وہ انہیں اپنے خطاب جاں افروز سے نوازے گا۔ تو اس وقت ان کی مسرت اور فرحت افزائی کی انتہا ہو جائے گی۔

اس آیت کی جو تفسیر زبان رسالت نے فرمائی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

"عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بینا اھل الجنۃ فی نعیمہم اذ سطع علیہم نور فرفعوا رؤوسہم فاذا الرب تعالیٰ قد اشرف علیہم من فوقہم فقال السلام علیکم یا اھل الجنۃ کذلک قولہ تعالیٰ سلام قولا من رب رحیم۔ قال فینظر الیہم و ینظرون الیہ فلا یلتفتون الی شیء من النعیم ما داموا ینظرون الیہ حتی یحتجب عنہم و یبقی نورہ و برکتہ علیہم و فی دیارہم" (رواہ ابن ماجہ، ابن کثیر)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف جھانک رہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! السلام علیکم۔ سلام قولا من رب رحیم سے یہی مراد ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اس کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمال حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے جنت کی کسی دوسری نعمت کا انہیں خیال تک بھی نہیں رہے گا یہاں تک کہ حسن حقیقی پردہ فرمائے گا۔ لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے مکانوں پر ضیاء بار رہے گی۔

[2] اہل جنت پر تو یہ کرم ہوگا اور مجرموں کو حکم ہوگا کہ الگ الگ صفیں بناؤ۔ کوئی فرقہ دوسرے فرقہ کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو۔ چنانچہ یہودی، عیسائی، آتش پرست، بت پرست، ملحد، دہریے سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

کیا میں نے تمھیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ

کھلا دشمن ہے [۵۷] اور میری عبادت کرنا ۔ یہ سیدھا راستہ ہے [۵۸] اور (بایں ہمہ) گمراہ

اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۚ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ

کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت لوگوں کو [۵۹] کیا تم عقل (و خرد) نہیں رکھتے تھے ۔ [۶۰] یہ ہے وہ جہنم

الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ

جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم

پھر دوزخ میں ہر فرقہ کے لیے الگ الگ زندان خانے موجود ہوں گے ہر گروہ کو اس کے مخصوص جیل میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا جائے گا جو پھر نہ کھل سکے گا۔ فنعوذ باللہ تعالیٰ من سخطہ وعذابہ ۔ یا اللہ ہم تیری ناراضگی اور تیرے عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ ابتدا میں حشر کے میدان میں مومن کافر سب ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔ بعد میں مجرموں کو حکم ملے گا تم اہلِ ایمان سے علیحدہ ہو جاؤ۔

[۵۷] ان مجرموں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج منہ بسورنے اور چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم نے اپنے انبیاء اور ان کے نائبین علماء ربانیین کے ذریعہ سے تمھیں تاکیدی حکم دیا تھا اور بار بار وصیت کی تھی کہ دیکھنا شیطان کی بندگی اور اطاعت شروع نہ کر دینا کیونکہ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے وہ تمھیں جہنم رسید کر کے رہے گا۔

[۵۸] شیطان کی بندگی کو چھوڑ کر میری عبادت کرنا کیونکہ میں ہی تمہارا خالق ہوں، میں نے ہی تمہاری بقا اور نشو و نما کے لیے ہر قسم کے سارے وسائل بہم پہنچا دیے ہیں اور تمہاری ابدی زندگی کے متعلق بھی فیصلہ کرنے کا اختیار صرف مجھے ہے اور مجھ سے بڑھ کر تم پر کوئی شفقت اور رحمت فرمانے والا نہیں۔ اگر تم میرا حکم مانو گے، میری اطاعت کرو گے تو یہی صراطِ مستقیم ہے جس پر چل کر تم منزلِ مقصود پا سکتے ہو۔

[۵۹] اتنے تاکیدی احکام کے باوجود تم نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ ہماری ہدایت کو پس پشت ڈال دیا جس طرح شیطان تم میں سے ایک انبوہ کثیر کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جبلًا: الجماعۃ العظیمۃ اطلق علیہم تنبیھاً بالجبل فی العظم یعنی انبوہ کثیر کیونکہ یہ پہاڑ کی طرح عظیم ہوتا ہے اس لیے

نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَتَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا

مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان

كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡيُنِهِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ

(اعمال) پر جو وہ کیا کرتے تھے ۶۵؎ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف

جلا کر گیا۔ (مفردات)

۱۷؎ واقعی اس سے بڑی حماقت اور نادانی کیا ہو سکتی ہے۔

۱۸؎ پہلے فرمایا گیا کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔ سب کے ساتھ خواہ کوئی باغی یا سرکش ہی کیوں نہ ہو، پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جو فیصلہ کیا جائے گواہوں کی گواہی اور دیگر دلائل کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ اگر فیصلہ کرتے وقت گواہوں کو نظر انداز کر دیا جائے، کسی ثبوت کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے، تو وہ فیصلہ اگرچہ مبنی برحق ہو تب بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت صحیح طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قاضی بڑی احتیاط سے ساری کارروائی مکمل کرتا ہے۔ گواہ پیش ہوتے ہیں، دوسرے دستاویزی ثبوت فراہم کیے جاتے ہیں پھر قاضی اپنے فیصلے کا اعلان کرتا ہے اس پر دوسرا تو کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا، لیکن جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوتا ہے وہ سراپا احتجاج بن کر گواہوں کو جھوٹا اور دستاویزوں کو جعلی قرار دے دیتا ہے۔ اگرچہ ایسے آدمی کا شور و غل قطعاً کوئی معنی نہیں رکھتا، بہرحال اس کے دل میں تو ایک قسم کی موہوم سی خلش باقی رہ جاتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائے گا وہ اتنا قطعی اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہو گا کہ خود وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا ہو گا وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل درست اور سراسر حق ہے۔

اس لیے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ مجرمین جب عدالت خداوندی میں پیش ہوں گے۔ ان پر فرد جرم عائد کیا جائے گا تو وہ اقبال جرم سے مکر جائیں گے۔ کراماً کاتبین گواہی دیں گے۔ ان کے صحائف عمل پیش کیے جائیں گے لیکن وہ نہ ماننے کی رٹ لگانے سے باز نہ آئیں گے۔ بزبان غالب کہیں گے:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ان کی بک بک جب حد سے تجاوز کر جائے گی اس وقت ان کے منہ سی دیے جائیں گے۔ ان کی زبانوں سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو حکم دیا جائے گا کہ تم بتاؤ انہوں نے کیا کیا کرتوت کیے۔ ہاتھ اور پاؤں عینی شاہد کی حیثیت سے سارا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس کے بعد ان کی وہ ساری حجت بازی ختم ہو جائے گی اور بجز خاموشی اور تسلیم کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہے گا۔

فَأَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

کرتے مگر اب ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا ٦٦ اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے انہی جگہوں پر

مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا

پھر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے ٦٧ اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو کیا یہ

يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ٦٨ اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر ٦٩ اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے یہ نہیں ہے مگر

٦٦ کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ قیامت کے دن تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر ہوگا لیکن اس دنیا میں وہ آزاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر ہیں جو چاہیں کرتے پھریں انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا فرمایا ایسا نہیں۔ اگر ہم اس وقت چاہیں تو ان کو آن واحد میں عذاب کے ایسے شکنجے میں کس دیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ اگر چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ایسا مٹا کر رکھ دیں کہ آنکھ تو رہے نہ بینائی۔ یوں دکھائی دے کہ یہاں آنکھ نام کی کوئی چیز سرے سے تھی ہی نہیں۔ الطمس: ازالۃ الاثر ماتحو۔ یعنی کسی چیز کو یوں مٹا دینا کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے اور پھر وہ راہ بھی ان کو دکھائی نہ دے جس پر ہر روز ان کی آمد و رفت تھی۔

٦٧ ہمارے اختیار اور قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ اب بیٹھے ہوئے ہیں وہاں سے اٹھنے ہی نہ پائیں کو ہم ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ انہیں پتھر بنا دیں۔ کسی دوسرے بدنما جانور کی شکل میں انہیں تبدیل کر دیں۔ نہ آگے جاسکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔ ہم نے انہیں جو ڈھیل دے رکھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہیں یا وہ اتنے طاقتور ہیں کہ ہم ان سے نمٹ نہیں سکتے۔ یہ تو محض ہمارا کرم ہے کہ ہم نے انہیں مہلت دی ہوئی ہے۔

٦٨ جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں اس کی قوتیں آہستہ آہستہ جواب دینے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس طرح چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے جس طرح وہ بچپن میں تھا۔ نکس الشئی ای نکسہ نکسا: قلبہ جعلہ راسہ۔ کسی کو سر کے بل اوندھا گرا دینا۔

٦٩ کفار قرآن کریم کو شعر اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس الزام کی تردید فرمادی اور بتایا کہ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر کہنا حضور کے شایانِ شان ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کفار کس معنی میں قرآن کو شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے اور کس معنی میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ شعر کا عرفی معنی تو یہ ہے کہ الکلام الموزون المقفیٰ وہ کلام جس کا وزن بھی ہو اور قافیہ بھی۔ اور شاعر اسے کہتے ہیں جو قصداً اور ارادۃً موزوں اور مقفیٰ کلام کہے۔ اس معنی کے مطابق نہ قرآن شعر کہا جاسکتا ہے اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر۔ اور اہلِ عرب جو حقائق نعت

وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے ۴۳؎ تاکہ وہ ہر وقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا

ہوجائے کفار پر۔ ۴۴؎ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھ

فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا

سے بنائی مویشی پھر وہ اب ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے

سے واقف تھے وہ ایسی غلط بات کیونکر کہہ سکتے تھے اس لیے یہاں شعر سے مراد جھوٹ اور خیالی تک بندی ہے۔ اور شاعر سے مراد وہ آدمی جو حقائق اور صداقتوں کو نظر انداز کردے اور وہم و گمان کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے کبھی کسی کی مدح کرے یا ذم مبالغہ آرائی اور خیال آفرینی سے باز نہ آئے۔ شاعری میں بھی کیونکہ یہی کچھ ہوتا ہے جھوٹ کی ملاوٹ کے بغیر شعر میں رنگینی اور جاذبیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے عرب کہتے ہیں اَعْذَبُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهُ۔ بہتر اور عمدہ شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"وقال بعض المحصلين لم يقصدوا هذا المقصد فيما رموه به وذلك انه ظاهر من الكلام انه ليس على اساليب الشعر ولا يخفى ذلك على الاغتام من العجم فضلا عن بلغاء العرب وانما رموه بالكذب فان الشعر يعبر به عن الكذب والشاعر الكاذب حتى سمي المقوم الادلة الكاذبة الشعرية۔" (مفردات)

ترجمہ: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ کفار جب حضور پر شعر کہنے کی تہمت لگاتے تو اس سے ان کی مراد شعر کا اصطلاحی معنی نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم شعر کے اسلوب پر نہیں ہے اور یہ حقیقت عجمی جاہلوں پر بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ عرب کے بلغاء اس حقیقت سے ناواقف ہوں۔ بلکہ حضور پر کذب کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ جھوٹ کو شعر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور جھوٹے کو شاعر کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں۔

۴۳؎ یہ کتاب مبالغہ آرائی، خیالی آفرینی اور جھوٹ کا پلندا نہیں ہے یہ تو سراسر نصیحت و موعظت ہے۔ جو بات اس میں بیان کی گئی وہ محض حق ہے۔ نہ اس میں مبالغہ ہے نہ عبارت آرائی ہے۔ نہ بیان حقیقت میں بال برابر تجاوز یا کمی کی گئی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس میں احکام الٰہی، حقائق عالم اور زندگی کی صداقتوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۴۴؎ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو بروقت متنبہ کردیا جائے جن کے ضمیر ابھی مردہ نہیں۔ جن میں حق پذیری کی قوتیں ابھی موجود ہیں اور جن کے دل مر چکے ہیں اور جن میں حق قبول کرنے کی استعداد ختم ہو چکی ہے ان پر عذاب الٰہی کے نزول کی

يَأْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا

ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان (مویشیوں) میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے اور

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ

ان (ظالموں) نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں ۷۵ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی ۷۶

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا

اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں ۷۷ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول۔ ہم خوب جانتے ہیں

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ

جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ۷۸ کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا

حجت تمام کر دے۔

۷۵ یعنی ان لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے کہ رزق ہمارے دسترخوان سے کھاتے ہیں، وہ جانور جن پر یہ سواری کرتے ہیں، جن کا گوشت کھاتے ہیں، جن کا دودھ پیتے ہیں وہ سب ہم نے پیدا کیے ہیں اور انہیں ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں چھوڑ کر وہ دوسری چیزوں کو اپنا خدا بنا رہے ہیں اور شیطان نے ان کے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ اگر تم پر کوئی مشکل آئی تو یہ تمہاری مدد کو آئیں گے اور عذاب الٰہی کے شکنجہ سے تمہیں زبردستی چھڑا لیں گے۔

۷۶ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ تمہارا یہ کچھ بھلا نہیں کر سکتے۔ ان کی کیا طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کو چھڑا سکیں۔

۷۷ "ھم" ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں۔ لھم کا مرجع ان کے معبودان باطل ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے نکمے خداؤں کی خدائی کا پرچم بلند کرنے کے لیے انہوں نے لشکر جمع کر رکھے ہیں جب کوئی توحید الٰہی کی دعوت دینے کے لیے آتا ہے تو فوراً اس کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے ہیں، معدون لحفظهم والذب عنهم في الدنيا۔ ایک مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہر بت کے پجاری یکجا کر دیے جائیں گے اور انہیں ایک ساتھ واصل جہنم کر دیا جائے گا۔

۷۸ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہا ہے اور دلجوئی فرما رہا ہے۔

۷۹ اگر انسان اپنے مادۂ تخلیق کی طرف ہی غور کرتا تو سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار نہ کرتا۔ ہم نے اسے پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا، پھر اسے صحت، جوانی، عزت اور دولت کی نعمتیں بخشیں۔ شکر کرنے اور ایک اطاعت گزار بندہ بننے کے بجائے وہ ہم سے

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ

پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے (عجیب و غریب) مثالیں اور (اپنی) پیدائش کو بھول گیا۔

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ

پیدائش کو (دیکھو گستاخ) کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی

مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ

جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ وہ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں

الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ

آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا

ہی کا مجھ رہا ہے۔ ہماری ہی انکار کر رہا ہے اور اس کے لیے مناظرانہ انداز اختیار کر رہا ہے۔

۷۷ یہ گستاخ و نابنجار ہمارے لیے طرح طرح کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ خدا ہوتا تو ہمیں کہیں نظر آتا۔ اتنے بڑے کارخانۂ حیات کو ایک ہستی کیسے چلا سکتی ہے۔ یہ قیامت کی دھمکیاں مذہبی لوگوں نے لوگوں پر محض اپنا تسلط جمانے اور انہیں ذہنی غلامی میں مبتلا کرنے کے لیے گھڑی ہوئی ہیں۔ ——— بھلا کبھی قیامت قائم ہو سکتی ہے۔ کیا ایسی انہونی بات کو عقل تسلیم کر سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی ہرزہ سرائی میں تو انہیں بڑا کمال حاصل ہے۔ اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اسے کس مادہ سے پیدا کیا گیا ہے کیا اس کا یہ سراپا، وہ حال تھا جب یہ پیدا ہوا تھا، کیا یہ شوخیاں اس میں موجود تھیں۔

۷۸ اے میرے محبوب! آپ منکرین قیامت کو بتا دیجئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرنا محال ہے۔ آپ انہیں بتائیں کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہ ہستی زندہ کرے گی جو خلاق علیم ہے۔ جس کی قوت تخلیق کا یہ حال ہے کہ آسمان، مہر و ماہ، ستارے، فضائیں، ہوائیں، زمین سب اشیاء اس نے محض اپنے امر کن سے پیدا کی ہیں اور جس کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے کہ غیب و شہادت ظاہر و باطن، جلی و خفی سب امور کو جاننے والا ہے۔ تو یا عقل سے کام لو کیا ایسے خلاق و علیم کے لیے تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح ڈالنا کچھ مشکل ہے، ہرگز نہیں۔

۷۹ ان اسرار و رموز کو سمجھنے کی تو تم میں اہلیت نہیں جن کے باعث کروڑوں سال گزرنے کے باوجود اس نظام عالم میں کہیں کسی کے اندر کہیں نظر نہیں آتے لیکن یہ تو ایک معمولی سی بات ہے کہ پانی اور آگ میں طبعی تضاد ہے۔ آگ کا بس چلے تو پانی کو جلا کر اڑا دیتی ہے اور اگر دہکتی ہوئی آگ پر ایک چلو پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ اس طبعی تضاد کے باوجود اس سرسبز

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ

آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (معمولی سی) مخلوق۔ بیشک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی

الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

پیدا فرمانے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ۸۱؎ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرمانا اتنا ہی ہے کہ اسے کہے ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے ۸۲؎

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ ۸۳؎

درختوں میں آگ اور پانی کو یکجا کر دیا ہے۔ یہی گیلی لکڑی جب کاٹ کر اس سے آگ جلائی جاتی ہے تو اس سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب میں دو درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک کو "المرخ" اور دوسرے کو "العفار" کہتے ہیں۔ اگر ان کی شاداب ٹہنیاں کاٹی جائیں جن سے رس بہہ رہی ہو اور انہیں ایک دوسرے سے رگڑا جائے تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جو ذات ان امور پر قادر ہے اس کے لیے تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۸۱؎ اللہ تعالیٰ قادر وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن کی بلندی، وسعت اور گہرائیوں کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ کیا ایسی قادر و قیوم ہستی کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا کوئی مشکل بات ہے؟ اس کی دیگر تخلیقات کے سامنے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ ذرا پہاڑ کے ساتھ سر جوڑ کر کھڑے ہو تو تمہیں اپنی قامت کی درازی کا پتہ چل جائے گا۔ ذرا ہاتھی کے ساتھ اپنا وزن تو کرو! اس کا ایک پاؤں بھی تم سے زیادہ وزنی ہے۔ ذرا ہرن کے ساتھ دوڑ تو لگاؤ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ ایک بھینس کے ساتھ کھانے میں ہی مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ یہ قامت، استطاعت اور یہ حیثیت۔ اور اس کے باوجود ایسی قدرت الٰہی پر حرف گیری کرنے کی جرأت کرنے لگے ہو۔

۸۲؎ تمہیں تو ایک معمولی سی چیز بنانی ہو تو اس کے لیے تمہیں جیسیوں اجزا فراہم کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ایک جز بھی نایاب ہو جائے تو تمہاری ساری مہارتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و جبروت کا یہ عالم ہے کہ ارادہ فرمایا اور کُن کہا تو وہ چیز خواہ وہ کتنی بڑی ہو، عدم کس سے عالم وجود میں آجاتی ہے۔

۸۳؎ بیشک ہر نقص، ہر خامی، ہر کمزوری، ہر عیب اور ہر شریک سے وہ ذات اعلیٰ، ارفع اور پاک ہے۔ اس کا علم محیط، اس کی قدرت ہمہ گیر، اس کا حکم ہر اعلیٰ و ادنیٰ پر جاری و ساری۔ ہر چیز اس کے زیر نگیں اور تابع فرمان۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہر چیز کا اختیار اسی کے اپنے دست قدرت میں ہے اور انجام کار ہر چیز نے اسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء و الیہ ترجعون۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة ورب العرش العظيم۔
اللّٰهم لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين۔
فاطر السموٰت والارض انت ولی فی الدنيا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحين۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبك خير الخلق كلهم

ولن يضيق رسول الله جاهك بی	اذا الكريم تحلى باسم منتقم
يا نفس لا تقنطی من زلة عظمت	ان الكبائر فی الغفران كاللمم
ومن تكن برسول الله نصرته	ان تلقه الاسد فی آجامها تجم

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبك خير الخلق كلهم

محمد کرم شاہ

	نظر ثانی
۱۳ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ	۱۴ رجب ۱۳۹۲ھ
۵ ستمبر ۱۹۷۱ء	۲۴ اگست ۱۹۷۲ء
یوم الاحد فی مگھیال	یوم الاحد ۔ مرد سودھی

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورہ الصّٰفّٰت

نام : اس کا نام سورۃ الصافات ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں پانچ رکوع، ایک سو بیاسی آیتیں اور آٹھ سو ساٹھ کلمات اور تین ہزار آٹھ سو چھبیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مضامین میں غور و فکر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس حصہ میں نازل ہوئی جب اسلامی دعوت نے اہل مکہ کو چوکنا کر دیا تھا اور انہوں نے تعصب کا سہارا لیتے ہوئے اس کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسلامی دعوت اور داعی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آوازے کسنے شروع کر دیئے تھے۔ یہ سورت مکی زندگی کے درمیانی دور کے آخر میں نازل ہونے والی سورتوں سے واضح مشابہت رکھتی ہے۔

مضامین : کفار جب شرک کی لعنت میں بری طرح گرفتار تھے۔ آیات ۳۵-۲ میں بتایا گیا ہے کہ اگر انہیں لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو وہ از راہ غرور و نخوت اس دعوت کو مسترد کر دیتے اور کہتے ایک شاعر مجنون کی بات مان کر ہم اپنے خداؤں کی خدائی کے عقیدہ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ بھلا کائنات کا یہ وسیع اور پیچیدہ کاروبار ایک خدا انجام دے سکتا ہے؟ ناممکن۔

سورت کا آغاز عقیدہ توحید کو دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے تین قسمیں کھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا وہی پروردگار ہے۔

قیامت کے بارے میں بھی ان کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے بارے میں بھی دو ٹوک انداز میں فرما دیا ! قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۔ ہاں قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں ذلیل و خوار کر کے حشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

قیامت کے دن منکرین قیامت جس طرح آپس میں الجھیں گے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اس کا ذکر بھی کر دیا تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے جاں نثار غلام بڑے زہرہ گداز حالات سے دوچار تھے۔ لمحہ بہ لمحہ مصائب و آلام کے اندھیرے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی تسلی کے لیے انبیاء کرام کے ایمان افروز حالات بیان فرما دیئے کہ مخالفت اور عداوت سے انہیں بھی واسطہ پڑا تھا۔ مشکلات کے پہاڑ ان کے راستہ میں بھی حائل تھے

تھے لیکن اُنہوں نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا، اپنے خدا پر توکل کیا اور مصروفِ جہاد رہے۔ آخر کار فتح و نصرت کا سہرا نہیں (؟) منکر جانے والا اسرائیل کے سر پر باندھ دیا گیا۔ ساتھ ہی فرمادیا جو بھی انبیاءِ کرام کے نقشِ قدم پر چلے گا وہ اسلام کا علمبردار بنے گا وہی ہمیشہ غالب رہے گا۔ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

اہلِ مکہ کو تنبیہ فرمادی کہ آج جس کو تم کمزور سمجھ رہے ہو سارے عرب پر اس کا پرچم لہرائے گا اور سارے عالم کو اسی کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی۔

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الصّٰفّٰت مکّی ہے اس کی آیتیں ۱۸۲ اور رکوع ۵ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿١﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٣﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ

قسم ہے انتظام عبادت میں صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر خوب جھڑکنے والوں کی پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی سلہ کہ تمہارا معبود

لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾

ایک ہی ہے سلہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا سلہ

سلہ توحید خداوندی کا مضمون شروع کرنے سے پہلے تین قسمیں اٹھائیں تاکہ اس مضمون کی اہمیت سننے والے کے ذہن میں نقش ہوجائے اور جن جن سے متوجہ ہوکر وہ ارشاد خداوندی کو سنے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ انہیں حسب مدارج مختلف قسم کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے اور فرائض کے مطابق ان کی گروہ بندی کردی گئی ہے۔

پہلے ان فرشتوں کی قسم اٹھائی جو عبودیت و نیاز کے مقام میں صف بستہ کھڑے ہیں۔ اکثر علماء تفسیر نے الصافات کا معنی صفیں باندھ کر کھڑے ہونے والے کیا ہے۔ بعض علماء نے الصافات کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پر پھیلا کر منتظر حکم کھڑے ہونے والے۔ اس کے بعد فرشتوں کے اس گروہ کی قسم اٹھائی جو تکوینی امور کی تکمیل کے لیے مقرر ہیں، ہوا، بادل، بارش، مہر و ماہ، کواکب و سیارے وغیرہ پر متعین ہیں اور احکم الحاکمین کے فرمان کے مطابق تعمیل ارشاد کررہے ہیں: الزجر فی الاصل الدفع عن الشئ بتسلط و صیاح (روح المعانی) کسی کو رعب اور زور دار آواز سے کسی بات سے روکنا۔ ویسے کسی چیز کو چلانے اور ہانکنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

والزاجرات، ما یفعل نجاز جرہ من الاجرام العلویۃ والسفلیۃ وغیرھا علی وجہ یلیق بالمزجور (یعنی اجرام علویہ اور سفلیہ کو ان کے شایان شان اور مناسب حال زجر کے لیے جو فرشتے مقرر ہیں ان کی قسم اٹھائی گئی۔ اس کے بعد جو فرشتے آیات الٰہی کی تلاوت میں ہروقت مشغول رہتے ہیں ان کی قسم اٹھائی گئی۔

سلہ فرشتوں کے ان تین مقدس گروہوں کی قسمیں اٹھانے کے بعد بتایا کہ تمہارا خدا وحدہ لاشریک لہ ہے۔

سلہ یہ دلائل توحید بھی ہیں اور صفات خداوندی بھی یعنی وہی ہستی جو ان صفات جلیلہ سے متصف ہے وہی خدا ہوسکتی ہے اور جبکہ

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَٰنٍ

بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے ؏ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی ریشہ دوانی)

مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ

سے ؏ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالمِ بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر

یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں ہی پائی جاتی ہیں، اس لیے وہی معبودِ برحق ہے۔ مشارق، مشرق کی جمع ہے۔ یہ ظرفِ زمان بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی۔ سورج ہر روز نئے مطلع سے اور مختلف اوقات میں طلوع ہوتا ہے۔ اس لیے مشارق جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب وہ مشارق کا رب ہے تو مغارب کا بھی وہی رب ہوگا، اس لیے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا۔ نیز طلوعِ آفتاب میں قدرتِ الٰہی کا ظہور زیادہ نمایاں ہے۔ اس لیے اس کو ترجیح دی۔ دوسرے مقام پر رب المشارق والمغارب بھی مذکور ہے۔ (روح المعانی)

؏ السماء موصوف ہے۔ الدنیا اس کی صفت ہے۔ دنیا ادنیٰ (قریب ترین) کی تانیث ہے یعنی وہ آسمان جو زمین کے بالکل قریب ہے اس میں کروڑوں بلکہ ان گنت ستارے قندیلوں کی طرح آویزاں دکھائی دیتے ہیں اور اس کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کر رہے ہیں اور تاریک رات میں جو دلکش منظر پیش کرتے ہیں ہر عالم اور جاہل اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ ہر ستارہ کہیں بھی ہو اس سے قرآن کریم کو بحث نہیں کیونکہ یہاں علم الافلاک کی تفصیلات بتانا مقصود نہیں ہے لیکن یوں نظر آتا ہے کہ قریب ترین آسمان کی پہنائیوں میں چراغ روشن ہے۔

؏ یہاں دو چیزیں بڑی وضاحت سے بتا دی گئیں کہ یہ بیکراں بلندیاں اور یہ فضائے محیط جہاں کوئی ٹھوس چیز نہیں دکھائی نہیں دیتی انہیں غیر محفوظ مت سمجھو بلکہ قادرِ مطلق اور خالقِ حکیم نے یہاں ایسی حد بندیاں قائم کر دی ہیں جنہیں عبور کرنا از حد مشکل ہے۔ یہ حد بندیاں بظاہر نظر نہیں آتیں۔ لیکن ان حد بندیوں کو توڑنے کی جب کوئی کوشش کرتا ہے اُسے ہی ان کی پختگی اور مضبوطی کا احساس ہوتا ہے۔ خلا کی تسخیر کے لیے جو تجربات کیے گئے ہیں یا کیے جا رہے ہیں، ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مولا کریم نے کس طرح اپنی کائنات کو ایک محکم نظام کے مطابق پیدا کیا ہے۔ کس طرح درجہ بندی فرمائی ہے اور حدود کا تعین کیونکر کیا ہے۔ دوسری بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا۔ ہر جگہ اس قسم کے لوگ کثرت سے مل جاتے تھے جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ ان کا پیشہ تھا۔ اس سے انہیں بے اندازہ آمدنی ہوا کرتی تھی۔ کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی، کسی کا کوئی عزیز بیمار ہو گیا، کسی نے نئے کاروبار کا پروگرام بنایا، کوئی لمبے سفر کے لیے تیار ہوا۔ ان تمام مواقع پر وہ توہم پرست لوگ ان جھوٹے غیب دانوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کے پاس پہنچ جاتے۔ یہ پیشہ ور کاہن بڑے شاطر قسم کے لوگ ہوتے تھے ایسی دو رُخی باتیں کرتے کہ پوچھنے والا مطمئن ہو کر چلا جاتا۔ ان کاہنوں کے متعلق اہلِ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ کوئی جن ان کے ماتحت ہے اور وہ اسے غیب کی خبریں آکر بتاتا ہے۔

جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ

طرف سے ۔ ان کو بھگانے کے لیے ۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۔ مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے

فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ

تو اس کا تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ ۔ پس آپ ان سے پوچھیے کیا وہ زیادہ مضبوط ہیں بناوٹ کے اعتبار سے یا دوسری

خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿۱۲﴾

چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے ۔ آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر) اور وہ تمسخر کرتے ہیں

جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو بتایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ وحی لے کر میرے پاس آتا ہے تو اہل عرب نے حضور کو بھی ایک کاہن خیال کیا اور وحی کو ان کاہنوں کے اقوال پر قیاس کیا اور یہ سمجھنے لگے کہ ان کے پاس بھی کوئی جن آتا ہے اور انہیں یہ باتیں آکر سکھاتا ہے۔

ان آیات میں ان کے اس گمان باطل کی تردید کر دی کہ جس دن سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منصب نبوت پر فائز کیے گئے ہیں اس دن سے آسمانوں کے پہرے سخت کر دیے گئے اور اب کسی شیطان کی مجال ہی نہیں کہ عالم بالا میں انتظام عالم کے متعلق جو فیصلے ہو رہے ہیں ان پر آگاہ ہونے کی جرأت کر سکے اور وہاں کے راز یہاں آشکار کر سکے۔ پہلے تو کسی جن یا شیطان کو ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر کوئی اپنی شریر طبیعت کے باعث ایسا کرتا ہے تو شہاب ثاقب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے جو اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ اس لیے اب نہ کہانت رہی اور نہ کاہن۔

یہ میرا نبی ہے اس پر میرا کلام نازل ہوتا ہے۔ اس کلام کو لے کر آنے والا میرا نورانی فرشتہ ہے جو میرے اذن سے اترتا ہے اس لیے اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ یہ کاہن ہے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح: المارد: العاتی من الجن والانس سرکش جن ہو یا انسان۔ الملأ الاعلیٰ: اھل السماء لانہا فوقنا آسمانوں پر بسنے والی مخلوق۔ یقذفون: پھینکے جاتے ہیں۔ دحورا: یہ مصدر ہے اس کا معنی دھکے دے کر نکال دینا۔ مصدر دحر یدحر دحرا ودحورا ای طردتہ۔ واصب: دائم، ہمیشہ رہنے والا۔ شہاب ثاقب: اس کے متعلق تفصیل ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ الحجر آیت نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان آیات میں مشرکین کے غیر معقول رویہ کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیے کہ آسمانوں، کہکشاں، ستاروں، سورج اور چاند اور فلک بوس پہاڑوں کو بنانا جس کے لیے مشکل ہے یا تمہیں دوبارہ زندہ کرنا جنہیں ہم نے لیسدار کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوا إِنْ

اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہیں

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿١٦﴾

ہے یہ مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں گے مٹی اور ہڈیاں جب ہوجائیں گے تو کیا ہم زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے

أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿١٧﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿١٨﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ فرمائیے ہاں ضرور اور اس حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہوگے ۔ پس قیامت تو فقط ایک

وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾

جھڑکی ہوگی پس وہ فوراً ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے ہم برباد ہوگئے! یہ تو یوم جزا ہے

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ احْشُرُوا الَّذِينَ ع ۵

(ہاں ہاں) یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے

ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ

ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو

ے آپ فرمائیے تم تو اس کو محال سمجھ رہے ہو لیکن میں کہتا ہوں کہ میرا رب کو قادر ہے وہ تمہیں اور تمہارے گزرے ہوئے باپ دادا کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور تمہیں اس انکار کے باعث ذلیل و خوار کرکے اٹھایا جائے گا۔ تمہارے سر جھکے ہوں گے، ندامت کے پسینے سے شرابور، ہونٹ خشک، آنکھیں بے نور، سینوں میں دل دہل رہے ہوں گے۔ داخرون: صاغرون اذلاء۔

ے تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کسی بڑے اہتمام اور تگ و دو کی ضرورت نہ ہوگی۔ بس صرف ایک جھڑک سنتے ہی ساری مخلوق کے سرکش خود بخود قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ے اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائیں گے ان سب کالی بھیڑوں کو اکٹھا کرو جتنے مشرک اور کافر ہیں اور ان کے ساتھیوں اور ان کے بت وغیرہ جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے سب کو گھیر لاؤ اور انہیں سیدھا لے جاکر جہنم میں دھکیل دو۔ الحشر اخراج الجماعة عن مقرهم و مقرها۔ یعنی کسی جماعت کو ان کی قیام گاہوں سے نکال کر لے جانا۔ ان کفار کو ان کی قبروں سے یا حالت

إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ

انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔ اور (ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ

لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں ۔ اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی

عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

طرف (اور) سوال جواب کرنے لگیں گے ۔ (پیروکار سرداروں سے) کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفر سے

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ

(اور ہمیں کفر پر مجبور کرتے تھے)۔ وہ جواب دیں گے بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے کہ ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا اور نہیں تھا ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا۔

ہوئے جال ان کو فرشتے نکالیں گے اور انہیں ہانک کر اس میدان میں لے آئیں گے اور سب کو وہاں جمع کریں گے

۔ پہلے جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جانے گا لیکن ان کی رسوائی میں اضافہ کرنے کے لیے انہیں ٹھہرانے کا حکم ہوگا ابھی نہیں ذرا ان کا حساب ہو لینے دو تاکہ تمام اہل محشر کو ان کے کفر و شرک ان کی حرام خوریوں اور ناشکریوں کا علم ہو جائے اور سب کو یہ علم ہو جائے کہ دنیا میں جن کی عظمت کے ڈنکے بجتے تھے ان کا کیا حشر ہو رہا ہے

۔ دنیا میں جو بات بات پر برہم ہو جایا کرتے تھے از راہ نصیحت اگر انہیں کوئی اچھی بات کہی جاتی تھی تو اکڑ جاتے تھے بڑے بڑے فرعون اور نمرود، بڑے بڑے ابوجہل اور یزید آج حکم الٰہی کے سامنے مسکینوں کی طرح گردن جھکا دیں گے اور ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے

۔ یہاں اس گفتگو کا ذکر کیا جا رہا ہے جو قوم کے گمراہ سرداروں اور ان کے اندھے پیروکاروں کے درمیان ہوگی۔ اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کریں۔ وہ دوستی اور تعلق جس کی بنیاد اسلام سے روگردانی قرآن و سنت سے انحراف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بغاوت پر ہوگی وہ قیامت کے دن تار عنکبوت سے بھی کمزور اور وبال جان ثابت ہوگی۔

۔ اس آیت میں الیمین کا معنی کروفر اور شان و شوکت ہے۔ الیمین: المقدرة والقوة (لسان العرب، المحیط وغیرہ)۔ سرداروں کو کہیں گے کہ تم بڑی شان و شوکت اور کروفر سے ہمارے پاس آتے تھے اور ہمیں اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے تھے کبھی یورپ کی ننگی اور عریاں تہذیب کو اپنانے کا مشورہ دیتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلے آؤ ہم دونوں جہانوں میں تمہارے ذمہ دار ہیں آج کدھر گئیں تمہاری وہ ذمہ داریاں۔ ۔ ان متعدد آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ گمراہ ذہن

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝۳۰ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝۳۱

بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے ۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم ۔ اب ضرور ہم (عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝۳۲ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ

پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ، ہم خود بھی گمراہ تھے ۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۴ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا

حصہ دار ہوں گے ۔ ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ ۔ کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں

قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا

کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷

ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے ۱۳ (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔

اور لیڈر اس روز کوئی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے بلکہ الٹا الزام اپنے پیروکاروں پر لگائیں گے اور انہیں کہیں گے کہ تم خود کافر تھے تم نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ ہم نے قطعاً تمہیں مجبور نہیں کیا تھا کہ تم دعوت حق کو قبول نہ کرو۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا کسی دوسرے پر اپنی گمراہی کا الزام لگانے سے کام نہیں چلے گا۔ اس لیے قوم کے سردار اور ان کے پیروکار دونوں اس حقیقت کو خوب ذہن نشین کر لیں تاکہ روز محشر انہیں کف افسوس ملنا نہ پڑے۔

۱۳ ان مشرکین کو اگر کہا جاتا کہ شرک کرنا چھوڑ دو۔ صرف ایک خدا کو مانو اور کہو لا الٰہ الا اللہ۔ تو اس سچی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے وہ اکڑنے لگتے اور کہتے کیا اس شاعر اور مجنون کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے۔

ان آیات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان مشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ قرآن نے صاف بتا دیا کہ وہ انہیں الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے۔ اگر آج بھی کوئی کسی کو الٰہ اور معبود سمجھے خواہ وہ بت ہو، وہ صنم ہو، دریا ہو، انسان ہو یا اجرام سماوی میں سے کوئی چیز۔ وہ مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آج ہر اس مسلمان کو جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو اور اولیاء کرام سے عقیدت ہو اس کو مشرک کہنا ایک فیشن بن کر رہ گیا ہے۔ ان آیات میں غور کرنے سے ہمیں کفار کے عقائد پر پوری طرح واقفیت حاصل ہوتی

اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ۳۸ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

(اے مجرمو!) تم ضرور چکھو گے دردناک عذاب کو۔ اور تمہیں بدلہ دیا جائے گا نہیں مگر اسی کا جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۳۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ۴۰ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ

کیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے)۔ یہی ہیں جنہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی

مَّعْلُوْمٌ ۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۴۲ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۴۳ عَلٰی

کیفیت معلوم ہے۔ لذیذ پھل۔ اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا (اور وہ) نعمت کے باغوں میں ہوں گے (زرنگار) پلنگوں

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۴۴ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۴۵ بَیْضَآءَ

پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پُر کر کے۔ وہ (شراب) سفید ہوگی

لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۴۶ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۴۷ وَ

بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے۔ نہ اس میں سر چکرانے والی کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے ۱۶ اور

سے (روز قیامت) کے منکر تھے۔ وہ اپنے بتوں کو اللہ اور معبود یقین کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخی کرتے تھے اور حضور کو شاعر اور مجنون کہتے تھے۔ جو لوگ خواہ مخواہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں اور ان کے متعلق یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ان کے بھی وہی عقائد ہیں جو مشرکین مکہ اور کفار عرب کے تھے۔ وہ ان آیات میں بار بار غور کریں۔ خدا کرے انہیں اپنی اس زیادتی کا احساس ہو جائے اور مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے جو وقت، سرمایہ اور علمی قابلیت ضائع کر رہے ہیں، اسے وہ منکروں، ملحدوں اور دہریوں کو مشرف با اسلام کرنے میں صرف کریں۔

۱۶ نافرمانوں اور سرکشوں کے انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مخلص بندوں پر اپنے انعام و اکرام کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے۔

چند مشکل الفاظ: فواکہ: جمع فاکہۃ: وھی الثمار کلہا رطبہا و یابسہا۔ ہر قسم کے پھل تر اور خشک۔ سرر: جمع ہے سریر کی۔ تخت۔ متقابلین: آمنے سامنے۔ کاس: اس پیالہ کو کہتے ہیں جو شراب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی پیالے کو قدح یا اناء کہتے ہیں، کاس نہیں کہتے۔ وان کان فارغا فلیس بکاس (قرطبی)۔ بیضاء: خمر کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور کاس کی بھی۔ غول: جسمانی بیماری، سر درد، پیٹ میں درد وغیرہ۔ ینزفون: ای ذھب عقولھم بشربہا: بیہوش ہونا، مخمور ہونا۔ قصرت الطرف: جھکی جھکی نگاہوں والیاں جو اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہی نہیں

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

ان کے پاس بیویاں ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (حوریں)۔ گویا وہ (شترمرغ کے) انڈے ہیں جو گرد و غبار سے محفوظ۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ

اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا

میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت پر) ایمان لانے والوں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور (مر کر) مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں رہ جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائیگی۔ ارشاد ہوگا کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟

باشرم و باحیا۔ عِیْنٌ جمع ہے عیناء کی یعنی موٹی موٹی خوبصورت آنکھوں والیاں۔ جن کی آنکھوں کا سیاہ حصہ بہت سیاہ اور سفید حصہ بہت سفید۔ بَیْضٌ: انڈا خصوصاً شترمرغ کا انڈا اس میں سفید اور زرد رنگ کی آمیزش بڑی لطیف ہوتی ہے۔ عرب عورتوں کے اس رنگ کو بہت پسند کرتے تھے۔

ےلہ اب اہل جنت کی ایک باہمی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کا مقصد بھی غافلوں اور سرکشوں کو بروقت متنبہ کرنا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ عالم آخرت میں دیکھنے اور سننے کی قوتوں کا کیا حال ہوگا۔ جنت میں بیٹھا ہوا ایک جنتی لاکھوں میل بلکہ غیر محدود مسافت پر دوزخ میں ایک دوزخی کو دیکھ بھی لے گا اور اس سے بات بھی کرے گا اور اس کا جواب بھی سن لے گا۔ وہاں نہ ریڈیو۔ لاسلکی ٹیلی ویژن ہوگی اور نہ کوئی اور جدید ترین مواصلاتی آلہ کارفرما ہوگا۔

ان آیات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی ترقیت کیا ہوگی وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے دور سے سننا یا دیکھنا اللہ تعالیٰ کی صفت میں شرک نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں جس طرح اس دنیا میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اسی طرح دارِ آخرت میں بھی اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر اہل جنت کی طرح اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قوت سمع و بصر دے دے تو اس کی قدرت و رحمت سے کوئی بعید نہیں۔

یہاں بیٹھ کر اگر ہم درود و شریف پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے سماعت فرما رہا ہے تو اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا ورنہ تمام اہل جنت کو شرک فی السمع والبصر کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ حق کی سمجھ عطا فرمانے اور جو لطف عمیم اور فضل کبیر و کثیر اس نے اپنے محبوب

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾

پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں موت نہیں آئے گی

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بیشک یہی وہ عظیم الشان

الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا

کامیابی ہے۔ ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ

زقوم کا درخت مثلہ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے ۱۹ یہ ایک درخت ہے

بندوں پر فرمایا ہے ہم ناچیزوں کو بھی اس سے حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مثلہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ نعمتیں اور ضیافتیں جن سے ہم اپنے مخلص بندوں کو سرفراز کریں گے اچھی ہیں یا زقوم کا درخت۔ خود فیصلہ کرو۔

زقوم: ایک بدنما اور بدصورت درخت ہے اس کا ذائقہ سخت کڑوا، اس کی بو ناگوار، اس سے جو پانی رستا ہے وہ جسم کو چھو جائے تو ورم ہو جاتا ہے اور اس پر تیز خار کانٹے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ درخت تہامہ کے علاقہ میں پیدا ہوتا ہے بڑا کڑوا اور بدبودار۔ قال قطرب انھا شجرۃ مرۃ تکون بتھامۃ من اخبث الشجر (قرطبی) اور بعض نے کہا ہے کہ اس نام کا کوئی درخت اس دنیا میں نہیں یہ جہنم کے ایک درخت کا نام ہے۔ والقول الثانی انھا لا تعرف فی شجر الدنیا۔

مثلہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے، ما نعرف ھذہ الشجرۃ یہ زقوم کیا ہے، ہم تو اس نام کا کوئی درخت نہیں جانتے۔ اتفاق سے افریقہ کا ایک آدمی آگیا انہوں نے اس کے بارے میں اس سے پوچھا اس نے کہا، ھو عندنا، الزبد والتمر۔ ہمارے ہاں تو مکھن اور کھجور کو زقوم کہتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا اس لفظ کو جا بجا استعمال کر کے مذاق اڑایا جانے لگا۔ ابن الزبعری نے کہا، اکثر اللہ فی بیوتنا الزقوم، اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم

تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

جو اُگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اُس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں [۲۰]

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اُس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ پھر انہیں زقوم کھانے کے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾

بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا [۲۱] پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ

انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ دیدے سوچے سمجھے ان کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں [۲۲] اور بہک

ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے۔

کی کثرت کرے۔ ابوجہل نے اپنی لونڈی سے کہا: زقمینا، تو وہ کھجور اور مکھن لے کر آئی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تزقموا ھذا الذی یخوفنا بہ محمد (صلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وسلم) کھجور اور مکھن کھاؤ یہ ہے وہ جس سے ہمیں وہ ڈرایا کرتے ہیں۔

[۲۰] یعنی زقوم کا درخت جو جہنم کے وسط میں اُگے گا اس کے شگوفے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ اگرچہ کسی نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا لیکن جس طرح کسی خوبرو اور حسین کو فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اسی طرح بدصورتی بیان کرنے کے لیے شیطان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ وروٗس الشیاطین متصور فی النفوس وان کان غیر مرئی (قرطبی)۔

[۲۱] بتایا جہنمیوں کو کھانے کے لیے زقوم ملے گا اور اس زقوم سے جب پیٹ بھر جائے گا اور پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی سے بھنا جائے گا یعنی پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ حمیم کھولتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ شوبًا شاب یشوب کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو کسی چیز میں ملا دینا، خلط ملط کر دینا۔ وہ چیز جس کو ملایا جاتا ہے اس کو بھی شوب کہتے ہیں۔

[۲۲] ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ انہوں نے عقل و ہوش کے چراغ بجھا دیے سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو معطل کر دیا اور اپنے گمراہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔

ع ۳

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

پس (اے مخاطب!) دیکھ کیسا انجام ہوا انہیں ڈرایا گیا تھا مگر وہ سنبھلے نہیں سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے ۲۳

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریاد رس ہیں ۲۴ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

گھرانے کو اس مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

کو پیچھے آنے والوں میں ۲۵ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

محسنین کو بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو۔

۲۳ عام لوگوں کی تو یہی روش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ایسا نہیں کیا کرتے وہ حق کے پیروکار ہوتے ہیں۔ اگر ان کے آباؤ اجداد ہدایت کی راہ پر چلنے والے، حق کو بلند کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں اپنی عمریں بسر کرنے والے ہوتے ہیں تو وہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور اگر وہ بھٹکے ہوئے اور گم کردہ راہ ہوتے ہیں تو یہ ان سے اپنا تعلق منقطع کر لیتے ہیں۔ انہیں صرف حق سے سروکار ہے۔ حق کی شمع جہاں بھی ہو یہ پروانے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حق کا پرچم اٹھا کر جو جماعت میدان میں آئے یہ اس کے شانہ بشانہ صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۲۴ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کی قوم کے آپ کے ساتھ ناشائستہ اور خیرہ سرانہ رویہ کے متعلق آپ کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں جب طوفان آیا تو صرف آپ اور آپ کے دین والے بچے باقی سب غرق ہو گئے۔ آج نسل انسانی جہاں کہیں موجود ہے یہ ان کشتی میں سوار لوگوں کی اولاد ہے۔

۲۵ اس آیت میں چند کلمات مقدر ہیں:

ترکنا علیہ ثناء حسنا فی کل امۃ: یعنی ہم نے آنے والی امتوں میں آپ کی شہرت اور نیک نامی کو برقرار رکھا۔ ہر قوم آپ کی ثنا خواں اور ہر امت آپ کی تعریف کرتی ہے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے ۲۶ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ

جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو ۲۷ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي

علاوہ چاہتے ہو ۲۸ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں ۲۹ سو آپ نے ایک بار

النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰى

دیکھا ستاروں کی طرف ۳۰ پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے پس آپ

۲۶ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر شروع ہوتا ہے۔ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر دوسری محبت اور تعلق سے محفوظ ہو۔ ای سلیم من الاشتغال بغیر اللہ تعالیٰ خالیا عن الغیر وحبہ (مظہری)

۲۷ یہ استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

۲۸ یہ استفہام بھی توبیخ کے لیے ہے۔ آیت کی ترکیب یہ ہے۔ تریدون فعل۔ انتم ضمیر مستتر فاعل۔ آلھۃ مفعول بہ۔ دون اللہ اس کی صفت اور افکا مفعول لہٗ۔ اس کی اہمیت کے لیے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ اتریدون آلھۃ دون اللہ افکا۔ بتانا یہ ہے کہ ان کا یہ سارا کا سارا جھوٹ اور باطل پر مبنی ہے۔ محض جھوٹ سے انہوں نے چند بت تراشے اور بغیر کسی وجہ کے انہیں معبود بنا لیا۔ نہ خدا کا یہ ارشاد، نہ خدا کے بندوں نے ایسا کہا، نہ عقل سلیم اس کو گوارا کرتی ہے۔

۲۹ یعنی ان خود تراشیدہ اصنام کو تم نے خدا بنا لیا ہے اور انہیں امور کائنات میں رب العالمین کا شریک خیال کرتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنی بڑی بغاوت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ باز پرس نہیں کرے گا۔ اس کے غضب سے ڈرو اس بغاوت سے باز آجاؤ۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔

۳۰ یہاں جو واقعہ اجمالاً مذکور ہے وہ تفصیلاً سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس کے حواشی کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔ فنظر نظرۃ فی النجوم کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ آپ نے ستاروں کی طرف دیکھا لیکن جب کوئی شخص کسی امر میں غور و فکر کرنے لگے تو بطور محاورہ اس وقت بھی یہ جملہ بولتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں مفسرین کرام نے علم نجوم کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ خصوصاً روح المعانی جلد ۲۳ صفحات ۱۰۰، ۱۰۱

اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۹۱ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝۹۲ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ

چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب

ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝۹۳ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝۹۴ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ وہ لوگ (میلہ منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے ۳۱ آپ نے فرمایا کیا تم پوجتے ہو انہیں

تَنْحِتُوْنَ ۝۹۵ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا

جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا بناؤ اس

فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِيْمِ ۝۹۷ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۹۸

کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں ۳۳ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا ۳۴

دیکھنے کے قابل ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی میلہ یا جشن منانے کے لیے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جایا کرتے تھے اور اس روز طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں طشتوں میں رکھ کر صبح سویرے اپنے بتوں کے سامنے رکھ جاتے تمام کو واپس آتے تو اٹھا لیتے۔ انہیں تبرک سمجھ کر خود بھی کھاتے اور یار دوستوں میں بھی تقسیم کرتے۔

آپ نے سوچا ایسا نادر موقع پھر جلدی نہیں ملے گا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ان کے بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر کر دینی چاہیے وہ لوگ تو داد عیش دینے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے اور یہ مرد خدا ہاتھ میں ہتھوڑا لیے چپکے سے صنم کدہ میں گھس آیا۔ پہلے تو ان آراستہ پیراستہ بتوں کو ازراہ تشنیع فرمایا ایسی لذیذ مٹھائیاں سامنے رکھی ہیں تم ٹک ٹک دیکھ رہے ہو، کھاتے کیوں نہیں۔ اور پھر ہتھوڑا اٹھایا اور پوری قوت سے ان پر پے در پے ضربیں لگانے لگے۔ کسی کا ہاتھ نہ تھا کسی کا پاؤں نہ تھا۔ کسی کا سر غائب اور کسی کی ناک ندارد۔ غرضیکہ انہیں چند لمحوں میں توڑ پھوڑ کر اطمینان سے گھر چلے آئے۔ شام کے وقت جب لوگ میلہ سے فارغ ہو کر بتخانہ میں پہنچے اور اپنے بتوں کی یہ درگت بنی دیکھی تو کہرام مچ گیا۔ تو مجرم کی تلاش کے لیے قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔ بتوں کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کا رویہ سب خاص و عام کو معلوم تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابراہیم کے بغیر یہ حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔

۳۱۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ یزفون حال ہے اور اقبلوا کی ضمیر جو فاعل ہے ذوالحال ہے (روح المعانی) تحتہ مرغ تیزی سے چلانا سے ماخوذ ہے۔

۳۲۔ آپ نے اسی مقصد کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ جب وہ منہ اٹھائے آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا، نادانو! تم ان بے بس اور بے جان مجسموں کی پوجا کرتے ہو جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے کچھ تو عقل سے کام لو کچھ تو خدا کا خوف کرو

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ

اور آپ نے کہا میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری رہنمائی فرمائے گا (دعا مانگی) اے میرے رب! عطا فرما مجھے

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ

ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ

یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ

کر سکے آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟

جو تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

وہ حضرت خلیل اللہ کی اس دلیل کا تو کوئی جواب نہ دے سکے اور انتقامی کارروائی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے اس میں پھینک دو۔

انہوں نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لیے یہ منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حسن تدبیر سے ان کے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آتشکدہ میں گرے تو وہ ٹھنڈا ہو گیا اور آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

انہوں نے حضرت ابراہیم کی صداقت کی کئی روشن دلیلیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن وہ اپنے شرک کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار حضرت ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ ان میں ہدایت پذیری کی ادنیٰ رمق بھی موجود نہیں۔ ایسے معاشرہ میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ تو آپ نے ان کو صاف صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے اس مشرکانہ ماحول سے رخصت ہو رہا ہوں تم جانو اور تمہارا کام میں وہاں جاؤں گا جہاں دل جمعی سے اپنے رب کو یاد کر سکوں گا اور اس کے متلاشیوں کو اس کے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔ اِلٰی رَبِّیْ سے مراد الی جہت امرنی ربی او حیث اتجرد فیہ لعبادتہ (روح المعانی) یعنی جہاں میرے رب نے مجھے جانے کا حکم دیا یا جہاں میں تسکین کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں گا چنانچہ آپ وہاں سے عراق اور مصر سے ہوتے ہوئے شام تشریف لے گئے۔

اس وقت تک آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ شام پہنچ کر آپ نے ایک صالح بیٹے کے لیے التجا کی جو قبول ہوئی۔

جب وہ فرزند دلبند تیرہ چودہ برس کا ہو گیا تو ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں کیونکہ انبیاء کے خواب بھی بمنزلہ وحی ہوتے ہیں اس لیے آپ سمجھ گئے کہ میرا خداوند کریم مجھے اپنا فرزند ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فوراً اپنے لخت جگر کو مرضاتِ خداوندی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایک بچہ قربان کر کے مولا کریم کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ سودا بڑا سستا ہے۔ آپ نے سارا ماجرا اپنے نوخیز بیٹے کو بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ

پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۳۵ اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بیشک

صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

تو نے سچ کر دکھایا خواب کو، ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں محسنوں کو۔ بیشک یہ بڑی کھلی

فانظر ماذا ترٰی۔ اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ ان الفاظ سے حضرت اسماعیل کا مشورہ نہیں لے رہے تھے کہ اگر اس کی مرضی نہ ہو تو تعمیل حکم سے معذرت کر دی جائے بلکہ محض اپنے بچہ کا امتحان مقصود تھا کہ جس بچے نے خلیل کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہاجرہ کا دودھ پیا ہے اور جس کو روز اول سے درس ہی یہ دیا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اگر جان بھی دینی پڑے تو اس میں قطعاً تامل نہ کرنا۔ اب یہ بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔ ذرا دیکھیں اس شبانہ روز تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ نیز آپ اس ثواب بلکہ امتحان میں اپنے فرزند کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ کامیابی کی صورت میں رضائے الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزت و شرف سے سعادت اندوز ہوں۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے جب یہ خواب بیان کیا تو اس پیکر تسلیم و رضا نے جو جواب دیا وہ قرآن کریم کے الفاظ میں ہی پڑھیے۔ ان نازک اور پاکیزہ عالی جذبات کو اگر ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے تو ان کا حق ادا نہ ہو گا: قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اے میرے بزرگ باپ! حکم الٰہی کی تعمیل فرمائیے باقی رہا میں، تو مجھے آپ صابروں میں سے پائیں گے۔ اور انشاء اللہ کے کلمات طیبات کا اضافہ کر کے اپنے مقام عبدیت اور نیاز کو چار چاند لگا دیے یعنی میں کروں گا لیکن تب جب میرے رب کو منظور ہوا یعنی اگر میں نے مقام رضا میں کامیابی حاصل کر لی اور اس نازک امتحان میں سرخرو ہوا۔ تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہو گا بلکہ میرے رب کا احسان اور کرم ہو گا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس اسلام کی دعوت حضرت ابراہیم دیا کرتے تھے اس کا عملی مظاہرہ حضرت اسماعیل کی اس ادا سے زیادہ حسین اور دلکش کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاعر مشرق فیلسوف اسلام نے یوں ہی تو نہیں کہا:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی!

۳۵ دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے صبح سویرے منہ اندھیرے ہی گھر سے روانہ ہو گئے۔ بیٹا اپنی جوانی کا اپنا حسن

اپنی رعنائی اور اپنی اُمیدوں اور اُمنگوں کی دُنیا قربان کرنے کے لیے شاداں شاداں جا رہا ہے اور باپ اپنی سو سالہ دعاؤں کے رنگین ثمر کو اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کو قربان کرنے جا رہا ہے۔ دونوں خوش ہیں اور از حد مسرور۔

شیطان نے سوچا آج تک ابراہیم سے مجھے ہر قدم پر زک پہنچتی رہی اور خیر کے پرچم لہرایا۔ آج اگر اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ کر نہ رکھ دوں تو ابلیس میرا نام نہیں۔ دوڑتا ہوا آپ کے گھر پہنچا۔ حضرت ہاجرہ تشریف فرما تھیں پوچھا میاں جی کہاں ہیں اور ننھا اسماعیل آج نظر نہیں آرہا۔ ہاجرہ نے بتایا دونوں باپ بیٹا سیر و تفریح کے لیے باہر گئے ہیں۔ کہنے لگا نہیں تم دھوکے میں ہو ابراہیم آج تیرے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لے گیا ہے۔ دوڑو اور فوراً اپنے بیٹے کو بازو سے پکڑ لو۔ ورنہ چند لمحوں بعد اس کی مردہ لاش پڑی ہوگی اور تم ماتم کر رہی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے اور ابراہیم کو تو اپنے اس بیٹے سے بڑا پیار ہے۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ سب بکواس ہے۔ شیطان نے کہا تم بھولی بھی بیٹھی ہو۔ وہ آج ضرور تیرے بچے کو ذبح کر دے گا کیونکہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ ہاجرہ نے جواب دیا۔ اگر رب کریم کا حکم ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہزاروں اسماعیل ہوں تو بھی اس کے اشارہ پر تصدق کر دوں۔ ماں کا دل بڑا نرم ہوتا ہے یہاں اسے اپنی کامیابی کی سو فیصد امید تھی لیکن منہ کی کھائی۔ ظالم نے ہمت نہیں ہاری۔ وہاں سے سیدھا اسماعیل کے پاس پہنچا وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ ناکام ہو کر آخری وار آزمانے کے لیے حضرت خلیل سے جا کر لپٹ پڑا اور کہنے لگا کہ اتنے زیرک اور عاقل ہو کر بچے کو ذبح کرنے چلے ہو یہ کہاں کی ہوشمندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور سینکڑوں طریقے ہیں۔ بڑھاپے میں ایک بچہ ملا۔ وہ بھی اتنا حسین جسے دیکھ کر چاند شرما جائے۔ اس کو ذبح کرنے چلے ہو۔ تمہارا تو نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ نسل ختم ہو جائے گی خاندان مٹ جائے گا اور یہ جو خواب کی رٹ لگا رکھی ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دینا ہوتا تو جبریل آپ کے پاس یہ حکم لے آتے۔ آپ نے زمین سے پتھر اٹھایا اور دے مارا۔ تین دفعہ ایسا ہی اس کے ساتھ سلوک کیا۔ شیطان کی آنکھیں کھل گئیں اسے پتہ چل گیا آج اللہ تعالیٰ کے بندے کے ساتھ اسے واسطہ پڑا ہے۔ اسی کے متعلق العبادی الصالحین فرمایا گیا ہے۔ جب دونوں ایک گوشۂ تنہائی میں پہنچے تو حضرت اسماعیل نے عرض کی پدر محترم! میرے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھ دیجیے مبادا بے خبری میں انہیں ہلا بیٹھوں اور آپ پر میرے خون کے چھینٹے پڑ جائیں۔ نیز میرا منہ زمین کی طرف کر دیجیے تاکہ میرا چہرہ دیکھ کر آپ کو ترس نہ آجائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت ابراہیم نے آپ کو منہ کے بل زمین پر لٹایا اور تیز چھری گلے پر رکھ کر پھیرنی شروع کر دی تو عالمِ بالا میں لرزہ طاری ہو گیا ہوگا اور عرش نشینوں کو اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر کا علم ہوا ہوگا۔ آپ تیزی سے چھری گردن پر پھیر رہے ہیں ادھر سے ندا آتی ہے۔ بس اے میرے خلیل بس۔ ہو گیا تیرا امتحان اور تو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔

یہ ہے اسلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ۔ اپنے آپ کو، اپنی ہر چیز کو اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کے لیے قربان کر دینا۔ ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

یہاں ایک مسئلہ حل طلب ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس فرزند کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ کون ہے اسماعیل یا اسحاق علیہما السلام۔ ہمارے نزدیک دونوں حضرات محترم اور مکرم ہیں۔ ہم دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝۱۰۶ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝۱۰۷ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی

آزمائش تھی — اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم قربانی دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر

الْاٰخِرِیْنَ ۝۱۰۸ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۝۱۰۹ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۱۰

آنے والوں میں۔ — سلام ہو ابراہیم پر — اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۱۱ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا — اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (منجملہ)

آلہ وسلم کی ذات اقدس والطہر خود اتنی خوبیوں اور کمالات خیرہ سے متصف ہے کہ حضرت اسماعیل اگر اس شرف سے مشرف نہ بھی ہوں تب بھی رحمت دو عالم کی عظمت شان میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمیں یہودیوں کی طرح کوئی تعصب نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ ایک بزرگ کا کمال اس سے چھین کر دوسرے بزرگ کو دینے پر اصرار کریں لیکن دلائل، تاریخی حالات اور شواہد جس بات کو ثابت کریں اس کو نہ ماننا اور اس کے برعکس کسی اور خیال کو اپنے دل میں جمالینا بھی قطعاً جائز نہیں۔ اس لیے از راہ تعصب نہیں بلکہ تحقیق حق کے لیے ہمیں دلائل کا موازنہ کرنا چاہیے۔

یہودی اس امر کے مدعی ہیں کہ یہ فرزند حضرت اسحاق تھے۔ چنانچہ کتاب پیدائش باب ۲۲ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس باب میں کئی جگہ کئی مرتبہ یہ تصریح بھی ہے کہ جس بیٹے کو قربانی کے لیے آپ لے گئے تھے وہ آپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ کیا یہودی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے تھے بلکہ کتاب پیدائش باب ۲۱ میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت اسحاق سے پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے آپ کا ایک فرزند تولد ہوا تھا (ملاحظہ ہو آیت ۸۔۹) اور وہ لڑکا (اسحاق) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اسحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق کے دودھ چھڑاتے وقت حضرت اسماعیل کی عمر کافی بڑی تھی۔

جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تھے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال تھی اور جس وقت حضرت سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے تھے اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت حضرت اسماعیل اپنے چودھویں، پندرھویں سال میں تھے اور تیرہ سال کی عمر میں جب ان کو قربانی دینے کے لیے حضرت ابراہیم لے گئے تھے اس وقت آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل تھے نہ حضرت اسحاق۔

اب قرآن کریم کی طرف آئیے۔ پہلے انہی آیات کو پڑھیے۔ حضرت ابراہیم ولد صالح کے لیے دعا مانگتے ہیں، دعا قبول ہوتی

الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ

صالحین میں سے — اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر — اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہو گا

وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١١٤﴾ ع ۳

اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہو گا۔ — ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿١١٥﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا

اور ہم نے بچا لیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے — اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے

ہے۔ بچہ جوان ہوتا ہے۔ اس کو قربان کرنے کا خواب میں اشارہ ہوتا ہے جب آپ حکم الٰہی کی تعمیل کر چکتے ہیں۔ انہ من عبادنا المؤمنین کا مژدہ انہیں سنایا جاتا ہے۔ تو اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے وبشرنٰہ باسحٰق کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی اور اگلی آیت میں ہے وبٰرکنا علیہ وعلیٰ اسحٰق اس میں صاف پتہ چلتا ہے کہ علیہ کی ضمیر اس فرزند کی طرف عود کرتی ہے جو ذبیح تھا اور اسحاق کو معطوف ذکر کر کے ان کی مغایرت کی تصریح کر دی۔

نیز جب اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنایا جاتا ہے تو ساتھ ہی ان کے بیٹے حضرت یعقوب کی بشارت دی جاتی ہے۔ فبشرنٰہا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسحاق صاحب اولاد ہوں گے اور ان کے فرزند کا نام یعقوب ہو گا۔ ذرا غور فرمایئے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ ملتا ہے کہ اسحاق اور اس کے بیٹے یعقوب ہوں گے اور دوسری طرف انہیں جوان ہونے سے پہلے قربان کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں یہ تضاد متصور نہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اسحاق کو قربانی دینے کے لیے آپ اس وقت لے گئے جب حضرت یعقوب تولد ہو گئے۔ یہ جواب قطعاً قابل تسلیم نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ فلما بلغ معہ السعی۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ وہ دنبہ جو آپ کے فدیہ کے طور پر ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں آویزاں تھے اور حضرت ابراہیم نے جس میدان میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی کوشش کی وہ منیٰ کا میدان ہے اور یہ مکہ میں ہے۔ یہ تاریخی واقعہ عرب میں ساڑھے چار ہزار سال سے معروف و مشہور تھا اور تاریخ میں کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے پتہ چلے کہ حضرت اسحاق مکہ میں تشریف لائے ہوں۔ مکہ میں آنے والے حضرت اسماعیل ہیں اور وہی ذبیح ہیں۔ دلائل اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (مزید تحقیق کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

؎ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ وعلیٰ ابنیہ وعلیٰ آلہما افضل الصلوٰۃ والسلام کے ذکر خیر کے بعد اب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے بچپن سے لے کر آخر تک جو احسانات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر فرمائے ان کا تفصیل ذکر جا بجا گزر چکا ہے۔ آپ کے ذریعے بنی اسرائیل کو صدیوں کی غلامی سے نجات ملی۔ ان کے لیے سند پایاب

هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا

وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخشی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ اِنَّهُمَا مِنْ

موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بیشک وہ دونوں

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔ اور بیشک الیاس (علیہ السلام) بھی نبیوں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ

اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو جو احسن الخالقین کو (یعنی) اللہ کو جو

رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾

تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا۔

ہو گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا دشمن فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق ہو گیا پھر انہیں تورات جیسی کتاب مرحمت فرمائی اور جب تک دنیا قائم ہے حضرت موسیٰ اور ہارون کا ذکر خیر دلوں کو گرماتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور پاکباز بندوں کو اسی طرح سرفراز فرماتا ہے۔

؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل مختلف قبیلوں میں بٹ گئے اور ہر قبیلہ نے اپنی اپنی علیحدہ سلطنت بنا لی۔ بنی اسرائیل کے انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ لبنان کے اس علاقہ میں آباد ہو گیا جہاں اب مشہور تاریخی شہر بعلبک کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اس قبیلہ نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کی۔ ان کے بڑے بت کا نام بعل تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بیس گز لمبا سونے کا مجسمہ تھا جس کے چار منہ تھے جس کے مندر کے خدام کی تعداد چار سو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو راہ راست دکھانے کے لیے حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا آپ نے انہیں سمجھانے کی انتہائی کوشش کی لیکن وہ لوگ آپ کو جھٹلاتے رہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾

مگر اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾ إِنَّهُ

سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بیشک وہ

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِذْ

ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔ (یاد کرو) جب

نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۴﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ

بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو۔ بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے

دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِاللَّيْلِ

برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ ۱۴۱ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى ع ۴

کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔ ۱۴۲ جب وہ بھاگ کر

یہاں تک کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اُترا اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی پر بڑے احسانات و انعامات فرمائے اور ان کے ذکرِ جمیل کو تا قیامت زندہ جاوید کر دیا۔

۱۴۱ سورۂ شعراء میں حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ تفصیل سے گزر چکا ہے (آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵) ان کی قوم اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہوئی۔ کفارِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا گزر اس علاقہ سے ہوتا ہے۔ صبح و شام تم اس اُجڑے ہوئے شہر کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہو کیا تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تمہارا انجام ایسا ہی ہو۔

۱۴۲ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تفصیلاً سورۃ الانبیاء (آیات ۸۷، ۸۸) میں گزر چکا ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ آپ نے مدتوں بڑے جوش سے کوشش کی کہ آپ کی قوم کفر و گمراہی کو چھوڑ کر راہ راست پر گامزن ہو جائے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آپ نے انہیں بتایا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب الٰہی نازل ہو گا۔ تیسرے روز بغیر اذنِ الٰہی وہاں سے چل دیے قوم نے آپ کو تلاش کیا آپ نہ

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ

گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لیے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے پس نگل

الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ

لیا انہیں حوت نے درانحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو ٹھہرے رہتے

فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک [ک] پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔

لے عذاب ابھی آیا نہیں تھا اس کے آثار آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگے تھے قوم میں چند زیرک لوگ موجود تھے ان کے کہنے پر سب مرد و زن، پیر و جوان، شیرخوار بچے سب کھلے میدان میں نکل آئے اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ان کی توبہ کو قبول کیا اور عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جب پتہ چلا تو خیال کیا اب میں کس منہ سے اپنی قوم کے پاس جاؤں گا وہ مجھے دیکھیں گے تو جھوٹا کہیں گے چنانچہ آپ نے کہیں دور چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ بھی اذن الٰہی کے بغیر تھا۔ ایسی فروگزاشت کسی دوسرے سے قابل برداشت ہو تو ہو لیکن نبی سے یہ چیز برداشت نہیں کی جاتی۔ آپ کشتی میں سوار ہوئے کشتی پہلے بھری ہوئی تھی وہ ڈوبنے لگی ملاحوں نے وزن کم کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں گرانا چاہا تاکہ باقی مسافر بچ جائیں۔ اس مقصد کے لیے قرعہ اندازی ہوئی۔ تینوں بار قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اس غلطی کی سزا ہے۔ چنانچہ آپ نے چھلانگ لگا دی مچھلی منہ کھولے گویا منتظر تھی فوراً نگل لیا۔

کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یونس میرا بندہ تھا وہ ہمیشہ میرے ذکر میں مشغول رہتا تھا۔ اس لیے ہم نے اسے بچا لیا اور نہ وہ قیامت تک مچھلی کے شکم میں ہی رہتا۔ حکم الٰہی کے مطابق مچھلی آپ کو لیے ہوئے ساحل پر آئی۔ جہاں کھلا میدان تھا آپ کو وہاں اگل دیا۔ اتنی مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے باعث گوشت گداز ہو گیا تھا۔ بال اور ناخن جھڑ گئے تھے۔ اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اسی وقت کدو کی ایک بیل اگی اور اس نے اپنے چوڑے چوڑے پتوں سے آپ کو ڈھانپ لیا تاکہ سورج کی گرمی سے بھی تکلیف نہ پہنچے اور مکھی وغیرہ بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ جب قوت بحال ہوئی تو حکم ملا اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ جس کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زائد تھی۔ چنانچہ جب قوم نے آپ کو دیکھا تو بڑی عزت و تکریم کی آپ کی دعوت کو دل و جان سے قبول کیا اور آپ کی اطاعت کو وظیفۂ حیات بنا لیا۔ چند مشکل الفاظ: اَبَقَ: غلام کا بھاگ جانا۔ سَاهَمَ: حصہ لینا: اس سے مراد قرعہ اندازی میں شریک ہونا۔ مدحضین: مغلوبین۔ حوت: بڑی مچھلی۔ مُلِیم: داخل فی الملامۃ۔ عراء: چٹیل میدان، جہاں سبزہ درخت بوٹا کچھ بھی نہ ہو۔ یقطین: بیل کدو۔

وَ اَنۡۢبَتۡنَا عَلَیۡہِ شَجَرَۃً مِّنۡ یَّقۡطِیۡنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرۡسَلۡنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلۡفٍ

اور اُن کی حفاظت کے لیے ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے

اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوۡا فَمَتَّعۡنٰہُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسۡتَفۡتِہِمۡ اَلِرَبِّکَ

زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔ ذرا پوچھیے ان (نادانوں) سے

الۡبَنَاتُ وَ لَہُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّ ہُمۡ

کیا آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ۔۔۔ کیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ

شٰہِدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ مِّنۡ اِفۡکِہِمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰہُ ۙ وَ اِنَّہُمۡ

موجود تھے۔ غور سے سنو! وہ محض بہتان تراشی کرتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے اور وہ بلاشبہ

لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ

جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لیے) بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر ۔۔۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے

۔۔۔ سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ سے چند سوالات پوچھنے کا حکم دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی کم فہمی اور گمراہی خود ان کے قول یا حال سے عیاں ہو جائے۔ یہاں ان کی ایک اور حماقت کے متعلق ان سے استفسار کرنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ عرب کے کئی قبائل جہینہ، سلیم، خزاعہ اور بنی ملیح (روح المعانی) وغیرہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ العیاذ باللہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ان سے پوچھیے کہ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ شرم کے مارے کسی کو منہ نہیں دکھاتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کی تو وہ بھی لڑکیاں۔ کتنی حماقت اور بے انصافی ہے۔

۔۔۔ تم جو اتنے وثوق سے یہ دعویٰ کر رہے ہو تو تمہارے پاس ضرور کوئی پکی دلیل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو پیدا فرمایا کیا اس وقت تم پاس موجود تھے اور تم نے دیکھا کہ وہ لڑکیاں ہیں یا تمہارے پاس اس بات کا کوئی تحریری ثبوت ہے کسی نبی کا نوشتہ یا کوئی آسمانی صحیفہ۔ جب ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں، نہ تم فرشتوں کی آفرینش کے وقت پاس تھے اور نہ تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت موجود ہے تو یہ کتنی نادانی ہے کہ ایک غلط بات پر یوں اڑے ہوئے ہو اور اگر کوئی دستاویز اس بارے میں تمہارے پاس ہے تو اسے چھپاؤ نہیں سب کے سامنے پیش کر دو تاکہ دوسرے لوگ بھی تمہارے ہمنوا بن جائیں۔

تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَٰنٌ مُّبِينٌ ﴿١٥٦﴾ فَأْتُوا

فیصلے کرتے ہو ۔ کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے ۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے ۔ تو اپنی وہ

بِكِتَٰبِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا

دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو ۔ اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ ۔

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحَٰنَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٥٩﴾

حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا ۔ پاک ہے اللہ (ان خرافات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں ۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿١٦١﴾ مَا أَنتُمْ

مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی بیہودہ باتیں نہیں کرتے) ۔ پس تم اور جن (بتوں) کی تم پوجا کرتے ہو ۔ تم (سب مل کر)

عَلَيْهِ بِفَٰتِنِينَ ﴿١٦٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ

اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے ۔ مگر اسے جو پہنچنے والا ہے بھڑکتی آگ کو ۔ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے

مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿١٦٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿١٦٦﴾

کوئی ایسا نہیں جس کے لیے مقام معین نہ ہو ۔ اور ہم صفیں باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں ۔ اور بیشک ہم (اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں) ۔

کلبی کہتے ہیں کہ بعض کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ جنوں میں شادی کی اور اس سے فرشتے پیدا ہوئے ۔ اس اعتقاد باطل کی تردید فرمائی جا رہی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کفار کو چیلنج فرما رہے ہیں کہ تم اور تمہارے باطل معبود خواہ کتنی کوشش کریں تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ، بجز ان بدبختوں کے جن کے مقدر میں عذاب جہنم لکھا جا چکا ہے ۔ یہی مفہوم علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے ۔ لکھتے ہیں :

« اهل التفسير مجمعون فيما علمت على ان المعنى ما انتم بمضلين احدا الا من قدر الله عز وجل ان يضل » (قرطبی)

یہ فرشتوں کا قول ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں ۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے صفیں باندھے یا پر پھیلائے ہر لحظہ تیار کھڑے ہیں اور ہمہ وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہیں ۔

وَإِن كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾

اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا بِهِ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾

تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پس (جب نصیحت آ گئی) تو اسے ماننے سے انکار کر دیا، وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے ۵۲

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ﴿١٧٢﴾

اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے۔ کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ ۵۳

وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ

اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر اور (ذرا) دیکھتے رہیے ان کو

فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ

وہ (خود بھی) اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب (دیکھنے) کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن

فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ

میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لیے ۵۴ اور (قدرت الٰہی کا

۵۲ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے وہ یہ کہا کرتے تھے اور جب قرآن نازل ہوا تو انہوں نے کیا طرز عمل اختیار کیا اس کے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے۔

۵۳ ارشاد خداوندی ہے کہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ فتح و نصرت، عزت اور غلبہ ہمارے رسولوں کو اور ان کے ماننے والوں کو نصیب ہوگا۔ یہ نصرت و غلبہ ظاہری طور پر بھی ہو سکتا ہے اور اس طرح بھی کہ دنیا ان کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور دل ان کی محبت و تکریم کے جذبات سے معمور ہو جائیں۔

۵۴ یہ نادان ہمارے عذاب کے نزول کے لیے بیتاب ہیں اور آپ کی صداقت کا معیار انہوں نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ اگر ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا تو آپ سچے اور اگر نہ اترا تو پھر آپ کی نبوت کو وہ تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن وہ کتنے نادان ہیں۔ اگر عذاب نازل ہو گیا اور انہیں اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق آپ کی نبوت کی تصدیق ہو گئی تو انہیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾

تماشا دیکھتے رہیے وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان (نازیبا) باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۲﴾

اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

کتنا کیا حسن اختتام ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من قال دبر کل صلوٰۃ سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلٰم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین ثلاث مرات فقد اکتال بالمکیال الاوفٰی من الاجر۔ یعنی جس شخص نے نماز کے بعد یہ تین آیتیں تین مرتبہ پڑھیں گویا اس نے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر لیا۔

اللّٰھم صل وسلم علی انبیائك ورسلك لاسیما علی افضلھم واکرمھم سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین اکرم الاولین والآخرین سیدنا ومولانا وحبیبنا و شفیعنا محمد و علی آلہ وصحبہ ومن تبعہ من امتہ الی یوم الدین یارب العٰلمین۔

محمد کرم شاہ

یوم الجمعہ
۱۵ رجب
۱۰ ستمبر
مگھال

یوم الاثنین
۱۴ رجب
۲۸ اگست
نظر ثانی
بھیرہ سرگودھا

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ صٓ

نام : اس کا نام صٓ ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اٹھاسی اور کلمات کی تعداد سات سو بتیس اور حروف کی تعداد تین ہزار چوبیس ہے۔ اس کے پانچ رکوع ہیں۔

زمانۂ نزول : اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن مکی زندگی کے کس دور میں اس کا نزول ہوا اس بارے میں کوئی صراحت تو نہیں ملتی البتہ مفسرین کرام نے اس کے شانِ نزول کے بارے میں جو روایت لکھی ہے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

روایت یہ ہے کہ جناب ابوطالب بیمار ہو گئے۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی تو مکہ کے رئیسوں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس بیماری میں وفات پا جائیں۔ ان کی وفات کے بعد اگر ہم نے نبی کریم پر سختی کی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ کل تک ابوطالب زندہ تھے تو تم نے انہیں کچھ نہ کہا۔ اب ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی تم نے تشدد شروع کر دیا ہے اس لیے بہتر ہے کہ ہمارا ایک وفد ان کے پاس جائے شاید باہمی مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث چند دوسرے رؤسا کے ساتھ ابوطالب کے پاس گئے اور کہا: يَا اَبَا طَالِبٍ اَنْتَ كَبِيْرُنَا وَسَيِّدُنَا فَاَنْصِفْنَا مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَمُرْهُ فَلْيَكُفَّ عَنْ شَتْمِ آلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَاِلٰهَهُ (ابن کثیر)

"اے ابوطالب! آپ ہم سب سے بڑے اور ہمارے سردار ہیں۔ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیں۔ آپ انہیں حکم دیں کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں تو ہم انہیں اور ان کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

چنانچہ آپ نے حضور کو بلا بھیجا۔ حضور جب تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا کہ یہ آپ کی قوم کے شیوخ اور سردار ہیں لوگ ان کا یہ مطالبہ ہے۔ حضور نے فرمایا چچا جان! کیا میں ان کو ایسی بات کی دعوت نہ دوں جو ان کے لیے سراپا خیر ہے۔ پوچھا کیا؟ ہے حضور نے فرمایا: اُدْعُوْهُمْ اِلٰى اَنْ يَّتَكَلَّمُوْا بِكَلِمَةٍ تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَيَمْلِكُوْنَ بِهَا الْعَجَمَ یعنی میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک کلمہ کہیں، اس کی برکت سے سارا عرب بھی ان کا باجگزار بن جائے گا اور عجم کے بھی وہ مالک بن جائیں گے۔

ابوجہل کہنے لگا ہم ایک نہیں ایسے دس کلمے بھی کہنے کے لیے تیار ہیں بتاؤ وہ کلمہ کونسا ہے۔ حضور نے فرمایا تم کہو کہ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ۔ یہ سن کر وہ بھڑک اٹھے اور جھاگ بہاتے ہوئے اس محفل سے چلے گئے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

اگر یہ واقعہ جناب ابوطالب کے مرضِ وفات کا ہے تو پھر اس سورت کا سال نزول نبوت کا دسواں سال ہوگا لیکن بعض

میں ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسری بیماری کا ہے بہرحال اس سے بھی اتنا اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب اسلام کی شمع بجھانے کے لیے تمسخر اور استہزاء کے حیلے ناکام ہو چکے تھے بلکہ کفار مکہ کا جور و ستم اور جبر و تشدد بھی اسلام کی ترقی کو روکنے سے عاجز آ چکا تھا اسی لیے تو وہ اس کمزور شرط پر بھی مصالحت کرنے کے لیے تیار تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بتوں کو کچھ نہ کہیں اور بیشک اپنے خدا کی عبادت کرتے رہیں اس قیاس کے مطابق مکی زندگی کا درمیانی دور اس سورت کا زمانہ نزول ہو سکتا ہے۔

مضامین: اس سورت میں انہی تین مہلک بیماریوں کا علاج فرمایا جا رہا ہے جن میں اہل مکہ بری طرح مبتلا تھے۔

۱۔ وہ حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے انہیں اس انتخاب میں کوئی حکمت نظر نہ آتی تھی کہ جزیرہ عرب کے بڑے بڑے رؤساء کو تو نظر انداز کر دیا جائے اور منصب نبوت کے لیے ایک ایسی ہستی کو چن لیا جائے جس کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ اعوان و انصار کے جتھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبوت تو میرا انعام ہے جس کو میں اس کے قابل سمجھتا ہوں سرفراز کرتا ہوں۔ کیا میری رحمت کے خزانوں کے کنجی بردار یہ لوگ ہیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔

۲۔ حضور کو نبی نہ ماننے کی ان کے پاس ایک دلیل یہ بھی تھی یہ کہتے ہیں کہ سارے جہانوں کا ایک خدا ہے نعوذ باللہ کائنات کے وسیع و عریض نظام کو کیا ایک خدا چلا سکتا ہے جو شخص ایسی خلاف عقل باتیں کرے ہم اس کو نبی کیسے مان لیں لیکن عقیدہ توحید کو قرآن کریم نے ایسے زور دار دلائل سے ثابت کر دیا تھا کہ کفار کے پاس کوئی جواب نہ تھا سچ پوچھو تو لوگوں کی اندھی حمیت کو بیدار کر دیتے تھے اور انہیں کہتے کہ اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں سے چمٹے رہو اور آقائے نامدار کی تمہارے سامنے پیش کی جائیں ان کو ماننے سے صاف انکار کر دو۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی اس نادانی اور ان کے اس احمقانہ رویے سے کتنا دکھ ہوتا ہو گا اللہ تعالیٰ حضور کو صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنے جلیل القدر انبیاء کے حالات اور انہیں پیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ کر کے حضور کی دلجوئی فرماتا ہے۔
ایک بات غور طلب ہے یہاں اولین مقصد اہل عرب کے مشرکانہ عقائد کا ابطال ہے۔ اسی سلسلہ میں انبیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ساتھ ہی ان کے بے مثل کمالات، بے پایاں انعامات اور غیر محدود اختیارات کا ذکر بھی بڑے موثر پیرایہ میں کیا جا رہا ہے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے کمالات و اختیارات بیان کرنے سے عقیدہ توحید کمزور نہیں ہوتا بلکہ مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھی ان آیات کو ذرا ہوش کھول کر پڑھیں جو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات اور حضور پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے بے پایاں احسانات بیان کرنے میں اس لیے بخل سے کام لیتے ہیں کہ عقیدہ توحید کو ضعف نہ پہنچے حقیقت یہ ہے کہ جتنی شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء زیادہ آشکارا کی جائے گی اسی قدر اس کو بھیجنے والے خدا کی عظمت و کبریائی کا نقش لوح قلب پر ثبت ہوتا جائے گا۔ سورت کے اختتام سے پہلے تخلیق آدم کا تذکرہ فرمایا اور نفخت فیہ من روحی فرما کر ان کی شان عظمت اور ان کے حسنِ سعود لہ کی طرف اشارہ کر دیا جن کا آدم کو امین بنایا گیا ہے ساتھ ہی بتا دیا کہ شیطان نے آدم کی بے ادبی کر کے اپنے آپ کو ابدی لعنتوں کا مستحق قرار دے دیا۔ خود سوچو جو شخص محبوب رب العالمین کی شان کریمی کا انکار کرے گا اور بے ادبی کا مرتکب ہو گا اس کی تباہی و بربادی کا کیا حال ہو گا۔ — آخر میں فرمایا کہ یہ کتاب ذکر للعالمین ہے کسی مخصوص قوم کے لیے یا کسی مخصوص زمانہ کے لیے یہ پیغام ہدایت نہیں بلکہ سارے جہاں اس کے نور سے تاباں و درخشاں ہیں۔ جب یہ کتاب ذکر للعالمین ہے، اس کو لانے والا رحمۃ للعالمین ہے اور اس کو نازل فرمانے والا رب العالمین ہے تو سارے نوع انسانی کا ایک دین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ دین اسلام ہے۔

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُھَا ۸۸ رُکُوْعَاتُھَا ۵

سورت ص مکی ہے اس میں   اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے   اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ① بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ②

ص ۱؎ قسم ہے قرآن سراپا نصیحت کی (دعوتِ محمدی حق ہے) ۲؎ لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں (اندھے ہو گئے) ہیں ۳؎

کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ وَ

بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا ۴؎ اور

۱؎ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سورۃ کا نام ہے۔

۲؎ واؤ قسم کے لیے ہے یعنی ہمیں قرآن کی قسم ہے جس میں تمہاری دینی اور دنیوی سعادتوں کا مفصل بیان ہے اور جوابِ قسم محذوف ہے یعنی دینِ محمدی حق ہے۔ جوابِ قسم کے بارے میں اور قول بھی ہیں لیکن یہ اولیٰ ہے۔

۳؎ اگرچہ اسلام کی حقانیت اور دعوتِ محمدی کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے لیکن کفار ازراہِ غرور و عناد اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

علامہ پانی پتی اس کا شانِ نزول بحوالہ احمد و ترمذی یہ بیان کرتے ہیں کہ جناب ابو طالب ایک دفعہ بیمار ہو گئے قریش آپ کی عیادت کے لیے آئے۔ اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لائے۔ قریش نے ابو طالب سے حضور کی شکایت کی آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا میرے بھتیجے! تم اپنی قوم سے کس بات کا مطالبہ کرتے ہو۔ حضور نے فرمایا:

" ارید منھم کلمۃ تدین لھم بھا العرب وتؤدی الیھم العجم جزیۃ۔ کلمۃ واحدۃ۔ قال ما ھی؟ قال لا الٰہ الا اللہ "

ترجمہ: حضور نے فرمایا: میں ان سے صرف ایک بات ماننے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اگر وہ مان لیں گے تو سارا عرب ان کا مطیع ہو گا اور عجم ان کو خراج پیش کرے گا۔ آپ نے پوچھا: وہ کونسی بات؟

حضور نے فرمایا: وہ صرف یہ کہہ دیں لا الٰہ الا اللہ۔

کفار نے ازراہِ تعجب کہا: صرف ایک خدا یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ ہم یہ کیسے مان سکتے ہیں اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں یعنی کفار کا انکار کسی معقولیت پر مبنی نہیں محض غرور و عناد کی وجہ سے مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ عزۃ: استکبار عن الحق و حمیۃ جاھلیۃ یعنی حق سے نخوت اور زمانہ جاہلیت کی عصبیت شقاق: خلاف و عداوۃ۔ مخالفت اور عداوت۔

۴؎ کفار کی اس ہٹ دھرمی پر انہیں سرزنش کی جارہی ہے کہ تم سے پہلے بھی جو لوگ غرور و پندار سے مست تھے اور حق سے

وَعَجِبُوٓا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ ۫ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④

اور وہ اس پر حیران ہیں کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے ۵

اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ

کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بیشک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے، اور تیزی سے چل دیے

بلندیوں سے جلا دیں عداوت رکھتے تھے ان پر جب ہمارا عذاب آیا تو ان کے سارے نشے ہرن ہو گئے۔ ساری دشمنیاں بھول گئے اور لگے چلانے اور فریاد کرنے۔ لیکن انہیں صاف صاف بتا دیا گیا کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں اب یہ واویلا لغو اور بے سود ہے۔

لات حین مناص کی ترکیب میں نحویوں کے متعدد اقوال ہیں۔ سیبویہ کے نزدیک لا مشبہ بلیس۔ مبالغہ اور تاکید کے لیے تا زائد کر دی گئی ہے۔ حین مناص اس کی خبر ہے اس لیے منصوب ہے۔ اور اس کا اسم "حین" محذوف ہے۔ اور اخفش کے نزدیک لا نفی جنس کے لیے ہے۔ حین مناص اس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای لات حین مناص لہم۔ مناص کا معنی ملجاء اور مفر، جائے پناہ۔

جب میدان جنگ میں کوئی قبیلہ دشمن کے حملے کی تاب نہیں لا سکتا تھا تو وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے: مناص ای علیکم بالفرار۔ یعنی بھاگ کر جان بچاؤ۔ پہلی قوموں پر جب عذاب الٰہی آیا اور اس کے مقابلے کی طاقت اپنے اندر نہ پائی تو حسب دستور وہ کہنے لگے، مناص مناص، یعنی جس طرح ہو سکتا ہے بھاگ کر جان بچاؤ۔ اسی وقت انہیں کہا گیا۔ لات حین مناص، اب تم کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ بھاگ جانے کا وقت اور بچ جانے کا وقت اب گزر گیا ہے۔ (روح المعانی)

بعض نحویوں نے کہا ہے کہ لات یہ لیس کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ یا کو الف سے اور سین کو تا سے بدل دیا۔ بعض نے کہا کہ لات فعل ماضی ہے اس کا معنی نقص و نقص ہے۔

ف وہ اس بات پر بڑے حیران تھے کہ ان میں سے ایک شخص کو کیونکر چن لیا گیا ہے اور اسے نبوت کی ذمہ داریاں کیوں سونپ دی گئی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور کو ماننے سے انکار کر دیا اور ساحر و کذاب کے بہتان لگانے لگے۔

کفار کا پہلے ذکر ہو چکا تھا۔ قال الکفرون میں پھر اسم ظاہر ذکر کرنے کے بجائے ضمیر ہی کافی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اظہار غضب کے لیے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے اسم ظاہر ذکر کیا تاکہ یہ بھی پتہ چلے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی طرف سحر و کذب کی جو نسبت کی ہے اس کی وجہ محض ان کا کفر ہے۔ وَضَعَ الظَّاهِرَ مَوْضِعَ الضَّمِيرِ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَذَمًّا لَهُمْ وَاِشْعَارًا بِاَنَّ كُفْرَهُمْ جَسَّرَهُمْ عَلٰى مَا قَالُوْا۔

ف جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو کفار کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی ان کی پریشانی اور اضطراب کی حد نہ رہی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔ پچیس کے قریب اکابر قوم اکٹھے ہوئے اور حالات

مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚۖ ﴿۶﴾

قوم کے سردار (رسول کے پاس سے) اور (قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے خداؤں پر بےشک اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض ہے

کی سنگینی پر تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ ولید عمر میں سب سے بڑا تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ چلو ابوطالب کے پاس چلیں اور اسے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائے۔ چنانچہ سب اکابر حضرت ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کی۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا بھیجا اور انہیں سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ رحمتِ عالم نے ارشاد فرمایا: یاعماه أفلا ادعوهم الی ما هو خیر لهم۔ اے چچا کیا میں اپنی قوم کو اس بات کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی خیر و فلاح ہے۔ ابوطالب نے پوچھا وہ کونسی دعوت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میں انہیں ایک کلمہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر یہ اس کو قبول کرلیں تو عرب و عجم میں ان کی فرمانروائی ہوگی۔ قال ابوجهل ما هی وابیك لنعطیكها وعشر امثالها ابوجہل نے کہا کہ تیرے باپ کی قسم وہ کون سا نیا کلمہ ہے ہم صرف ایک کلمہ نہیں بلکہ اس طرح کے دس کلمے بھی ماننے کے لیے تیار ہیں قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقولون لا الٰہ الا اللہ۔ فقاموا من عنده غضاباً۔ (ابن کثیر) حضور نے فرمایا تم صرف یہ کہو لا الٰہ الا اللہ۔ یہ سنتے ہی بڑے غضبناک ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اجعل الالهة الٰها ان کے نزدیک یہ بات ناممکن تھی کہ ایک خدا کائنات کی بےشمار چیزوں کے بےشمار احوال اور ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے انہوں نے بہت سے خدا بنا لیے تھے اور ہر ایک کو زندگی کا ایک ایک شعبہ تفویض کر دیا تھا۔

ان کے ذہن میں خدا کا کتنا ناقص تصور تھا۔ وہ اپنی طرح اس کی قوتوں کو بھی محدود تصور کرتے تھے لیکن وہ خدا جو سچا خدا ہے اور جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ اس کی قوتیں، اس کی عظمتیں لامحدود ہیں۔ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ مالک بھی وہی ہے اور اپنی حکمت سے ان کی بقا اور نشوونما کے سارے اسباب مہیا فرما رہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں کیا اعتقاد تھا۔ وہ انہیں صفتِ الوہیت سے متصف سمجھتے تھے وہ انہیں اپنا الٰہ اور معبود خیال کرتے تھے لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ شہادت دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ لا الٰہ الا انت سبحانك لا شریك لك لك الملك ولك الحمد وانت علیٰ كل شیء قدیر ہمارا یہی عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسی پر زندہ رکھے اور اسی پر ہم یہاں سے رخصت ہوں۔

ش عجاب، بلیغ فی العجب: از حد حیرت انگیز یعنی ایک خدا کا عقیدہ بڑا تعجب انگیز ہے بھلا کوئی شخص اسے کیسے قبول کر سکتا ہے علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ العجاب، العجاب والعجب سواء یعنی یہ تینوں لفظ ہم معنی ہیں۔ وقد فرق الخلیل بین عجیب وعجاب فقال والعجیب المعجب، والعجاب الذی قد تجاوز حد العجب خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عجیب حیرت انگیز چیز کو کہتے ہیں اور عجاب اس کو کہتے ہیں جو تعجب انگیزی میں حد سے تجاوز کر گئی ہو۔ ش جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝٧ ءَاُنْزِلَ

ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی۔ یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ ف کیا نازل کیا گیا ہے

عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا

اس پر "الذکر" (قرآن) ہمارے درمیان میں سے ف بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق۔ بلکہ انہوں نے ابھی

يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩

نہیں چکھا میرے عذاب کا مزہ ف کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا بہت عطا کرنے والا ہے ف

اپنی دعوت اور اس دعوت کی قبولیت پر مترتب ہونے والے نتائج بڑے وثوق اور فیصلہ کن انداز میں ان کے سامنے پیش کیے تو کفار گھبرا گئے۔ انہیں اپنے خداؤں کی مجوزہ خدائی کا تختہ ڈولتا ہوا نظر آنے لگا۔ فوراً خود بھی اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے عوام کو بھی بڑے مشفقانہ اور ناصحانہ انداز میں ہدایت کی کہ یہاں سے نکلو۔ ان کی چکنی چپڑی باتیں مت سنو۔ اپنے مشرکانہ عقیدہ پر سختی سے جمے رہو۔ یہ دعوت اپنی حکومت اور اپنے تسلط کو قائم کرنے کے لیے دی جارہی ہے۔ اس کا صداقت و حقانیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ الشئ یراد ای انما یرید محمد بما یقول الاستیلاء والعلو علینا و ان نکون له اتباعا۔ الانطلاق: الذهاب بالسرعة، جلدی سے چلے جانا۔

ف یہ بالکل نئی اور من گھڑت بات کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا تو عیسائیت جو آخری ملت ہے اس میں بھی اس کا کوئی ثبوت ملتا۔ اختلاق: کذب اختلقه: ایسا جھوٹ جسے خود گھڑ لیا ہو۔

ف وہ اپنے پیروکاروں کو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے واقعی کوئی پیغمبر بھیجنا تھا تو سارے مکہ اور عرب میں سے انہیں کیوں منتخب کیا۔ نہ مال و زر ہے نہ کوئی یار و مددگار۔ ہم بڑے بڑے رؤساء، امراء اور سرداران قوم موجود تھے جن کے رعب و دبدبہ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس خدمت کے لیے مامور کیا جانا چاہیے تھا تاکہ لوگ ہمارے اثر و رسوخ کے باعث دین کو قبول کر لیتے۔

ف وہ ایسی باتیں اس لیے بنا رہے ہیں کہ ابھی ہمارے عذاب کا کوڑا ان کی پشت پر نہیں لگا۔ ایک تھپیڑا رسید ہوا تو سارا خمار اتر جائے گا۔ تو دبخود عقل درست ہو جائے گی۔

ف رحمت کے خزانوں کے مالک ہم ہیں۔ ان کو بانٹنے والے ہم ہیں۔ جس کو چاہیں، جتنا چاہیں اور جس وقت چاہیں عطا فرما دیں۔ یہ کون ہیں ہماری بخشش و عطا پر اعتراض کرنے والے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو جھڑکا جا رہا ہے اور سرزنش کی جا رہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اعتراض کیا کرتے تھے۔

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰

کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے تو انہیں چاہیے کہ چڑھ جائیں آسمان پر رسیاں تان کر

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

(در حقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بدر میں) شکست دی جائیگی ۔ جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے

وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ

عاد اور میخوں والے فرعون نے ۔ اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے ۔

ف۱۳ نبوت کا مقام تو بہت اونچا ہے کسی کو نبوت کی نعمت سے سرفراز کرنے کا اختیار تو بہت جلیل اور عظیم امر ہے لیکن انہیں تو اس مادی دنیا کی معمولی چیزوں کے دینے اور چھینے کا بھی کوئی اختیار نہیں ۔ اگر ان کے پاس کوئی قوت و اختیار ہے تو اسے کام میں لا کر عرش تک رسائی حاصل کر لیں اور وہاں قبضہ جما کر بیٹھ جائیں اور کائنات کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیں ۔ مشرکین مکہ کا یہ اعتراض اور اس کا رد مختلف مقامات پر اور مختلف انداز سے مذکور ہے اسباب سے مراد یا تو وہ راستے ہیں جن سے آسمان تک پہنچا جاتا ہے یا اس سے مراد آسمانوں کے دروازے ہیں ۔ ہر وہ چیز جس سے کسی چیز تک پہنچا جاسکے ۔ اسے سبب کہتے ہیں ۔ قال قتادہ ومجاہد اراد بالاسباب ابواب السماء وطرقہا من سماء الی سماء وکل ما یوصلک الی شیء من باب او طریق فہو سببہ ۔ (مظہری) یعنی قتادہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اسباب سے مراد آسمان کے دروازے ہیں یا وہ راستے جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں الغرض ہر وہ چیز جو کسی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اسے سبب کہتے ہیں ۔

ف۱۴ یعنی یہ مٹھی بھر تھوڑی سی فوج جسے کچھ عرصہ بعد میدان بدر میں پیس کر رکھ دیا جائے گا اس کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہماری عطا پر اعتراض کریگے ۔

ف۱۵ ان سے پہلے بڑی بڑی سرکش قومیں اور فرعون جیسے جابر اور طاقتور بادشاہ گزرے ہیں جب انہوں نے ہماری نافرمانی کی تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر انہیں خاک سیاہ بنا دیا اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا ۔ فرعون کو ذی الاوتاد فرمایا گیا ہے ۔ اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں ۔ لغت میں وتد اس کھونٹی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں یہاں اس سے یا تو اس کے لشکر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کا لشکر اتنا کثیر تھا کہ جہاں وہ پڑاؤ کرتا اس کے خیمے نصب ہوتے تو ہر طرف کھونٹیاں ہی کھونٹیاں نظر آنے لگتیں جن کے ساتھ ان کے خیموں کی رسیاں باندھی جاتیں بعض علماء نے کہا کہ اس کی حکومت کے استحکام اور پختگی کا ذکر ہے ۔ اور بعض نے فرعون کو ذو الاوتاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس کا دستور تھا کہ جب وہ کسی مجرم کو سزا دیتا تو زمین میں چار میخیں گاڑ دیتا ۔ پھر اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو ان کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیتا یہاں تک

أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَ

یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا) ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب ۔ اور

مَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوا

نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (کفار مکہ) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہو گی [۱] اور (مذاقاً) کہتے ہیں

رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے [۲] (اے حبیب!) صبر کرو ان کی دل آزار باتوں

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ

پر اور یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا [۳] وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا ہم نے فرمانبردار بنا دیا پہاڑوں کو

کہ وہ شخص تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا یا اس کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیتا۔

[۱] علامہ جوہری نے مالہا من فواق کا معنی لکھا ہے کہ اے مالہا من نظرۃ و راحۃ و افاقۃ (صحاح) یعنی انہیں نہ مہلت دی جائے گی نہ انہیں آرام نصیب ہو گا اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ علامہ آلوسی فواق کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں دو لغتیں ہیں۔ فَواق ۔ فُواق بعض کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی ہیں اور بعض علماء لغت کا خیال ہے کہ فَواق اسم مصدر ہے۔ افاق المریض سے جب وہ بیماری سے صحت کی طرف رجوع کرے اسی لیے فراء نے اس کی تفسیر افاقۃ اور استراحت کے ساتھ کی ہے اور اگر فُواق ہو تو اس کا معنی وہ وقت ہے جب ایک مرتبہ دودھ دوہ لینے کے بعد تھنوں میں دوبارہ دودھ بھر جائے۔ (روح المعانی)

[۲] کہنے لگے صبح شام آپ ہمیں عذاب قیامت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اے ہم دعا کرتے ہیں کہ ہم پر تو ہمارے حصے کا عذاب آج ہی نازل کر دیا جائے اور ہمارے ساتھ جو کچھ ہونا ہے آج ہی ہو جائے۔ یہ باتیں وہ ازراہ مذاق کیا کرتے تھے۔ قال مجاھد قطنا ، عذابنا ، وکذا قال قتادہ نصیبنا من العذاب (قرطبی)

[۳] اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ گوئی پر صبر کی تلقین فرماتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام جن کو گوناگوں انعامات سے سرفراز کیا گیا تھا ان کا ذکر کر کے تسلی دیتے ہیں۔ عبدنا (ہمارا بندہ) فرما کر حضرت داؤد کو معزز و مشرف کیا۔ ذی الاید کا لغوی معنی ہے بہت ہاتھوں والا۔ اس سے مراد طاقتور اور قوی ہے کیونکہ آپ عبادت اور جہاد میں بڑی قوت اور توانائی کا مظاہرہ فرماتے۔ اس لیے آپ کو ذا الاید کہا گیا۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَ

وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت ۱۸ اور پرندوں کو بھی جو تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے۔ سب اسکی طرف بار بار رجوع کرنے والے تھے ۱۹ اور

شَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ أَتَاكَ

ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ ۲۰ اور کیا آئی ہے آپ کے

اور یہ روزہ نفس پر بڑا گراں اور اللہ کے نزدیک بڑا فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات عبادت میں گزارتے۔ میدان جہاد میں دشمن کا سامنا ہوتا تو جم کر مقابلہ کرتے اور وہاں سے بھاگنے کا خیال تک دل میں نہ لاتے اور جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگنے کے لیے کھڑے ہوتے تو عجز و نیاز کی انتہا کر دیتے۔ ذا القوۃ فی العبادۃ کان یصوم یوما و یفطر یوما وذلک اشد الصوم وافضلہ۔ وکان یصلی نصف اللیل وکان لا یفر اذا لاقی العدو وکان قویا فی الدعاء الی اللہ تعالیٰ (قرطبی)۔ اوّاب: بہت رجوع کرنے والا۔ رَجَّاعٌ الی اللہ تعالیٰ وطاعتہ عز وجل۔

۱۸ اللہ تعالیٰ نے جن خصوصی عنایات سے آپ کو نوازا ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ آپ جب یادِ الٰہی میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ مل کر ذکر کیا کرتے۔ پہاڑوں کی اس تسبیح سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب آپ ذکر کرتے تو آپ کی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے۔ اسی گونج کو پہاڑوں کا ذکر کہا گیا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہاڑ زبانِ حال سے ذکر الٰہی کیا کرتے اور بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ جب آپ مصروفِ ذکر ہوتے تو پتھر، سنگریزے، چٹانیں اور پہاڑی ڈھلوانیں سب زبانِ قال سے آپ کے ساتھ مل کر ذکر کیا کرتیں۔ علامہ قرطبی نے اسی قول کو صحیح فرمایا ہے۔ ان ذلک تسبیح مقال هو الصحیح من الاقوال۔

اشراق اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں انہیں صلوٰۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں صلوٰۃ الضحیٰ کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَةِ الضُّحٰی غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ کہ جو شخص پابندی سے ضحیٰ کے وقت دو نفل پڑھے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے مانند ہوں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اوصانی خلیلی بثلاث لا ادعھن حتی اموت۔ صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر۔ صلوۃ الضحیٰ ونوم علی وتر۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میرے خلیل نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے اور تادمِ مرگ میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ ۱۔ ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھنا۔ ۲۔ نمازِ ضحیٰ۔ ۳۔ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔ ضحیٰ کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ آپ کی آواز اتنی شیریں، دلکش اور سوز و گداز سے بھری ہوئی تھی کہ جب آپ ذکر کرتے تو اڑتے ہوئے پرندے بھی رک جاتے اور آپ کے ارد گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملا کے اپنے خالق کریم کی تسبیح کرتے۔ ۲۰ لہ کی ضمیر کا مرجع حضرت داؤد

نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ

پاس اطلاع فریقانِ مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی ۲۳ اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر تو آپ گھبرا

قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ

گئے ان سے۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف

وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَ

فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے ۲۴ اور دکھا دیجئے ہمیں سیدھا راستہ۔ صورت نزاع یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے

علیہ السلام ہیں یعنی پہاڑ اور پرندے سب آپ کے اطاعت گزار رہتے۔ کل لہ ای لداؤد اواب ای مطیع (قرطبی) اور بعض نے لہ کا مرجع ذات باری کو بنایا ہے۔ قیل الھاء للہ عزوجل۔

۲۳ نیز ہم نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی حکومت کو مستحکم کر دیا۔ آپ کی ہیبت دلوں میں بٹھا دی کسی کی مجال نہ تھی کہ بغاوت اور سرکشی کا خیال تک دل میں لا سکے۔ اس کے علاوہ آپ کے سینہ کو نورِ حکمت سے روشن فرما دیا اور آپ کو ایسی بے نظیر فصاحت و بلاغت بخشی کہ آپ کی گفتگو کے بعد کسی کو تکرار یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی اور سب جھگڑے ختم ہو جاتے۔ فصل الخطاب، البیان الفاصل بین الحق والباطل، ایسا بیان، ایسی تقریر جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔

۲۳ اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ان آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔

جب کسی واقعہ کی اہمیت پر مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔ الاستفہام التنبیہ علی جلالۃ القصۃ والاصغاء الیہا والاعتبار بہا یعنی کیا آپ کو اس دلچسپ واقعہ کی اطلاع ملی ہے کہ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں اچانک جا گھسے۔ تسوروا الحائط، تسلق: دیوار پر ٹیک کر چڑھنا۔ محراب سے مراد آپ کی عبادت کا حجرہ ہے۔ اس کا ماخذ حرب ہے چونکہ وہاں آپ اپنے نفس سے برسرپیکار رہتے، اس لیے اس کو محراب کہا گیا۔ مسجد کے محراب کو بھی اسی لیے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوائے نفس، تضلیل ابلیس اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہدِ رسالت میں نہ تھی۔ صرح الجلال السیوطی ان المحاریب التی فی المساجد بجیئتہا المعروفۃ الیوم لم تکن فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ (روح معانی)

۲۴ آپ کا معمول تھا کہ آپ ایک روز حکومت کے کاروبار کو انجام دیتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ ایک روز اپنے گھر کے

تِسْعُونَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے۔ ۲۱ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۖ وَاِنَّ كَثِيْرًا

ساتھ گفتگو میں ۲۲ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملا دے ۲۳ اور اکثر شرکاء

مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر ۲۴ سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے

فرائض انجام دیتے تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تاکہ لوگ ان کی عبادت میں مخل نہ ہوں۔ اس روز کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ اندر آنے کی جرأت کر سکے۔ ایک دفعہ آپ اپنے عبادت کے حجرے میں مصروف تھے۔ ایسے وقت میں ان اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کیے حجرے کے اندر گھس آنا بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی وہ بھی اس چیز کو بھانپ گئے اور کہنے لگے ڈریئے نہیں ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ازراہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجیے اور ہم میں سے کسی پر بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ جو فریق بھی ظلم و عدوان کی راہ پر گامزن ہے اسے عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائیے۔ ولا تشطط ای ولا تجاوز۔

۲۱ اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ۹۹ دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ننھی دُنبی ہے۔ یہ مجھے کہتا ہے کہ یہ ایک دُنبی بھی مجھے دے دو میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس طرح میری دُنبیوں کی تعداد پوری سو ہو جائے گی اور تو اس دُنبی کی حفاظت کے جھنجھٹ سے چھوٹ جائے گا۔

۲۲ یہ جب بات کرتا ہے تو چھا جاتا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میں داد رسی کرنے کے بجائے الٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ ای مخاطبۃ ایاہ محاجۃ بان جاء بحجاج لم اطق ردہ (معانی)

۲۳ آپ نے فریقین کی باتیں سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی سراسر زیادتی ہے۔ یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دُنبیوں سے بھی اس کی چشم آز سیر نہیں ہوئی۔ بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دُنبی دیکھ کر اسے رحم آتے اور ایسے دس بیس دُنبیاں اپنے پاس سے دیدے تاکہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے۔ وہ اس کے پاس ایک دُنبی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے یہ سراسر ظلم ہے، یہ سخت زیادتی ہے۔

۲۴ فرمایا اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے۔ بڑے حصے والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم

الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ

ہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۳۵؎ اور فوراً خیال آگیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگے

خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ۲۴ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۗ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ

اپنے رب سے اور گر پڑے سجدہ میں ۳۶؎ اور دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے پس ہم نے بخش دی ان کی یہ لغزش اور بیشک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے

کر دیتا ہے البتہ وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے ان کا حق نہیں چھینتے بلکہ حق و انصاف اور مروت و اخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔

۳۵؎ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

۳۶؎ یہ فیصلہ سنانے کے بعد معاً حضرت داؤد کو کوئی اپنی بات یاد آگئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جا رہی ہے فوراً مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے یہاں راکع سے مراد ساجد ہے۔ اور رکوع سجود کے معنی میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے جیسے اس شعر میں ہے۔ ؎

فخر علی وجہہ راکعا
وتاب الی اللہ من کل ذنب (روح المعانی)

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں راکعا کا معنی ساجداً ہے سجدہ کرنے والا۔

۳۷؎ بیشک داؤد کا مقام ہمارے نزدیک بہت بلند ہے اور ان کے پلٹ کر آنے کی جگہ بہت اعلیٰ و عمدہ ہے۔

آیات کی اس تشریح کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے ضیاء القرآن میں آپ مختلف مقامات پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام پر فحش تہمتیں لگانے میں کتنے بیباک تھے ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی طرف بھی منسوب کرتے ہوئے انسان ہچکچاتا ہے۔ وہ بے دریغ اپنے نبیوں، اپنے محسنوں اور اپنے شاہوں کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہی خرافات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے جو بائیبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے جی تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا جائے۔ لیکن عرض حال کے لیے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے:

" اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ الیعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے

پاس نہ بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔" آیات ۲۱ تا ۵۔

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد نے یوآب جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو حتی اوریاہ کو ایسی جگہ پر تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو:

"صبح کو داؤد نے یوآب کے لیے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا۔"

کتاب ۲- سیموئیل، باب ۱۱۔ آیت: ۱۴ تا ۱۷

علماء یہود نے اپنی مقدس کتاب میں جو الزام حضرت داؤد پر لگایا۔ اس کو پھر یوں اچھالا کر زبان زد عام ہو گیا۔ حتی کہ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من وعن ذکر کر دیا۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں:

"کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے۔"

امام رازی فرماتے ہیں: "وَالَّذِيْ اَدِيْنُ بِهٖ وَاَذْهَبُ اِلَيْهِ اَنَّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ" کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔ پھر اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں فرماتے ہیں:

اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا اور جس بدبخت نے ایسی فحش بات اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پرزور تردید کرے گا اور بہتان لگانے والے پر لعنت بھیجے گا۔ ایسا گھناؤنا جرم جسے ایک اوتے درجہ کا آدمی اپنے لیے پسند نہیں کرتا، ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب آلودہ ہو سکتا ہے۔ نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داؤد پر دو سنگین جرم ثابت ہوں گے۔ ایک قتل بیگناہ (۲) فعل قبیح۔ قرآن میں یہ آیات اس لیے نازل کی گئیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلجوئی ہو اور حضرت داؤد کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کفار کی دلآزاریوں سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اگر حضرت داؤد سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ فرماتا جو اپنی خواہش نفس کے سامنے بے بس ہے اور قتل بیگناہ کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے۔ نیز سابقہ آیات میں حضرت داؤد کو ان صفات عالیہ سے موصوف فرمایا گیا ہے۔ ۱۔ عبدنا (ہمارا بندہ)، ۲۔ ذاالاید (عبادت و طاعت میں بڑا طاقتور)، ۳۔ اواب (ہر وقت رجوع کرنے والا) صاحب فصل الخطاب وغیرہا۔ اگر آپ سے ایسی رذیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے موصوف کرنے کا ہرگز کوئی مقصد نہ رہتا۔ اور آپ کو حسنِ مآل (الزلفیٰ) اور حسن مآب کی خوشخبری ہرگز

نہ دی جاتی۔ اس لیے آیات کا سیاق و سباق دونوں اس قصہ کی پُرزور تردید کرتے ہیں اور اسے سراپا لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔ (کبیر)

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

"من حدثکم بحدیث داؤد علی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائۃ و ستین"

ترجمہ: یعنی جو شخص حضرت داؤد کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا۔

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ عام رواج تھا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی کہ اگر کسی کی منکوحہ کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں۔ چنانچہ بسا اوقات وہ شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ آدمی عدت گزرنے کے بعد اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ لیکن نبی کی شان بڑی اونچی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات پر تنبیہ فرما دی۔

امام ابوبکر جصاص نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی اوریاہ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داؤد نے اس عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہوں نے وہ رشتہ دے دیا۔ لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔

ان تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ نہ گناہ کبیرہ کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو اور نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ کی مدح و ثنا کا پہلو نکلے۔ بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ کا مخالف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کے قتل کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آ گئے تاکہ تنہائی میں آپ کا کام تمام کر دیں اور پہرے داروں کو بھی اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ کے حجرہ میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ ہم تو آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے، دروازہ بند پایا۔ پہرہ داروں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اس لیے مجبوراً ہم دیوار کو پھاند کر اندر آ گئے۔ آپ ان کی دشمنی پر آگاہ ہو گئے پہلے تو آپ کو بڑا غصہ آیا اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا لیکن بعد میں عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا اور استغفار اس لیے مانگی کہ ان کے دل میں اپنی ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی پیدا کیوں ہوا۔ علامہ رازی آخر میں فرماتے ہیں: وعلی تقدیرنا لا یلزم اسناد شیء الی داؤد الا ما یلیق بہ۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔ (کبیر) یعنی ہماری یہ توجیہ سب اقوال سے بہتر ہے۔ اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

"ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار کو پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے۔ وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا۔ اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ کی عدالت کا وقت نہ تھا۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں لیکن جب واضح ہو گیا کہ یہ دونوں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ یعنی ان لوگوں کا بے وقت آدھمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا گھبرا جانا ایک سبب آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں ان کا سوء ظن کرنا آپ کی شانِ نبوت سے فروتر ہے۔ اس لیے آپ مغفرت طلب کرنے لگے۔ آخر میں علامہ مذکور رکھتے ہیں:

والحاصل قطعنا ان الانبیاء علیہم السلام معصومون من الخطایا لایمکن وقوعہم فی شئی منها ضرورۃ انا لو جوزنا علیہم شیئا من ذلک بطلت الشرائع ولم یوثق بشئی مما یذکرون انه وحی من اللہ تعالیٰ فما حکی اللہ تعالیٰ فی کتابه یمر علی ما ارادہ اللہ وما حکی القصاص مما فیه نقص لمنصب الرسالة طرحنا ونحن کما قال الشاعر:

ونؤثر حکم العقل فی کل شبهة اذا آثر الاخبار جلاس قصاص

یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کے ارشادات سے اعتبار اٹھ جاتا۔ قصہ گو لوگوں نے منصبِ نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑ لی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے:

"جس بارے میں شک و شبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گو لوگ مجلس نشین حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

شیخ اکبر حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں۔ جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

ولا یتعرض لما ذکرہ المؤرخون عن الیہود من زلات من اثنی اللہ علیہم واجتباہم ویجعل ذلک تفسیر الکتاب اللہ۔ (فتوحات مکیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶، مطبوعہ مصر)

حُسْنَ مَاٰبٍ ۞ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ

اور خوبصورت انجام ہے۔ اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں ۳۲ پس فیصلہ کیا کرو لوگوں

داستانوں پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے کلیۃً اجتناب کرے جو مفسرین نے بلا تحقیق یہودیوں سے نقل کی ہیں جن میں ان مقدس ہستیوں کی لغزشوں کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثنا و توصیف فرمائی ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چن لیا ہے اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ وہ قرآن کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔

اُمید ہے ان سطور کے مطالعہ سے حقیقت حال واضح ہو گئی ہو گی۔ اور قارئین کے ذہن سے وہ بوجھ اتر گیا ہو گا، جو داستان سرائی کرنے والے لوگوں کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے کے بعد ہر سلیم الطبع انسان محسوس کرنے لگتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ وحبیبہ الاکرم اعرف بحقائق آیات ربہ۔

۳۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورثہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے لیے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنا دیا اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرما دی اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو اور اپنی پسند و ناپسند کو اپنے فیصلوں پر کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اس کی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ اور جو شخص راہ حق سے بھٹک جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا ما الخلیفۃ من الملک؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرات طلحہ اور زبیر نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے عرض کیا: الخلیفۃ الذی یعدل فی الرعیۃ و یقسم بینہم بالسویۃ و یشفق علیہم شفقۃ الرجل علی اہلہ و یقضی بکتاب اللہ۔

یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے۔ ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

سلیمان بن ابو العوجاء سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے دریافت کیا ہے ما ادری اخلیفۃ انا ام ملک۔ میں نہیں جانتا میں کیا ہوں۔ خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔

ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کیا فرق ہے؟ قال الخلیفۃ لا یاخذ الا حقا ولا یضعہ الا فی حق وانت بحمد اللہ کذلک والملک یعسف الناس فیاخذ من ہذا و یعطی ہذا، فسکت عمر۔

اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ ایسا

ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ

کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہِ خدا سے ۔ بیشک

ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ

جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہِ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا

ٱلْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَٰطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ

یومِ حساب کو ۲۳ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ ۲۴ یہ تو کفار کا

ہی کیا کہتے ہیں؟ اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے۔ اس سے لیتا ہے اس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت فاروق خاموش ہو گئے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

سربراہ مملکت کے لیے اسلام نے بادشاہ، سلطان، چیئرمین وغیرہ کلمات پسند نہیں کیے کیونکہ ان میں خودسری اور انانیت کی بو آتی ہے بلکہ خلیفہ کا لفظ تجویز کیا ہے جس کا معنی خود سر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ یہی بتاتا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب کا نائب ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دیگر نظاموں اور اسلام کے نظامِ سیاست میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

۲۳ قرآن کریم نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فیصلہ کرتے وقت کوئی خارجی چیز، سفارش، رشوت، کوئی طمع، کوئی خوف حتیٰ کہ اپنے ذاتی تعلق کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے روزِ جزا کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے لیکن اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزانِ عدل کو برابر نہیں رکھتا تو اس کو یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے یا اسے فراموش کر دیتے ہیں ان کے لیے عذاب شدید ہے۔

اللھم انا نعوذ بك ان نضل عن سبيلك ونعوذ بك من عقاب القبر وعذاب الحشر وعذاب النار۔

۲۴ کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش و عشرت کر لو۔ خوب مزے اڑاؤ۔ دولت کما سکتے ہو، حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ و منصب حاصل کرنے کے لیے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو۔ مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزارہا سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۲۷ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ

گمان ہے ۔ پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ (کے عذاب) سے ۔ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں ۔ یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو

كَالْفُجَّارِ ۲۸ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا

فاجروں کی طرح ۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ غور کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ

الْاَلْبَابِ ۲۹ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۳۰ اِذْ

نصیحت پکڑیں عقلمند ۔ اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) ۔ بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا ۔ جب

عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۳۱ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ

پیش کیے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے ۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت

نظام عبث اور بے مقصد ہے ۔ ایک نیکوکار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے ۔ متقی اور پرہیزگار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں ۔ لیکن اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی ۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی ۔ ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی ۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل و رسوا ہوں گے ۔ حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی ۔

۳۵ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو بے اندازہ انعامات فرمائے گئے تھے ، ان کے ذکر کے بعد اب ایک خصوصی لطف و کرم کا بیان ہو رہا ہے ۔ وہ یہ کہ آپ کو حضرت سلیمان جیسا باکمال ، بلند اقبال فرزند عطا فرمایا جسے بارگاہ رب ذوالجلال سے نعم العبد اور اواب کے معزز القاب ارزانی ہوئے ۔

۳۶ ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت و کمال کا ایک پہلو اس آیت میں ذکر کیا جا رہا ہے ۔ پہلے اس آیت کے مشکل الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے ۔ اس کے بعد اس کا مطلب اور اس بارے میں مفسرین کے اقوال پیش کیے جائیں گے ۔

ظہر سے لے کر طلوع صبح تک کے وقت کو "عشی" کہتے ہیں ۔ الصافنات : اس کا واحد الصافن وہ گھوڑا جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھے قدم کے سم کا کنارہ زمین پر ٹیکتا ہے ۔ وھی من الصفات المحمودۃ من الخیل (گھوڑے

کی گھڑدوڑ میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیاد ج جواد کی، تیز رفتار، عمدہ نسل کا گھوڑا وھوالذی یسرع فی جریہ۔ تَوارت چھپ جانا، اوجھل ہو جانا۔ حجاب: پردہ۔ سُوق ج ساق کی، پنڈلی۔ اعناق ج عنق: گردن۔

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان کے سامنے آپ کے شاہی اصطبل کے گھوڑے پیش کیے جانے لگے۔ آپ بیٹھے ہوئے ان کو ملاحظہ فرماتے رہے اور اس طرح محو ہو گئے کہ سورج ڈوب گیا۔ عصر کی نماز یا اس وقت کا مقررہ وظیفہ فوت ہو گیا۔ جب تنبیہ کی چھا گئی تو آپ کو خبر ہوئی کہ میں گھوڑوں کے دیکھنے میں یوں محو رہا کہ عبادت سے غافل ہو گئی۔ گھوڑے چونکہ اس غفلت کا باعث بنے تھے انہیں پھر واپس بلوایا اور تلوار سے ان کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں نے ترجیح دی ہے مال کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر۔ تَوارت کی ضمیر کا مرجع سورج ہوگا۔ حجاب سے مراد افق مغرب۔ طفق مسحًا کا مفہوم تلوار چلانا یعنی تلوار سے کاٹتے چلے جانا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو سخت ناپسند کیا ہے اور ان لوگوں پر اپنی انتہائی برہمی کا اظہار کیا ہے جنہوں نے آیت کی یہ تاویل کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اپنے والد ماجد حضرت داؤد کے بعد آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے کفار سے جہاد کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ اس لیے آپ کو گھوڑوں سے بڑی محبت تھی جن پر سوار ہو کر مجاہدین دشمنان دین سے جنگ لڑا کرتے تھے۔ آپ گاہے گاہے جہاد کے لیے تیار کیے جانے والے گھوڑوں کا خود معائنہ فرماتے۔ ایک روز آپ نے شاہی اصطبل کے داروغوں کو گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یکے بعد دیگرے گھوڑے آپ کے سامنے سے گزرتے رہے۔ آپ ان کو صحت مند اور چاق و چوبند دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے: انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی کہ مجھے ان گھوڑوں سے محض اس لیے محبت اور پیار ہے کہ یہ راہ خدا میں جہاد کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی وجہ سے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے۔ میں ان سے اس لیے ہرگز محبت نہیں کرتا کہ یہ خوبصورت ہیں یا بہت قیمتی ہیں۔ میری ان سے یہ محبت محض رضائے الٰہی کے لیے ہے۔

آپ کے سامنے سے گھوڑوں کے گزرنے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سب گھوڑے آپ کے ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ آپ نے پھر حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو میرے سامنے دوبارہ پیش کرو۔ اب جب گھوڑے پیش ہونے شروع ہوئے تو آپ ہر گھوڑے کی گردن پر بھی پیار سے ہاتھ پھیرتے اور اس کی پنڈلیوں کو بھی ٹٹولتے۔ اس سے گھوڑوں کے ساتھ آپ کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کے بھی آپ ماہر تھے۔ ٹانگیں ٹٹولتے ہوئے یہ بھی خیال رکھتے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں۔ نیز خلیفۂ وقت ہو کر خود یہ کام کرنا آپ کی عظمت اور فرض شناسی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ امور مملکت انہوں نے نوکروں کے سپرد ہی نہیں کر دیے تھے بلکہ خود ہر چیز پر توجہ کرتے تھے۔

امام رازی اپنی اس توجیہ کی صحت ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت سلیمان کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں آپ کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا جائے تاکہ حضور کو اطمینان حاصل ہو اور اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے کا مقصد پورا ہو۔ اگر اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ آپ ذرا سی بات پر غفلت کا شکار ہو گئے اور فریضہ عبادت کو ترک کر بیٹھے پھر سینکڑوں اصیل گھوڑوں کو مار ڈالا تو اس سے وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس کے لیے

الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ

پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے (یہ گھوڑے) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے حکم دیا واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔

مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ

تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔ اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے

كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا

تخت پر ایک بے جان جسم ۳۱ پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے

یہ قصہ بیان کیا گیا ہے (تفسیر کبیر)

جن لوگوں نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے انہوں نے لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ سے استدلال کیا ہے کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ان سے کوئی فروگذاشت سرزد ہوگئی جس کی وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا کر دیے گئے۔ شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس موقف کی قطعاً ضرورت نہیں آزمائش اتنی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں سے کیوں محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یا اس لیے کہ گھوڑے بڑے قیمتی اور خوبصورت ہیں۔ آپ نے فرما دیا اِنِّي اَحْبَبْتُ الخ یعنی میں گھوڑوں سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوگا۔ مجاہد ان پر سوار ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار سے جہاد کریں گے۔ حق کو غلبہ ہوگا اور حق کا پرچم اونچا لہرائے گا۔

۳۱ یہاں بھی علماء یہود اور مؤرخین بنی اسرائیل کی سند سے ایسی چیزیں نقل کر دی گئی ہیں جن کی تردید کرنے کی نیت سے بھی نقل کرنا طبع سلیم کو گوارا نہیں۔ جن لوگوں کو شانِ نبوت اور مقامِ سلیمانی کا ادنیٰ سا بھی علم ہے وہ ان خرافات کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ علامہ ابن حیان کہتے ہیں: ان هذه المقالة من اوضاع اليهود وزنادقة السوفسطائية (یعنی یہ روایت یہودیوں اور زندیقوں کی وضع کردہ ہے۔ علامہ ابن کثیر، امام رازی، علامہ آلوسی اور دیگر محققین نے شدومد سے اس کی تکذیب اور تردید کی ہے۔

ان آیات کی توجیہ بیان کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا کڑیل جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے جن و انس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اب ضعف اور نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم ہے جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے آپ نے بارگاہِ الٰہی میں بڑے عجز و نیاز سے اپنی صحت کے لیے دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ بالکل صحت یاب ہو گئے اور جہانبانی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔

يَنۢبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ

ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد ۳۵؎ بیشک تو ہی بیحد عطا کرنے والا ہے ۳۶؎۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کے زیر فرمان

تَجْرِي بِأَمْرِهِۦ رُخَآءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيَٰطِينَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَ

بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جہاں آپ جانا چاہتے۔ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور

غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَءَاخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هَٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ

کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ دوسرے سرکش تھے، باندھ دیے گئے زنجیروں میں۔ اے سلیمان! یہ ہماری عطا ہے

۳۵؎ پہلے مغفرت کے لیے التجا کی، اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا۔ ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جود و عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ رب العالمین ہے، وہ اکرم الاکرمین ہے۔ اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔ حضرت علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان کا مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے نبی ملک (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے نبی عبد بننا پسند فرمایا۔ وکان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نافذ الحکم علی الجن والانس۔

ع تَأْتِي لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدَةً ۔۔۔ تَمْشِي إِلَيْهِ عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

یعنی حضور کریم کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں کہ حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بجائے اپنے تنے کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور یہی حال خلفاء راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور فقر دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے (مظہری)۔ صاحب روح البیان نے یہاں بڑی پیاری رباعی لکھی۔

در بزم احتشام تو سیارہ جفت جام ۔۔۔ و مطلع نوال تو افلاک نہ طبق

ہر طلبش کمال بنام تو شد ازل ۔۔۔ کس تا ابد ز لوح نمی خواند این سبق (روح البیان)

۳۶؎ تو جس کو جو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ تیرے دست سخا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جو ذات پاک بخشش اور عطا میں وہاب کی صفت سے موصوف ہو وہ اپنے محبوب بندوں کے دامن طلب کو جن لازوال نعمتوں سے بھرتا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

۳۷؎ کرۂ ہوائی کو آپ کے زیر فرمان کر دیا۔ ہواؤں کی رفتار آپ کے اختیار میں دے دی۔ شیطانوں کو آپ کا ماتحت کر دیا۔ ان میں سے کئی فن تعمیر میں مہارت رکھتے تھے اور کئی سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر طرح طرح کے قیمتی موتی نکال لینے کے فن میں ماہر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ کے حکم کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ آپ کے اذن کے بغیر نہ وہ کہیں جا سکتے اور نہ کچھ کر سکتے۔

اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾ ع

(کسی کو بخشش کر) احسان کرنا ہے اپنے پاس رکھو تم سے کوئی بازپرس نہ ہوگی۔ اور بیشک انہیں ہمارے ہاں قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام (ملے) گا۔

۳۹۔ یہ نعمتیں عطا فرمانے کے بعد ہر چیز کو اپنی مرضی سے خرچ کرنے یا روکنے کا اختیار بھی دے دیا۔ بغیر حساب کہہ کر اس خدشہ کو بھی دور کر دیا کہ تم جس طرح چاہو استعمال کرو، تم سے اس کے بارے میں بازپرس تک نہ کی جائے گی۔ فامنن على من شئت او امسك عمن شئت بغير حساب اى غير محاسب على منه وامساكه لتفويض التصرف فيه اليك۔ یعنی جس کو چاہیں آپ دیں اور جس کو چاہیں آپ نہ دیں۔ آپ سے اس معاملہ میں کوئی بازپرس نہ ہوگی کیونکہ ان میں تصرف کرنے کا اختیار آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ (مظہری)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: انه مفوض اليه تفويضا كليا۔ کہ یہ نعمتیں کلی طور پر ان کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ (روح معانی)

صاحب روح البیان لکھتے ہیں: هذا عطاؤنا يشير الى ان للانبياء بتائيد الفيض الالهى ولاية افاضة الفيض على من هو اهله عند استعداده ولهم امساك الفيض عند عدم الاستعداد من غير اهله (روح البیان)

ترجمہ: قرآن کریم کے یہ الفاظ هذا عطاؤنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو فیض خداوندی کی تائید سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طالب فیض پر جتنا چاہیں لطف و کرم فرما سکتے ہیں اور اپنے فیضان کرم سے اسے مالامال کر سکتے ہیں اور جو نااہل ہو اس کو فیضان سے محروم کر سکتے ہیں۔

علامہ عثمانی یہاں رقمطراز ہیں:

"یعنی کسی کو بخش دو یا رہنے دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔" حاشیہ عثمانی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کرم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو سرمدی نعمتیں اور طرح طرح کے بیشمار خزانے عطا فرمائے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیا حضور مختار نہیں ہوں گے یہ کتنی بڑی جسارت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رفیع گھٹانے کے لیے اور خداداد اختیارات کا انکار کرنے کے جوش میں واضح آیات سے بھی اغماض کر لیا جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کور باطنی سے بچائے۔

۴۰۔ صرف یہ ملک و سلطنت اور ان میں ہر طرح کے تصرف کے اختیارات دینے پر ہی بس نہیں، بلکہ یہ مژدہ بھی سنایا کہ انہیں ہماری بارگاہ عزت میں بڑا قرب حاصل ہے اور انہیں حسن مآب کی خوشخبری بھی دے دی یعنی ان کا انجام بھی بہت اچھا ہوگا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو حسن انجام کی بشارت سے نوازا گیا تو جو لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ حضور فخر کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کو اپنے انجام کے بارے میں خبر نہ تھی۔ ان کے متعلق آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو ۴۱ جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف

وَّعَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَ

اور دکھ ۴۲ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے ۴۳ اور

وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل وعیال اور اتنا ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے ۴۴

۴۱ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو سلطنت، حسن لے ظاہری اور باطنی نعمتیں اور وسیع اختیارات دے کر آزمایا گیا تھا اب اپنے اس بندے کا ذکر فرمایا جارہا ہے جسے تکلیف و مصائب نے گھیر لیا ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا ہے بیچیاں عالم شباب میں لقمۂ اجل بن گئے۔ کھیت اور باغات برباد ہو گئے۔ اپنوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ غرضیکہ ہر قسم کے رنج و آلام کی انتہا ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود اپنے رب سے گلہ ہے اور نہ کسی سے کوئی شکایت۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور عزم و استقلال کے سمندر میں اپنی زندگی کا سفینہ لیے جارہے ہیں۔ آپ کی اسی ادا نے رحمت خداوندی کو اپنی طرف مائل کر لیا کس محبت بھرے انداز سے ان کے ذکر کا آغاز ہو رہا ہے۔ اذکر عبدنا ایوب، اے میرے محبوب! ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ اہل محبت حسن ازل کی ایسی ہی ایک نگاہ لطف کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اور لٹا کر پھر پھولے نہیں سماتے۔

۴۲ اگرچہ تکلیف اور مسرت، مرض اور صحت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اچھی چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور تکلیف دہ امور کی نسبت اپنی طرف یا شیطان کی طرف کی جائے۔ حضرت خلیل نے بھی تو اسی طرح عرض کی تھی۔ واذا مرضت فھو یشفین کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے۔ نصب، مشقت اور تکلیف۔ اس سے مراد جسمانی بیماریاں۔ عذاب سے مراد دل میں شیطان کی وسوسہ اندازی۔

۴۳ زور سے زمین پر پاؤں مارنے کو رکض کہتے ہیں۔ حکم خداوندی کے مطابق آپ نے زمین پر پاؤں مارا، قدرت الٰہی سے چشمہ جاری ہو گیا۔ یہاں عبارت میں حذف ہے۔ فرکض فنبعت عین ماء، اس پانی سے غسل کیا تو جسم کی ساری بیماریاں دور ہو گئیں پھر اسے پیا تو اندر کے سارے روگ ختم ہو گئے۔

۴۴ اجڑے ہوئے چمن میں پھر بہار آگئی وہ گھر جہاں اداسی اور افسردگی چھائی ہوتی تھی وہاں پھر چہل پہل ہونے لگی۔ بچے بچیاں، عزیز رشتہ دار، نیاز مند سب کا ایک میلہ سا لگ گیا۔ باغوں میں پھل اور کھیتوں میں فصلیں لہلہانے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ رونق پہلے سے بھی دو چند ہے۔ یہ سب ہماری خصوصی رحمت کی جلوہ نمائی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھ دار لوگ اس سے عبرت پکڑیں

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ

اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو ۶۷ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

کیا خوب ہیں، وہ بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ تھا ۶۸ اور یاد فرمائیے ہمارے مقبول بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو

اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے ۶۹ ہم نے مخلص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی ۷۰

اور اگر وقتی طور پر کوئی تکلیف آبھی جائے تو ہماری رحمت سے مایوس نہ ہوں جس طرح ہم نے ایوب علیہ السلام پر کرم فرمایا اور ان کی زندگی کے اُفق کو طویل تاریکی کے بعد پھر خوشیوں، مسرتوں اور راحتوں کی روشنی سے منور کر دیا اسی طرح ہم تمہارے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کریں گے۔ (حضرت ایوب علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے متعلق ضیاء القرآن جلد دوم۔ سورۃ الانبیاء آیات ۸۳۔۸۴ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔)

۶۷ ابتلاء و آزمائش کے اس طویل اور صبر آزما دور میں جب کہ سب لوگوں نے آپ سے منہ پھیر لیا آپ کی وفا شعار بیوی آپ کی خدمت میں سرگرم رہی۔ ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی جو آپ کی غیرتِ ایمانی کو سخت ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے سو کوڑے لگاؤں گا۔ جب آپ صحت یاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ترکیب بتائی کہ قسم بھی نہ ٹوٹے اور اس خدمت گزار اور نیک سرشت بیوی کو اذیت بھی نہ پہنچے۔ فرمایا گھاس کا ایک مٹھا لو جس میں سو تیلیاں ہوں اس سے مارو دونوں مطلب پورے ہو جائیں گے۔
اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ شرعی احکام سے بچنے کے لیے حیلوں سے کام لینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز درست نہیں۔ اس طرح احکامِ شرعیہ بچوں کا کھیل بن جائیں گے اور اغیار کو مذاق کرنے کا موقع مل جائے گا نیز جن مقاصد کے لیے یہ احکام جاری کیے گئے ان کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ علامہ آلوسی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بڑی محققانہ اور جامع بات فرمائی ہے۔ عندی ان کل حیلة اوجبت ابطال حکمة شرعیة لا تقبل کحیلة سقوط الزکوٰة وحیلة سقوط الاستبراء (معانی)۔ یعنی ہر وہ حیلہ جس سے حکمِ شرعیہ کی اس حکمت کا ابطال ہوتا ہو جس کے لیے یہ حکمِ شرعی نافذ کیا گیا ایسا حیلہ قطعاً باطل ہے جیسے زکوٰۃ ساقط کرنے کے لیے لوگ حیلہ سازیاں کرتے ہیں اور استبراء سے بچنے کے لیے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسا کر کے وہ اپنے رب سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ ۶۸ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی سے حضرت ایوب کو کیا اعلیٰ اعزازات مرحمت ہو رہے ہیں انہی اعزازات کے حصول کے لیے رشک کرنے والوں کو رشک کرنا چاہیے۔

۶۹ اب حضرت ابراہیم اور ان کی آلِ پاک کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے۔ یہ حضرات بڑی قوتوں والے تھے۔ ان کو جسمانی قوتوں کے ساتھ ساتھ

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

اور بیشک وہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں اور یاد فرمائیے اسمٰعیل، الیسع

وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ

اور ذی الکفل کو ۳۱ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں یہ نصیحت ہے ۳۲ اور بیشک پرہیزگاروں کے لیے بہت عمدہ

مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ

ٹھکانا ہے۔ سدا بہار باغات، کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں۔

فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات ۳۳ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہمسال و کمال (ہم عمر) ہوں گی ۳۴

یقین کی قوت، اعمال صالحہ بجالانے کی قوت اور روحانی قوت عطا فرمائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں دین کی بصیرت اور معرفت الٰہی بھی عنایت کی گئی تھی۔

ای اولی القوۃ فی الطاعۃ والبصیرۃ فی الدین والمعرفۃ باللہ۔

۳۰ ہم نے خصوصی نعمت کے ساتھ انہیں مخصوص کیا تھا یعنی انہیں آخرت کی یاد بخشی تھی وہ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر میں رہتے تھے۔ انا اخلصناھم بان یذکروا الدار الاخرۃ ویتاھبوا لھا (قرطبی)

۳۱ اس آیت میں چند اور برگزیدہ شخصیتوں کا ذکر ہے۔

۳۲ یعنی ان کے اوصاف حمیدہ کا یہ بیان جو قرآن میں کیا جا رہا ہے یہ ذکر خیر ہے۔ یہ ان کی پاکیزہ حیات کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ جن اخروی انعامات سے انہیں نوازا جائے گا۔ ان کا بیان اگلی آیتوں میں قدرے تفصیل سے ہے۔

۳۳ ای۔ بالوان الفواکہ (قرطبی) یعنی ایک ہی قسم کے پھل بکثرت نہیں ہوں گے بلکہ مختلف اقسام کے رنگا رنگ میوے ہوں گے۔ ان الفاظ میں قدسیہ کو جنت میں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائے گا اس کی کیا پیاری اور دلنشین تصویر پیش کی گئی ہے۔ قاصرات الطرف، مراد یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے خاوندوں کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ اتراب: ہم عمر یا آپس میں محبت و پیار کرنے والیاں۔ ای علی سن واحد قد تساوین فی الحسن والشباب۔ یعنی ہم عمر، حسن و شباب میں یکساں۔ وعن مجاھد متواخیات لایتباغضن کما تتباغض الضرات فی الدنیا، یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے پیار کریں گی اور ان میں سوکنوں کی سی رقابت نہیں ہو گی۔

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

جزا کی یہ سب چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روزِ حساب تمہیں ملے گا بیشک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا

هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

یہ تو ہوا نیکوکاروں کے لیے، اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہو گا یعنی جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں، پس وہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ أَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا

یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں۵۵ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب ہے۵۶ یہ دوسری

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ

فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ۵۷ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں۵۸ یہ خود آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے (نہیں) بلکہ تمہیں

لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ

کوئی خوش آمدید نہ ہو۵۹ تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کو ہمارے لیے، سو بہت برا ٹھکانا ہے۔ کہیں گے اے ہمارے رب جس

۵۵ اپنے محبوب بندوں کے ذکرِ خیر اور ان پر اپنے احسانات و انعامات کے بیان کے بعد اب ان بدنصیبوں کے خوفناک انجام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن کی ساری عمریں سرکشی اور نافرمانی میں گزر گئیں۔

مشکل الفاظ: حمیم بہت کھولتا ہوا پانی۔ هو الماء الحار الذي انتهى حرارته۔ غساق، پیپ ای یسیل من القيح والصديد من جلود اهل النار۔

۵۶ پینے کے لیے تو کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ ملے گی۔ اسی پر بس نہیں اسی قسم کے اذیت ناک عذاب اور بھی ہیں جن میں وہ مبتلا کیے جائیں گے۔

۵۷ پہلے بدکاروں کے سرداروں کو دوزخ میں پھینکا جائے گا ان کے پیچھے ان کے چیلے قطار در قطار فوج در فوج جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جب ایک فوج جہنم میں گرائی جا رہی ہو گی تو دوزخ کے داروغے ان سرداروں کو کہیں گے یہ تو تمہارے چیلوں کا ایک اور ٹولہ آگیا۔

۵۸ پھر وہ سردار کہیں گے ہم ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان کے لیے یہ جگہ کبھی فراخ اور آرام دہ نہ ہو۔

۵۹ آنے والے وہی بددعا اپنے ان سرداروں کے لیے لوٹا دیں گے۔ غرضیکہ اسی طرح ایک دوسرے کو جلی کٹی سناتے رہیں گے۔

قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝٦١ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى

(ان بدبختوں) نے آگے کیا ہے ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دوگنا آگ میں۔ اور (دوزخی) کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر

رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝٦٢ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

نہیں آرہے (یہاں) وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے بُرے لوگوں میں ۳۲ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر کج ہو گئی ہیں ان کی طرف

الْاَبْصَارُ ۝٦٣ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝٦٤ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ

ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے ۳۳ دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے میں تو فقط (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا ہوں

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٦٥ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے ۳۴ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٦٦ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝٦٧ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝٦٨

ان کے درمیان ہے عزت والا بہت بخشنے والا۔ فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے ۳۵ تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔

۳۲ آپس میں خوب الجھنے کے بعد وہ ادھر ادھر دیکھیں گے اور غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو ان کی آنکھیں ڈھونڈیں گی جب وہ نظر نہ آئیں گے تو ایک دوسرے سے دریافت کریں گے کہ وہ لوگ جن کو ہم برا بھلا کہا کرتے تھے وہ کہاں ہیں وہ تو یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ وہ یہاں ہیں ہی نہیں یا ہماری نگاہیں پھسل گئی ہیں اور ہم کو وہ نظر نہیں آرہے۔

۳۳ یعنی دوزخیوں کا آپس میں اس طرح جھگڑنا بالکل درست ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳۴ اہل ایمان پر جو لطف و کرم کیا جانے والا ہے اور کفار و مشرکین کو جس دردناک عذاب میں مبتلا ہونا ہے ان کا ذکر کرنے کے بعد اپنے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قوم کو بتا دیجیے کہ تم جس راہ پر گامزن ہو وہ تو سیدھی جہنم کی طرف جاتی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ میں تمہیں بروقت متنبہ کر دوں تاکہ تم اپنی اصلاح کر لو اور شرک و کفر کو ترک کر کے توحید خداوندی پر ایمان لاؤ تاکہ تمہیں بھی نعیم جنت سے بہرہ ور کیا جائے۔

۳۵ میری تعلیم کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اپنی ذات میں اور اپنی جملہ صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے کوئی اس سے زیادہ طاقتور نہیں کوئی بڑے سے بڑا گنہگار جس کا دامن کفر و عصیاں سے آلودہ ہے جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ اس

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ

مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں جب وہ جھگڑ رہے تھے [۵۹] نہیں وحی کی جاتی میری طرف

مجرم کو بھی بخش دیتا ہے۔

[۵۸] "ھو" کا مرجع قرآن کریم ہے۔ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑی اہم ہو۔ بعض نے "ھو" کا مرجع قیامت بتایا ہے۔

[۵۹] ملأ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: الملأ جماعة الاشراف لانهم يملئون العيون رؤية عنه العظمة بجلالتهم وبهاؤهم (روح المعانی) یعنی سرداران قوم اور رؤساء کی جماعت جو اپنی خوش پوشاکی اور شائستگی کے باعث آنکھوں کو بھر دیتی ہے اور اپنے جاہ و جلال کے باعث دلوں کو لبریز کر دیتی ہے۔ یہاں ملأ اعلیٰ سے مراد فرشتوں کی جماعت ہے جو اپنے شرف و بزرگی کے علاوہ عالم بالا کی مکین ہے ان کے ذریعے سے احکام کونیہ کی تنفیذ ہوتی ہے اور تدابیر خداوندی کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ اس لیے ان میں اپنے متعلقہ فرائض کو انجام دینے کے لیے قیل و قال اور بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ امور جو وہاں زیر بحث آتے ہیں ان میں تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان امور کی اطلاع مجھے صرف بوحی الٰہی ہوتی ہے جس کو جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں۔ فرشتوں کی بحث و تمحیص کے متعلق ایک صحیح حدیث ہے جو ناظرین کے مطالعہ کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا وقت تھا اور حضور حسب معمول سے مطابق تشریف نہ لائے۔ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ پھر حضور تیزی سے تشریف لائے تکبیر ہوئی۔ حضور نے نماز پڑھائی سلام کے بعد ارشاد فرمایا: علی مصافکم اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں وہ سبب آگے کی وجہ بتاتا ہوں۔ انی قمت اللیلة فتوضأت وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارک وتعالٰی فی احسن صورة فقال یا محمد، قلت لبیک ربی۔ قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت لا ادری فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی فتجلی لی کل شیء وعرفته فقال یا محمد، فقلت لبیک قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت فی الدرجات والکفارات الی آخره۔ فقال فما الدرجات فقلت اطعام الطعام وافشاء السلام والصلوٰة باللیل والناس نیام۔ قال صدقت فما الکفارات قلت اسباغ الوضوء فی المکاره۔ وانتظار الصلوٰة بعد الصلوٰة ونقل الاقدام الی الجماعة قال صدقت قال سل یا محمد فقلت اللّٰهم انی اسئلک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین وان تغفرلی وترحمنی واذا اردت بعبادک فتنة فاقبضنی الیک غیر مفتون۔ اللّٰهم انی اسئلک حبک وحب من احبک وحب عمل یقربنی الی حبک قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلموهن وادرسوهن فانهن حق۔

ترجمہ: میں آج رات ذکر الٰہی میں کھڑا ہوا اور جتنا مقدر تھا اتنی نماز پڑھی پھر مجھے نماز میں ہی غنودگی آگئی یہاں تک کہ مجھے گرانی محسوس ہونے لگی۔ پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرا رب کریم بڑی پیاری صورت میں تشریف فرما ہے۔ اللہ نے فرمایا یا محمد!

إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا

مگر یہ کہ میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں (اے حبیب!) یاد فرمایئے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو

میں نے عرض کی، لبیک ربی، اے میرے رب حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا یہ آسمان کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کی میں نہیں جانتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ، اس کی برکت سے میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس کو پہچان لیا۔ دوسری روایت میں ہے: فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا میں نے اسے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا یا محمد! میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ پوچھا آسمان کے فرشتے کس بات پر جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی درجات اور کفارات میں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: اطعام الطعام وافشاء السلام والصلوٰۃ باللیل والناس نیام کہ کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور رات کے وقت جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت اٹھ کر نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے۔ اب بتاؤ کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: اسباغ الوضوء فی المکارہ وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ ونقل الاقدام الی الجماعۃ۔ کہ تکلیف کی حالت میں بھی مکمل وضو کرنا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور جماعت میں شریک ہونے کے لیے چل کر جانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب تو نے سچ کہا۔ اب مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی الٰہی میں تجھ سے نیک کام کرنے کی، برے کاموں کو چھوڑنے کی اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور میں التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور جب اپنے بندوں کو تو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بلا لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، مجھے اپنی محبت عطا فرما اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت عطا فرما۔ اس کام کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔ حضور نے صحابہ کو فرمایا دعا کے یہ فقرے تم بھی سیکھ لو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ حق ہے۔

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق امام بخاری سے پوچھا۔ آپ نے بھی فرمایا: ھذا حدیث صحیح۔ اس حدیث شریف کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتنا علم عطا فرمایا اور جب قدرت کا ہاتھ حضور کی پشت پر رکھا گیا تو سینہ میں علم کے سمندر موجزن ہو گئے اور زمین و آسمان کی ہر چیز منکشف ہو گئی اور فرشتے جن معاملات میں بحث و تمحیص کر رہے تھے ان کا بھی علم ہو گیا اور پھر وہی سوال اللہ تعالیٰ نے دہرایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے مفصل جوابات عرض کیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صدقت۔ اے میرے محبوب تو نے صحیح جواب دیا۔ — نیز اس حدیث میں ایک دعا ہے جو اس مخصوص وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مولا کریم سے مانگی اور اپنے صحابہ کو بھی اس دعا کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے کی تلقین فرمائی۔ اس لیے یہاں اس دعا کو نمایاں طور پر لکھ دیا گیا ہے تاکہ ضیاء القرآن کا مطالعہ کرنے والا ان کلمات طیبات کو یاد کرے اور جب اس کریم اور غنی کی خدمت میں دامن طلب پھیلائے، تو

مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ

بشر کو گیلی مٹی سے ۵۹ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف کی خاص) روح تو تم گر پڑنا اسکے آگے

سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ

سجدہ کرتے ہوئے ۶۰ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے۔ اس نے گھمنڈ کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

اور ہو گیا کافروں میں سے۔ ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تجھے اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا

بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ

اپنے دونوں ہاتھوں سے ۶۱ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے ۶۲ وہ (گستاخی) بولا میں بہتر ہوں اس سے

ان کلمات طیبات سے جو بھیک مانگے یقین ہے اللہ کریم اپنے انمول خزانوں سے اس کے دامن طلب کو بھر دے گا۔

۵۹ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر حواشی متعدد مقامات پر گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۰ سویتہ ای اتممت خلقہ: یعنی جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں۔ روحی۔ اضافت جزئیت اور بعضیت کی نہیں بلکہ تشریف کی ہے یعنی وہ روح جس کو میں نے اپنی خاص قدرت سے بنایا ہے اور جس میں گونا گوں صلاحیتیں اور قوتیں ودیعت کر دی ہیں۔ جب ان کی صحیح آبیاری اور تربیت کی جاتی ہے تو فرشتے بھی اس کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

۶۱ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ جس کو میں نے اپنے دو ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ ہیں؟ اسلاف کا مسلک یہ ہے کہ وہ ان کلمات کی تاویل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جس طرح آیت میں مذکور ہے لیکن وہ کیسے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے ہمیں اس کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اور متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کو میں نے ماں باپ کے واسطہ سے پیدا کیا۔ لیکن آدم کو بلا واسطہ محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔ تو یہاں ید کا معنی قدرت ہے اور یہ استعمال لغت عرب میں عام ہے۔ اور دو ہاتھ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو مختلف الحقیقت چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم جو مادی ہے اور روح جو مجردات میں سے ہے۔ گویا ایک ہاتھ سے اس کے ظاہری جسم کو اور دوسرے ہاتھ سے اس کے باطن یعنی روح کو تخلیق فرمایا۔

۶۲ شاید ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی تھیں۔ اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تو نے کس وجہ سے سجدہ نہیں کیا۔ کیا تو نے بلا وجہ گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے میرے حکم کو نہیں مانا یا تو نے یہ تصور کر لیا ہے کہ تو بہت عالی مرتبت ہے۔ تجھے آدم کو سجدہ

مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا نکل جا یہاں سے بیشک تو دھتکارا گیا۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ

اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا اگر یہی اٹل فیصلہ ہے، تو میرے رب! مجھے مہلت دے

يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

روزِ حشر تک۔ جواب ملا بیشک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمایا تو یہی حق ہے اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں

اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

سے۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

نہیں کرنا چاہیے یہ حکم فقط ان فرشتوں کو ہے جو کم درجہ کے ہیں۔ اگر محض گھمنڈ کے باعث تو نے ایسا کیا ہے تو تو نے بہت برا کیا اور اگر تو اس دوسری غلط فہمی کا شکار ہو گیا تو بھی یہ سراسر تیری کم فہمی اور نالائقی ہے۔ توجیہ علیٰ الشق الاول و انکار علیٰ الشق الثانی (مظہری)۔

لے شیطان اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم اٹھا کر دعویٰ کر رہا ہے کہ جس آدم کی وجہ سے تو نے مجھے دھتکار دیا ہے میں اس کی ساری اولاد کو تیرا باغی بنا دوں گا سب تجھے چھوڑ کر میرے پیچھے چلنے لگیں گے صرف تیرے وہ بندے جن کو تو نے چن لیا ان پر میرا جادو نہیں چلے گا۔

لے پہلا الحق مرفوع اور دوسرا منصوب۔ پہلا حق یا تو خبر ہے اور اس کی مبتدا محذوف ہے یعنی انا الحق۔ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی الحق انا۔ اور دوسرا الحق اقول کا مفعول ہے اور منصوب ہے۔

لے میں جو تمہیں رات دن راہِ حق کی طرف بلاتا رہتا ہوں۔ تم پتھر مارتے ہو میں مسکراتا رہتا ہوں تم گالیاں بکتے ہو میں دعائیں دیتا ہوں۔ تم میری راہ میں کانٹے بچھاتے ہو اور میں تمہارے لیے فردوس کی راہ ہموار کرنے میں مصروف رہتا ہوں اور بڑی محنت اور دلسوزی

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۵

نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے ۳۷ ۔ اور (اے کفار!) تم ضرور جان لوگے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد ۳۸

ے تمہارے دامن کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔ تم شاید یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ ہے اس طرح میں دولت جمع کرنا چاہتا ہوں یا اقتدار کی کرسی سنبھالنا چاہتا ہوں۔ بکمال کھول کر سن لو میں نے تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا سوال نہ آج تک کبھی کیا ہے اور نہ آئندہ کبھی کروں گا۔

۳۶ نیز میں اس معاملہ میں قطعاً کسی تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لے رہا۔ یعنی میرے دل میں تو کچھ اور ہے اور محض دکھاوے کے لیے میں تم سے اقدار عالیہ اور اخلاق حسنہ کی باتیں کرتا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں مجھے تکلف اور تصنع سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں تمہارے سامنے حقیقت کا اظہار کرتا ہوں اور سچی بات کہتا ہوں۔ میرے اقوال میری نصیحتیں میرا حال ہیں فقط قال نہیں۔ المتکلفین الذین یتصنعون و یتحلون بما لیسوا من اھلہ۔

۳۷ یہ کتاب مقدس جو میں تمہیں صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتا ہوں یہ تو سارے جہانوں کے لیے صحیفہ رشد و ہدایت ہے۔

۳۸ اگر اب تم اس کی بیان کردہ حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے تو بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم طوعاً و کرہاً اس کی صداقت کا اعتراف کرو گے۔

الحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعہ الیٰ یوم الدین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

محمد کرم شاہ

نظر ثانی : ۱۹ رجب ۹۲ھ

۳۰ اگست ۷۲ء

بھیرہ سرگودھا

۱۹ رمضان المبارک ۹۱ھ

۹ نومبر ۷۱ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ زُمر

نام : اس سورت کی آیات نمبر ۷۱ اور نمبر ۷۳ میں زُمر کا لفظ مذکور ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ اس سورت میں آٹھ رکوع ۷۵ آیات، ایک ہزار ایک سو بہتر کلمات اور چار ہزار نو سو آٹھ حروف ہیں۔

زمانہ نزول : یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین کا بغض و عناد اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مکہ کی فضا میں ان کے لیے اطمینان کا سانس لینا ممکن نہ رہا تھا وہ یہاں رہ کر اپنے دین کے ارشادات کے مطابق اپنے پروردگار کی عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتا دیا کہ اگر یہاں رہ کر تم اپنے بندگی کے فرائض انجام نہیں دے سکتے تو اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہارا ایمان بھی محفوظ ہو اور تمہیں عبادت کرنے کی بھی آزادی ہو۔ چنانچہ مفسرین کرام نے آیت وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت جعفر بن ابی طالب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوئے۔ سورت کے مضامین اور اس قسم کی روایات سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سورت اس زمانہ میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن مل گیا تھا۔

مضامین : ابتداء میں مشرکین مکہ کے شرک کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ اپنے بتوں کو خدا سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ ان بتوں کی عبادت ان کے لیے قرب الٰہی کا باعث ہے۔ ان کے اس زعم باطل کا قلع قمع کرنے کے لیے سورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے تو صرف اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ اگر کسی غیر کی عبادت کرو گے تو وہ عبادت مردود اور نامنظور ہوگی۔ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر چیز مخلوق ہے، حادث ہے، اپنے وجود اور اپنی بقا میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی محتاج ہے۔ وہ اس قابل کہاں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے معبود مانا جائے۔

عقیدہ توحید کو ثابت کرنے کے لیے تکوینی آیات کو بیان کیا۔ آسمانوں اور زمینوں کو اس حسن و خوبی اور محیر العقول نظم و ضبط کے ساتھ پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ گردش لیل و نہار کا تسلسل قائم کرنے والا وہی ہے۔ مہر و ماہ اسی کے حکم کے پابند ہیں اور اپنے معینہ راستہ پر چل رہے ہیں۔ اسی نے تمہیں شکم مادر کے تہ در تہ اندھیروں میں اس حسن و خوبی کے ساتھ تخلیق فرمایا۔

اس سورت کے مضامین میں سے زیادہ غور طلب یہ مضمون ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ خود فراموش ہیں جنہیں

جب مصائب و آلام اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں تو بیٹھے چلانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتے ہیں اور پکے وعدے کرتے ہیں کہ اگر اس مصیبت سے بچ گئے تو عمر بھر تیری بندگی اور تیری فرمانبرداری میں گزار دیں گے لیکن جب ہماری رحمت ان کی فریاد رسی کرتی ہے تو انہیں یاد ہی نہیں رہتا کہ ان پر کس کا کرم ہے۔ بعض احمق اس تبدیلی کو اپنے علم و فضل اتفاق مہارت اور کاروباری فراست کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ چند روز پہلے جب وہ بوکھلائے ہوئے فریادیں کر رہے تھے تو ان کی قابلیت تجربہ و فراست تو اس وقت بھی ان میں موجود تھا۔

دوسری قسم ان خود شناس لوگوں کی ہے جو اپنی زندگی کی ہر ساعت اپنے کریم پروردگار کی یاد اور بندگی میں بسر کرتے ہیں۔ ان کی راتیں عبادت الٰہی میں گزر جاتی ہیں کبھی دست بستہ کھڑے ہیں کبھی جبین نیاز سجدہ میں جھکائے ہوئے ہیں اس کے باوجود اپنے رب کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ اپنی کسی عبادت اور نیکی پر انہیں ناز نہیں ہوتا انہیں اگر آس ہے تو اس کی رحمت کی۔ اگر سہارا ہے تو اس کے فضل و کرم کا۔

کفار اپنے دل میں سوچا کرتے کہ ہم دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کو کسی نہ کسی وقت اپنے ساتھ ملا لیں گے ان کی اس خام خیالی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو حکم دیا کہ کفار سے کہہ دیں۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۔ اے میرے حبیب! آپ انہیں فرما دیجیے اے جاہلو! اے نادانو! کیا تم مجھے حکم کرتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں:

کیا جلال ہے اس آیت کریمہ کا اور کیا رعب ہے ان چند کلمات میں۔

ایسے معاشرے کی اصلاح کی کوششیں ہو رہی ہیں جس کی کوئی کل بھی سیدھی نہ تھی۔ شرک و کفر کے علاوہ فسق و فجور، ظلم و ستم، دہشت گردی و قزاقی وغیرہ وغیرہ کی خرابیوں میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے نامہ عمل کی سیاہی کو دیکھ کر اپنی اصلاح اور اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ اسی مایوسی نے انہیں مزید گناہوں سے بھرپور زندگی بسر کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔ آیت مذکورہ میں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کا مژدہ جانفزا سنایا اور انہیں بتا دیا کہ اگرچہ اب تک تم نے اپنے نفس پر ظلم کی حد کر دی ہے لیکن اگر اس کے در رحمت پر آ کر دستک دو گے تو اس کی رحمت تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔ تمہارے گزشتہ جرائم کو معاف کر دیا جائے گا اور تمہیں از سر نو پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا ایک بار پھر موقع دے دیا جائے گا۔

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَبْعُوْنَ وَخَمْسُ اٰيَاتٍ وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زمر مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — ۷۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز (اور) حکیم ہے ۔۱ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ

حق کے ساتھ ۔۲ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو ۔۳ خبردار! خالص اللہ کیلئے ہے دین خالص تک

۱۔ کفار اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ کتاب فصیح و بلیغ سہی لیکن یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو خود بناتے ہیں اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ خوش فہمی بھی تھی کہ ہماری موجودگی میں اس دین کے پھیلنے اور اس کے ترقی کرنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ اس دین میں یہ صلاحیت ہے کہ گردش زمانہ اور اس کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔ اس لیے اس کی یہ مقبولیت عارضی ہے۔ یہ دعوت خود بخود ختم ہو جائیگی اس کی عارضی کامیابی پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کی باتیں کر کے وہ ایک دوسرے کا دل بہلاتے اور اسلام کی بے پناہ مقبولیت کے باعث ان کے دلوں میں اضطراب کی جو آگ جل رہی تھی اس پر وہ ایسی طفل تسلیوں کا پانی چھڑکا کرتے۔ اس آیت میں ان کی انہی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ پہلے یہ بتایا کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ ہے اور جس خداوند عالم نے اسے نازل فرمایا ہے وہ عزیز ہے یعنی سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر اس کے نافذ کیے ہوئے احکام کو رد کرنے کی کسی میں قوت نہیں۔ نیز وہ حکیم ہے زبردست دانا ہے۔ زمانہ اور زمانہ کے جملہ تقاضے اس کے علم میں ہیں۔ زمانہ کتنی ترقی کر جائے، اس کے تمدنی، معاشرتی اور معاشی تقاضے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہیں۔ قرآن کی روشنی قیامت تک زندگی کے ہر افق کو منور کرتی رہے گی۔

۲۔ اس کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس میں باطل کی ذرا آمیزش نہیں۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول، آل عمران کی دوسری آیت کا حاشیہ)

۳۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جس سے بڑا اور بُرا کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرتا ہے اور ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی بھی عبادت و پرستش کرتا ہے، اس کی ساری نیکی اکارت جائے گی اس لیے یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اپنے خالق حقیقی کے بغیر کسی کی بندگی کا تصور تک کرنا اور اپنے بادشاہ حقیقی کے احکام کو نظر انداز کر کے کسی غیر کی اطاعت کا دم بھرنا مرد مومن کے لیے زیبا نہیں، بلکہ ایسی حرکت کے ارتکاب

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى

اور جنہوں نے بنا لیے اس کے سوا اور والی (اور کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا

اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ إِنَّ

مقرب بنا دیں ؎ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔ ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں ؎ بلاشبہ

کے مدعی کا نام اہل ایمان کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔

؎ دوبارہ تنبیہ فرمادی کہ اطاعت کاملہ کا حقیقی مستحق فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کسی شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں اس پر کوئی اجر ملے گا۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ پھر اس شخص نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے۔ کیا اس صورت میں مال خرچ کرنے پر ہمیں اجر ملے گا۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالیٰ لا یقبل الا من اخلص لہ ثم تلا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھذہ الایۃ الا للہ الدین الخالص۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس کے عمل کو قبول کرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ علامہ قرطبی نے الدین کا معنی الطاعت و فرمانبرداری کیا ہے اور بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ الدین سے مراد عبادت ہے۔ الدین ای الطاعۃ وقیل العبادۃ (قرطبی)

؎ کفار مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنے بتوں اور مصنوعی خداؤں کی پرستش کرتے اور اگر انہیں ٹوکا جاتا کہ تم یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ ہر لمحہ ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہو کیا انہوں نے تمہیں پیدا کیا ہے کیا اس عالم رنگ و بو کے خالق وہ ہیں؟ زمین کا فرش انہوں نے بچھایا ہے؟ آسمان کا نیلگوں سائبان اور اس میں آویزاں ان گنت ضیا بار کرے کیا انہی کی قدرت کا کرشمہ ہیں؟ جواب دیتے نہیں تو پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ ان کی عبادت سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیتے ہیں۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے بغیر کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرے گا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ مشرکین عرب نے اللہ تعالیٰ کی عبادت قطعاً ترک کی ہوئی تھی وہ کہتے ہم گنہگار اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ہم تو فقط ان بتوں کی عبادت کریں گے اور ان کی عبادت سے ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ امام رازی رقمطراز ہیں: "حاصل الکلام لعباد الاصنام ان قالوا ان الالٰہ الاعظم اجل من ان یعبدہ البشر لکن اللائق بالبشر ان یشتغلوا بعبادۃ الاکابر من عباد اللہ مثل الکواکب ومثل الارواح السماویۃ ثم انہا تشتغل بعبادۃ الالٰہ الاکبر فھذا ھو المراد من قولھم ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (کبیر)

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کسی کو بیٹا بنانا

ترجمہ و یعنی بت پرستوں کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہتے کہ اللہ اکبر (سب سے بڑا خدا) کی شان اس سے بلند ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے۔ انسان کے لائق یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بندوں کی عبادت میں مشغول ہو۔ مثلاً ستارے، اسمانی دیوتا اور دیگر چیزیں، خداوند اکبر کی عبادت میں مشغول ہوں۔ مشرکین کے اس قول کی کہ ما نعبدھم الخ کا یہی مفہوم اور مطلب ہے۔

بعض صاحبان حصولِ دعا کے لیے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضری کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے ہیں اور مسلمانوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں، وہ خود ہی انصاف فرمائیں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا جرنیل کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دعا کے لیے عرض کرتا ہے تو کیا وہ ان کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اگر صرف طلبِ دعا کے لیے بھی کسی کے پاس جانا عبادت اور شرک ہے تو ان صاحبان کا صحابہ کرام کے متعلق کیا خیال ہے جو حضور سرورِ عالم رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کبھی بارش کے نزول کے لیے، کبھی بارش کے رکنے کے لیے، کبھی بیماری سے شفا یاب ہونے کے لیے، کبھی دیگر مقاصد کے لیے حاضر ہوتے اور دعا کے لیے عرض کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کے لیے دستِ مبارک بارگاہِ الٰہی میں اٹھاتے تو مشکلیں آسان ہو جاتیں، لاعلاج مریض شفایاب ہو جاتے، طویل خشک سالی کے بعد آن واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں، اور برستے ہی چلی جاتیں۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کفر ہے، شرک ہے، گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی ملتمس ہے کہ وہ شمعِ توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کریں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمائیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور ان کی قوم کا بھی بھلا ہو۔

آیت میں زُلْفٰی مفعول مطلق ہے کیونکہ تقریباً ہم معنی ہے اور فعل کے مصدر کا مترادف مفعول مطلق ہو سکتا ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔

۳ مشرکین کا اپنے معبودوں کے بارے میں بڑا اختلاف ہے کوئی سورج کو، کوئی چاند کو، کوئی گنگا جمنا کو اور کوئی ہمالیہ پہاڑ کی بلند چوٹیوں کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا اس وقت انہیں اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہو گی۔

۴ ہدایت کوئی ایسی جنس ارزاں نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ایک کی جھولی میں ڈال دی جائے۔ یہ ذخیرہ شہوار فقط اسے ملتا ہے جس کے دل میں اس کی سچی طلب اور تڑپ ہو۔ جو لوگ ازراہِ غرور و نخوت انبیاء کرام کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کی دعوتِ حق کو ٹھکراتے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت سے محروم کر دیا کرتا ہے۔

۵ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجوس اس بات میں کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرنے والا بتانے اور خدا کے لیے اولاد ٹھہرانے اور ناشکرا ایسا کہ بتوں کو پوجے۔ (خزائن العرفان)

لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا [?] وہ پاک ہے [?] وہی اللہ ہے جو ایک ہے، سب سے زبردست

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ [?] وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

دن کو رات پر [?] اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقرر میعاد تک

اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

خوب سن لو! وہی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے [?] اس نے پیدا کیا ہے تمہیں فرد واحد سے [?] پھر بنایا اسی سے

[?] بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کی اولاد کے قائل تھے۔ ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کی جارہی ہے۔

[?] اولاد کا ہونا تمہارے لیے تقویت اور عزت و وقار کا باعث ہے کیونکہ تم کمزور ہو، ضعیف ہو۔ دشمنوں کا تنہا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو۔ تمہاری اولاد ہوگی تو تم طاقتور بن جاؤ گے۔ نیز تم فنا ہوتے ہو، تمہیں اولاد کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارا نام تمہاری اولاد کے ذریعے باقی رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو قہار ہے جو حی لایموت ہے اس کے لیے اولاد کی ضرورت کا تصور بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ اس لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اس کی شان کبریائی سے جہالت کی دلیل ہے۔

[?] اللہ تعالیٰ کی توحید، قدرت اور حکمت کے دلائل تکوینی بیان فرمائے جارہے ہیں۔

[?] تکویر اللیل علی النھار تغشیۃ ایاہ : صحاح۔ یعنی دن کی روشنی جہاں سے ہٹتی جاتی ہے رات کی تاریکی وہاں پھیلتی جاتی ہے۔ اسی طرح رات کا اندھیرا جہاں سے ختم ہوتا ہے دن کا اجالا وہاں نور افشانی کرتا جاتا ہے یہ تسلسل کبھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ علامہ جوہری تکویر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں : کار العمامۃ علی رأسہ یکورھا کورا ای لاثھا۔ وکل دور کور۔ الصحاح یعنی عمامہ کو سر پر لپیٹنا اور بل پر بل دیتے چلے جانا، ہر بل کو کور کہتے ہیں۔

[?] اس کی قدرت غالبہ کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اگر چاہے تو تمہاری سرکشی کے باعث چشم زدن میں تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے لیکن اس کے ساتھ وہ غفار بھی ہے۔ اس کی بخشش اور پردہ پوشی کی بھی حد نہیں۔

[?] اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت قاہرہ کی مزید دلیلیں بیان کی جارہی ہیں۔ پہلے صرف حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ

اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے لیے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے وہ پیدا فرماتا ہے

فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ

تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں ۱۲

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٦﴾ إِنْ

یہ ذات ہے اللہ تمہارا رب ہے اسی کی حکومت ہے ۱۳ نہیں کوئی معبود بجز اس کے پھر تم کدھر منہ پھیرے جا رہے ہو۔ اگر تم

تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ

ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اور اگر تم

تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ

شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے اسے تمہارے لیے ۱۴ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب

حضرت حوا کی تخلیق کی یہاں تک کہ نسل انسانی کرۂ زمین کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئی۔ پھر ان کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اس کی خوراک کا بندوبست فرمایا۔ نقل و حمل کے ذرائع اور وسائل مہیا کیے۔ خصوصی طور پر اونٹ، بیل، بھیڑ بکری کی جوڑا جوڑا کا ذکر کر دیا۔

۱۲ انسان کی آفرینش کی طرف پھر توجہ دلائی یعنی جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو تخلیق و تکمیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ قطرۂ آب بلکہ ایک ننھا سا جرثومہ مختلف مرحلوں سے گزر کر کامل انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے ہر ہر عضو میں جو باریکیاں لطافتیں اور پیچیدگیاں ہیں یہ سب دن کی روشنی میں انجام پذیر نہیں ہوتیں بلکہ تہ در تہ اندھیروں میں یہ تکوینی عمل جاری رہتا ہے۔ تین اندھیروں سے مراد پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور رحم کے اندر جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔

۱۳ یہ بڑی شان والا، عظیم قدرتوں والا، بالغ حکمتوں والا اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے۔ بلندی و پستی میں، بحر و بر میں، کوہ و دمن میں، ارض و سما میں ہر جگہ اس کی حکومت اور بادشاہی کا نقارہ بج رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اے لوگو! اس سے منہ موڑ کر تم کدھر جا رہے ہو۔ اگر تم انکار و کفر کی روش نہ چھوڑو گے تو خود خطرناک انجام سے دوچار ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تم کیا بگاڑ سکتے ہو۔ تم ہر بات میں اس کے محتاج ہو۔ اسے تمہاری قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

۱۴ وہ اس لیے تمہیں کفر سے منع نہیں کرتا کہ اس سے اس کی کبریائی میں فرق پڑ جائے گا بلکہ وہ بار بار تمہیں اس لیے کہتا

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے بیشک وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً

اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (یا مصیبت) پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف لئے پھر جب عطا

ہے کہ تم اس کی قدرت کے شاہکار ہو اس کو تم سے بڑا پیار ہے۔ کفر سے تم اپنا سیاناس کر دو گے، تمہاری عظمتیں خاک میں مل جائیں گی اللہ تعالیٰ تمہاری اس ذلت و رسوائی کو پسند نہیں کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ تاکہ اس کے جود و کرم کی بارش تم پر ہوتی رہے اور ہر گھڑی تم بلند سے بلند تر منزل کی طرف مصروف پرواز رہو۔

علماء تفسیر نے یہاں ایک خاص بحث ذکر کی ہے جس کا اختصار سے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں، وہ فرماتے ہیں یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دنیا میں کسی خیر و شر کا اچھی اور بری چیز کا ظہور مشیت الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا، لیکن خیر اور نیکی پر وہ راضی ہوتا ہے اور شر اور برائی پر وہ راضی نہیں ہوتا۔ جو چوری کرتا ہے، ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے۔ قاتل قتل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں سے یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ اگر اس کی مشیت اور ارادہ نہ ہو تو کوئی فعل بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان میں سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث نہیں بلکہ یہ امور اس کے قہر و غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ ارادہ اور مشیت الٰہی اور چیز ہے اور رضائے الٰہی اور چیز ہے ان دونوں کو مترادف سمجھنا غلطی ہے فان ارادته يتعلق بالخير والشر كله ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن، و بتفصيل مختلف المراد من ارادته كہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ خیر و شر سب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا یہ محال ہے کہ وہ کسی کام کا ارادہ کرے اور وہ کام نہ ہو۔ (مظہری)

لئے یعنی وہ شخص جو اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے دبا چلا جا رہا ہے وہ کسی دوسرے کا بوجھ کیوں کر اٹھا سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ کا عدل اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کسی کا بوجھ کسی پر لاد دیا جائے۔ یہ انصاف کے خلاف ہے۔

لئے جب انسان کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے مصائب و آلام کے سیاہ بادل اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو ہر طرف سے منہ موڑ کر بڑے عجز و نیاز سے رب کریم کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے، لیکن جب اس کی مصیبت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹل جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کے انعامات کیے جاتے ہیں تو وہ اکڑ جاتا ہے۔ اسے وہ گھڑیاں بھول جاتی ہیں جب وہ درد و غم سے نڈھال ہو کر چیخا چلایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبیں سائی کیا کرتا تھا۔ خولہ۔ اعطاہ؛ عطا کرنا۔ اور دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے۔ ای جعله والحشم والاتباع والخولی الحشم والاتباع۔ نوکر، خادم، ملازم

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے اس کی چارہ سازی فرمائی تھی۔ اس صورت میں ما کان یدعوا الیه میں ما بمعنی مَن ہو گا اور ما بمعنی مَن بکثرت استعمال ہوتا ہے جیسے وما خلق الذکر والانثیٰ۔

مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا۟ إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ

کرتا ہے اسے نعمت اپنی جناب سے تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے پکارا کرتا تھا اس سے پہلے اور بنا لیتا ہے اللہ کے ہمسر تاکہ بہکا

عَن سَبِيلِهِۦ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ ﴿٨﴾

دے اس کی راہ سے۔ ۲۰ آپ اسے فرمائیے لطف اٹھا لے اپنے کفر سے تھوڑے دن، بیشک تو دوزخیوں میں سے ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ ٱلْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا۟

بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوکر (اپنے رب سے) ڈرتا ہے آخرت سے اور امید

رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ

رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی ۲۱ آپ پوچھیے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل ۲۲

ع ۱۵

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٩﴾ قُلْ يَٰعِبَادِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ

البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے: اے میرے بندو جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے ۲۳

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ فِى هَٰذِهِ ٱلدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ ٱللَّهِ وَٰسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا

اور یاد رکھو ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے

۲۰ اور اس پر ستم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے اور اس کے شریک ٹھہرا دیتا ہے۔ انداد: ای مثلاً۔ علامہ بیضاوی نے ند کی تشریح ان الفاظ کی ہے: المثل المناوی یعنی جو کسی کا ہم پایہ بھی ہو اور اس کا مخالف بھی ہو اس کو ند کہتے ہیں۔

۲۱ مومن کے شب و روز کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ نیاز مندیوں کا عالم یہ ہے کہ رات بھر درد انگیز نالے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے در اقدس پر جبین نیاز جھکائے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنی عبادت پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے بھی ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔

۲۲ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کو جانتے ہیں ان کی امید و بیم کا یہ حال ہے اور جو شانِ الٰہی سے بالکل ناواقف ہیں ان کی سرکشی کی حد نہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ یکساں ہو سکتے ہیں؟

۲۳ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں کو یہ پیغام پہنچا رہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔

يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝١٠ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا ۝ فرمائیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝١١ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝١٢ قُلْ

عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو ۝ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ آپ

اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٣ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ

فرمائیے میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے اللہ کی ہی میں عبادت کرتا

مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝١٤ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ

ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا (اے حبیب!) فرما دیجیے اصل نقصان اٹھانے

۱۳؎ اس کی تفصیل اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جو میدان صبر و استقامت کے شہسوار سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ قال سمعت جدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: ادّ الفرائض تکن اعبد الناس وعلیک بالقنوع تکن من اغنی الناس یا بنی ان فی الجنۃ شجرۃ یقال لہا شجرۃ البلوی یؤتی باھل البلاء فلا ینصب لہم میزان ولا ینشر لہم دیوان یصب علیہم الاجر صبا ثم تلا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما یوفی الصابرون الآیۃ (قرطبی)

ترجمہ: میں نے اپنے جد پاک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے حسین! فرائض ادا کیا کرو تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو بڑے عبادت گزار ہیں۔ اے حسین! قناعت اختیار کرو تم سب لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے۔ اے حسین! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃ البلوی یعنی تکلیف کا درخت کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو تکالیف و مصائب میں مبتلا رہے ان کو وہاں لایا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی ترازو رکھا جائے گا اور نہ ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا بلکہ بدلیوں کی موسلا دھار بارش کی طرح ان کا اجر ان پر برسے گا۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

۱۴؎ راہ حق میں ثابت قدم رہنے اور شمع توحید کو روشن رکھنے کی تاکید ہے۔ صرف تمہیں نہیں کر رہا بلکہ میرے رب نے مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ نیز سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ اس مقام پر مولانا عثمانی لکھتے ہیں: "چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں"۔

۱۵؎ اگر تم میری دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور میری نصیحت تمہارے لیے قابل قبول نہیں تو پھر جیسا تمہارا جی چاہتا ہے

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ سنو! یہی کھلا گھاٹا

الْمُبِينُ ﴿١٥﴾ لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذَٰلِكَ

ہے۔ ان (بدنصیبوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے ۲۷ اس

يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ ۚ يَا عِبَادِ فَاتَّقُونِ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ

(عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔ اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے

أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ

کہ اس کی عبادت کریں ۲۸ اور دل سے جھکتے ہیں اللہ کی طرف، انہی کے لیے خوشخبری ہے پس آپ مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور

يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ

سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے

وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ

اور یہی لوگ دانشور ہیں۔ بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم۔

أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن

تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے؟ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں ان کے

کرتے رہو خواہ کسی پتھر کی پوجا کرو، خواہ کسی دریا کو خدا بناؤ، خواہ کسی جن اور انسان کو اپنا معبود تصور کرو، تم جانو اور تمہارا کام لیکن یہ یاد رہے کہ کفر و شرک اختیار کرنے سے تم ایسا نقصان اٹھاؤ گے اور تمہیں ایسا خسارہ ہو گا کہ پھر اس کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔

۲۷ ظلل: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا سایہ کسی پر پڑ رہا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اوپر اور نیچے سے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے انہیں اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

۲۸ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پیارے بندوں کا ذکر فرماتا ہے۔

فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ

اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ

اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي

اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ۲۱ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری

الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا

کیا اسے زمین کے چشموں سے۔ پھر اگاتا ہے اس کے ذریعہ فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس

ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾ أَفَمَن

تو دیکھتا ہے اسے زرد ہی مائل پھر وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے یقیناً اس ذکر شدہ حقیقت میں نصیحت ہے اہل عقل کے لیے۔ بھلا وہ

شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ

(سعادت مند) کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے ۲۲ پس ہلاکت ہے ان

۲۱ یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ یَھِیْجُ، خشک ہو کر اڑ جائیں۔

۲۲ یہ اللہ تعالیٰ کا محض کرم ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے کے لیے سینہ کھول دے۔ تعصب اور ضد کے پردے اٹھ جائیں اور نور حق اس کو نظر آنے لگے۔ اس وقت انسان بے ساختہ حق کی طرف لپکتا ہے اور اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس کی راہ میں آگ کے سمندر بھی حائل نہ ہو جائیں وہ پروا نہیں کرتا۔ اس وقت تک اسے چین ہی نہیں آتا جب تک وہ شمع حق پر پروانہ وار نثار نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"یارسول اللہ! ای المومنین اکیس" کہ اہل ایمان میں سے زیادہ عقلمند کون ہے۔

قال اکثرھم للموت ذکرًا واحسنھم لہ استعدادًا۔ فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور اس کے لیے اچھی طرح تیاری کرے۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا جب دل میں نور داخل ہو جاتا ہے تو دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبی اس کی علامت کیا ہے: قال الانابۃ الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزول الموت۔ فرمایا اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ شخص ہر وقت دار آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہ اس دھوکہ والی دنیا سے کنارہ کشی

قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ

دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے ۲۲؎ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے بہترین

الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ

عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف ۲۳؎

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

یہ اللہ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ ۲۴؎ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو

اختیار کرتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری شروع کر دیتا ہے۔

۲۲؎ ان لوگوں کی بدنصیبی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا شوق ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ انہیں یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ ان کا ایک خالق بھی ہے اور انہیں ایک روز اس دنیا سے کوچ بھی کرنا ہے۔

۲۳؎ یعنی یہ دل موہ لینے والی باتیں جو ایک کتاب کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ان کے مضامین ہم آہنگ ہیں، سب ایک دوسرے کی موافقت اور تائید کرتے ہیں، ان میں کسی قسم کا تضاد نہیں، اس کی یہ صفت بھی ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے سے طبیعت نہیں اکتاتی۔ بلکہ ہر بار نئی لذت اور نیا سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ جب عذاب الٰہی کا ذکر ہوتا ہے تو پڑھنے والوں پر خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ کانپنے لگتے ہیں اور جب اس کی رحمت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل اور چہرے خوشی سے چمک اٹھتے ہیں اور اس کے ذکر میں شوق و محبت سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ تقشعر میں پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ثم تلین میں دوسری کیفیت کا ذکر ہے۔ متشابہا ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والحکمۃ ویصدق بعضہ بعضا یعنی حسن اور حکمت میں اس کی آیتیں متشابہ ہیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے اور مثانی کا معنی بیان کیا گیا مثنی للتلاوۃ فلا یمل۔ کہ جب اسے بار بار پڑھا جائے تو انسان اکتاتا نہیں۔ اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اس میں مواعظ اور قصص بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ مثانی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں، مثانی مثناۃ کی جمع ہے جو اسم ظرف ہے اور یہ کتاب کی دوسری صفت ہے صفۃ اخری جمع مثناۃ اسم ظرف فانہ ثنی فیہ ذکر الوعد والوعید والامر والنہی والاخبار والاحکام

مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ

کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روزِ قیامت (٢٣) کیا بالغیب

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ہوگا ۔ اور کہا جائے گا ظالموں کو اب چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے ۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ

تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے ۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے ۔ کاش! وہ جان لیتے ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ

نصیحت قبول کریں ۔ اور ہم نے دیا ہے واضح ، قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ وہ اس سے ڈریں ۔

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ

بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کہ ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں بدخو جھگڑالو اور ایک غلام ہمہ تن ایک آدمی کا ہے ۔

٢٣ ۔ خضوع و خشوع کی یہ حالت محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نصیب ہوتی ہے جس کو چاہتا ہے اس کو یہ نعمت مرحمت فرماتا ہے ۔

٢٩ ۔ اللہ تعالیٰ مشرک اور موحد کا حال بیان کرنے کے لیے مثال ذکر فرماتے ہیں ۔ ایک غلام جس کے کئی آقا ہوں اور وہ آقا آپس میں ہر وقت برسرِپیکار رہتے ہوں چنانچہ ایک آقا اسے حکم دیتا ہو اور دوسرا اس کے برعکس حکم دیتا ہو ۔ اس بے چارے غلام کی جان تو عذاب میں مبتلا ہو جائے گی ۔ وہ ہر وقت پریشان اور خستہ حال رہے گا ۔ ایک اور غلام ہے جس کا صرف ایک آقا ہے ۔ اب ان دونوں غلاموں کی حالت کا اندازہ کرو اور خود فیصلہ کرو کہ تمہارے لیے ایک خدا کا بندہ بننے میں آرام و راحت اور تسلی تشفی ہے یا بہت سے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٢٩ اِنَّكَ مَيِّتٌ

کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے — سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے — بیشک آپ بھی

وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝٣٠ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝٣١

(دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے ۳۵ — پھر تم سب روزِ حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے — جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے ۳۶ — اور تکذیب کرتا ہے

بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٣٢

اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا — کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے ؟

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو

الْمُتَّقُوْنَ ۝٣٣ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا

پرہیزگار ہیں ۳۷ — انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے — اپنے رب کے پاس سے یہ صلہ ہے

جھگڑالو خداؤں کا بندہ بنتے ہیں۔ الفاظ متشاکسون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ رجل شکس ای صعب الخلق، یعنی بد خلق۔ راجز کہتا ہے شکس عبوس عنبس عذور۔

۳۵ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے کہ یہ چند روزہ کھیل ہے یہ فوت ہو جائیں گے تو یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے محبوب! اس دار فنا سے آپ نے رخت سفر باندھنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ کتنے نادان ہیں کس طرح اپنے آپ کو طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔

۳۶ یہ کفار ایک تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان گھڑتے ہیں اور غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا۔

۳۷ یعنی وہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو اس ابدی صداقت کو لے کر تشریف لائے اور وہ اہل ایمان جنہوں نے

الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا

محسنوں کا ۳۳ تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو

وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾

اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے ۳۴

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن

کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے؟ (یقیناً کافی ہے) ۳۵ اور وہ (نادان) ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں سے

دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ

جو اللہ کے سوا ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے

سچے دل سے اس صداقت کو قبول کیا۔ یہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔

۳۳ یہ پاک لوگ جس چیز کی آرزو کریں گے اللہ تعالیٰ کی جناب سے انہیں عطا فرمائی جائے گی۔ کیا مقام ہے نبی کریم کا ان کیا شان ہے آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہونے والوں کی اور آپ کی دعوت پر صدق دل سے ایمان لانے والوں اور قربان ہونے والوں کی کہ جو وہ دعا کریں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ پوری ہو گی۔

۳۴ ان پر مزید کرم یہ کیا جائے گا کہ ایمان لانے سے پہلے جو سنگین جرم ان سے سرزد ہوئے تھے اور جن فحش گناہوں کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا ان کو اس طرح ڈھانپ دیا جائے گا کہ ان کا سراغ تک بھی کسی کو معلوم نہ ہو گا۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں اصل الکفر تغطیۃ الشئ تغطیۃ تستہلکہ۔ یعنی کفر کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس چیز کو نام ونشان بھی دکھائی نہ دے۔

۳۵ اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو نیکیاں وہ کریں گے ان کا بہترین اجر انہیں دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نوازشات کا کیا کہنا ساری عمر برباد کرنے کے بعد بھی اگر کوئی نادم اور شرمسار ہو کر در اقدس پر حاضر ہوتا ہے تو اس کے لیے آغوش رحمت کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے سابقہ نامۂ اعمال کی سیاہی دھو دی جاتی ہے اور اس پر ایسے ایسے کرم فرمائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر دنیا حیران ہو جاتی ہے۔

۳۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود آپ کا حافظ وناصر ہے اور جس کا حافظ وناصر خود اللہ تعالیٰ ہو کیا ایسے شخص کو کسی دوسرے سہارے اور مددگار کی ضرورت باقی رہتی ہے، ہرگز نہیں۔

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝

اللہ تعالیٰ تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ

اللہ نے۔ آپ فرمائیے پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے

اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ

وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو فرما دیجئے مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ۔ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں

اے محبوب! ساری دنیا بھی اگر آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ لوگ کتنے احمق اور نادان ہیں جو آپ کو اپنے معبودانِ باطل کے غیظ و غضب سے ڈراتے ہیں۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے نورِ ہدایت بخش دیتا ہے پھر اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

جن بتوں کے غیظ و غضب سے یہ لوگ آپ کو ڈرا رہے ہیں اور ان کے بے پایاں اختیارات کے افسانے گھڑ گھڑ کر پیش کرتے ہیں آپ ذرا ان سے یہ تو پوچھیے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے۔ تو ناچار ہو کر کہیں گے اللہ تعالیٰ۔ ان سے پھر پوچھیے کیا تمہارے بتوں میں یہ دم خم ہے کہ میرا رب اگر مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ آڑے آ جائیں اور مجھے اس تکلیف سے بچا لیں یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کرم فرمانا چاہے تو یہ رکاوٹ پیدا کر دیں اور مجھے اس کے کرم سے محروم کر دیں۔ جب یہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تو پھر ایسے خداؤں سے ڈرنے اور ان کی پرستش کرنے کا کیا فائدہ؟

یہ لوگ آپ کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں آپ کو اپنے بتوں کی اذیت رسانی سے ڈراتے ہیں۔ آپ فقط انہیں اتنا کہہ دیجیے "حسبی اللہ" مجھے میرا اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ تم مجھے جتنی اذیتیں پہنچا سکتے ہو ان میں ذرا کمی نہ کرو تم اسلام کو ناکام کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہو انہیں زور و شور سے جاری رکھو۔ حسبی اللہ۔ مجھے میرا اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ

الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ

بھروسہ کرنے والے۔ فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ پس

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

تم ضرور جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ

دائمی عذاب اترتا ہے۔ (اے حبیب!) ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لیے حق کے ساتھ

فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بھٹکتا ہے تو وہ بھٹکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ ع

اور آپ ان (بدبختوں) کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللہ عزوجل اوثق بما فی یدیہ ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل (ابن کثیر) یعنی جو شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ طاقتور بن جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور جو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جو دولت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ وہ اس پر یقین رکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ مکرم و محترم بن جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرے۔ (ابن کثیر)

۴۱ے اے محبوب! ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو سراپا حق ہے۔ اب اس کی روشنی سے جو فائدہ اٹھائے گا اس کا تو اس کا بھلا ہوگا اور جو آنکھوں پر پٹی باندھے رہے گا تو اس زندگی میں عمر بھر ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور آخر کار کسی ایسے گڑھے میں گرے گا جس سے پھر نکلنا اس کے لیے دشوار ہو جائے گا۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں تاکہ آپ سے یہ باز پرس کی جائے کہ فلاں شخص کیوں ایمان نہیں لایا فلاں شخص کیوں شرک کرتا رہا فلاں شخص فسق و فجور کی دلدل میں کیوں عمر بھر پھنسا رہا۔ آپ کا کام دلنشین اور موثر انداز میں بڑی دلسوزی اور اخلاص کے ساتھ پیغام حق پہنچا دینا ہے۔ آپ نے اپنا فرض احسن طریق سے ادا کر دیا ہے۔ اب ان کی

مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ

اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی رُوحیں) بحالتِ نیند ۴۲ ۔ پھر روک لیتا ہے ان رُوحوں کو جن کی موت

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ إِنَّ

کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری رُوحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک

فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝٤٢ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ

اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر

اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝٤٣

اور سفارشی۔ آپ پوچھیے اگرچہ وہ (معبود و سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں ۴۳ ۔

گرامی کے متعلق آپ سے کسی طرح کا محاسبہ نہیں ہوگا۔

۴۲ آیت کا مفہوم واضح ہے حضور نے سوتے وقت یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ بھی اسے یاد کر لیں اور سوتے وقت یہ دعا مانگ کر سویا کریں : بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔

ترجمہ : اے اللہ! میں تیرے نام سے اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اٹھاؤں گا۔ اس اثنا میں اگر تو میری رُوح قبض کر لے تو اس پر رحم کرنا اور اگر واپس کرنا تو اس کی اس سے حفاظت کرنا جس سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

یتوفی کا لغوی معنی ہے کسی کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا۔ توفیة الشئ بذله وافیاً واستیفاؤه تناوله وافیاً۔ قال تعالیٰ وُفّیت کل نفس ما کسبت وقد عُبّر عن الموت والنوم بالتوفی (مفردات)

اس توفی کی دو قسمیں ہیں ایک ہمیشہ کے لیے رُوح کو اپنے قبضہ میں کرنا اور دوسرا عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے پہلی صورت میں اس کا معنی موت ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ نیند کے معنی میں مستعمل ہوگا اور یہ عموم مجاز ہوگا۔

۴۳ یعنی یہ مشرک بھی عجیب دماغ کے لوگ ہیں کہ ایسے معبودوں کو انہوں نے اپنا سفارشی فرض کر لیا ہے جن کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور عقل و فہم سے بھی بالکل کورے ہیں۔ یہ ان کے پتھر لکڑی کے بت اور تانبے پیتل کے اصنام تھے جو بے جان ہونے کے باعث ہر قسم کے فہم و شعور سے اور حرکت و اختیار سے محروم تھے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

آپ فرمائیے سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے ۴۴ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ

پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ

جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی

اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ۴۵ آپ عرض کیجیے اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے

۴۴ آپ ان کو فرما دیجیے کہ شفاعت کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس کے اذن کے بغیر تو کسی کی مجال نہیں کہ لب کشائی بھی کر سکے اور ان کے معبودوں کو تو شفاعت کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا یہ کیسے ان کی شفاعت کریں گے۔

۴۵ جب اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل گھٹنے لگتے ہیں۔ ان کے چہروں پر افسردگی چھا جاتی ہے اور جب کسی محفل میں ان کے بتوں اور جھوٹے خداؤں کی تعریف کی جاتی ہے تو ان کے چہرے خوشی اور فرطِ مسرت سے دمکنے لگتے ہیں۔

اشمأزت: نفرت وانقبضت، یعنی دل کا نفرت کرنا اور گھٹ جانا۔

ہمارے بعض مہربان اپنی شوخیٔ مزاج سے مجبور ہو کر اس آیت کو خوب جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ثناخوانوں اور اولیاء اللہ کی مدح سرائی کرنے والوں پر اس آیت کی تطبیق کرتے ہیں۔ جوشِ خطابت میں ان کے منہ شریف سے جھاگ آ رہی ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ سنی ہیں یہ بدعتی یہ ہر وقت نبی کی توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں، ہر وقت اولیاء کرام کا ذکر کرتے رہتے ہیں دیکھو قرآن ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

ان حضرات والا صفات سے اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے قرآن کریم کی ان بیشمار آیات کو نکال دیجیے جن میں قرآن نازل فرمانے والے نے اپنے انبیاء، خصوصاً سید الانبیاء اور اس کے صحابہ کرام اور اس کے غلاموں کی تعریف و توصیف کی ہے پھر ہم گستاخان بجز تسلیم پر نشتر زنی فرمائیے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم سورۃ والضحیٰ، الم نشرح، الکوثر کی تلاوت کو نمازوں میں ہی بند کرا دینے کا حکم صادر فرما دیجیے، اگر آپ ایسا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ ورنہ جب تک یہ سورتیں اور آیات اور یہ ایمان افروز آیات قرآن میں موجود ہیں اس الزام سے آپ بھی نہیں نکل سکتے۔ خدارا تعصب سے اتنے بے قابو نہ ہو جایا کریں کہ حق وصداقت کا دامن بھی

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا

اے جاننے والے غیب اور شہادت کے تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ

جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے ظلم کیا زمین میں جو کچھ ہے

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ

سب ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ، تو یہ لگیں گے کہ بطور فدیہ ادا کر دیں اسے بُرے عذاب کے عوض۔ قیامت

الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

کے دن ۳۲ اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ بُرے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ عذاب، جس کا یہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ

مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے ۳۳ پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں

ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

۳۲ آج تو یہ ایک دمڑی پر جان دیتے ہیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے انہیں کہا جائے تو مرنے لگتے ہیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب عذابِ الٰہی انہیں چاروں طرف سے گھیرے گا اس وقت اپنا زندگی بھر کا سرمایہ فدیہ کے طور پر ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے بلکہ دُنیا کے سارے خزانے بھی اگر ان کا بس چلے تو اپنی جان بچانے کے لیے بطور فدیہ دے دیں۔ اس وقت ان کی صرف ایک ہی آرزو ہوگی کہ عذاب سے نجات مل جائے خواہ انہیں کتنا ہی تاوان ادا کرنا پڑے۔

۳۳ جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس وقت ہمیں پکارتا ہے گڑگڑاتا ہے، فریاد کرتا ہے۔ لیکن جب اسے اس عذاب سے نجات مل جاتی ہے اور ہم اس پر اپنی گوناگوں رحمتوں کا مینہ برسا دیتے ہیں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا ہے بلکہ کہتا ہے کہ یہ میری ذاتی قابلیت اور مہارت کا نتیجہ ہے۔ میرے جیسا لائق فائق انسان اس خوشحالی

نِعۡمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ ؕ بَلۡ هِىَ فِتۡنَةٌ

ایسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (و فضل) کے باعث (ایسا نہیں) بلکہ یہ

وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ قَدۡ قَالَهَا الَّذِيۡنَ مِنۡ

آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۴۹ کہی تھی یہی بات ان لوگوں نے جو ان سے

قَبۡلِهِمۡ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمۡ

پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت) نے، جو وہ کمایا کرتے تھے ۵۰ پس آپڑے ان پر برے

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ؕ وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيۡبُهُمۡ

کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب اپنی

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ۙ وَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ

برے اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے ۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک

اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔ یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی حکمت کی

کا مستحق ہے یہ گھمنڈ [illegible]

۴۹ یہ شخص فریب خوردہ ہے حقیقت حال سے بالکل بے خبر ہے۔ اسے علم نہیں کہ ہم کس کو یہ ساری راحتیں اس لیے بخش رہے ہیں کہ اس کا امتحان لیں۔ غم و اندوہ کے زمانہ میں جس رب کریم کو وہ ہر وقت یاد کیا کرتا تھا اب عیش و آرام کے زمانہ میں بھی وہ اپنے منعم حقیقی کو یاد کرتا ہے یا نہیں، اس کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا نہیں۔ لیکن اکثر لوگ اس آزمائش کی طرف خیال ہی نہیں کرتے اور یوں ناکام ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔

۵۰ ایسی بے سروپا باتیں اس سے پہلے بھی فریب خوردہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ناشکری کے باعث ان سے وہ نعمتیں چھین لی گئیں اور انہیں ہولناک انجام سے دوچار کر دیا گیا۔ نہ تو ان کی علمی قابلیت اور دانشمندی ان کو ہماری گرفت سے بچا سکی اور نہ دولت کی بہتات انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکی۔

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ۝ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ

نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے (۷۲)۔ آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر،

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ

مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے (۷۳)۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔

إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنِيبُوٓا إِلٰى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ

بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سر تسلیم خم کر دو اس کے سامنے

۷۲۔ رزق کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔ جتنا چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی کو مجال اعتراض نہیں۔ اس تقسیم رزق میں بھی اس کی حکمت کی صدہا نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل میں نور ایمان ہے۔

۷۳۔ جب نفسانی جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے انتہائی قبیح حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ جب انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بڑے بڑے حلیم الطبع لوگوں کے ہاتھ سے بھی عدل و انصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ غلط ماحول کے باعث غلط عقائد دل میں جم جاتے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص گناہوں اور بدکاریوں سے اپنا دامن آلودہ کر لے اور اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اور گناہ و عصیاں کی دلدل میں بڑی بے باکی سے بڑھتا چلا جائے گا۔ اس طرح خود بھی برباد ہوگا اور کئی معصوم زندگیوں کو بھی دفن کر کے رکھ دے گا۔

اسی طرح اگر یہ بات کسی کے ذہن نشین ہو جائے کہ گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کے سامنے ہمارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ ہم کچھ بھی کرتے رہیں وہ بخش دے گا اور جنت کے دروازے ہمارے لیے کھول دیے جائیں گے۔ ایسا انسان بھی عمر بھر اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہتا ہے۔ خونریزی، بدکاری، راہزنی، حق تلفی سے اسے کوئی نفرت نہیں رہتی۔ لوگوں کے حقوق پامال کرنے کے باوجود اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے باوجود اس کے دل میں خلش بھی پیدا نہیں ہوتی جو اس کو بے چین کر دے۔

یہ دونوں کیفیتیں انسان کے لیے سم قاتل ہیں۔ اس طرح وہ نہ فقط دوسروں کے لیے وبال جان بن جاتا ہے بلکہ اپنی ذات پر بھی ظلم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کو جو تعمیری صلاحیتیں اور نیکی کی توفیق بخشی گئی تھیں ان سے اگر وہ صحیح کام لیتا تو آسمان شہرت پر مہر و ماہ بن کر چمکتا اور قیامت تک دنیا اس کی نیکیوں کو یاد کرتی، اسے دعائیں دیتی۔ اب وہ بیکار پڑی رہیں اور برگ و بار لائے بغیر ختم ہو گئیں۔

اسلام جو دین فطرت ہے جس کا مقصد اولین فرد کی صحیح نشو و نما اور راہنمائی کرنا ہے تاکہ وہ سنبھلے ہوئے اور اصلاح یافتہ افراد سے

ایک ایسی قوم معرض وجود میں آئے جو قیادت امم کی ذمہ داری سنبھال سکے اور ساری انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے۔ اس لیے اسلام نے انسان کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ عیش و عشرت کی مستیاں کرتا رہے، حسین حیات کی نازک اور معصوم کلیوں کو مسلتا رہے اور ان کی رنگ و نکہت کو لوٹتا رہے اور اس کے باوجود دل میں اپنی بخشش کا بھی یقین رکھے اور نہ ہی اسلام نے انسان کو مایوسیوں اور ناامیدیوں کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا بلکہ صحیح خطوط پر اس کی تربیت کا پروگرام پیش کیا۔ ایک طرف اسے اپنے اعمال نیک و بد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس کے اچھے یا برے اعمال پر سنت الٰہی کے مطابق مترتب ہو کر رہیں گے تاکہ کوئی کام کرنے سے پہلے وہ ان نتائج کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لے اور یہ دیکھ لے کہ کیا وہ ان نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کے ساتھ اس کو مایوس بھی نہیں ہونے دیا۔ اسے بتا دیا کہ گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر جب اور جہاں سے وہ نئی پاکیزہ زندگی کا آغاز کرنا چاہے گا اسے اس کا موقع دیا جائے گا۔

اس آیت طیبہ مبارکہ میں بھی ان لوگوں کو نوید رحمت دی جا رہی ہے جو عمر بھر اپنے اوپر زیادتیاں کرتے رہے۔ جن کے شب و روز فسق و فجور میں بسر ہوتے رہے۔ جنہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بالکل برباد کر دیا۔ ایسے لوگوں کو کہا جا رہا ہے کہ آؤ میری رحمت کا دروازہ تمہارے لیے کھلا ہوا ہے۔ اگر تم سچے دل سے تائب ہو کر نئی اور پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو تمہارے گناہ بے شمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں معاف کر دیے جائیں گے۔ تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔

حدیث پاک میں اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ،

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان ناسا من اهل الشرك كانوا قد قتلوا واكثروا وزنوا واكثروا فاتوا محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم فقالوا ان الذى تقول وتدعو اليه لحسن لو تخبرنا ان لما عملنا كفارة ونزل قل يعبادى الذين اسرفوا الآية

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ چند مشرک جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کیے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ جو آپ فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے لیکن آج سے قبل ہم اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں کیا آپ اس کے کفارہ سے ہمیں آگاہ فرما سکتے ہیں۔ یعنی مقصد یہ تھا کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں تو کیا ہمیں ہمارے سابقہ گناہوں پر تو عذاب نہ ہو گا۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی ہم جہنم میں جھونک دیے جائیں تو ہمیں اپنے آبائی دین کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

جب کفار و مشرکین کے ساتھ رحمت الٰہی کا یہ برتاؤ ہے تو اہل ایمان کے ساتھ خواہ وہ کتنے گنہگار کیوں نہ ہوں، اگر وہ سچے دل سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اسی لیے حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما احب ان لی الدنیا وما فیہا بہذہ الآیۃ۔ یعنی اگر اس آیت کے عوض مجھے دنیا اور ما فیہا کی دولت بھی دی جائے تو میں اس سودا کو پسند نہیں کروں گا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا

اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب ف پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو

اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ

عذاب آجائے ف اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔ (اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے

يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ

صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں ف اور میں تو

السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ

تمسخر اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں بھی ہو جاتا

السرف: تجاوز الحد فی کل فعل۔ ہر کام میں حد سے بڑھ جانا۔ القنوط: الیأس من الخیر۔ خیر و بھلائی سے مایوس ہو جانا۔
ان اللہ یغفر الذنوب کا مفہوم بتاتے ہوئے علامہ نے فرمایا: المراد بمغفرۃ الذنوب التجافی عنھا وعدم المؤاخذۃ فی الظاہر والباطن وھو المراد ہنا وقیل المراد بہ محوھا من الصحائف بالکلیۃ مع التجافی عنھا یعنی مغفرت ذنوب سے مراد یہ ہے کہ ان کے متعلق نہ ظاہر میں مؤاخذہ کیا جائے اور نہ باطن میں۔ اور بعض نے فرمایا کہ دفتر عمل سے ان کو بالکل مٹا دیا جائے اور ان کے بارے میں کوئی مؤاخذہ نہ ہو۔

ف اس کا عطف لا تقنطوا پر ہے۔ پہلے تم اپنے رب کریم کی جانب سے رخ موڑے ہوئے تھے اور گمراہی کے راستہ پر گامزن تھے۔ اب سچے دل سے اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ سرکشی کی حالت میں ہی پیغام اجل آجائے اور تم عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ۔ اس وقت کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔

ف ہم نے جو بہترین کلام تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کی اطاعت و پیروی شروع کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک عذاب الٰہی نازل ہو اور تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے۔

ف اس وقت تم پچھتاؤ گے اپنی نالائقیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرو گے لیکن سب بے سود۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً

پرہیزگاروں میں سے ف۵۹ یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے

فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ

تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں (بیشک) آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى

اور تو گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کرنے والوں میں سے تھا ف۶۰ اور روزِ قیامت آپ دیکھیں گے

الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا

مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫

تکبر کرنے والوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے ساتھ

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ؗ

نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۶۱ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا

ف۵۹ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی کبھی کچھ کہیں گے اور کبھی کچھ۔

ف۶۰ بارگاہِ الٰہی سے ایک ہی مسکت جواب ملے گا۔

ف۶۱ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

قال: کہ حضور نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال سمیت حشر میں حاضر کرے گا۔ مومن کے عمل کی شکل بڑی خوبصورت اور اس کی مہک بڑی دل آویز ہوگی۔ جب کہیں ڈر اور خوف ہوگا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہے گا کہ تم مت گھبراؤ یہ خوف اور ڈر تمہارے لیے نہیں۔ وہ مومن کہے گا تو نے مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں تو ہے کون؟ وہ جواب دے گا تم مجھے نہیں پہچانتے، میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ دنیا میں تو نے میرے بوجھ کو اٹھائے رکھا اب میں تمہیں اٹھاؤں گا۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے ۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

کنجیوں کا ۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا ۔ وہی لوگ خسارہ میں ہیں ۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ

آپ فرمایئے ۔ اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں ۔ اور بے شک وحی کی

اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے ۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے

اور تجھ سے ہر مصیبت کو دور کروں گا ۔ فهي الحق قال الله تعالى ومن يتق الله آخر اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ الآیہ

۶۲ مقالید جس ہے اس کا واحد مقلید یا مقلاد ہے اور اقلید کثیر الاستعمال ہے ۔ اس کا معنی ہے المفتاح یعنی کنجی ۔ وقیل الخزائن ای خزائن السموات والارض ۔ مقالید سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں ۔

علامہ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ۔ حضور نے فرمایا آج تک کسی نے مجھ سے یہ تفسیر دریافت نہیں کی ۔ پھر فرمایا آسمانوں اور زمین کی کنجیاں یہ کلمات طیبات ہیں ۔ لا اله الا الله والله اكبر وسبحان الله وبحمده ۔ استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ۔ هو الاول والآخر والظاهر والباطن ۔ يحيي ويميت بيده الخير وهو على كل شيء قدير ۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے مقالید کی تشریح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھی تو حضور نے یہی کلمات دس دس مرتبہ صبح اور دس مرتبہ شام پڑھنے کی ہدایت کی ۔ جو شخص اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی کنجیوں سے خزائن ارض و سما کے قفلوں کو کھولتا ہے اسی کا دامن بھرتا ہے اور وہی ان خزانوں کی قدر و قیمت کو پہچان سکتا ہے ۔ اولو العزم اولیاء کرام اپنے ہادی و مرشد کی انہیں تعلیمات پر عمر بھر عمل پیرا رہے ۔ ان وظائف و اوراد کا پابندی سے ورد کرتے رہے ۔ انہیں کی برکت سے حریم قرب کے دروازے ان کے لیے کھلتے گئے ۔ یہ اپنی ہمت کے پروں سے ان رفعتوں پر آشیانے بناتے رہے جہاں فرشتوں کے طائر عقل و فکر کی رسائی ناممکن ہے ۔ اے راہ عشق کے مسافرو! اے منزل محبت کے رہ نوردو! اٹھو ہمت سے کام لو اپنے مرشد برحق کے بتائے ہوئے کلمات طیبات کو حرز جاں بنالو ۔ تمہیں بھی ان بلندیوں پر سرفراز کیا جائے گا ۔ ۶۴ کفار بارگاہ رسالت میں آئے اور کہنے لگے کہ آپ بھی (العیاذ باللہ) بتوں کی پوجا

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ

آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا

شکر گزاروں میں سے اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور اس کی شان تو یہ ہے ساری

قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ

زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے ١٣٢ پاک ہے وہ ہر

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى

عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ

میں ہے اور جو زمین میں ہے ١٣٣ بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے ١٣٤ پھر صور پھونکا جائے گا دوبارہ

کریں۔ آپ کے بزرگوں کا بھی یہی دین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان ظالموں کو یہ جواب دو۔

١٣٢ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان بیان کی جا رہی ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی وسعتوں، فلک بوس پہاڑوں، بیکراں سمندروں سمیت ایک معمولی سی گیند کی طرح اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان لپیٹ کر وہ اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقبض اللہ الارض یوم القیامۃ ویطوی السماء بیمینہ ثم یقول انا الملک این ملوک الارض (متفق علیہ)، کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے ایک دستِ قدرت میں لے لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں، پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ! زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

١٣٣ حضرت صدر الافاضل لکھتے ہیں یہ پہلے نفخہ کا بیان ہے۔ اس نفخہ سے جو بے ہوشی طاری ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ ملائکہ اور زمین والوں میں سے اس وقت جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت نہ آئی ہوگی وہ اس سے مر جائیں گے۔ اور جن پر موت وارد ہو چکی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنایت کی، وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے انبیاء، شہداء، ان پر اس نفخہ سے بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگی۔ اور جو لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں، انہیں اس نفخہ کا شعور بھی نہ ہوگا۔

١٣٤ اس استثناء میں کون داخل ہے اس میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفخہ ا

أُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ

اسے پھونکا جائے گا تو فوراً وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے ۔ اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے

رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ

نور سے ۶۹ اور رکھ دیا جائے گا دفترِ عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور دوسرے گواہ اور فیصلہ کر دیا

بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۹ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

جائے گا ان کے درمیان انصاف سے ۷۰ اور ان پر ذرہ بھر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو

عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۰ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى

اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں۔ اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف

جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

گروہ در گروہ ۷۱ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور کہیں گے

صعق سے تمام آسمان اور زمین والے مر جائیں گے سوائے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و ملک الموت کے پھر اللہ تعالیٰ دونوں نفخوں کے درمیان جو چالیس برس کی مدت ہے اس میں ان فرشتوں کو بھی موت دے دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ شہدا ہیں جن کے لیے قرآن کریم میں لفظ احیاء آیا ہے۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ وہ شہداء ہیں جو تلواریں حمائل کیے گردِ عرش حاضر ہوں گے تیسرا قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستثنیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، چونکہ آپ طور پر بیہوش ہو چکے ہیں۔ اس لیے اس نفخہ سے آپ بیہوش نہیں ہوں گے بلکہ آپ متیقظ اور ہوشیار رہیں گے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ جنت کی حوریں اور عرش و کرسی کے رہنے والے ہیں ضحاک کا قول ہے کہ مستثنیٰ رضوان، حوریں اور وہ فرشتے جو جہنم پر مامور ہیں وہ اور جہنم کے سانپ بچھو ہیں۔ (خزائن العرفان)

۶۹ زمین سے مراد یہ زمین نہیں بلکہ میدانِ حشر ہے۔ نور سے مراد سورج اور چاند وغیرہ کا نور نہیں بلکہ یہ ایک خاص نور ہے جو اس روز اذنِ الٰہی سے ہر چیز کو روشن کر دے گا۔

۷۰ تمام لوگوں کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ ان کے اعمال کے صحیفے رکھ دیے جائیں گے تو انبیاء تشریف لائیں گے جو اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے اور دوسرے شہداء (گواہ) بھی طلب کیے جائیں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۷۱ عدالتِ عالیہ میں جن کو جہنم رسید کرنے کا فیصلہ صادر ہو گا ان کو کس طرح ہانک کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

خَزَنَتُهَآ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ

ان سے دوزخ کے پہرے دار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب

وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ

کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا لوح محفوظ

الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ قِيۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ

میں عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں

فِيۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ

کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا برا ٹھکانا ہے مغروروں کا۔ اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہتے تھے

اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ

اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ ۱۵ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے

لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا

تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور وہ (فرط مسرت سے)

۱۵ اور جن خوش نصیبوں کے بارے میں بخشش دینے کا فیصلہ ہو چکا ان کو بڑی عزت و اکرام سے نعیم جنت کی طرف فرشتے لے جائیں گے کیا دلکش منظر ہو گا۔ ان پاک نفس لوگوں کو گروہ در گروہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقا و مولیٰ حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: انا اول من یقرع باب الجنۃ۔ یعنی حضور نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آتی باب الجنۃ یوم القیامۃ فاستفتح فیقول الخازن من انت واقول محمد (فداہ روحی وقلبی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قال فیقول بک امرت ان لا افتح لاحد قبلک (مسند احمد) حضور نے فرمایا قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اسے کھولنے کے لیے کہوں گا تو جنت کا خازن پوچھے گا۔ آپ کون ہیں۔ میں اپنا نام بتاؤں گا تو وہ کہے گا کہ مجھے آپ کے متعلق ہی حکم دیا گیا ہے کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ

کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس زمین کا

مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى

اب ہم ٹھہرا کریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔ پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا اور (اے حبیب!) آپ

الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے اردگرد ۲ تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾ ع

اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے ۳

آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔

۲ دوزخی جہنم میں پھینک دیے جائیں گے اور اہل جنت فردوس بریں میں اقامت گزیں ہو جائیں گے۔ اس وقت نورانی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے اپنے رب کریم کی حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہوں گے۔

۳ یہ حمد کرنے والا کون ہوگا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ای نطق الکون اجمع ناطقه وبهيمه للہ رب العالمین۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اپنے خالق و مالک کریم و رحیم پروردگار کی حمد کرے گی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ و
اصحابہ ومن تبعہ واحبہ الی یوم الدین ۔ ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین
یوم یقوم الحساب ۔

محمد کرم شاہ

۲۵ رمضان المبارک یوم الاثنین ۹۱ھ
۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء

نظر ثانی : ۳۰ رجب المرجب یوم الجمعہ ۹۲ھ
۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ المومن

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام المومن ہے جو آیت ۲۸ "وقال رجل مومن من آل فرعون" سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورۂ غافر اور سورۃ الطول بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں نو رکوع اور پچاسی آیتیں ہیں۔ یہ ایک ہزار ایک سو نناوے کلمات اور چار ہزار نو سو ساٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جابر بن زید سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورہ زمر کے معاً بعد ہوا۔ (روح المعانی) جمہور علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام آیتیں مکی ہیں۔ بعض نے ان الذین یجادلون الآیۃ کو مدنی کہا ہے لیکن جمہور کا قول ہی صحیح ہے۔

زمانہ نزول : مکی دور کے اس مرحلہ میں یہ سورت نازل ہوئی جب اسلام اپنی دلآویز تعلیمات کے باعث دلوں کو فتح کرتا جا رہا تھا۔ ہزاروں مشکلات کے باوجود سلیم الطبع لوگ اس کی دعوت کو تیزی سے قبول کرنے لگے تھے۔ کفر کے سرغنوں کو اپنے پاؤں تلے سے زمین سرکتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے مشتعل ہو کر بے بنیاد الزامات اور رکیک بہتان لگانے کی مہم تیز تر کر دی تھی کبھی حضور کی آفتاب سے تابندہ تر سیرت پر انگشت نمائی کی جاتی۔ کبھی حضور کے جملہ اقدامات پر اعتراض کیے جاتے۔ کبھی قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا جاتا اور کبھی وقوع قیامت پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی جاتی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح لوگ اسلام سے بدگمان ہو جائیں اور اسلام قبول کرنے کی جو تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس سورت میں انہی کے اٹھائے ہوئے شکوک و شبہات کو دور کیا جا رہا ہے۔

مضامین : اس سورت کا آغاز اتنا بارعب اور پُرجلال ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرمایا یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ عزیز و علیم بھی ہے، غافر الذنب، قابل التوب اور صاحب جود و کرم بھی ہے۔ کیا ایسے خدا کی نازل کردہ کتاب میں کوئی نقص تلاش کیا جا سکتا ہے۔

دیگر مضامین کے علاوہ اس سورت میں دو امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہر بات پر جھگڑنے اور تکرار کیا کرتے جس سے حضور کے قلب نازک کو اذیت پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دے رہے ہیں کہ گزشتہ اقوام کے کفار کا رویہ بھی اپنے رسولوں کے ساتھ اسی نوعیت کا تھا۔ وہ بات بات پر اپنے انبیاء سے جھگڑتے، ان کا مذاق اڑاتے، انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ غضب الٰہی کی بجلی کوندی اور

انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ اگر کفار مکہ نے اپنی یہ روش ترک نہ کی تو وہ بھی اسی ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔
ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اے میرے حبیب! اگر یہ لوگ مجھے اپنا رب تسلیم نہیں کرتے اور میری وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ وہ عظمت نوری مخلوق جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے اردگرد مصروف طواف ہے وہ ہر وقت میری حمد بھی کر رہی ہے میری تسبیح بھی کر رہی ہے نیز تیرے غلاموں کے لیے وہ ہر وقت میری جناب میں مغفرت کی دعائیں مانگ رہی ہے۔ یہ فرشتے صرف نیک اور متقی لوگوں کی بلندی درجات کے لیے دعا کرتے ہیں بلکہ ان کے والدین، ان کے اہل و عیال کی بخشش اور بلندی درجات کے لیے بھی مصروف التجا رہتے ہیں۔

دوسری چیز جو بڑی اہمیت سے اس سورت میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت حق دی اور اپنے قول کی صداقت کو روشن معجزات سے ثابت کر دیا تو اس نے اعیان حکومت کی مجلس مشاورت طلب کی۔ اس میں اس کا وزیر ہامان اور دیگر اہم ملکی شخصیتیں شریک ہوئیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبہ کے لیے ان کی تائید حاصل کرنا چاہی۔ انہیں اس دعوت کے خطرناک مضمرات سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ اگر تم نے موسیٰ کو یونہی کھلی چھٹی دے رکھی تو وہ تمہارے عقائد کو بگاڑ کر رکھ دے گا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا بہتر یہ ہے کہ حالات کے بے قابو ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ کو ختم کر دیا جائے۔ اس وقت قبطی قوم کا ایک فرد جس نے ابھی تک اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا اٹھ کھڑا ہوا اور اس قوت سے موسیٰ علیہ السلام کا دفاع کیا کہ فرعون لاجواب ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے کارناموں اور آپ کی دعوت کی برکات کو یوں وضاحت سے ذکر کیا کہ سامعین پر سناٹا چھا گیا۔ عاد و ثمود کے حالات سنا کر ان کو عبرتناک انجام سے بچنے کی ہدایت کی۔ اس مرد مومن کے نعرۂ قلندرانہ نے فرعون کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔
اب فرعون نے پینترا بدلا اور ایک نئی چال چلی۔ ہامان کو ایک بہت بلند مینار تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کے اوپر چڑھ کر آسمان میں جھانک کر یہ تسلی کر لی جائے کہ موسیٰ کا خدا زمین میں بھی نہیں اور آسمان میں بھی نہیں تو اب ہم اسے ڈھونڈنے کہاں جائیں۔
اس سے واضح ہوا کہ بندۂ حق کیش جب نعرہ مستانہ بلند کرتا ہے تو باطل اپنے تمام کروفر کے باوجود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
سورت میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور یکتائی پر تکوینی دلائل پیش کیے گئے ہیں تاکہ سننے والے کو حق الیقین نصیب ہو جائے کہ جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں وہی رب السموات والارض ہے۔
قیامت کے روز کفار و مشرکین کا جو حسرتناک انجام ہوگا، اس کی بھی تصویر کشی کر دی گئی ہے تاکہ جو لوگ اس ہولناکی سے بچنا چاہتے ہیں، وہ ابھی سے سنبھل جائیں۔

سورۃ المؤمن مکیۃ ۶۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خمس وثمانون اٰیۃ وتسعۃ رکوعات

سورہ المومن مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۸۵ آیتیں، ۹ رکوع

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ

حا۔میم لے آتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے ۲ے گناہ بخشنے والا

لے حٰمٓ حروف مقطعات میں سے ہے ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے بعض کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

قال عکرمۃ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حٰمٓ اسم من اسماء اللہ تعالیٰ۔ وھی مفاتیح خزائن ربک (قرطبی)

علامہ اسماعیل حقی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اس کے خزانوں میں سے کسی خزانہ کی کنجی ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی اسم الٰہی کا ورد کرتا ہے تو اس شخص کی روح اور اس اسم میں ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ بندہ کو ذات خداوندی کے قریب کر دیتی ہے۔ اس وقت اس بندہ پر انوار الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اور حسب استعداد وہ فیضان حاصل کرتا ہے۔ فحینئذ یتجلی لہ الحق سبحانہ من مرتبۃ ذلک الاسم و یفیض علیہ ما شاء بقدر استعدادہ وکل اسمائہ تعالیٰ اعظم عند الحقیقۃ۔ (روح البیان)

۲ے تنزیل مصدر ہے لیکن منزّل (اسم مفعول) کے معنی میں ہے۔ تنزیل مصدر لکن المراد منہ المنزل (کبیر) اس کی ترکیب میں متعدد اقوال ہیں یہ خبر ہے مبتدا محذوف (ھذا) کی یا حٰمٓ مبتدا ہے اور تنزیل اس کی خبر۔ یا یہ خود مبتدا ہے اور من اللہ اس کی خبر۔

جن ایام میں یہ سورت نازل ہوئی کفار نے بہتان طرازیوں اور افتراء پردازیوں کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگانے کی مہم زوروں پر تھی۔ ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کی ذات اقدس پر اور اسلامی عقائد پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع تھی۔ اس جھوٹے پراپیگنڈہ سے کفار لوگوں کی توجہ اسلام سے ہٹانے کی کوشش میں ہر وقت مصروف تھے۔ اس لیے اس سورت کا آغاز اسقدر پر جلال اور پرشکوہ انداز سے کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ ہمہ تن گوش بن کر اس کی طرف متوجہ ہوں۔ بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف شدہ نہیں تاکہ اس میں طرح طرح کی خامیوں کا احتمال ہو بلکہ یہ آسمان سے اتاری گئی ہے اور اس کا اتارنے والا خداوند ذوالجلال ہے جو عزیز ہے یعنی سب سے زبردست اور سب پر غالب اور علیم ہے یعنی ماضی، حال، مستقبل اس کے علم کے سامنے یکساں ہیں۔ وہ ہر چھوٹی بڑی ظاہر و مخفی چیز کو جاننے والا ہے وہ کتاب جو آسمان سے اتری ہو اور اس کا اتارنے والا ان عظمتوں اور قدرتوں کا مالک ہو وہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے توجہ سے سنا

الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ

اور توبہ قبول فرمانے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے فضل و کرم فرمانے والا ہے نہیں کوئی

جائے خوب سمجھا جائے اور اس کے ارشادات کو تسلیم کیا جائے۔

۳ قرآن نازل فرمانے والے خداوند قدوس کی چند دوسری صفات بیان کی جارہی ہیں۔

سورۂ زمر کے آخر میں کفار کے ہولناک انجام کا ذکر کیا گیا تھا اب اپنی مغفرت و رحمت کی نوید سنا کر انہیں مایوسی کے اندھیروں سے نکالا جارہا ہے۔ وہ غافر الذنب ہے یعنی گناہوں کی پردہ پوشی فرمانے والا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بدکار ہو جب وہ اس کے دربار میں ندامت و شرمندگی کی ساتھ سر کو جھکاتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانپ دیتا ہے کبھی کرتے ہی نہیں جیسا کہ اس نے کبھی کوئی گناہ یا قصور کیا تھا۔

قابل التوب، یعنی جب کوئی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی سابقہ سرکشیوں کے باعث اپنے باب کرم سے دھتکار نہیں دیتا بلکہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں چھوڑتا۔ توب، مصدر ہے تاب یتوب کا۔ اس کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا، لوٹنا۔ اور اہل شریعت نے توبہ کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے:

والتوبة فی الشرع ترک الذنب لقبحه والندم علی ما فرط منه والعزیمة علی ترک المعاودة وتدارک ما امکنه ان یتدارک من الاعمال بالاعادة (روح البیان)

یعنی شریعت میں توبہ ان چار چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ گناہ کو قبیح سمجھتے ہوئے چھوڑ دے جو فرو گزاشت اس سے پہلے ہو چکی ہے اس پر دل سے شرمسار ہو۔ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے اور جہاں تک ممکن ہو گزشتہ اعمال کا تدارک کرے۔

غافر اور قابل کے درمیان واؤ عطف ذکر کرکے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ دونوں الگ الگ صفتیں ہیں۔ وہ توبہ کرنے والے کی توبہ بھی قبول کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کرتے وہ اتنا کریم ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کے بغیر بھی بخش دیتا ہے کیونکہ توبہ کے بغیر بخشش میں اس کی شانِ کریمی کا ظہور زیادہ ہے اس لیے غافر الذنب کو پہلے ذکر کیا۔

۴ اس کا عذاب بھی بہت شدید ہے جب پکڑتا ہے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ یہاں شدید عقاب کی صفت مقدر ہے۔

۵ طول کہتے ہیں فضل و انعام کو۔ الطول بالفتح، المن یقال منه طال علیه وتطول علیه اذا امتن علیه (مصباح) ابن منظور نے اس کا معنی قدرت بھی لکھا ہے۔

ذی الطول ای ذی القدرة (لسان العرب)

إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ

اس کے سوا ؎۱۔ اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے ؎۲۔ نہیں جھگڑا کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں

؎۱۔ جو ذات ان صفات جلیلہ کاملہ کی مالک ہے وہی عبادت کے لائق بھی ہے اس کے سوا نہ کوئی ان صفات جلیلہ سے متصف ہے اور نہ کوئی معبود بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

؎۲۔ اس میں اطاعت گزاروں کے لیے مژدہ ہے اور عاصی نافرمانوں کے لیے سرزنش ہے۔

علمائے تفسیر نے یہاں بڑا روح افزا اور بصیرت افروز واقعہ بیان کیا ہے اس کا یہاں لکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ شام کا ایک آدمی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ اس کی پارسائی، تقویٰ اور دین کے لیے اس کی حمیت کے باعث آپ اس کو اپنا بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔ شام سے ایک آدمی آیا۔ آپ نے اس سے اپنے دوست کی خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ وہ تو تباہ ہو گیا ہے۔ شراب پیتا ہے، گانا سنتا ہے اور وہ فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ سن کر آپ کو از حد رنج ہوا فرمایا جب واپس جانے لگو تو مجھے ملتے جانا۔ روانگی کے وقت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو:

"من عمر بن الخطاب الی فلان سلام علیکم فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو الیہ المصیر۔"

ترجمہ: یہ خط عمر بن الخطاب سے فلاں شخص کی طرف۔ تم پر سلام ہو میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے۔ گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب والا۔ بڑی قدرت والا اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔"

پھر خود بھی اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگی اور حاضرین مجلس سے بھی اس کے لیے دعا منگوائی اور یہ خط اس شخص کو دیا اور فرمایا کہ یہ میرے دوست کو پہنچا دینا۔ جب اس دوست نے خط پڑھا تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسنے لگا۔ روتا تھا اور خط کو بار بار پڑھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے اطاعت و اتقیاء کی زندگی بسر کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس کی توبہ کی اطلاع ملی تو آپ بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے: ھکذا فاصنعوا اذا رأیتم اخاکم زل زلۃ فسددوہ ووفقوہ وادعوا اللہ لہ ان یتوب علیہ ولا تکونوا اعوانا للشیاطین علیہ۔ یعنی تم بھی جب اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ راہ راست سے اس کا قدم پھسل گیا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو۔ اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرو۔ اس کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ یعنی اگر تم اسے برا بھلا کہنا شروع کر دو گے اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگو گے تو وہ اپنی ضد پر پختہ ہو جائے گا اور اسے اپنی عزت نفس کا سوال بنا کر گمراہی میں دور نکل جائے گا۔

سبحان اللہ! دعوت و ارشاد اور تبلیغ و اصلاح کا کیا حکیمانہ انداز ہے۔

كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝٤ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

کافر ف پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا بڑے کروفر سے آنا جانا مختلف شہروں میں ق جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم

نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ

نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد۔ اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ

کہ اسے گرفتار کرلیں اور جھگڑتے رہے وہ ناحق کے ساتھ تاکہ متزلزل کر دیں اس کے ذریعہ حق کو پس میں نے پکڑ لیا انہیں۔

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ

پس کتنا شدید تھا میرا عذاب ش اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ

ف بحث و تکرار کبھی افہام و تفہیم کے لیے، کوئی مشکل مسئلہ حل کرنے کے لیے، کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے اور منکرین حق کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ بحث و تکرار مستحسن ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور قرآن میں اسے جادلهم بالتی هی احسن فرمایا گیا ہے لیکن ایسا جدال اور مناظرہ جس سے مقصد فضول شبہات پیدا کر کے حق کو مشکوک کرنا، آیات الٰہی میں باہمی تناقض ثابت کرنا، ان کی تضحیک کرنا یا ان کی ایسی تاویل کرنا جس سے دوسری آیات کی نفی ہوتی ہو، ایسے جدال کی جرأت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خدا اور رسول پر ایمان نہ ہو۔ مشرکین مکہ کا دن رات یہی شغل تھا۔ وہ قرآن کے بیان کردہ عقائد کو غلط ثابت کرتے۔ ایک آیت کو دوسری آیت سے متضاد ثابت کرتے۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات کا غبار اڑا کر حق کے حسن و جمال کو مستور کرتے۔ ان کی اس ناروا اور ناشائستہ حرکت پر انہیں سرزنش کی جا رہی ہے۔

ق بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا کہ اگر واقعی یہ حق کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول کو جھٹلا رہے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کو تباہ و برباد کیوں نہیں کر دیتا۔ یہ کیوں بڑے کروفر سے کبھی اپنے تجارتی قافلے لے کر شام کی طرف اور کبھی یمن کی طرف جا رہے ہیں اور ہر بار دولت و ثروت کے ڈھیر سمیٹ کر واپس آتے ہیں۔ ارشاد ہے: اے دیکھنے والے! تجھے یہ بات دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ ہم نے کچھ عرصہ کے لیے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ اگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کی تباہی یقینی ہے۔ خدا کا عذاب آئے گا اور ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دے گا۔

ش ان سے پہلے بھی کئی بدبخت قوموں نے یہ وتیرہ اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے رسولوں کو اپنا قیدی بنانے کے منصوبے بنائے اور غلط طریقوں سے ان کے ساتھ جھگڑتے رہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ حق کو مٹا دیں گے لیکن ہمارے عذاب نے

كَفَرُوٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ

کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں ۔ سلہ جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو سلہ اور وہ جو

حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ

عرش کے ارد گرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں سلہ حمد کیساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں

اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ

ایمان والوں کے لیے سلہ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے سو انہیں بخش دے

انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کا انجام تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ اُدْحَضَ (الحجۃ ابطلہا ۔ صحیح) کسی دلیل کے باطل کرنے کو عربی میں اُدْحَضَ کہتے ہیں۔

سلہ صرف دنیا میں ہی ان پر عذاب نہیں آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حتمی فیصلہ فرما دیا ہے کہ جو کفر پر مرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیا جائے گا۔

سلہ کفار و مشرکین مسلمانوں کی جس طرح دل آزاری کیا کرتے تھے اور ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر پر جھوٹے بہتان لگاتے تھے ان کا ذکر پہلے گزرا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتا کر تسلی دے رہے ہیں کہ یہ اوباش اور بے حیا لوگ اگر ایسا کرتے ہیں تو کیا ہوا۔ وہ عظیم المرتبت فرشتے جو عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ مقرب ملائکہ جو ہر لحظہ عرش الٰہی کے طواف میں سرگرم ہیں اور اپنے رب کریم کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں، وہ تو ہر لحظہ تمہارے لیے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا رہتے ہیں اور تمہارے لیے استغفار کرتے ہیں تمہارے مراتب کی بلندی، تمہارے اور تمہارے ماں باپ، ازواج و اولاد کے لیے دخول جنت کی التجائیں کرتے ہیں، پھر تمہیں افسردہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

سلہ یہ فرشتے اپنے رب کی تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا بھی کرتے ہیں۔ وہ کن کلمات سے تسبیح کرتے ہیں اس کے بارے میں ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الحی الذی لا یموت ۔ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح ۔ ان کے حیا اور ادب کا یہ عالم ہے کہ یہ ہمیشہ سر جھکائے رہتے ہیں آنکھ اوپر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں، جلال الٰہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

یومنون بہ کے کلمات سے مشرکین عرب کی غلطی کا ازالہ کر دیا کہ فرشتے نعوذ باللہ اس کی بیٹیاں ہیں (فرمایا) وہ بھی اس کے وجود پر اس کی توحید و کبریائی پر اسی طرح ایمان لائے ہیں جیسے دوسری مخلوق۔

سلہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے علاوہ ان ملائکہ کا دوسرا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کی مغفرت کے لیے ہر لحظہ دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ

انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچا لے انہیں عذاب جہنم سے ۱۲ اے ہمارے رب! اور داخل فرما

جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین

اَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾ وَقِهِمُ

ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے۔ بیشک تو ہی سب پر زبردست اور حکمت والا ہے ۱۳ اور بچا لے انہیں

۱۱۔ اصل عبارت یوں تھی وسعت کل شئ رحمتک وعلمک یعنی تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے لیکن اس کے بجائے وسعت فرمایا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ ذات باری سراپا رحمت اور سراسر علم ہے۔ اور یہاں علم سے رحمت کو مقدم کیا کیونکہ بخشش کا ذکر ہو رہا ہے۔ آداب دعا میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف و تمجید کی جائے پھر حمد باری کے بعد اس رحیم و کریم کے حضور دست سوال دراز کیا جائے۔

۱۲۔ یہاں ملائکہ کی دعا کا ذکر ہو رہا ہے۔ الٰہی کیونکہ تیری رحمت کا دامن بڑا وسیع ہے اس لیے تو ان کی توبہ کو قبول فرمانے الٰہی جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے نبی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے ان کو بخش دے اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے اور انہیں جنت عدن میں داخل فرما۔

۱۳۔ الٰہی! ان کے ماں باپ ، ازواج اور اولاد کو بھی بخش دے جو مغفرت کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بخشے جانے کے قابل ہیں۔ بخشش اور مغفرت کا وہی مستحق ہوتا ہے جو ایماندار ہو۔ ان لوگوں کا متقی ، عابد اور زاہد ہونا ضروری نہیں کیونکہ ایسے لوگ تو بذات خود بخش دیے جاتے ہیں ان کو اپنی بخشش کے لیے اپنی اولاد یا والدین کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: لعل المراد بالصلاح ههنا نفس الایمان۔ یعنی یہاں صلاح کا معنی صرف ایمان ہے۔ کیونکہ انسان جب صفت ایمان سے متصف ہو جاتا ہے تو وہ بخشش کے لائق ہو جاتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ بات ہم نے اس لیے کہی ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت باقی رہے۔ یہاں بھی صلح سے مراد زہد، تقویٰ اور نیکی ہو تو پھر یہ الذین تابوا کے زمرہ میں داخل ہو گئے ان کو علیحدہ ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ امام بغوی سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن جنت میں داخل ہوگا تو کہے گا میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ میرے بچے کہاں ہیں۔ میری بیوی کہاں ہے؟ اسے بتایا جائے گا کہ انہوں نے تیری طرح نیک اعمال نہیں کیے۔ اس لیے وہ یہاں موجود نہیں۔ تو وہ جنتی جواب میں کہے گا کہ میں اپنے لیے اور ان کے لیے نیک اعمال کیا کرتا تھا پھر کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو بھی جنت میں داخل کر دو۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے

ع

السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ

سزاؤں سے ۱۵؎ اور جس کو تو بچا لے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر اور یہی ہے

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ

بہت بڑی کامیابی ۱۶؎ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے تھے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

کا، سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے؟ ۱۸؎ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم

حکم میں ہے۔ اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں صَلَحَ سے مراد نفس ایمان ہے۔ (مظہری)

۱۵؎ سیاٰت کا ایک معنی عقوبات کیا گیا ہے یعنی الٰہی ان کو ہر قسم کی سزاؤں سے بچا۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ الٰہی دنیا میں ان کو گناہوں اور اعمال قبیحہ سے بچا۔ خود ان کی نگہبانی فرما اور نفس و شیطان کی فتنہ انگیزی سے محفوظ رکھ۔

۱۶؎ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ قیامت کے روز جن کو تو عذاب سے بچا لے ان پر تو نے رحمت فرمائی۔ دوسری صورت میں معنی ہوگا کہ اس دنیا میں جن کو تو نے گناہوں سے محفوظ رکھا ان پر تو نے بڑا احسان فرمایا۔ فرشتوں کے دل میں ہمارے لیے خلوص اور خیر خواہی کے یہ پاکیزہ جذبات کیونکر پیدا ہوئے اس کی وجہ محض ایمان ہے۔

۱۷؎ قیامت کے دن کفار کو جب جہنم رسید کر دیا جائے گا اس وقت انہیں اپنی حماقتوں کا احساس ہوگا اور انہیں اپنے آپ پر بڑا غصہ آئے گا اپنی عقل و فہم پر نفرین بھیجیں گے اور اپنی ہٹ دھرمی کو کوسیں گے اور بڑے تیکھے عتاب کریں گے فرشتے ان کی یہ حالت دیکھ کر انہیں کہیں گے کہ جتنا غصہ آج تمہیں اپنے آپ پر آ رہا ہے کل دنیا میں جب اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کے نیک بندے تمہیں توحید کی بار بار دعوت دیا کرتے تھے اور تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ کی آتش غضب بھڑک رہی تھی اور اس کو اس سے کہیں زیادہ غضب آتا تھا۔ ۱۸؎ کفار کہیں گے دو مرتبہ تو نے ہمیں موت کا مزا چکھایا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔ دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے

كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾ هُوَ

انکار کردیتے اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے ۲۲ پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر اور بزرگ ہے ۲۳

الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ

وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں ۲۴ اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق ۲۵ اور نہیں نصیحت

إِلَّا مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ

قبول کرتا مگر وہ جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے ۲۶ تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو

پارہ میں گزر چکا ہے۔ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔ کفار کو جب دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے اور تسلیم کریں گے کہ حیات بعد الموت جس کا آج تک وہ انکار کرتے رہے عین حق ہے۔ اعتراف گناہ کے بعد پوچھیں گے کہ کیا اب اس دوزخ سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے۔ جواب ملے گا نہیں بالکل نہیں اب تمہیں یہیں رہنا پڑے گا۔

۲۲ یہ کس جرم کی سزا ہے کیا تم جانتے ہو؟ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کیا جاتا تو تم اسے ماننے سے انکار کردیتے اور اس کے ساتھ جب تمہارے معبودان باطل کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم فوراً اس بات کو تسلیم کرلیا کرتے تھے۔ خدا کی توحید کے انکار کی یہ سزا ہے جس میں تم مبتلا ہو۔

۲۳ تمہارے متعلق فیصلہ کرنے کا کلی اختیار اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ تمہارے وہ معبود جن کو تم بڑے اصرار سے خدا کا شریک بنایا کرتے تھے وہ اس خدائی فیصلہ میں رد و بدل کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس لیے نہیں بخشے گا کہ تم اس پر ایمان ہی نہیں لاتے اور جب بھی اس کی توحید پر ایمان لانے کی تمہیں دعوت دی گئی تم فوراً بپھر جاتے تھے اور جن خداؤں کی پوجا میں تم مگن رہا کرتے تھے ان کا آج کوئی بس نہیں چلتا، بلکہ آج تو ان کا نام و نشان تک بھی نہیں ملتا۔ اس لیے اب تمہارے عذاب کے خاتمہ کی کوئی صورت نہیں۔

۲۴ یعنی وہ تمہیں ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جن کے دیکھنے کے بعد اس کی وحدانیت، اس کی حکمت بالغہ، قدرت کاملہ اور علم محیط کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔

۲۵ اس کی وحدانیت اور اس کی حکمت کی ایک واضح نشانی بیان کردی۔ رزق سے مراد یہاں بارش ہے۔ رزقاً ای مطراً یکون سببا لرزقکم فیہ۔ اگر اسی ایک نشانی پر غور کیا جائے تو سارے حجاب اٹھ جاتے ہیں۔

۲۶ لیکن اس سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں رجوع الی اللہ کا جذبہ موجود ہو۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ

اگرچہ ناپسند کریں کفار ۲۲؎ بلند درجات پر فائز کرنے والا، عرش کا مالک ۲۳؎ نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ۲۴؎ تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ۲۵؎ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے

۲۲؎ کفار نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنالیا۔ ان کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ تم یہ غلطی ہرگز نہ کرنا۔ فقط اسی کی عبادت کرنا اور اپنے عقیدہ میں شرک کی ذرا آمیزش نہ ہونے دینا۔ کفار کی برہمی اور ناراضگی کی قطعاً پرواہ نہ کرنا۔ اگر اس غلطی کا ارتکاب تم نے بھی کیا تو تمہارا انجام بھی بڑا اندوہناک ہوگا۔

۲۳؎ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ کی مزید تین صفات کمال بیان فرمائی جارہی ہیں۔ (۱) رفیع الدرجات یعنی وہ اپنی مخلوق کے مراتب و درجات کو ان کی طبعی استعداد اور ان کے حوصلہ و ہمت اور سعی پیہم کے مطابق یا محض اپنی جود و عطا سے بلند فرمانے والا ہے۔ اس صورت میں رفیع بمعنی رافع ہوگا اور اگر رفیع بمعنی مرتفع ہو تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی شان سب سے اونچی ہے کوئی چیز کسی حیثیت سے اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ (۲) ذوالعرش وہ عرش کا مالک ہے یعنی عالم امکان کی فرمانروائی کا تخت اس کے تصرف میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے مطابق ظہور پذیر ہورہی ہے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی پتہ جنبش نہیں کرسکتا، کوئی ذرہ اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتا۔ زندگی اور موت، عزت و ذلت، صحت و بیماری، غربت و ثروت سب اس کی شان ربوبیت کی جلوہ نمائیاں ہیں۔ (۳) یلقی الروح، روح سے مراد یہاں وحی ہے یعنی جس طرح آسمان سے بارش اتار کر ہر انسان کی مادی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی گئی ہے۔ ہر چیز کو اس کی طبیعت، مزاج اور ضرورت کے مطابق رزق بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی اخلاقی، روحانی ترقی اور نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتا ہے۔

۲۴؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مِنْ اَمْرِهٖ کا معنی مِنْ فَضْلِهٖ کیا ہے۔ (مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو چن لیتا ہے اور اس پر وحی نازل کرتا ہے۔ کسی پر وحی کا نزول محض اس کا فضل و کرم ہے۔

۲۵؎ انبیاء کرام کو وحی سے سرفراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خواب غفلت سے بیدار کریں اور انہیں غلط روی کے عبرتناک انجام سے بروقت خبردار کریں۔ یوم التلاق سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اگلے پچھلے سب وہاں ملاقات کریں گے۔ ۲۶؎ سب قبروں سے نکل کر دست بستہ بارگاہ خداوند ذوالجلال میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا ظاہر و باطن عیاں ہوگا۔ بڑے بڑے تاجدار، کشور کشا، فاتح عالم جو بڑے سرکش اور متمرد تھے، آنا ولا غیری کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے چنگیز اور ہلاکو وہاں کھڑے ہوں گے اس وقت اعلان کیا جائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، اے سرکشو! اے متکبرو! دیکھو آج فرمانروائی کس کی ہے۔ ہر طرف سناٹا طاری ہو جائے گا۔ ہر طرف خاموشی اور سکوت ہوگا کسی کو ہمت نہ ہوگی

لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ

پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد

الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ

اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ

بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ڈرائیے انہیں قریب آنے والے دن ۲۳ سے جب کہ دل گلے میں اٹک

لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ

جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے ۲۴۔ نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی ۲۵ جس کی

کو جواب دے سکے تو خود ہی خالقِ کائنات جواب دے گا۔ للّٰہ الواحد القہار۔

۲۳؎ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہول قیامت سے ڈرائیے تاکہ وہ توبہ کریں اور اس روز شدید کے عذاب سے بچ جائیں۔ آزفہ کا معنی ہے بہت جلد آنے والی۔ قرآن مجید میں متعدد بار قیامت کے بارے میں یہی بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ وہ بالکل قریب آچکی ہے۔ اس کے آنے میں دیر نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ ابھی سے اس کی تیاری شروع کر سکیں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے عقائد کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کا اہتمام شروع کر دیں۔

۲۴؎ قیامت کی ہولناکی اور شدت کی تصویر کشی کی گئی ہے یعنی اس دن ہولناک مناظر کو دیکھ کر لوگوں پر اتنی دہشت اور خوف طاری ہوگا کہ دل پہلو سے اچھل کر گلے میں اٹک کر رہ جائیں گے۔ نہ اپنی جگہ پر واپس جا سکیں گے تاکہ سکون نصیب ہو اور نہ گلے سے باہر نکل سکیں گے تاکہ رشتۂ حیات منقطع ہو اور قصہ ختم ہو جائے۔ گلے میں اٹکے رہ جائیں گے۔ نہ موت آئے گی کہ جان چھوٹے اور نہ ایسے آرام و سکون ہوگا۔

۲۵؎ ایسے مشکل وقت میں کوئی جگری دوست انہیں نظر نہیں آئے گا جو ان کا غم غلط کر سکے یا ان کے بوجھ کو ہلکا کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی انہیں ملے گا جس کی شفاعت بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول ہو۔

ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے لوگوں سے یارانے گانٹھے تھے لیکن اس دن کوئی یار ان کے نزدیک تک سے گزرنا بھی گوارا نہ کرے گا۔ یہ بتوں کی پوجا ذوق و شوق سے اس لیے کیا کرتے تھے کہ قیامت اگر آ بھی گئی اور انہیں دھر بھی لیا گیا تو یہ بت ان کی سفارش کریں گے اور ان کو آتشِ جہنم سے نکال لیں گے۔ لیکن ان بیچارے بتوں کو تو لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوگی۔ وہ اس

يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ

سفارش مانی جائے ۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں ۳۵ اور اللہ

يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ

فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ ۳۶ اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں

بِشَىْءٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى

کر سکتے ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے ۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ

زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ۳۷

دن ان کے کسی کام نہیں آئیں گے ۔

۳۵ اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے ظالموں کی کوئی حرکت، کوئی کرتوت پوشیدہ نہیں بلکہ اس کو تو ان کی آنکھوں کی خیانت اور بدنیتی کا بھی علم ہے اور ان کے سینوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی وہ خوب واقف ہے ۔

۳۶ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام حقائق سے آگاہ ہے اس لیے اس کا فیصلہ برحق ہوگا اور کفار کے معبودانِ باطل جو اندھے، بہرے، جاہل بلکہ بے جان پتھر یا دھات کے مجسمے ہیں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ۔

۳۷ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول انہیں عرصہ سے دعوتِ حق دے رہا ہے ۔ اپنی دعوت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے شواہد اور معجزات پیش کر رہا ہے لیکن یہ لوگ بدستور سرگرداں ہیں اور اخلاص بھری دعوت کو لائقِ التفات ہی نہیں سمجھتے ۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے یہ ٹھاٹھ سدا یوں ہی رہیں گے ۔ ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے ۔ جزیرہ عرب کے جس علاقے میں ان کا گزر ہوتا ہے لوگ فرطِ عقیدت سے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کر دیتے ہیں ۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ اس نبی کی دعوت کو قبول کریں جس کا لباس پھٹا ہوا ہے جس کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے ۔ جس کے ماننے والوں کو وہ بار بار گرا کر ہوا کر چکے ہیں اور ان سے بات کرنے کی جرأت بھی کسی کو نہیں ہوتی ۔

اس آیت سے ان کی غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ تم دنیا میں پہلے لوگ تو نہیں ہو جنہیں یہ جاہ و حشمت، دولت و ثروت میسر آئی ہو اور جنہیں یہ کر و فر نصیب ہوا ۔ لوگوں پر جو تم کو نظر آ رہی ہیں ۔ تم سے پہلے بھی یہاں صدہا قومیں آباد رہی ہیں جو دولت و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں ان کے بنائے ہوئے فلک بوس محلات پہاڑ کی مانند مستحکم قلعے ، ان کے بسائے ہوئے شہر

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

وہ قوت کے لحاظ سے بھی ان سے طاقتور تھے اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی۔ تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ

ان کے گناہوں کے باعث اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ آتے رہتے تھے

تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ

پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے (ہر بار ماننے سے) انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے بے شک وہ بڑا طاقتور

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾

سخت سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔ ٣٣

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا

فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ ٣٤ پھر جب

ان کے اجڑے ہوئے باغات کے نشانات آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں اور ان کی حشمت و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں اور تم جب اپنے تجارتی کارواں لے کر مختلف ممالک میں جاتے ہو تو تم نے بھی ان اجڑے ہوئے محلوں، قلعوں اور بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھا ہو گا۔ تم جانتے ہو کہ انہیں کیوں تباہ و برباد کر دیا گیا؟ انہوں نے بھی تمہاری روش اختیار کی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے نبیوں کی دعوت کو ٹھکرایا تھا اور فسق و فجور اور بے راہروی کے خوگر ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑکا اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ اس وقت انہیں بچانے کے لیے کوئی سامنے نہ آیا۔ یاد رکھو! اگر تم نے بھی اس روش کو ترک نہ کیا تو تمہارا بھی وہی انجام ہو گا۔ اس وقت کوئی ہبل، کوئی منات تمہیں بچا نہ سکے گا۔

٣٣ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے حضرت موسیٰ اور فرعون کے حالات بیان فرما رہے ہیں کہ جو الزامات کفار حضور پر لگاتے ہیں اسی طرح کے الزامات فرعون اور اس کے وزیروں نے ایک جلیل القدر رسول پر لگائے تھے لیکن آخرکار الزام لگانے والے کفر کرنے والے باایں حشمت و جاہ مٹ گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بے کس قوم کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بعینہ یہی حال کفار مکہ کا بھی ہو گا۔

آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر لقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔

جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا کہ قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ایمان

مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵

ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو ۳۹ اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں ۴۰

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ

اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کیلئے) ۴۱ مجھے اندیشہ

اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶ وَقَالَ

ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔ ۴۲ اور موسیٰ (علیہ السلام)

سُلطان مبین، حجت واضحہ بیّنہ یعنی واضح اور روشن دلیل اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔

۳۸ اہل باطل جب دلیل و برہان کے میدان میں زچ ہو جاتے ہیں تو وہ جھوٹے الزامات پر اتر آتے ہیں۔ اور بہتان تراشی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی حال فرعون اور اس کے اُمراء کا ہے۔

۳۹ جب موسیٰ علیہ السلام دینِ حق لے کر ان کے پاس آئے اور اپنی صداقت اور اپنے دین کی حقانیت کو براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا تو ان لوگوں نے آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی جب بات نہ بنی تو تشدد پر اتر آئے۔ یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے۔ ان کے بچے مار ڈالے جائیں۔ لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کی عددی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ کسی طرح ہمارے لیے خطرہ کا باعث نہ بنیں گے۔ لیکن ان کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔

۴۰ کیا پیارے الفاظ ہیں، وما کید الکافرین الا فی ضلال، یعنی انہوں نے تو یہ منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کو کمزور کرنے کے لیے اور آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لیے سوچا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال سیدھی راہ سے بھٹک گئی اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ ۴۱ فرعون شیخی بگھارتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اعیان مملکت! اگر تم مجھے کچھ نہ کہو تو میں چشم زدن میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں۔ مجھے تو تمہاری رنجش کا پاس ہے ورنہ میں اسے کچھ نہیں کہتا۔ گویا موسیٰ علیہ السلام پر امرائے حکومت کی پاسداری کی وجہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ فرعون دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے زیادتی کی تو کہیں موسیٰ کا ڈنڈا اژدہا بن کر اسے نگل نہ جائے۔

۴۲ اپنی رعایا کو اپنی پالیسی کے بارے میں مطمئن کرنے کے لیے فرعون نے دو خطروں کا ذکر کیا۔ پہلی بات تو یہ بتائی کہ اگر تم

مُوسَىٰٓ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ

ایمان نہیں رکھتا۔ ۳۲ اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے

نے موسیٰ کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کی تو یہ تمہارے عقائد و نظریات کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔ دوسری یہ بات ہے کہ اب تو تم بڑے امن و سکون اور رفاہ و عافیت سے خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہو اسے بیرونی حملے کا خطرہ ہے اور نہ اندرون ملک کوئی شورش برپا کر سکتا ہے۔ نیز بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں تمہارے غلام بنے ہوئے ہیں۔ تم انہیں جو حکم دیتے ہو وہ بجا لاتے ہیں وہ ذرا سستی نہیں کرتے۔ اگر موسیٰ کی دعوت کو پذیرائی نصیب ہوگئی تو یاد رکھو بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پسماندہ اور مفلوک الحال لوگ تمہاری بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملک بھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ عقلمندی اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابھرتے ہوئے خطرہ کا آج ہی مکمل طور پر انسداد کر دیا جائے۔ حقیقت میں اس کی ذات اور اس کا تخت شاہی خطرے سے دوچار تھا۔ وہ صرف مصریوں کا بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ ان کا خدا بھی تھا۔ اس نے سوچا اگر موسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو لوگ اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ وہ صرف اللہ کی بندگی کو قبول کریں گے۔ نیز اس ظلم و ستم کی بھی اس حاکم قوم کو اجازت نہ ہوگی۔ دراصل دعوت موسوی سے اس کی ذات کو خطرہ لاحق تھا۔ عصائے موسوی کی ہیبت سے اس کا تخت کانپ اٹھا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اپنی قوم کو رضامند کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی ذات اور اس کا اقتدار سلامت رہے لیکن ایک چالاک اور شاطر سیاست دان کی طرح ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ اقدامات قوم کے مذہب کی سلامتی اور ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ صدیاں پہلے فرعون نے جو چال چلی آج بھی سیاست کے پیر اسی کی حرف بحرف تقلید کر رہے ہیں۔ جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ان کی ظالمانہ روش کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان ستم گروں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خامیوں کی اصلاح کر لیں جور و ستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ عدل و انصاف کی فرمانروائی بحال کریں۔ کاش وہ سمجھتے کہ ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کو فسادی، اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۳۲ موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپ گھبرائے نہیں پریشان نہیں ہوئے بلکہ آپ کی زبان سے وہی جملہ نکلا جو موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ رسول کے شایان شان تھا۔ فرمایا مجھے اکیلا نہ سمجھو۔ مجھے اس ذوالجلال کی پناہ اور حفاظت حاصل ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ تم لاکھ اس کی بندگی کا رشتہ توڑنا چاہو تم فرعون کو اپنا خدا سمجھتے رہو تم حقیقت کو بدل نہیں سکتے۔ بندے پھر بھی تم اسی رب کے ہو جس کا میں بندہ ہوں میں نے ہر متکبر اور سرکش کے شر سے اس کے

إِيمَانَهُۥٓ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ ٱللَّهُ وَقَدْ جَآءَكُم

چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے

بِٱلْبَيِّنَٰتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَٰذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُۥ ۖ وَإِن

حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (اسے اپنے حال پر رہنے دو) اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال

يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ ٱلَّذِى يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى

اس پر ہو گا اور اگر وہ سچا ہوا اور تم نے اس کو گزند پہنچائی تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يَٰقَوْمِ لَكُمُ ٱلْمُلْكُ ٱلْيَوْمَ ظَٰهِرِينَ

نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو ۵۲؎ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے سرزمین (مصر) پر تمہیں غلبہ حاصل ہے

فِى ٱلْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِنۢ بَأْسِ ٱللَّهِ إِن جَآءَنَا ۚ قَالَ

اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے ۵۳؎ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا

دامن رحمت میں پناہ لی ہوئی ہے تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

۵۲؎ قبطی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ فرعون حضرت کلیم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس نے ان کو اس ارادہ سے باز آنے کی تلقین شروع کی۔ پہلے تو انہیں جبر کا الزام ہونے کے خوف سے آگاہ کیوں ہوا اس نے تمہارا کیا جرم کیا ہے۔ اس نے کونسی قانون شکنی کی ہے محض اس لیے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کر دی ہے۔ تمہارا اصول تو بڑا ترقی یافتہ ہے تم ان کے ذاتی عقیدہ میں کیوں دخل دیتے ہو۔ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا۔ تمہیں اپنے ہاتھ اس کے لہو سے رنگنے کی کیا ضرورت ہے۔

۵۳؎ آج کل ہم بڑی عزت و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حکومت ہماری ہے۔ ہمارے اشارۂ ابرو پر لوگوں کی قسمتیں بدلتی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے فرمان سے سرتابی کرے۔ دولت، سامان عیش و عشرت کی فراوانی ہے۔ ہم اس حالت کو بدلنا نہیں چاہتے۔ ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ حالات برقرار رہیں اگر موسیٰ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو خدا مسرف کذاب کو خود نپٹ لے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور ہم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھو خدا کا غضب جوش میں آئے گا اور عیش و عشرت کی یہ

فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ

میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور میں رہنمائی کرتا ہوں تمہاری صرف سیدھے

الرَّشَادِ ۝۲۹ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ

راستہ کی طرف ۴۴ اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (نہ) آئیں پہلی قوموں کی

يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ

تباہی کے دن جیسا دن نہ آجائے ۴۵ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ

ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

تمہارے بارے میں پکار کے دن سے ۴۶ جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ (کے عذاب) سے

برداشت کر کی جائے گی۔ اس لیے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ کو نہ چھیڑیں۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور خود خطرات سے کو اس یا تخت ہو کر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں کہ خدا کے عذاب میں یوں گرفتار ہو جائیں کہ نکلنے کی بھی کوئی صورت نہ رہے۔

۴۴ فرعون نے کہا کہ میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے میرے نزدیک وہ درست ہے اور میں تمہیں اسی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود آج کل کے فرعونوں کی طرح تنگ مزاج اور کم ظرف نہیں تھا کہ اور کسی نے مخالف بات کہی تو فوراً وہ غدار اور گردن زدنی قرار دے دیا گیا بلکہ وہ اختلاف رائے کو بڑے تحمل سے برداشت کرتا تھا۔

۴۵ اس مرد مومن نے جب دیکھا کہ اس کی بے دردی سو شفقت اثر انگیز نہیں ہو رہی تو اس نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور گزشتہ زمانوں میں اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کر دیا اور فرمایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

۴۶ ذرا سا زلزلہ آجاتے یا کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو اتنا شور و غل مچتا ہے کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب لوگ دیکھیں گے قیامت کی ہولناکیوں سے وہ دوچار ہوں گے قدموں کے نیچے زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہوگی، اوپر سے سورج

مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ (اے میری قوم) بیشک

يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ

آئے تمہارے پاس یوسف (علیہ السلام) اس سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں ہی پڑے رہے ان چیزوں کے بارے میں جو وہ لے کر آئے تھے ۔

حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ

یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول ۔ یونہی

يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ

گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا (اور) شک کرنے والا ہوتا ہے ۔ (یونہی گمراہ کرتا ہے انہیں) جو جھگڑتے رہتے ہیں

کی کوئی شکل برسار ہی ہوں گی ۔ سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے ۔ چاروں طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا ۔ اس سراسیمگی کے عالم میں شور و غل کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں ۔ اسی لیے اس دن کو بھی یوم التناد یعنی ایک دوسرے کو پکارنے کا دن کہہ دیا ہے ۔ لوگوں کی حالت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے ۔

لے پہلے جن قوموں کا ذکر ہوا وہ دور دراز علاقوں میں بسنے والی تھیں ۔ اب اس نبی اور اس کے منکرین کا ذکر ہو رہا ہے جو کچھ عرصہ پہلے اسی ملک کے باشندے تھے ۔ یوسف علیہ السلام کے نام سے کون ایسا مصری تھا جو واقف نہ تھا ۔ ان کا دور حکومت مصر کی تاریخ کا وہ درخشاں دور تھا جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا نور برس رہا تھا ۔ قانون کی بالادستی قائم تھی ۔ غریب بھی اور معلوک الحال بھی کی اس طرح دلداری کی جاتی تھی کہ سبحان اللہ ۔ اس قوم اور شدید قحط کی تباہ کاریوں سے انہیں حضرت یوسف کے حسن انتظام کے باعث ہی پناہ ملی تھی ۔ اس نبی اور عادل فرمانروا کے ساتھ اس کی قوم نے جو برتاؤ کیا مومن آل فرعون اس کا ذکر فرما کر انہیں تنبیہ کر رہا ہے ان کی بے داغ سیرت ، ان کے بے مثل نظام حکومت ، ان کی عدل گستری اور ان کی رعایا پروری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وہ ان کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ ان کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی کہ یہ نبی ہے یا نہیں ۔ قطعی اور یقینی دلائل کے باوجود وہ تذبذب کا ہی شکار رہے اور شک کی وادیوں میں ہی بھٹکتے بھٹکتے عمر گزار دی ۔

ہے اور جب وہ نیر تاباں غروب ہو گیا تو پھر کف افسوس ملنے لگے اور کہنے لگے ایسی ہستی اب دوبارہ پیدا نہیں ہوگی ۔ ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ پہلے ہدایت سے یوں محروم رہے ۔ اب امکان یہ تھا کہ کوئی دوسرا نبی تشریف لائے تو یہ اپنی گزشتہ غفلت اور کوتاہی کی تلافی کر لیں ۔ یہ کہہ کر کہ اب اور کوئی ایسا نہیں آئے گا انہوں نے اس امکان کو بھی کالعدم کر دیا ۔

اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ

اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی دستاویز (دلیل) کے جو ان کے پاس آئی ہو (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵

اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مُہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے دل پر ۵۱

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶

اور فرعون نے کہا اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں ۵۲

۵۱ آخر میں ایک اصول بیان فرما دیا کہ جس فرد یا قوم میں یہ تین عیوب پیدا ہو جائیں ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ کوئی معجزہ کوئی پند و نصیحت انہیں چاہ ضلالت سے نہیں نکال سکتی۔ وہ اندھیروں سے اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ نور سے انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ وہ تین عیب یہ ہیں:

۱۔ مُسرِف: حد سے بڑھنے والا جو احکام و اوامر اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے والا۔ اسے ہزار سمجھایا جائے وہ اپنی ہٹ سے باز آ جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔

۲۔ مُرتاب: وہ شخص جو شک کی بیماری کا مریض ہو۔ اس کے سامنے روشن دلائل کے انبار لگا دو، شک کے جرثیم اس کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں۔

۳۔ من یجادل: جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بے جا تاویلیں کرتا ہے۔ ان میں عیب نکالتا ہے۔ تضاد ثابت کرتا ہے جس فرقہ میں یہ تین عیب ہوں خدا انہیں کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

۵۲ فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ اس مردِ مومن کی گفتگو حاضرین کو متاثر کر رہی ہے تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور کہنے لگا کہ موسیٰ کی صداقت کو پرکھنا کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ ہم اس کے بارے میں پریشان رہیں اور کسی حتمی فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں۔ ابھی ایک بلند مینار تعمیر کرتے ہیں اور اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا سراغ لگائیں گے زمین پر تو کہیں ہے نہیں اگر آسمان پر مل گیا تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر آسمان پر بھی اس کا سراغ نہ ملا تو پھر سب کو یقین ہو جائے گا کہ موسیٰ کی بات غلط ہے۔ پھر ہامان کی طرف متوجہ ہو کر کہا ہامان! اے وزیر باتدبیر! یہ کام تم کرو میرے لیے ایک اونچا بہت اونچا مینار تعمیر کرو۔ اس پر چڑھ کر ہم آسمان پر چڑھنے کا راستہ دریافت کر لیں گے اور آسمان کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ قصص آیت ۳۸)

ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اُسے سبب کہتے ہیں یہاں اسباب سے مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ کل ما یتوصل به الی

أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰى إِلٰهِ مُوسٰى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذٰلِكَ

یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے ۵۵ اور

زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ

یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے — اور نہیں تھا

فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُونِ

فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے ۵۶ اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! میرے پیچھے چلو

أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يٰقَوْمِ إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫

میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ ۵۷ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے

وَّإِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى

اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے — جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی

إِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اسی قدر — اور جو نیک کام کرتا ہے — خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ

الی شئ فهو سبب کالرشاء والدلو للماء. واسباب السماء ابوابها (قرطبی).

۵۵ ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ کی بات میں سچائی نام کو نہیں۔ ظن، کبھی گمان کا مطلب بھی لیا جا سکتا ہے اور کبھی یقین بھی۔

۵۶ یعنی اس کی مکاری، عیاری، حیلہ سازی اور دانستہ انکار حق کے باعث اس کے برے اعمال اسے حسین و دلنشیں نظر آنے لگے، وہ انہی کے پیچھے پڑا رہا اور جو حیلہ سازیاں اس نے حضرت موسیٰ کے خلاف کی تھیں وہ سب خود اس کی تباہی اور بربادی کا سبب بنیں۔

۵۷ یعنی بھلائی اور نجات کا راستہ وہ نہیں جس پر یہ فرعون تمہیں چلانا چاہتا ہے بلکہ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاتا ہوں جس پر چل کر تم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ

ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب اور

يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ ط

اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف ۵۳

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا

تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھیراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا

اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ

حال یہ ہے کہ میں پہنچ بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی دعوت کی طرف

لَهٗ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ

تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں ۵۴ اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے

مردِ مومن کا سلسلۂ وعظ شروع ہے اب اس نے مصلحت کے سارے حجاب تار تار کر دیے ہیں اور اس کے نتائج اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اعلانِ حق کرنا شروع کر دیا ہے۔

۵۳ یعنی میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب و غریب ہے۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں گرنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی بندگی کی تلقین کرتا ہوں جو سب سے زبردست بھی ہے اور اس کے باوجود بڑا بخشنے والا ہے۔ عمر بھر خطائیں کر کے بھی اگر اس کے در کرم پر کوئی آ جائے تو معاف کر دیتا ہے اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دوں اور اس کے ساتھ ایسے شریک بناؤں جو بالکل بے بس اور بے اختیار ہیں اور جن کی خدائی کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمہاری خیر خواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی ڈبو دینا چاہتے ہو۔ تم میرے عجیب دوست ہو۔ مجھے تمہاری ایسی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے اس قسم کی نصیحتیں نہ کیا کرو۔

۵۴ یعنی جن معبودانِ باطل کی عبادت اور بندگی کی تم مجھے نصیحت کر رہے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ انہیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ دنیا میں یا آخرت میں انہیں خدا تسلیم کیا جائے اور نہ انہوں نے خود کبھی اپنی خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ دنیا میں ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ قیامت کے دن کسی کی فریاد رسی کر سکیں گے۔

الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس جلدی تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں ۷۰

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ

اور میں اپنا سارا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو ۷۱ سو بچا لیا اسے

اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جو پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے ۷۲

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟

دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا)

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ

داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں ۷۳ اور (کتنا عبرتناک سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں

۷۰ فرعون جو اپنے آپ کو الٰہ کہلواتا تھا اس کے روبرو اور بھرے دربار میں اتنی حق گوئی ایک مردِ مومن کو ہی زیبا ہے لیکن جب سامعین کو اس نے متاثر ہوتے نہ دیکھا تو اس نے صاف کہا کہ آج تو تم میری بات نہیں مان رہے اور میری حق گوئی تمہیں گراں گزر رہی ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا جب عذابِ الٰہی تم پر نازل ہوگا اس وقت تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

۷۱ تمہارے پاس طاقت و اقتدار ہے اور میں نے مجمع عام میں تمہاری غلط روی پر تمہیں صاف الفاظ میں سرزنش کی ہے مجھے علم ہے کہ تم مجھے میری اس حق گوئی پر عتاب کرو گے اور مجھے قتل کرنے سے بھی باز نہ آؤ گے لیکن مجھے تمہاری ان دھمکیوں کی ذرا پروا نہیں۔ میں نے اپنے سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے ہیں وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔

۷۲ چنانچہ فرعونیوں نے اس مردِ حق کیش کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خود حفاظت فرمائی اور کوئی اس کا بال بیکا نہ کر سکا۔ لیکن فرعون اپنے لاؤ لشکر اور جاہ و حشمت سمیت غرق کر دیا گیا۔

۷۳ فرعون اور اس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سلامتی سے کنارے پہنچ گئے۔ دنیا میں ہی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ ان کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کے پرستاروں کو ہر صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ جب عالمِ برزخ کی میعاد ختم ہوگی تو قیامت قائم

فَيَقُولُ الضُّعَفَٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور

أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا

کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا ۔ ۲۵ جواب دیں گے متکبر

إِنَّا كُلٌّ فِيهَآ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

ہم سب آگ میں (پڑے) ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق ۲۶ اور کہیں گے وہ جو

فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ

اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما

الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوٓا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَٰتِ ۖ قَالُوا

دے ۲۷ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ وہ

ہوگی۔ اس کے بعد انہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے۔ قبر سے مراد صرف وہ گڑھا نہیں جس میں کسی کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبر تو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کے وقت کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ آل فرعون کو دیے جانے والے دو عذابوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ ایک وہ جس میں قیامت سے پہلے وہ مبتلا ہیں۔ دوسرا وہ جو قیامت کے بعد انہیں دیا جائے گا۔ هذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور۔

۲۵ کافر سردار اور ان کے پیروکار سب ایک جگہ آتش جہنم میں جل رہے ہوں گے۔ پیروکار کہیں گے اے ہمارے سردارو! دنیا میں تو تم بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم یوں کر دیں گے ہم یاں کر دیں گے۔ اب اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہمارے عذاب میں کچھ تو تخفیف کرا دو۔

۲۶ ان کی بے بسی دیدنی ہوگی۔

۲۷ پھر دوزخی ان فرشتوں کی منت سماجت کریں گے جو جہنم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں کہ تم ہمارے لیے دعا کرو

بَلٰى ۚ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۵۰ اِنَّا

کہیں گے بیشک! (داروغے) کہیں گے پھر تم خود ہی دعا مانگو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے فائدہ ۷۷ بیشک ہم

لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ

(اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنوں کی۔ اس دنیوی زندگی میں اور اس روز بھی (مدد کریں گے)

الْاَشْهَادُ ۵۱ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ

جس دن گواہ (گواہی دینے کے لیے) کھڑے ہوں گے ۷۸ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۵۲ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا

اور ان کیلئے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو (نور) ہدایت اور وارث بنایا

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۵۳ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۵۴

بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

پس (اے محبوب) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں پر) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہیے اپنی موجودہ کوتاہی پر ۷۹ اور پاکی بیان

کہ کسی دن تو ہمارے عذاب کی شدت کم کر دی جائے۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے جیسے ناشکروں اور نابکاروں کے لیے دعا مانگنے سے رہے۔ اس لیے تم جانو اور تمہارا کام۔

۷۷ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ کفار کی دعا تو راہ راست سے بھٹکی ہوئی ہے۔ قبولیت کی منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکتی آج ان کا رونا پیٹنا، چیخنا چلانا فریادیں کرنا سب بے سود ہے۔

۷۸ ہماری مدد اپنے رسولوں کے لیے اور اہل ایمان کے لیے مخصوص ہے۔ کافر وقتی طور پر کتنے ہی خوشحال اور کامگار ہوں، حقیقی کامیابی و کامرانی فقط ان کو نصیب ہوگی جن کی ہم دستگیری کریں گے۔

۷۹ افضل اور اولیٰ کا ترک عام لوگوں کے لیے جرم اور گناہ تصور نہیں ہوتا، لیکن مقربین بارگاہ صمدیت سے غیر اولیٰ کا صدور بھی قابل مؤاخذہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی جس ذنب سے استغفار کی ہدایت کی جا رہی ہے اس سے مراد ایسے امر سے استغفار

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ

کیجیے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت ۔ بیشک جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں

بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ

بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو وہ

بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ

پا نہیں سکیں گے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجیے شہ بیشک وہی سب کچھ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے ۔ یقیناً پیدا

جو بذات خود اگرچہ مباح اور روا تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام رفیع اور شان عالی کے شایان شان نہیں اور سالکان راہ محبت سے یہ چیز مخفی نہیں کہ منزل محبوب کی طرف ان کے سفر میں ایک لمحہ کے لیے توقف بھی ناقابل برداشت ہے اور لائق صد استغفار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ امر محض امر تعبدی ہو تاکہ اُمت کے لیے استغفار مستحب تو ہی بن جائے اور کوئی شخص خواہ اس کا مرتبہ کتنا بلند ہو اعتراف قصور اور طلب عفو میں کوتاہی نہ کرے۔ بعض علماء نے اس عبارت میں اُمت کا لفظ مقدر مانا ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی و استغفر لذنب اُمتک یعنی حضور اپنی اُمت کے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ علامہ قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ھذا تعبد للنبی علیہ السلام بالدعاء والفائدۃ زیادۃ الدرجات وان یصیر الدعاء سنۃ لمن بعدہ (قرطبی) یعنی یہ محض تعمیل ارشاد الٰہی ہے تاکہ حضور دعا مانگا کریں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ استغفار سے حضور کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے اور اُمت کے لیے دعا و استغفار ان کے پیارے رسول کی سنت بن جائے گی۔

شہ مشرکین مکہ دعوت قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق بڑا حیرت انگیز تھا بحث جھگڑا، حجت بازی، بغیر کسی معقول دلیل کے بحث و تکرار ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ اچھے بھلے فہمیدہ قسم کے لوگ بھی نادان بچوں کی طرح بات بات پر الجھ جاتے۔ انسان یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا تھا کہ باوجود فصیح و بلیغ ہونے کے وہ قرآن کریم جیسی کتاب کی آیات پر بلا وجہ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اقتدار اعلیٰ کی ہوس تھی انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے اس رسول کریم کو اپنا ہادی اور پیشوا مان لیا تو ان کی سرداری اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی اور وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول پیش کرتے ہیں: قال ابن عباس ای ما یحملھم علی تکذیب الآیات الا ما فی صدورھم من الکبر والعظمۃ یتکبرون عنک ویتعظمون انفسھم عن اتباعک (مظہری)

اللہ تعالیٰ نے ماھم ببالغیہ فرما کر ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا کہ وہ اب اپنے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے عزت و سروری اپنے محبوب کو ارزانی فرما دی ہے۔ اب جسے بڑائی اور عزت کی خواہش ہے وہ اپنے گلے میں غلامی کا پٹہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے مردوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ

(کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے ۔ ۸۴ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا ۸۵ اور (اسی طرح)

کی غلامی کا طوق ڈال کر حاضر ہیں۔ صرف ایسے شخص کو ہی دونوں جہانوں کی عزتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔

۸۲ وہ سازشیں کرتے ہیں تو انہیں کرنے دو، وہ شمع اسلام کو بجھانے کے لیے منصوبے بناتے ہیں، تو انہیں بنانے دو۔ وہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں تو پروا نہ کرو، آپ اپنے رب کی پناہ طلب کرو، جس کو وہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیتا ہے ساری دنیا بھی اگر اس کے خون کی پیاسی ہو تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ وہ آپ کی دعاؤں اور التجاؤں کو بھی سن رہا ہے اور ان کے منصوبوں کو بھی خوب دیکھ رہا ہے۔

۸۳ کفار کا اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ بات انہیں خلاف عقل نظر آتی۔ وہ خود سوچتے اور دوسروں کو کہتے کہ بھلا ہزاروں سال تک قبروں میں رہنے کے بعد پھر ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یہ بات صراحتہً باطل ہے اور عقل سلیم اس کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ ان کے اس اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے کہ مانا کسی مردے کو ہزاروں سال گزرنے کے بعد زندہ کرنا جب کہ اس کی خاک کے ذرے بھی کائنات کی وسعتوں میں گم ہو چکے ہوں گے بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن یہ تو سوچو کہ یہ کس کے لیے مشکل ہے۔ بادشاہ کے لیے تو واقعی مشکل ہے لیکن کیا خداوند تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں کو لاشے اور کتم عدم سے پیدا فرمانے والا ہے اس کے لیے بھی مشکل ہے؟ تم خدا کی قدرت اور علم کو اپنی بے بسی اور بے علمی پر کیوں قیاس کرتے ہو۔ سوچ کا یہ انداز عالمانہ نہیں جاہلانہ ہے۔

۸۴ یہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اندھے اور بینا میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح جو لوگ عمر بھر نیکی کی راہ پر گامزن رہتے ہیں اپنے نفس کی خواہشات پر اپنے رب کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں، اپنا ذاتی نقصان برداشت کر لیتے ہیں لیکن کسی کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتے۔ ان میں اور ان لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جن کی عمر نفس پرستی اور عیش کوشی میں بسر ہوئی۔ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی قربان گاہ پر دوسرے لوگوں کے مفادات کو قربان کر دیا۔ بلکہ اپنی ذاتی وجاہت اور فانی وقار کی خاطر اپنی قوم اور اپنے ملک کی عزت و آزادی کو قربان کر دیا۔ جب تم بھی اندھے اور بینا، نیک اور بد کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے، بلکہ ان میں تفاوت کے قائل ہو تو اگر موت کو ہی سفر حیات کی آخری منزل یقین کر لیا جائے تو پھر یہ فرق کہاں نمایاں ہو گا۔ نیک کو اپنی نیکی کا کیا صلہ ملا اور بد کو اپنی بدکاری کی کونسی سزا بھگتنی پڑی بلکہ اس نظریہ کے مطابق تو وہ بدکار جس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور خوب داد عیش دی۔ وہ اس نیک سے بدرجہا بہتر ہے جس نے اپنے آپ کو اخلاقی ضابطوں کا پابند رکھا اور

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

مومن نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو ۵۸

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

یقیناً قیامت آکر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر)

لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ

ایمان نہیں لاتے ۵۹ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا ۶۰ بیشک

ہر طرح کی محرومی کو نصیب خاطر گوارا کیا۔ اس لیے عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ اس دارالعمل کے بعد ایک دارالجزا ہو۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں نیک لوگوں کو جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے اور منکرین کو اپنے کیے کی سزا ملے۔

۵۸ تم قرآنی حقائق میں غور و فکر کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے اگر تم سوچ بچار کی تھوڑی سی تکلیف بھی برداشت کرو تو یہ حقائق کھل کر تمہارے سامنے آجائیں۔

۵۹ تمہارے انکار سے قیامت ٹل نہیں جائے گی بلکہ قیامت ضرور آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے۔

۶۰ حضرت ابن عباس سے ادعونی استجب لکم کی یہ تفسیر منقول ہے۔ اعبدونی اثبکم تم میری عبادت کرو میں تمہیں اس کا ثواب اور اجر عطا کروں گا۔ یہ قول ضحاک، مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ دیگر علماء نے اس کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے۔ اسئلونی اعطکم، یعنی تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ (معانی) حقیقت میں یہ دونوں تعبیریں ہم معنی ہیں۔ ان میں اصلاً کوئی تفاوت نہیں۔ دعا عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے۔ کیونکہ انتہا درجہ کی عاجزی اور نیازمندی کو عبادت کہتے ہیں اور اس کا ظہور صحیح معنوں میں اسی وقت ہوتا ہے جب انسان مصائب میں گھرا ہو۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔ ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہو۔ حالات کی سنگینی نے اس کی قوت و طاقت کو ریزہ ریزہ کر ڈالا ہو۔ جب ہر طرف سے امیدیں منقطع کر کے اپنے رب کریم کے در اقدس پر آگرے۔ سر نیاز جھکا دے۔ اس کی زبان گنگ ہو۔ دل درد مندی کی داستان۔ اشک بار آنکھیں سنا رہی ہوں اور اس کو یقین ہو کہ وہ اس قادر مطلق کے سامنے اپنا قصہ غم پیش کر رہا ہے اور اپنی مشکل کو بیان کر رہا ہے جس کے سامنے کوئی مشکل مشکل ہی نہیں۔ نیز اسے یہ پختہ اعتماد ہو کہ یہاں سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔ میں بھی خالی اور محروم نہیں لوٹایا جاؤں گا۔ جو عجز و نیاز، جو غایت تذلل، جو خضوع و خشوع اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے اس کی مثال کہاں ملے گی۔ اسی لیے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا کی اہمیت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات طیبات سے ذکر فرمایا ہے۔ الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین ونور السمٰوٰت والارض

یعنی دُعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دُعا دین کا ستون ہے اور زمین و آسمان اس کے نور سے منور ہیں۔ (المستدرک) دوسری حدیث میں ہے: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فتح لہ منکم باب الدعاء فُتحت لہ ابواب الرحمۃ۔ وما سأل اللہ شیئا احبّ الیہ من ان یسأل العافیۃ (ترمذی) یعنی حضور نے فرمایا کہ جس شخص کے لیے دُعا کا دروازہ کھول دیا گیا گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا بہت ہی پسندیدہ ہے۔

مُرشدِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا مانگنے والے کو یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ جب وہ دُعا مانگے تو اس کے دل میں یہ یقین ہو کہ میرا کریم و رحیم پروردگار میری اس عاجزانہ التجا کو ضرور قبول فرمائے گا۔ عَنْ ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ لَاهٍ۔ یعنی اللہ سے دُعا مانگو تو اس یقین سے مانگو کہ وہ قبول فرمائے گا اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس دُعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے مانگی جائے۔

دُعا کی قبولیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دُعا مانگنے والا جس چیز کے لیے دعا مانگ رہا ہے اس کے بارے میں اپنی شدّتِ احتیاج اور افتقار کا اظہار کرے تاکہ پتہ چلے کہ اگر اس کی یہ التجا منظور نہ ہوئی تو اس کو ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھانا پڑے گا اور یہ خسارہ برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ حدیث نبوی میں ہے: "اذا دعا احدکم فلا یقل اللّٰھم اغفرلی ان شئت ولکن لیعزم ولیعظم الرغبۃ فان اللہ تعالیٰ لا یتعاظمہ شیء اعطاہ۔ (مسلم) یعنی جب تم میں سے کوئی دُعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما بلکہ یہ عرض کرے کہ الٰہی مہربانی فرما کر ضرور بخش دے

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تو ایک آدمی مسجد میں آیا۔ نماز ادا کی۔ پھر فوراً دعا مانگنے لگا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ۔ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے اس کی کیفیت دیکھی تو فرمایا: عَجِلْتَ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ۔ اے نمازی تو نے بڑی عجلت کی۔ دعا یوں تو نہیں مانگی جاتی۔ اس کو دُعا کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا: اِذَا صَلَّیْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ تَعَالٰی بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُهُ۔ یعنی جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ جا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر پھر مجھ پر درود بھیج، پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ۔

اس شخص کے چلے جانے کے بعد ایک دُوسرا آدمی آیا۔ اس نے پہلے نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر حضورِ پاک پر درود بھیجا۔ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایھا المصلی اُدْعُ تُجَبْ۔ حضور نے اس کو فرمایا اے نمازی! اب دُعا مانگ تمہاری دُعا قبول کی جائے گی (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی) اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ سنت نماز ادا کرنے کے بعد جو ذکرِ الٰہی کرتے ہیں، پھر درود پاک پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دُعا مانگتے ہیں یہی دُعا مانگنے کا مسنون طریقہ ہے اور جو لوگ اس چیز سے روکتے ہیں وہ بے خبر لوگ ہیں۔

اگر کسی ولی سے اس کی ظاہری زندگی یا اس کے وصال کے بعد دُعا کے لیے التماس کیا جائے یا بارگاہِ رسالت میں استغاثہ

الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ ع

جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ط

اللہ ہی ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام کرو اس میں اور بنایا ہے دن کو روشن۔

کیا جائے تو اسے بھی بعض لوگ عبادت شمار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو بلا تامل مشرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے والا نہ ان کو خدا مانتا ہے نہ ان کو قادر مطلق سمجھتا ہے اور نہ اس کے دل میں یہ واہمہ ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی یہ حضرات اس کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں کو اپنے سے بہتر متقی اور خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار سمجھتے ہیں اور یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے اور کسی نیک سے دعا منگوانا ہرگز شرک نہیں۔ حضور سرور عالم نے تو حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی مرتضیٰ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ اویس قرنی سے اپنے لیے اور امت مسلمہ کے لیے دعا کروائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں افراط و تفریط سے بچائے اور عقیدہ توحید پر ہر حالت میں ثابت قدم رکھے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم۔

ف جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں یا جو اس کی جناب میں دست دعا دراز کرنے کو اپنی توہین خیال کرتے ہیں ایسے مغرور اور سرکش لوگوں کو ذلیل و رسوا کر کے جہنم رسید کیا جائے گا۔

ف یہاں توحید باری کی ایسی دلیل پیش کی جا رہی ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی بڑی عقل و فراست یا علم و فضل کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ان پڑھ بھی اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس سے ہر لحظہ استفادہ کر رہا ہے۔ یہ رات اور دن کا تسلسل ہزارہا برس سے قائم ہے اور بڑی باقاعدگی سے۔ آج سے لاکھ سال پہلے اس تاریخ کو جس افق سے سورج طلوع ہوا اور جس افق پر غروب ہوا اور جتنے بجکر جتنے منٹ پر ہوا اس میں سر مو تفاوت نہیں۔ اگر کوئی اور بھی کارخانہ قدرت میں شریک ہوتا تو کبھی تو اس کا حکم چلتا۔ معلوم ہوا کہ ایک خدا کے حکم کے مطابق تو سورج ۵ بجکر ۲ منٹ پر طلوع اور ۶ بجکر ۴۰ منٹ پر غروب ہونا تھا لیکن آج دوسرے خدا کا فرمان ہے کہ دس منٹ پہلے طلوع ہو اور دس منٹ دیر سے غروب ہو۔ جب ایسا کبھی نہیں ہوا تو معلوم ہوا خدا وہی ہے جس کا حکم ہمیشہ سے جاری اور نافذ العمل ہے۔

ف آٹھ پہروں کو رات اور دن میں تقسیم کرنے میں جو حکمتیں اور فائدے ہیں ان سے ہر بچہ بچہ آگاہ ہے۔ اس وحدہٗ لاشریک کے بنائے ہوئے شب و روز سے فائدہ بھی اٹھاتے ہو اور اس کی وحدانیت کا انکار بھی کرتے ہو۔ اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ مُبصرًا: مضیئًا و روشن۔

وقف لازم

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں کا)

لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا

شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب، پیدا کرنے والا ہر چیز کا کوئی عبادت کے لائق

هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذَٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

نہیں بجز اس کے۔ پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو ؟ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیرا جاتا ہے ان (بدنصیبوں) کا جو

يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ

اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند)

- بیشک یہ اللہ تعالیٰ جس کی یہ شانیں اور قدرتیں ہیں جس کی وحدانیت اور کبریائی پر گلشن ہستی کی ہر کلی شہادت دے رہی ہے، یہی تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کو خلعت وجود سے اسی نے نوازا ہے۔ اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی ہے کہ تم اس کی عبادت سے روگردانی کر کے ادھر ادھر باطل معبودوں کے آستانوں پر مارے مارے پھرو۔ علامہ جوہری اصحاح میں لفظ افک کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

افک قلبہ وصرفہ عن الشیء ، یعنی کسی چیز سے روگردانی کرنا، منہ پھیر لینا لیکن علامہ راغب اصفہانی نے اس لفظ کا جامع مفہوم یوں تحریر فرمایا :

الافک کل مصروف عن وجهه الذی یحق ان یکون علیه ، یعنی ایسی چیز سے منہ پھیر لینا جس سے وابستہ رہنا اس پر لازم تھا ایسی سمت سے منہ پھیر لینا جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہو تا ہے۔

- اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مزید دلائل پیش کیے جا رہے ہیں جن میں قدرت کے ساتھ حکمت اور رحمت کی صفات کی جلوہ گری بھی نمایاں ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا نہ وہ اتنی سخت ہے کہ تم اس پر چل ہی نہ سکو اور نہ آرام کر سکو اور نہ اس میں کھیتی باڑی کر سکو اور نہ اتنی نرم ہے کہ قدم رکھو تو نیچے دھنسنے لگو۔ تمہارے سروں پر نیلگوں افلاک کا تنبو دیا گیا ہے جو دیکھنے والے کو قبہ نما نظر آتا ہے۔ اس طرح تم کو کئی ناگہانی آفتوں سے بچا لیا گیا ہے جن کا تمہیں شعور بھی نہیں اور یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ خود بخود ان سے اپنا بچاؤ کر سکو۔

بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ

اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنایا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ۱۲۲

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ

یہی (خوبیوں والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۱۲۳ وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا (ہے)

اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

کوئی معبود بجز اس کے لائق نہیں عبادت کے بس اسکی عبادت کرو اپنے دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے ۱۲۴ سب تعریفیں اللہ کے لیے جو سارے جہانوں

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

کا پروردگار ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو

۱۲۲ اسی نے تمہاری تصویر کشی بھی فرمائی ہے اور تمہاری صورتوں کو بڑا حسین اور دلکش بنایا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں حسن کا ایک محدود تصور ہے۔ ناک ایسی ہو، آنکھ ایسی ہو، رخسار یوں ہوں، لیکن حقیقی دلکشی اور رعنائی تو یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے اس کی تخلیق کی گئی ہے اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے پاس پوری پوری صلاحیتیں ہوں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حيث خلقكم منتصب القامة بادى البشرة متناسب الاعضاء والتخطيطات متهيئا لمزاولة الصنائع واكتساب الكمالات (روح المعانی)

یعنی یہاں حسن سے مراد یہ ہے کہ تمہیں قامت بالا بخشی اور تمہیں متناسب اور موزوں اعضا عطا کیے۔ تمہارے خدوخال کو دلکش بنایا تم ہر قسم کی صنعت وحرفت کے تقاضے پورے کر سکتے ہو۔ تمہیں کسب کمال کے لیے جسمانی، دماغی اور روحانی قوتیں مرحمت کی گئیں۔

۱۲۳ اور تمہارے پیدا کرنے سے پہلے ہی تمہارے لیے اپنی رنگا رنگ نعمتوں کا ایک دسترخوان بچھا دیا۔ یہ نعمتیں صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کو ہی نہیں پورا کرتیں بلکہ تمہارے ذوق لطافت کی تسکین کا سامان بھی بنتی ہیں۔ غذائیت اور ذائقہ دونوں سے مالا مال ہیں۔

۱۲۴ یعنی وہ ذات پاک جس کی یہ صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مزید صفات کمال کا ذکر ہو رہا ہے۔

۱۲۵ جب اس کی یہ شان ہے تو اور کون ہے جسے اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اس لیے اپنے عقیدہ کو ہر قسم کے جلی وخفی شرک کی آمیزش سے پاک کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو۔ فادعوه: فاعبدوه (روح المعانی)

فادعوه اي فاعبدوه واسئلوه منه حوائجكم یعنی فادعوه کا مطلب فاعبدوہ ہے۔ یہاں دعا عبادت کے معنی میں مذکور ہے۔

دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

اللہ کے سوا میں ان کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں جب آ گئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

سر تسلیم خم کر دوں رب العالمین کے سامنے ۶۶ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا

نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ

اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ

تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر (تمہیں زندہ رکھا) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی اور

وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ

(یہ سارا انتظام اس لیے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تاکہ تم (اپنے رب کی حکمتوں کو) سمجھنے لگو ۶۷ وہی ہے جو جلاتا ہے

۶۶ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور حضور کو اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی۔ خدا معلوم انہوں نے کیسی بہکی بہکی باتیں کی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو حکم دیا کہ آپ ان بیہودہ لوگوں کو صاف صاف یہ بتا دیں کہ مجھے تو میرے رب نے تمہارے خداؤں کی عبادت سے روک دیا ہے میں تو اپنے رب کے ارشاد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی توحید کے ایسے ایسے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ارزانی فرمائے ہیں کہ میں اب تمہاری اس لچر اور لغو دعوت کی طرف ذرا بھر بھی التفات نہیں کر سکتا۔ نیز مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں۔ اس لیے مجھ سے کبھی یہ توقع نہ کرنا کہ میں تمہاری خوشنما باتوں میں پھنس کر تمہارے جھوٹے خداؤں کی پرستش کا تصور تک بھی کر سکتا ہوں۔

۶۷ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور رحمتوں کے رخ سے مزید نقاب سرکایا جا رہا ہے انسان کی تخلیق کے نقطہ آغاز سے لے کر اس کی آخری منزل تک نیز وہ تمام مرحلے جہاں سے اس کی زندگی کا قافلہ گزرتا ہے ان کو بڑی خوبی سے بیان کر دیا۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ جس انسان کو ہم پیدا فرماتے ہیں، ہم نے اس کی موت کا وقت بھی پہلے ہی متعین کر دیا ہوتا ہے۔ کوئی بچپن میں ہی موت کی نیند سو جاتا ہے کسی کو عنفوان شباب میں پیغام اجل پہنچتا ہے اور کسی کو بڑھاپے تک پہنچنے کی مہلت ملتی ہے۔ اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو، تو اس

وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾ أَلَمْ

اور مارتا ہے پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ کیا تم

تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يُجَٰدِلُونَ فِىٓ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ ٱلَّذِينَ

نہیں دیکھتے ان (نادانوں) کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں۔ یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۸۴ جن لوگوں نے

كَذَّبُوا۟ بِٱلْكِتَٰبِ وَبِمَآ أَرْسَلْنَا بِهِۦ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾

جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو بھی جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہیں وہ اپنی تکذیب کا انجام معلوم ہو جائیگا ۸۵

إِذِ ٱلْأَغْلَٰلُ فِىٓ أَعْنَٰقِهِمْ وَٱلسَّلَٰسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِى ٱلْحَمِيمِ

جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائیگا، کھولتے ہوئے پانی میں۔

ثُمَّ فِى ٱلنَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ

پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائینگے ۸۶ پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم

میں اہل دانش کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں سورہ حج کی آیت ۵ کے حواشی۔

۸۴ ان نصوص اور قطعی دلیلوں کے باوجود وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا ان کی فطرت بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولوں کے ساتھ انہیں چڑ سی ہو گئی ہے سوچے سمجھے بغیر ہر وقت وہ ان کی تکذیب میں لگے رہتے ہیں۔ ان گوناگوں خرابیوں کے باعث ان کی ہدایت پذیری کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔

۸۵ اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کا انجام انہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔

۸۶ ان کے گلے میں طوق اور زنجیر ہوگی۔ انہیں گھسیٹ کر کھولتے ہوئے پانی کے چشموں پر لے جائیں گے اور انہیں کہا جائیگا کہ تم نے ہائے پیاس ہائے پیاس کا شور مچا رکھا تھا، اب پیٹ بھر کر پانی پی لو۔ جب وہ بادل نخواستہ چند گھونٹ زہر مار کریں گے تو پھر انہیں آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

یسحبون: سحب سے ہے، اس کا معنی ہے گھسیٹ کر لے جانا۔ یُسْجَرُوْنَ: مجاہد اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں: سجرت التنور، اوقدتہ وملأتہ۔ تنور کو ایندھن سے بھر دینا پھر اسے جلانا اسی مناسبت سے یسجرون کا معنی کیا گیا ہے یطرحون فیھا ویکونون وقودا لھا۔ یعنی انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا اور وہ اس کا ایندھن بن جائیں گے۔ (قرطبی)

تُشْرِكُونَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا

شریک ٹھہراتے تھے ؛ اللہ کے سوا ۹۰ وہ جواب میں کہیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے ۹۱ بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ

مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿۷۴﴾ ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تھے اس سے پہلے ۹۲ اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو ۹۳ یہ (سزا اور رسوائی) اس لیے ہے

تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۷۵﴾ ادْخُلُوا

اس لیے کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں ناحق اور اس لیے کہ تم اترایا کرتے تھے ۹۴ اب داخل ہو جاؤ

أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۶﴾

جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ پس یہ بہت برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي

(اے حبیب!) آپ (ان کی ناروا حرکتوں پر) صبر فرمائیے اللہ کا وعدہ سچا ہے ۹۵ سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا

۹۰ اس وقت ان سے پوچھا جائے گا کہ اب بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔ تمہیں ہمارے رسولوں نے بار بار سمجھایا کہ شرک سے باز آجاؤ لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کی سزا۔ نیز تمہارے وہ بت کہاں ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ آج تمہیں دوزخ سے نکال کر اور اس عذاب الیم سے بچا کیوں نہیں لے جاتے۔

۹۱ اس وقت ان کی پشیمانی کی انتہا ہو جائے گی وہ کہیں گے کہ آج تو وہ بت کہیں نظر ہی نہیں آتے۔

۹۲ اس کے معاً بعد مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کسی غیر خدا کی پرستش کیا ہی نہیں کرتے تھے۔

۹۳ ان کی گمراہی اور ان کو ہدایت سے محرومی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۹۴ بڑی مخلصانہ کوششوں کے باوجود کفار اپنی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، اور اسلام کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھیں۔ مولا کریم اپنے حبیب مکرم کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ نیز بتایا جا رہا ہے کہ دین اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی کامیابی کا جو وعدہ آپ کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقتور قوت اس وعدہ کے ایفا میں مزاحم نہیں ہو سکتی۔ کفار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ کس طرح ان کے بتوں کی خدائی کا تختہ اوندھا ہوتا ہے اور کس طرح دین محمدی کا پرچم اور بتا بعث اُن کا سینکڑوں فضا میں لہراتا ہے اور اگر بعض کافر دین کے مکمل غلبہ کا نظارہ کرنے سے پہلے مر جائیں اور

نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

ان سے ہم نے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپکو دنیا سے اٹھالیں (یہ کہیں نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف ہی انہیں لوٹایا جائیگا اور ہم نے بھیجے تھے

رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ

پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کردیا اور ان میں سے بعض کا

لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی نشانی

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ

اللہ کی اجازت کے بغیر۔ پس جب آئے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کردیا جائیگا حق (و انصاف) کے ساتھ اور باطل پرست

ان کو اپنی جو تجویز کی کوششوں کی ناکامی کا صدمہ دیکھنا نصیب نہ ہو تو آخر کار انہیں لوٹ کر ہمارے پاس ہی آنا ہے وہاں ان کا کچھ نہ مل جائیگا۔ علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ یہ صبر کی تلقین محض تانیس اور اطمینان کے لیے ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صبر کا دامن پہلے ہی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ آمر تعالیٰ نبیہ بالصبر تانیسا له والا فهو علیه السلام فی غایة الصبر (بحر)

۹۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کو مزید تسلی دے رہے ہیں کہ مشرکین کئی طرح طرح کے معجزات کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں، اس سے آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے بعض کا تفصیل حال قرآن میں مذکور ہے اور بعض کا تفصیل ذکر ہم نے قرآن میں ابھی بیان نہیں کیا۔ ان کی قوموں نے بھی ان سے اسی قسم کے بیہودہ مطالبے کیے تھے۔ انہیں تو اپنے کیے کی سزا مل گئی یہ بھی کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

اس سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ جن انبیاء و رسل کا قرآن کریم میں ذکر ہے ان کا علم تو حضور کو ہے اور جن کا ذکر نہیں ان کو حضور نہیں جانتے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ایضا کان لا دلالة فی الآیة علی عدم علمه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعدد الانبیاء والمرسلین کما توهم بعض الناس ــــ (روح المعانی)

یعنی کچھ بھی ہو اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کو انبیاء اور مرسلین کی تعداد کا علم نہ تھا جس طرح بعض لوگوں نے وہم کیا ہے۔ تمام انبیاء و رسل نے شب معراج امام الانبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا

وہاں اہل باطل گھاٹے میں رہیں گے ۹۶ اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ انہیں سے کسی پر سواری کرو

مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا

اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ۹۷ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے

حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾

ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے جاتے ہو ۹۸

۹۶ یعنی کوئی رسول اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر معجزے نہیں دکھایا کرتا۔ یہ کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب بھی چند بے فکرے اکٹھے ہو کر آگئے اور انہوں نے کسی معجزے کا مطالبہ کیا تو جھٹ معجزہ دکھا دیا گیا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ معجزہ تو ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ جو لوگ معجزہ طلب کریں اور اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان لانے میں پس و پیش کرنے لگیں تو پھر انہیں مزید مہلت نہیں دی جاتی۔ فوراً عذاب الٰہی آتا ہے اور ان کا کام تمام کر دیتا ہے۔ اس لیے کوئی نبی اس وقت تک معجزہ نہیں دکھاتا جب تک حکم الٰہی نہ ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبی معجزہ دکھاتا ہے اور پھر بھی لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تو قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ کا روح فرسا منظر سامنے آجاتا ہے۔

۹۷ اپنی مزید عنایات، نوازشات اور انعامات کا ذکر فرما کر حق کو قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات اگر ایک طرف اس کی قدرت کی گواہی دے رہے ہیں تو دوسری طرف اس کی حکمت اور رحمت کے آئینہ دار بھی ہیں۔ یہ جانور جن کا ہم دودھ پیتے ہیں، ذبح کر کے گوشت کھاتے ہیں، جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر دور دراز کا سفر آسانی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں اور جن کی پشت پر بھاری بھرکم بوجھ لاد کر یا انہیں گاڑیوں اور گڈوں میں جوت کر آرام سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارا تابع فرمان نہ بنا دیا ہوتا تو کیا ہم ان سے یہ خدمت لے سکتے تھے۔ یہ کس کی مہربانی ہے کہ گھوڑے جیسا برق رفتار، اونٹ جیسا قوی جانور ہمارے سامنے سرافگندہ حاضر ہے۔ چاہیں تو زین ڈال کر اس پر سوار ہو جائیں اور چاہیں تو اس کی پیٹھ پر منوں بوجھ لاد دیں۔ چاہیں تو کسی گاڑی میں جوت دیں۔ بہر حال اسے تعمیل حکم سے کوئی انکار نہیں۔ یہی حال دوسرے جانوروں کا بھی ہے۔ گائے، بیل، بھینس وغیرہ۔ غرضیکہ یہ مختلف جانور جو خدمت انجام دینے کے قابل ہیں اس کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

۹۸ سمندروں اور دریاؤں کو اس قابل بنایا کہ ان میں جہاز رانی ہو سکے۔ کشتیوں اور جہازوں میں ہزاروں من بھاری بھرکم سامان لاد کر دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لے جا سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پانی میں یہ صلاحیت

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا

اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت

فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے ۹۹

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ

وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں بڑھ کر)

عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

پس یہ بتائیں کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر

فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ

تو انہوں نے کذب کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا۔ اور آخر کار گھیر لیا انہیں جس کا وہ

يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَ

مذاق اڑایا کرتے تھے ۱۰۰ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور

۔ رکھی ہوتی تو صنعت و تجارت کی یہ گرم بازاری کبھی نہ ہوتی۔

۹۹۔ سابقہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی طرف مزید توجہ دلائی۔

۱۰۰۔ یعنی ان قوموں کا یہ دستور رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی رسول صحیح علم لے کر آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ تمہارے علم سے وہ علم جو ہمارے پاس ہے وہ زیادہ صحیح اور لائق اعتماد ہے۔ جو سنی سنائی باتیں ان کے پاس تھیں، جو فلسفیانہ نظریات انہوں نے اپنے فلسفیوں سے سیکھے تھے یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں جو من گھڑت افسانے انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں سے سن رکھے تھے ان کو ہی انہوں نے اپنی فلاح و نجات کے لیے کافی سمجھ لیا اور انبیاء کرام کی پاکیزہ تعلیمات کی طرف ہرگز توجہ نہ دی۔ موسیٰ علیہ السلام اور سقراط فلسفی کا زمانہ ایک ہے۔ سقراط نے جب آپ کا چرچا سنا اور لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل

كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ

ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنکو ہم اسکا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے

لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ

جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو قدیم سے اسکے بندوں میں جاری ہے اور

خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

سراسر خسارہ میں رہے اسوقت حق کا انکار کرنے والے [۱۰۱]

کرو تو اس نے کہا: نحن قوم مهتدون فلا حاجة لنا الی ما يهديناه کہ ہم مہذب وشائستہ قوم ہیں۔ ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔

[۱۰۱] ان نابکاروں نے مہلت کی گھڑیاں انبیاء کرام کا مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں کستے گزار دیں اور جب انجام کار عذاب الٰہی نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس وقت ایمان کا اظہار کرنے لگے اور کفر سے بیزاری اور برأت کا اعلان شروع کر دیا۔ لیکن یہ بعد از وقت ایمان لانا ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے کہ وہ قوموں کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے اور جب وہ دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو انہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔

الحمد للہ الذی تتم بتوفیقه الطاعات والصلوٰۃ والسلام علی رسوله المکرم الذی بجاهه تقبل الحسنات وعلی آله وصحبه ومن تبعهم الی یوم الدین۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ — عبدہ المسکین

۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء — محمد کرم شاہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۂ حٰمٓ السجدہ

نام: متعدد سورتیں ہیں جن کی ابتداء حٰمٓ سے ہوتی ہے۔ اس سورت کی ابتداء بھی حٰمٓ سے ہوئی۔ لیکن اس قسم کی دوسری سورتوں سے جو چیز اسے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی آیت ۳۸ آیت سجدہ ہے اس لیے اس کو حٰمٓ السجدہ سے موسوم کیا گیا۔ اس کا دوسرا نام فصلت بھی ہے۔ یہ کلمہ تیسری آیت میں موجود ہے۔ یہ چھ رکوعوں اور چون آیات پر مشتمل ہے اس کے کلمات کی تعداد سات سو چھیانوے اور حروف کی تعداد تین ہزار تین سو پچاس ہے۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے زمانۂ نزول کا تعین علماء تفسیر نے یوں کیا ہے کہ یہ سورت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے درمیانی وقفہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: قریش مکہ کی شدید مخالفت اور مزاحمت کے باوجود آہستہ آہستہ مگر تسلسل سے اسلام اپنے قدم آگے بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسی ہستی اسلام قبول کر لیتی جس کے باعث کفار پر کوہ الم ٹوٹ پڑتا اور اسلام کے خلاف ان کی انتقامی کارروائیوں میں بڑی شدت پیدا ہو جاتی۔ حضرت حمزہ جو اپنی شجاعت اور ناموری میں بے نظیر تھے چند روز ہوئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے وہ شدید ذہنی صدمہ سے دوچار ہو گئے۔ اس مشکل کا حل سوچنے کے لیے ان کی ایک میٹنگ حرم میں منعقد ہوئی۔ قریش کے دوسرے روساء کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ بھی وہاں موجود تھا۔ اثنائے گفتگو اس نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ حضور کے پاس جاتا ہے اور انہیں سمجھا کر راہ راست پر لاتا ہے جس کا تفصیلی ذکر آیت ۱۳ کے حاشیہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ جب اس نے اپنی لمبی چوڑی تقریر ختم کی تو اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی سورت تلاوت فرمائی جسے سن کر وہ دم بخود ہو گیا اور اپنا سا منہ لے کر واپس آ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کفار کے وہی سابقہ اعتراضات تھے جنہیں وہ ہر موقع پر بڑی شدومد سے دہرایا کرتے تھے۔ ان کا پہلا اعتراض اس پر تھا کہ قرآن کلام الٰہی ہے یہ بات ان کے ذہن میں آتی ہی نہ تھی۔ کبھی کہتے یہ خود گھڑ کر ہمیں سنا دیتے ہیں، کبھی کہتے کسی سے سیکھ کر آتا ہے اور پھر ہمیں سکھاتا ہے۔ یہ شبہ اتنا لغو تھا کہ اس کو ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا گیا بلکہ بڑے حتمی اور قطعی انداز میں یہ فرما دیا کہ یہ اس رب کا کلام ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اسی ارشاد الٰہی سے وہ شکوک و شبہات خود بخود ختم ہو گئے جو کفار کے ذہنوں میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔

دوسرا اعتراض توحید باری پر تھا وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے کہ خدا ایک ہے بلکہ بہت سے بتوں کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ یہاں بھی ان کے اس خیال باطل کی تردید کرنے کے لیے دلائل تکوینیہ کا ذکر کیا گیا جس کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، علم محیط اور کبریائی کے جلوے جھلک رہے ہیں۔

نیز انہیں متنبہ کیا کہ میرے محبوب کے خلاف جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے اس کا نتیجہ بڑا ہولناک ہوگا۔ تم سے پہلے بھی بڑی بڑی طاقتور اور زبردست قومیں گزر چکی ہیں۔ جن کی مادی ترقی اور معاشی خوشحالی سن کر آج بھی تم حیران و ششدر ہو جاتے ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ جب اس قسم کا سلوک کیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں بھی اسی قسم کے عذاب سے دوچار کر دیا جائے گا۔

قیامت کا ذکر کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو تمہارے اعضاء بھی اور سلطانی گواہ کی حیثیت سے تمہارے خلاف شہادت دیں گے اس وقت تم اپنے جرائم پر کیسے پردہ ڈال سکو گے۔

کفار اپنے تمام حیلے بروئے کار لا چکے تھے تاکہ اسلام کی پیش قدمی کو روک دیں لیکن کلام الٰہی کی اثر انگیزی نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ جب بھی قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اس محفل میں غوغا آرائی شروع کر دو تاکہ شور و شغب میں کوئی قرآن نہ سن سکے لیکن ان کی یہ تدبیر بھی ناکام ثابت ہوئی۔

اس سورت میں اہل حق کی شان استقامت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد ان انعامات و عنایات کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں پر فرماتا ہے۔ ساتھ ہی ان مکارم اخلاق کا ذکر کیا جن سے ان کی سیرت مزین و آراستہ ہے۔

آخر میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا خود محافظ و نگہبان ہے۔ باطل کی یہ مجال نہیں کہ اس میں کبھی جانب سے بھی گھسنے کی جرأت کر سکے۔

سورۃ حٰمٓ السجدۃ مکیۃ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اربع وخمسون آیۃ وستۃ رکوعات

سورہ حٰم السجدہ مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ ۵۴ آیتیں ۶ رکوع

حٰمٓ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

حا میم [۱] اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے [۲] یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے [۳]

[۱] اگر حٰم کو سورت یا قرآن کا نام قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا اور تنزیل اس کی خبر ہوگا۔ ورنہ تنزیل مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ بعض نے تنزیل کو مبتدا اور کتاب فصلت کو خبر کہا ہے۔

[۲] کفار اس بات پر بضد تھے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود گھڑ کر یا کسی سے سیکھ کر (نعوذ باللہ) لوگوں کو سنا دیتے ہیں۔ ان کے اس زعم باطل کو دور کرنے کے لیے ان گنت روشن دلائل پیش کیے گئے۔ لیکن وہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ ایسے لوگوں کے سامنے مزید دلائل پیش کرنا بے سود تھا۔ اس لیے یہاں بطور دعویٰ فرما دیا کہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یعنی تم تسلیم کرو یا نہ کرو یہ صحیفۂ رشد و ہدایت کسی انسانی دماغ کی تخلیق نہیں۔ بلکہ اسے رحمٰن و رحیم نے نازل فرمایا ہے۔ آج نہیں مانتے تو کل تمہیں بھی ماننا پڑے گا۔

یہاں وہ اسمائے الٰہی ذکر کیے گئے جو اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی عنایت بے انداز پر دلالت کرتے ہیں تاکہ سننے والوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور وہ خود بخود کھچے چلے آئیں۔ اور بہ رضا و رغبت اس کے ارشادات کی تعمیل کو اپنا شعار بنا لیں۔ نیز قیامت تک آنے والی نسلوں کے دل سے اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ قرآن کی تعلیمات کسی وقت بھی ان کی معاشی، تمدنی، علمی اور اخلاقی ترقی میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ بتا دیا کہ یہ کسی ایسے آمر مطلق کا مبنی فیصلہ نہیں جس میں اس کو سب سے زیادہ اپنے جاہ و جلال اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کا فکر ہو اور اسے اس کی قطعاً کوئی پروا نہ ہو کہ اس کی رعایا پر کیا گزرتی ہے۔ ان کے جذبات کا کیسے خون ہوتا ہے یا وہ کس قسم کی ذہنی گھٹن یا معاشی پسماندگی کا شکار رہتے ہیں۔ فرمایا یہ اس ذات پاک کا نازل کیا ہوا صحیفہ ہے جو رحمان و رحیم ہے۔ اس کی شانِ رحمانی تو تمہیں پھلتا پھولتا، ترقی کی بلند منزلیں طے کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔

اگر تم اپنے خداوند کریم کے احکام بجا لاؤ گے تو دین و دنیا کی سعادتیں تم پر نثار ہوں گی اور اگر تم نے اس کی طرف سے بے رخی برتی تو آخر کوئی نہ کوئی دستور تمہیں اپنانا پڑے گا۔ اس میں اور تو شاید بہت کچھ ہو لیکن اس میں رحمت و رأفت کا وہ عنصر ہرگز نہیں ہوگا جو رحمان و رحیم پروردگار کے ارشادات میں موجود ہے۔ یہ تمہاری بدبختی ہوگی کہ خداوند رحمٰن کی ہدایات کو چھوڑ کر تم کسی جاہل، خود سر، خود غرض اور کوتاہ فہم کے بنائے ہوئے دستور کو اپنانے بیٹھو۔

[۳] رحمٰن و رحیم نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بالکل واضح اور عام فہم ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ

بیان کردی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے ان لوگوں کے لیے جو علم و فہم رکھتے ہیں ۞ یہ مژدہ سنانے والا اور ڈرانے والا ہے

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ

پس منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ قبول نہیں کرتے ۞ اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اس بات سے

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا

جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام

عٰمِلُوْنَ ۝۵ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

کیے جاتے ہیں۔ آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند۔ البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خدا

نہیں۔ اس میں التباس کا شائبہ تک نہیں جس کی تہ تک پہنچنے کے لیے غیر معمولی عقل و خرد کی ضرورت ہو یہ ایسی کھلی اور واضح کتاب ہے کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۳ یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو تمہاری مادری زبان ہے جس کے اسرار و معارف سمجھنے کی تم میں پوری استعداد ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا منصوب علی المدح ہے۔

۴ اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو علم و فہم کی صفت سے موصوف ہیں۔ بے عقل اور اجڈ لوگ اس کی قدر و قیمت کو کیا جانیں۔

۵ بشیراً و نذیراً قرآن کی دو صفتیں ہیں یعنی ایمان والوں کو تو نجات و فلاح کی خوشخبری دیتا ہے جو اس کے احکام بجا لاتے ہیں اور جو لوگ اس کی ہدایات پر کاربند نہیں ہوتے انہیں بروقت ان کے انجام بد سے ڈراتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔

۶ کفار کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا ذکر ہو رہا ہے۔ تمام باطل فرقے اپنی ہٹ پر اسی طرح قائم رہتے ہیں، انہیں لاکھ سمجھاؤ وہ سمجھنے کا نام نہیں لیتے۔ باطل پرستوں کے پاس حق کی یورش کے مقابلہ میں یہی ایک گوشہ عافیت ہے کہ وہ نہ مانوں نہ مانوں کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ اَكِنَّةٌ ، كِنَانٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ کپڑا یا غلاف ہے جس میں کسی چیز کو اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وَقْرٌ : صَمَمٌ یعنی بہرہ پن۔ حِجَابٌ : پردہ۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسی دیوار حائل ہے کہ تمہارے حق کا نور اس سے نفوذ کر کے ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔

۷ کفار کہتے تھے کہ ہمارے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ افادہ اور استفادہ ممکن ہی نہیں۔ نہ آپ کا پیغام حق ہم تک

وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾

یکتا ہی ہے ف پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے۔ اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے ١٠

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں ١١ بے شک

ع ۱۵ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ﴿۸﴾ قُلْ

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا ١٢ آپ

ہنس سکتا ہے اور نہ ہم اسے قبول کر سکتے ہیں۔ ان کے اس قول کی تردید کی جا رہی ہے کہ تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے۔ اگر میں انسان نہ ہوتا فرشتہ یا جن ہوتا تو ہم ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکتے، نہ سمجھا سکتے۔ جب تم بھی انسان ہو اور میں بھی انسان ہوں تو پھر ہم میں مغائرت کی کونسی ایسی دیوار کھینچ دی گئی ہے کہ افہام و تفہیم کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو۔ تمہارا یہ کہنا سراسر لغو اور باطل ہے۔
علامہ آلوسی فرماتے ہیں: لست ملكا ولا جنيا لا يمكنكم التلقي منه ولا ادعوكم الى ما تنبو عنه العقول والاسماع وانما ادعوكم الى التوحيد والاستقامة في العمل فالواو في قولهم بيننا وبينك حجاب (روح المعانی)
یعنی میں نہ فرشتہ ہوں اور نہ جن ہوں تاکہ تم اس سے استفادہ نہ کر سکو۔ اس آیت سے ان کے اس قول کی تردید کردی گئی جس کا ذکر سابقہ آیت میں ہے بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اظہار تواضع کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ کہنے کا حکم دیا۔ قال الحسن علمه الله التواضع۔
(اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ کہف آیت ۱۱۰)
ف انہیں کے قول کی تردید ہو رہی ہے یعنی اگر میں تمہیں کسی ایسی بات پر ایمان لانے کی دعوت دیتا جس کو تسلیم کرنے پر عقل سلیم تیار نہیں تو تمہاری یہ بے رخی کچھ معنی بھی رکھتی۔ میں تو تمہیں اس سچائی کی طرف بلا رہا ہوں جس سے بڑی سچائی اس کائنات میں ہے ہی نہیں۔ یعنی میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے رہا ہوں۔ اس لیے تمہاری بہتری اس میں ہے کہ تم اس سچی دعوت کو قبول کر لو اور جو لغزشیں تم سے پہلے صادر ہو چکی ہیں ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔
١٠ جن کا دامن شرک سے آلودہ ہے ان کے مقدر میں تباہی و بربادی رقم ہو چکی ہے ان سے بڑھ کر اور کون بدبخت ہو سکتا ہے۔
١١ ان کی ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ انکے دلوں میں بخل نے ڈیرہ جما لیا ہے۔ کسی غریب پر انہیں رحم ہی نہیں آتا کسی یتیم یا بیوہ کیلئے وہ اپنی دولت سے کچھ خرچ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ ایسے سنگدل اور بے رحم انسانوں پر پھٹکار نہ ہوگی تو کیا جنت کے پھول برسیں گے۔ وہ تباہ و برباد نہ ہونگے تو کیا پھلیں پھولیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ان کی اس بے حسی اور سنگدلی کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔
١٢ ان کے برعکس ایک دوسرا گروہ ہے جو نور ایمان سے بھی بہرہ ور ہے اور ان کی زندگی کا دامن نیکیوں کے نکھتے ہوئے

أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ

پوچھیے کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں ۱۳ اور ٹھہراتے ہو

لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن

اس کے لیے ہمسر مقابل۔ وہ تو رب العلمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے بنا دیے ہیں زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ

فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً

جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں اور اس نے برکت رکھ دی ہے اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں اس میں خوراکیں سب کی یہ چار دنوں میں ہوا برابر

پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ بارگاہ الٰہی سے انہیں جو اجر ملے گا وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ اَیْ غَیْرُ مَقْطُوْعٍ۔ منقطع نہ ہونے والا، ختم نہ ہونے والا۔

۱۳ ان چار آیتوں میں اپنی توحید، اپنی قدرت کاملہ اور علم و حکمت کے ایسے دلائل و شواہد پیش کیے ہیں کہ کوئی سمجھدار آدمی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ ان دلائل کو بیان کرنے کے بعد کفار سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ جن کو تم نے میرا ہمسر اور شریک بنا رکھا ہے، جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو ذرا انصاف سے بتاؤ ان میں ان صفات عالیہ جلیلہ میں سے کسی صفت کا معمولی پر تو تک بھی موجود ہے اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر تم سے بڑا ظالم اور احمق کون ہوگا جو ذرے کو آفتاب کا ہمسر اور قطرے کو سمندر کا ہم پلہ خیال کرتا ہے۔ پہلی آیت میں بتایا کہ یہ زمین جس پر تم آباد ہو اور جس کی فضا میں تم سانس لیتے ہو اس کو تمہارے کسی بت نے یا کسی دیوتا نے پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں تو کل نیست سے ہست ہوئیں۔ زمین تو تمہارے ان معبودوں کی تخلیق سے پہلے موجود تھی۔ اس وسیع و عریض زمین کا پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو تمہیں حیا نہیں آتی کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور اپنے ان بتوں کو اس کا ہمسر یقین کرتے ہو۔ نیز اس کو یہ زمین بنانے میں عرصہ دراز صرف نہیں کرنا پڑا بلکہ دو دنوں میں اس کی آفرینش مکمل کر دی۔ اس کی قدرت تو اس کو چشم زدن میں بھی پیدا کر سکتی تھی، لیکن یہ تدریج اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

یوم سے مراد یہ دن نہیں بلکہ مطلق وقت ہے یا تخلیق کا دور۔ پہلے کئی مرتبہ اس لفظ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

۱۴ رَوَاسِیَ جمع ہے رَاسِیَۃٌ کی: جو چیز زمین میں گڑی ہوئی ہو۔ بندرگاہ کو عربی میں مَرْسٰی کہتے ہیں کیونکہ کشتیاں اور جہاز یہاں پہنچ کر اپنے لنگر ڈال دیتے ہیں۔ پہاڑوں کو رواسی اس لیے کہا کہ ان کی جڑیں زمین میں دور تک چلی گئی ہوتی ہیں۔ یوں نہیں کہ بس زمین کی سطح پر رکھ دیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کرہ زمین کو اضطراری حرکت سے محفوظ کرنے کے لیے زمین میں جا بجا پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دی ہیں لیکن یہ پہاڑ کسی میخ کی طرح زمین میں سارے کے سارے دھنسے ہوئے نہیں

لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ

یکساں ہے طلبگاروں کے لیے ۔ ۱۸ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا ۱۹ پس فرمایا اسے

لکہ زمین سے بہت اونچے اٹھے ہوئے ہیں پہاڑوں کو اس طرح بنانے میں جو حکمتیں ہیں ان سے وہی بخوبی واقف ہے۔ ان ان گنت حکمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہاڑوں کے شکم گوناگوں دھاتوں اور معدنیات سے بھرے پڑے ہیں۔ کوئلہ سے لے کر سونے تک۔ کھریا مٹی سے لے کر یورینیم تک کے یہاں انبار لگے ہوئے ہیں۔ انسان آسانی سے انہیں کھود کر نکال سکتا ہے اگر یہ پہاڑ سارے کے سارے زمین میں دھنسے ہوتے تو ان معدنیات کو نکالنا مشکل ہو جاتا۔

۱۷ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بے شمار خیرات و برکات رکھ دی ہیں ہزار سال لاکھوں سالوں سے وہ ادھر ادھر انہیں استعمال کیا جا رہا ہے لیکن کسی چیز کا سٹاک ختم نہیں ہوتا پانی ہی کو دیکھیے لاکھوں سال سے طرح طرح سے استعمال ہو رہا ہے لیکن چشمے پھر بھی ابل رہے ہیں پہاڑی ندیاں شوخی و مستی سے اب بھی بہتی چلی جا رہی ہیں۔ دریا اپنی طوفانی موجوں سمیت رواں دواں ہیں اور سمندر کی بیکرانی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

۱۸ سطح زمین پر جتنی بھی جاندار مخلوق ہے ان سب کے لیے مختلف قسم کی جتنی غذا مطلوب ہے سب کا اہتمام پہلے دن ہی سے کر دیا ہے بوم و بلغ، ممولا اور شہباز، شیر و بکری، غرضیکہ ہوا میں اڑنے والوں، زمین پر رینگنے والوں، دو ٹانگ والوں، چارہ کھانے والوں، گھاس سے شکم پر کرنے والوں، گوشت خوروں جیسے اور کیڑے کھانے والوں غرضیکہ ہر ایک نوع کی طبعی ضرورت کے مطابق ہر فرد کی انفرادی پسند کے مطابق قدرت کے وسیع و عریض دستر خوان پر ہر چیز چن دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کائنات کی اس دلہن کے دولہا حضرت انسان کے لیے کیا کچھ موجود نہیں۔ جس ہستی نے اتنا وسیع اور جامع انتظام ہمارے پیدا ہونے سے ہزاروں صدیاں پہلے کر دیا اس کے علم، اس کی حکمت اور اس کی قدرت کے بارے میں ادنیٰ سا شک بھی کیا جا سکتا ہے

۱۹ یعنی زمین کی تخلیق اور ان میں نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کی بقا اور نشو و نما کے لیے یہ سارے انتظامات صرف چار دنوں میں یعنی چار دوروں میں مکمل کر دیئے گئے۔

۲۰ یہ رزق و نعمت کے خزانے کسی خاص طبقہ یا فرد کی اجارہ داری نہیں جس میں طلب ہوگی، ہمت اور حوصلہ ہوگا، ہنرمندی اور فہم و فراست کا جوہر پایا جائیگا اسے اس کی ہمت اور حوصلہ کے مطابق ان نعمتوں سے حصہ دیا جائے گا۔

اس آیت سے سوشلسٹ نظام کی تائید کے لیے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ بالکل بے محل ہے۔

۲۱ استویٰ کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کا معنی توجہ کرنا ہوتا ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ پہلے ایک دھواں سا تھا۔ سحابی اور دخانی قسم کا مادہ تھا جس سے اس نے اپنی قدرت کاملہ سے سات آسمان پیدا فرمائے

لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪ فَقَضٰىهُنَّ

زمین کو کہ آ جاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے) خوشی سے یا مجبوراً ۔ دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی حاضر ہیں پس بنا دیا

سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا

انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال اور ہم نے مزین کیا

السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا یہ اسارا نظام ہے غالب سب کچھ جاننے

الْعَلِيْمِ ⑫ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ

والے (خدا) کا ۔ پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو

۲۰؎ زمین و آسمان کو حکم دیا کہ جس خدمت کی ادائیگی کے لیے جس فرض کو انجام دینے کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے حاضر ہو جاؤ۔ اس میں تمہاری مرضی کا کوئی دخل نہیں بلکہ ہمارے حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو ہر حال میں تمہیں ہمارے فرمان کی تعمیل کرنا ہو گی۔

۲۱؎ زمین و آسمان نے بیک زبان جواب دیا اے ہمارے خالق و مالک ہم بصد خوشی تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہیں۔

۲۲؎ چنانچہ سات آسمان بنا دیے گئے اور ہر آسمان کے حسب حال وہاں احکام و ہدایات نازل فرما دیے تاکہ ہر آسمان کی مخلوق منشاء خداوندی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

۲۳؎ جب سورج غروب ہو جاتا ہے، شام کا دھندلکا پھیلنے لگتا ہے تو ٹمٹماتے ہوئے ستارے آنکھ مچولی شروع کر دیتے ہیں رات کی وحشت اور تاریکی کی گھٹن اس چراغاں سے کافور ہو جاتی ہے۔ چرخ نیلوفری کی یہ سجی ہوئی چھت دل کو نیا سرور اور تازگی بخشتی ہے۔

۲۴؎ یہ مفعول مطلق ہے یعنی حفظناہا حفظاً یعنی ہم نے آسمان کو جتنا خوبصورت اور دلآویز بنایا ہے اتنا ہی مضبوط اور مستحکم بھی بنایا ہے جس میں کوئی دراڑ نظر نہیں آتی کوئی شگاف دکھائی نہیں دیتا۔ ہر طرح کی بیرونی دخل اندازیوں سے اسے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

۲۵؎ یعنی یہ سارا نقشہ ہر چیز کے لیے مناسب محل اور مقام کا تعین، ہر چھوٹی بڑی چیز کے لیے فرائض و واجبات کا تعین یہ محیر العقول انتظام، یہ ساری منصوبہ بندی اور اس منصوبہ بندی کی مکمل تطبیق اسی خداوند قدوس کی قدرت کا کرشمہ ہے

عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ

عاد و ثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت انگیز) ہوگی (لکھنے کی جگہ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور

جو سب سے زبردست اور بڑی حکمت والا ہے ۔

اگرچہ قرآن حکیم ایسی کتاب نہیں جس میں کائنات کی تخلیق اور تخلیق کے ادوار اور مدارج کا تعین مقصود ہو البتہ جا بجا اشارات آفرینش عالم کے متعلق قرآن کے مختلف مقامات پر موجود ہیں ۔ سائنس کی تحقیقات بھی مختلف مرحلوں سے گزر کر اسی طرف آ رہی ہے علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

اِنَّ عرشہٗ تعالٰی کان قبل خلق السمٰوٰت والارض علی الماء فاحدث اللہ تعالٰی فی الماء سخونۃ فارتفع زبدٌ و دخانٌ فاما الزبد فبقی علٰی وجہ الماء فخلق اللہ تعالٰی فیہ الیبوسۃ واحدث سبحانہ منہ الارض واما الدخان فارتفع وعلا فخلق اللہ تعالٰی منہ السمٰوات ۔ (روح المعانی)

یعنی زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں حرارت پیدا کر دی ۔ اس سے جھاگ اور دھواں بلند ہوا ۔ جھاگ پانی کی سطح پر باقی رہی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خشکی پیدا کی اور اس سے زمین بنائی اور دھواں اوپر اٹھا بلند ہوا ۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا ۔

سائنس کی جدید تحقیقات بھی اس نظریہ سے بہت قریب ہیں ۔

۲۶ ۔ ان آیات بینات کے مشاہدہ کے بعد بھی وہ کفر و ضلال کی راہ کو چھوڑ کر اگر راہ راست پر گامزن نہیں ہوتے تو وہ یاد رکھیں جس عذاب نے عاد و ثمود جیسی قوموں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا وہ عذاب انہیں بھی راکھ کا ڈھیر بنا دے گا جب عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا تو وہ یہ کہنے کے حقدار نہ ہوں گے کہ انہیں کسی نے بروقت خبردار ہی نہیں کیا تھا ورنہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے ۔

انذرتُ کا عام طور پر اتنا ہی مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ میں نے ڈرایا ۔ حالانکہ ن ذ ر کے مادہ کا اطلاق اس ڈرانے پر ہوتا ہے جس میں کم از کم دو خصوصیتیں ہوں ۔ ایک تو وہ ڈرانا بروقت ہو ۔ یوں نہیں کہ جب پتھر آسمان سے برسنے شروع ہو جائیں تو خطرہ کا الارم بجنے لگے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار سے مقصد صرف عذاب کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد اس شخص کی توجہ اس طرف مبذول کرانا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کرے ۔ لسان العرب میں ہے کہ عرب کہتے ہیں : انذرت القوم سیر العدو الیھم فنذروا ای علمتھم ذلک فعلموا و تحرزوا ۔ یعنی میں نے قوم کو دشمن کے حملے سے خبردار کیا پس انہوں نے اپنا بچاؤ کر لیا ۔ صاعقہ بادل کی اس شدید کڑک کو کہتے ہیں جس کے ساتھ بجلی بھی گرے ۔ الصاعقۃ : الصوت الشدید من الرعد یسقط معھا قطعۃ نار ۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے لیکن اب اس کا اطلاق ہر مہلک عذاب پر بھی ہوتا ہے خواہ اس کی نوعیت کسی قسم کی ہو ۔ کلّ عذاب مھلک صاعقۃ (لسان العرب)

خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَاۗءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً

پیچھے سے (یعنی ہدایت سمجھانے کیلئے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا اگر چاہتا ہمارا رب تو (ہدایت کیلئے)

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ

تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اسکا سراسر) انکار کرتے ہیں ۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں

۲۷۔ اس سے مراد یا تو رسولوں کی کثرت ہے یعنی کثیر التعداد رسول ان کے پاس تشریف لائے اور راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی انہیں دعوت دی اور یا اس کا معنی یہ ہے : من بین ایدیھم ، کہ انہوں نے گزری ہوئی قوموں پر جو بیتی تھی اس کا تفصیلی تذکرہ بھی ان سے کیا۔ ومن خلفھم مستقبل میں اس ہٹ دھرمی کی جو سزا انہیں ملنے والی تھی اس سے بھی ڈرایا۔

۲۸۔ لیکن انہوں نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے پیغمبران کی ہدایت کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کرتے تھے انہوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ وہ کہتے کہ آپ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں اور ہماری مزید سمع خراشی سے باز آجائیں۔ اگر خدا نے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی نوری فرشتہ کو ہماری راہنمائی کے لیے بھیجتا۔ آپ جو ہماری طرح محض گوشت پوست کے انسان ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں آپ کو ہم رسول ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہم ہرگز آپ کی رسالت کو نہیں مانیں گے۔ اہل باطل کی یہ حجت بازیاں ہیں جن سے وہ اہل حق کا دل دکھایا کرتے ہیں۔ کتب احادیث وتفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز ابوجہل اور چند دوسرے قریش کے سردار اکٹھے ہوئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ کہنے لگے کہ اس شخص کی حقیقت ابھی تک ہم پر نہیں کھلی۔ اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے جو سحر و کہانت کے فن میں ماہر ہونے کے ساتھ بہترین شاعر بھی ہو تو اسے ہم اس کے پاس بھیجیں تاکہ ان سے گفتگو کے بعد وہ ہمیں بتائے کہ یہ شاعر ہیں، جادوگر ہیں یا کاہن۔ عتبہ بن ربیعہ بولا، مجھ سے زیادہ ماہر اور کون ہوگا۔ چنانچہ طے پایا کہ عتبہ جائے اور ان سے گفتگو کرے اور پھر آکر ان کے متعلق اپنے تاثرات بتائے۔ عتبہ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہنے لگا آپ خواہ مخواہ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتے ہیں، ہمارے معبودوں کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اگر اس تحریک سے آپ کا مقصد حکومت حاصل کرنا ہے تو ہم آج ہی آپ کی بادشاہی کا اعلان کر دیتے ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو ہم ایک نہیں دس دوشیزائیں جن کی طرف آپ اشارہ کریں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اگر روپیہ بٹورنے کے لیے یہ دھندا شروع کیا ہے تو ہم سونے چاندی کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لگا دیں گے جو آپ کی کئی پشتوں تک کے لیے کافی ہوں گے یہ سن کر جب وہ خاموش ہوا تو فخر عالم نے پوچھا اے عتبہ! کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں جو کہنا چاہتا تھا کہہ دیا۔ اس کے بعد حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ حم کی تلاوت شروع کی۔ نبوت کی زبان، رب کریم کا کلام بلاغت نظام تلاوت کر رہی ہے۔ سوز و درد اور بے خودی کے عالم میں اس قرأت

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

ناحق ۲۹ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس

الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾

نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے اور وہ دیدہ دانستہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ

پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا ۳۰ منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں

کو بھرپور اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔ عتبہ دم سادھے بیٹھا سنتا رہا گویا اس پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا جب حضور مثل صاعقة عاد و ثمود تک پہنچے تو وہ تلملا کر اٹھا اور حضور کے لب مبارک پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگا میں تمہیں رحم کا واسطہ دیتا ہوں کہ بس کیجیے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے۔ وہاں سے اٹھا اور اس مجلس میں جانے کے بجائے جہاں قریش بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے، وہ سیدھا گھر چلا گیا اور خانہ نشین ہو گیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ابوجہل سب کو لے کر اس کے گھر پہنچا اور وہاں پہنچتے ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ عتبہ! معلوم ہوتا ہے کہ تو نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین اختیار کر لیا ہے۔ اور اس کے دسترخوان نے تیرا دل موہ لیا ہے۔ اگر تمہارے پاس لذیذ کھانے کیلئے پیسے نہیں تو ہم چندہ جمع کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ عتبہ اس طعنہ سے بہت برہم ہوا لیکن یہ بدبخت بھی جہالت کی بیڑی میں جکڑا ہوا تھا۔ کہنے لگا مجھے قسم ہے اس کے بعد میں ان سے بات تک نہ کروں گا اور اے ابوجہل تم خوب جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ دولتمند ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں حسب پروگرام ان کے پاس گیا میں نے کھل کر اس موضوع پر ان سے تبادلہ خیال کیا لیکن انہوں نے مجھے جو جواب دیا بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت۔ اس نے سورۃ حم کی آیات پڑھنی شروع کر دیں۔ کہنے لگا جب وہ صاعقة عاد و ثمود تک پہنچے تو میں نے انہیں رحم کا واسطہ دے کر خاموش ہونے کو کہا اور ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور تم خوب جانتے ہو کہ محمد جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ ولقد علمتم ان محمدا اذا قال شیئاً لم یکذب فخفت ان ینزل علیکم عذاب۔

۲۹ قوم عاد پر عذاب اس لیے نازل ہوا کہ وہ ناحق تکبر کرتے تھے اور انہیں اپنی قوت و طاقت پر اتنا ناز تھا کہ وہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ ارشاد فرمایا اے جاہلو! تمہیں گھمنڈ ہے کہ تمہاری تعداد کثیر ہے۔ مال و دولت فراواں ہے۔ تمہارے جوان بڑے جنگجو اور بہادر ہیں۔ آج کوئی قوم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تم درست کہتے ہو لیکن یہ بتاؤ کہ کیا اللہ جو تمہارا خالق ہے جو یہ سازوسامان دینے والا ہے کیا تم اس سے بھی طاقتور ہو، اس کی نافرمانی کی جرأت کر سکتے ہو۔

۳۰ الصرّ، البرد والصیحة ... وریح صرصر، ای باردة (صحاح)۔ سخت ٹھنڈی ہوا کو صرصر کہتے ہیں۔ شدیدة

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

ذلّت آمیز عذاب اس دنیوی زندگی میں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى

اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔ باقی رہے ثمود ۲۱ تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو

عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا

ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ

کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے ۲۲ اور (وہ دن یاد کرو) جب

اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ

جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش جہنم کی طرف پھر وہ گروہ در گروہ بانٹ دیے جائیں گے ۲۳ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب

الرعد وقیل شدیدة الصوت (لسان العرب)۔ سخت ٹھنڈی ہوا کو صرصر کہتے ہیں۔ نیز وہ ہوا جو شدید شور مچائے اس کو بھی صرصر کہتے ہیں۔ یعنی ان پر ایسی سخت ٹھنڈی ہوا بھیجی جس کے شور سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے وہ سات دن اور آٹھ راتیں تک چلتی رہی۔ اس نے ان کے مکانوں کو بنیادوں سے اکھیڑ کر پھینک دیا وہ خود اس کی شدت کی تاب نہ لا کر یوں زمین پر دھڑام سے گرتے جیسے جھکڑ سے کھجور کا بوسیدہ تنا اکھڑ جاتا ہے۔ جس کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ بھی مختلف مقامات پر آئے گا

۲۱ ہدایت کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا کسی کو منزل کی راہ دکھانا۔ یہاں فھدینٰھم میں دوسرا معنی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کرام نے انہیں بتایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے اس پر چلے تو نجات پاؤ گے لیکن انہوں نے گمراہی کے اندھیروں کو پسند کیا اور ہدایت کی پیشکش کو مسترد کر دیا ان پر ایسی کڑک آئی جس نے انہیں تباہ کر دیا۔

۲۲ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ ہو کہ جھکڑ نے تمام قوم عاد کو موت کی نیند سلا دیا۔ لیکن اہل ایمان کو ذرا گزند نہ پہنچا۔ اسی طرح ثمود پر جو عذاب آیا اس کی زد سے حضرت صالح اور ان کے پیرو کار بالکل محفوظ رہے۔

۲۳ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قبروں سے نکال کر جہنم کے کنارے تک ہانک کر لے جائیں گے اور وہاں جو پہلے پہنچیں گے انہیں روک لیا جائے گا تاکہ بعد میں آنے والے بھی آجائیں پھر ایک ساتھ سب کا حساب شروع ہو۔ کیونکہ عدل و انصاف کا

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

آجائیں گے تو ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گے اس کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي

اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے ہمیں اس اللہ نے گویائی بخشی ہے

أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو۔ اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا

اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ

تقاضا یہ ہے کہ سب حاضرین کی موجودگی میں ہر شخص کے مقدر کا فیصلہ ہو تاکہ اگر کسی کو کوئی غلط گواہ پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کا نام لے اور گواہ حاضر ہو جائیں نیز نیک بندوں کے اعمال حسنہ سے بعد میں آنے والی نسلوں کو جو فائدہ اور فیض پہنچا اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکے اور بدکاروں کی بداعمالیوں کے باعث معاشرہ کو جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا انہیں سراہیے وقت ان کا بھی لحاظ رکھا جا سکے۔ یوزعون: الوزع کف النفس عن ھواھا ویقال وزعت الجیش اذا حبست اولھم علی آخرھم وفی التنزیل فھم یوزعون ای یحبس اولھم علی آخرھم (لسان العرب)۔

نفس کا اپنی خواہش سے رک جانا۔ اس کو عربی میں الوزع کہتے ہیں جب لشکر کے ہراول دستے کو چند قدم سے روک دیا جائے تاکہ لشکر کا آخری حصہ بھی جمع ہو جائے نیز وزع کا معنی تقسیم کر دینا۔ الگ الگ گروہوں میں بانٹ دینا بھی ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۴ گویا ہر چیز ٹیپ ریکارڈر کا کام دے رہی ہے اور ہمارے اعمال و افعال کا ناقابل تردید ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ قیامت کے روز اگر کوئی شخص کراماً کاتبین کی گواہی ماننے سے انکار کرے گا تو ان اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی کو یارائے انکار نہ ہو گا۔

۳۵ وہ بڑے پشیمان ہوں گے اور اپنی کھالوں کو کوسنے لگیں گے۔

۳۶ وہ جواب دیں گے ہمارا کیا قصور ہے ہمیں ناحق مطعون کر رہے ہو۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا بولو تو ہم بولنے لگے۔ ہماری کیا مجال کہ حکم عدولی کر سکیں اور صرف ہم ہی نہیں ہر چیز بول رہی اور گواہی دے رہی ہے۔

أَبۡصَٰرُكُمۡ وَلَا جُلُودُكُمۡ وَلَٰكِن ظَنَنتُمۡ أَنَّ ٱللَّهَ لَا يَعۡلَمُ

تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں ۳۴ بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے

كَثِيرًا مِّمَّا تَعۡمَلُونَ ۝٢٢ وَذَٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ ٱلَّذِي ظَنَنتُم

اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو ۳۵ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا

بِرَبِّكُمۡ أَرۡدَىٰكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم مِّنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ۝٢٣ فَإِن يَصۡبِرُواْ فَٱلنَّارُ

کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا

مَثۡوًى لَّهُمۡۖ وَإِن يَسۡتَعۡتِبُواْ فَمَا هُم مِّنَ ٱلۡمُعۡتَبِينَ ۝٢٤ وَ

ٹھکانا ہے ۳۶ اور اگر وہ (اس وقت) منانے کی التجا کریں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا ۳۷

۳۴۔ تم دوسرے لوگوں سے تو گناہ کرتے وقت پردہ بھی کر سکتے تھے ان کی نظروں سے چھپ بھی سکتے تھے لیکن اپنے آپ سے اپنے اعضاء سے تمہارے لیے پردہ کرنا کیسے ممکن تھا۔

۳۵۔ بلکہ تمہارا تو یہ خیال تھا کہ تمہارے بعض اعمال کی خبر تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہوتی اسی لیے تم نے فسق و فجور کا بازار گرم رکھا اور تمہارا یہی خیال تمہیں لے ڈوبا۔

۳۶۔ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) جیسے انہوں نے دنیوی زندگی میں دوزخیوں کے اعمال پر صبر کیا تو اب وہ آتش جہنم میں جلیں جو کام زندگی بھر وہ کرتے رہے ہیں اب اس کی سزا بھگتیں۔ (۲) یہاں اَو یَجْزَعُوا کا لفظ مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے۔ فَاِنْ یَصْبِرُوْا اَوْ یَجْزَعُوْا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چاہے وہ صبر کریں یا جزع فزع کریں اب آگ سے نجات پانے کا کوئی راستہ انہیں نہیں ملے گا۔

۳۷۔ استعتاب کا معنی ہے طلب العتبہ، العتبۃ: الرضا۔ کسی کی خوشنودی اور رضا طلب کرنا۔ عرب کہتے ہیں استعتبتہ فاعتبنی ای استرضیتہ فارضانی (الصحاح) یعنی میں نے اس سے گزارش کی کہ وہ راضی ہو جائے تو وہ راضی ہو گیا۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین قیامت کے دن جب جہنم کے کنارے پر لا کر کھڑے کر دیے جائیں گے اور وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے۔ بڑی معذرتیں پیش کریں گے زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر معافی مانگیں گے لیکن سب بے سود۔ وَمَا ھُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ یعنی یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔

قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور ہم نے مقرر کر دیے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو ۴۱؎

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ

اور ثابت ہو گیا ان پر فرمانِ عذاب ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں

۱۷ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

جنوں اور انسانوں سے وہ سب (اگلے پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے اور کہنے لگے وہ کافر

لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾

مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان ۴۲؎ شاید تم (اس طرح) غالب آجاؤ۔

۴۱؎ ان لوگوں کو شاید کبھی یہ خیال تو آتا ہو کہ وہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں انہیں اپنے برے اعمال پر شاید شرمندگی اور ندامت بھی محسوس ہوتی ہو لیکن ان کے مصاحب جن کا کام ہی خوشامد کرنا اور ناخوب کو خوب ظاہر کرنا ہوتا ہے وہ ان کو بداعمالیوں سے باز نہیں آنے دیتے۔ ان کے برے کاموں کو بھی ایسے دلکش پیرایہ میں پیش کرتے ہیں کہ ان پر نیکیوں کا گمان ہونے لگتا ہے ظالم اور جابر حکمران اپنے سیاسی مخالفین کا قتلِ عام کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے مصاحب انہیں باور کراتے رہتے ہیں کہ سرکارِ عالی! جو اقدام آپ نے کیا ہے اسی میں ملک اور ملت کی بقا کا راز مضمر ہے۔ یہ تعزیری قوانین جو آپ نے نافذ کیے ہیں ناگزیر ہیں۔ جب تک یہ قانون نافذ نہ ہو گا حکومت چل ہی نہیں سکتی اور جب ان مظالم اور جابرانہ قوانین کے خلاف ملک کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے تو احتجاج کرنے والوں پر دشمن کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوشامدی ٹولہ اپنے ممدوح کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔ ہر شخص کو اس قسم کے خوشامدیوں اور بدقماش دوستوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے۔ خصوصاً اربابِ اقتدار کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی گمراہ کن باتوں میں آکر اپنے آپ کو اور اپنی قوم و ملک کو تباہ و برباد نہ کر دیں۔

۴۲؎ کفار قرآن کی ہیبت سے خوفزدہ ہیں۔ اس کی دل میں گھر کر جانے والی تاثیر سے لرزہ براندام ہیں۔ اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر انہیں سوجھی ہے کہ جس وقت قرآن پڑھا جائے تو اس وقت شور مچانا شروع کر دیا جائے نہ خود قرآن کو سنیں اور نہ کسی دوسرے کو سننے دیں۔

فقط اسی تدبیر سے اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھا جا سکتا ہے۔

فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب (کا مزہ) اور انہیں بدلہ دیں گے

أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ

بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے ۴۳ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی

النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا

یعنی آگ۔ ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا

يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ

انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں دکھا دو دونوں (گروہ)

أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا

جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں

مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا

پست ترین لوگوں سے ۴۴ بیشک وہ (سعادتمند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر ثابت قدم رہے

۴۳ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جرم کی جو سزا مقرر ہے بڑی سخت ہے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے پہلے وہ اپنی قوت برداشت کا جائزہ لے لیں کیا ان میں اس عذاب الیم کو برداشت کرنے کی ہمت ہے۔

۴۴ جب انہیں دوزخ کے ابدی عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ اس وقت انہیں وہ لیڈر اور قائد یاد آئیں گے جن کے ورغلانے سے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ستایا کرتے تھے اور قرآن پر طرح طرح کے لغو اعتراضات کیا کرتے تھے انہیں رہ رہ کر ان لیڈروں پر غصہ آنے لگا اور دانت پیسیں گے اور کہیں گے:

"اے رب! ایک دفعہ ہمیں وہ شیطان دکھا دے جو جنوں اور انسانوں میں سے ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہ آج ہمارے ہتھے چڑھ جائیں تو ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رگید کر رکھ دیں اور ان کا حلیہ بگاڑ ڈالیں تاکہ اہل جہنم کی نظروں میں بھی ان کی ذلت اور پستی آشکارا ہو جائے"۔ ۴۵ اہل زیغ و باطل کی دنیوی زندگی اس میں ان کی طفلانہ حرکتیں اور آخرت میں جب

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا

اُترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو

عذابِ الیم میں انہیں مبتلا کیا جائے گا اور وہ کس طرح ایک دوسرے سے الجھیں گے۔ ان تمام کے اثر آفرین تذکرہ کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے بندوں کا ذکر ہو رہا ہے اور دنیا و آخرت میں جو نعمتیں اور سرفرازیاں ان کو بخشی جانے والی ہیں ان کا دلنشین بیان کیا جا رہا ہے تاکہ دل خود بخود ان کے نقشِ پا کو خضرِ راہ بنانے کے لیے مجبور ہو جائیں۔

الغرض ان آیات میں دو حقیقتیں آشکارا کی گئی ہیں۔ شانِ بندگی کیا ہے؟ اور شانِ بندہ نوازی کس کو کہتے ہیں۔ شانِ بندگی تو یہ ہے کہ انسان زبان سے اقرار کرے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور پھر آخر دم تک اپنے عمل سے، اپنے قول و فعل سے، اپنے احساسات اور جذبات سے اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اس کی تصدیق کرتا رہے۔ زبان سے یہ کہہ دینا کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے آسان ہے لیکن عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہنا بڑی ہمت و مردانگی کا کام ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر کہا قد قال الناس ثم کفر اکثرھم فمن مات علیہا فھو ممن استقام (ترمذی) یعنی لوگ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ ربنا اللہ، لیکن پھر اکثر اس کا انکار کر دیتے ہیں جو آدمی آخر دم تک اس بات پر ثابت قدم رہا اس کا شمار اس زمرہ میں ہوگا۔

علامہ آلوسی نے خلفاء راشدین سے اس آیت کی تفسیل نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی پھر پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تم یذنبوا کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ صادر نہ ہو۔ قال قد حملتم الامر علی اشدّہ: فرمایا تم نے تو یہ کام بڑا مشکل بنا دیا ہے۔ عرض کی گئی آپ ہی فرمائیے قال لم یرجعوا الی عبادۃ الاوثان، یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے کے بعد اس پر استقامت کا یہ مطلب ہے کہ پھر بتوں کی پوجا نہ شروع کر دیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استقاموا کی تفسیر یوں کی،

استقاموا للہ تعالیٰ بطاعتہ ولم یروغوا روغان الثعلب۔ یعنی وہ ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور لومڑی کی طرح حیلہ سازیاں کر کے راہِ فرار اختیار نہیں کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اخلصوا العمل، جو عمل کرتے ہیں اخلاص سے کرتے ہیں۔ ریا اور نمائش کا اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ نے فرمایا فرائض کی ادائیگی استقامت ہے۔

عارف باللہ مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں کہ استقامت ایک مختصر لفظ ہے۔ اس سے مراد شریعت کے تمام احکام کی بجا آوری اور جن امور سے روکا گیا ہے ان سے اجتناب اور آخر دم تک اس طریقہ کار پر ثابت قدمی۔

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی نے عرض کی یا رسول اللہ! قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنہ احدا بعدک۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ حضور کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔

بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي

جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا — ہم تمہارے دوست ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر عمر بھر اس پر ثابت قدم رہو۔

اس شانِ بندگی کے ذکر کے بعد اب شانِ بندہ نوازی کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو طرح طرح سے تسلی دیتے ہیں کہ قبر و حشر سے بھی خوفزدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں اور اپنی اولاد اور عزیز و اقارب جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے ان کے بارے میں بھی تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہے۔ اور سنو ہم تمہیں یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ جنت کے دروازے تمہارے لیے کھول دیے گئے ہیں اور وہاں کی نعمتیں، بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فرشتوں کا نزول کس وقت ہوتا ہے اور کیا وہ فرشتوں کی باتوں کو اپنے ان ظاہری کانوں سے سنتے ہیں۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ فرشتوں کا نزول موت کے وقت ہوتا ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا یہ قول ہے کہ یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہتا ہے۔ جب بھی بندۂ مومن اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے راہِ عمل پر گامزن ہوتا ہے تو قدم قدم پر تیز کانٹے اس کے پاؤں کی تواضع کرتے ہیں، ہر موڑ پر خطرناک اس کی منتظر ہوتی ہیں۔ اور سنگِ دراکام کے بادل ہر طرف سے گھیر کر آجاتے ہیں۔ اس وقت ملائکہ اس کی دلجوئی کے لیے نازل ہوتے ہیں۔ بعض مقبول بندے فرشتوں کی یہ باتیں اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور جو ان کی باتیں نہیں سن سکتے ان کے دلوں میں طمانیت و تسکین کی ایک ایسی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے کہ ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ باطل کے مقابلہ میں ان کی قوتِ مدافعت تند و تیز ہو جاتی ہے اور نئے ولولوں سے سرشار ہو کر وہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ نیز نزع کے وقت، لحد میں اور روزِ حشر ان تمام مقامات پر انہیں ملائکہ کی رفاقت حاصل ہوگی۔ چنانچہ علامہ آلوسی رقمطراز ہیں:

تتنزل عليهم تمدهم فيما يعن ويطرح لهم من الامور الدينية والدنيوية بما يشرح صدورهم ويدفع عنهم الخوف والحزن بطريق الالهام كما ان الكفرة يغويهم ما قيض لهم من قرناء السوء۔

یعنی فرشتے ان پر اترتے ہیں اور دینی اور دنیوی مشکلات جو انہیں پیش آتی ہیں ان میں ان کی یوں امداد کرتے ہیں کہ ان کے سینے منشرح ہو جاتے ہیں اور بذریعہ الہام ان کے خوف و حزن کو دور کر دیتے ہیں۔ جس طرح کافروں کو ان کے برے ساتھی برے کاموں پر اکساتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ کلام کے اطلاق اور عموم کے پیش نظر یہی قول اظہر ہے اور ہم تمہیں پہلے بتا چکے ہیں کہ بہت لوگوں کا یہ قول ہے کہ فرشتے اکثر اوقات متقیوں پر نازل ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَ

اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے ۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے اور

مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ

یعنی نیک کاموں کی ادائیگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں، بذریعہ الہام حق بات تمہارے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور ان امور کی طرف تمہاری راہنمائی کرتے ہیں جن میں تمہارا بھلا اور کامیابی ہے اور آخرت میں ہم دوستی کا حق یوں ادا کریں گے کہ شفاعت سے تمہاری امداد کریں گے اور جب قبر سے اٹھو گے تو تمہارا شاندار استقبال کریں گے (روح معانی)

تم جو چاہو گے اور جو مانگو گے وہ دیا جائے گا۔

یہ عنایات خسروانہ یہ انعامات بے پایاں تمہارے اعمال کا معاوضہ نہیں ہوگا بلکہ رب غفور رحیم کی طرف سے میزبانی ہوگی۔ بندہ مہمان اور خداوند عز شانہ میزبان۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ کیسا اعزاز ہے اور کتنا کرم ہے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم بجاہ عبدک المکرم وقائدنا المحتشم ومرشدنا المعظم۔ اللّٰھم صل علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

بیشک ایمان لانا اور اس پر ثابت قدم رہنا بہت بڑی بات ہے لیکن اس سے اونچا ایک اور مقام ہے جس پر فائز ہونے کے لیے کوشاں رہنا ہر بندہ مومن پر لازم ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کو بھی خداوند قدوس کی وحدانیت و کبریائی پر ایمان لانے کی دعوت دے۔ اس کے سچے رسول کی فرمانبرداری، اس کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو بجا لانے کی ترغیب دے۔ صرف اسی بات پر مطمئن نہ ہو جائے کہ اس نے اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس کو بجھا لیا۔ بلکہ ان تشنہ لبوں کا درد بھی اس کو بیقرار کردے جو ریگ زار حیات میں ایک قطرۂ آب کے لیے ترس رہے ہیں۔ اس کے دل میں یہ شدید جذبہ ہو کہ جس طرح اس نے اپنی تاریک زندگی میں ایمان کی شمع روشن کرلی ہے۔ گمراہی کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے والا کوئی شخص بھی اس نور یقین سے محروم نہ رہے۔ خود سوچیے اس مقام کو مقام رفیع کیوں نہ کہا جائے۔ کیا اس سے بھی زیادہ خیر خواہی اور بھلائی کا کوئی جذبہ ہے۔

آیت کا عموم اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کو کسی کے ساتھ مختص نہ کیا جائے بلکہ جو ایسا کرے اس کے لیے یہ مژدۂ جانفزا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغ و ارشاد میں حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جو مقام ہے اس سے کسی کو

إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ

میں تو اپنے رب کے فرمانبرداروں سے ہوں ۵۲ نہیں یکساں ہو سکتی نیکی اور برائی ۵۳

کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ حضرت حسن بصری اگرچہ اس آیت کو عام کہتے تھے اس کے باوجود جب کبھی یہ آیت تلاوت کرتے اور اسکی تشریح کرنے لگتے تو ان پر وجد کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور یوں گوہر افشانی فرماتے۔ وکان الحسن اذا قرأ هذه الآية يقول هذا رسول الله۔ هذا حبيب الله هذا ولي الله۔ هذا صفوة الله۔ هذا خيرة الله هذا والله احب اهل الارض الى الله (قرطبی)، کہ اس اونچی شان کے مالک رسول اللہ ہیں، حبیب اللہ ہیں۔ ولی اللہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ تمام اہل زمین سے خدا تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

۵۱ لوگوں کو دعوت دے کر خود غافل نہیں ہو جاتا جس طرح عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پوری تندہی سے کرتا ہے۔

۵۲ زبان سے یہ کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں، کون سے کمال کی بات ہے کہ اتنے اہتمام سے یہاں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم سب اپنی مسلمانی کے دعوے کرتے ہیں لیکن اس سے حق کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ باطل کو کیا زک پہنچتی ہے۔ آج کل یہ شیوہ بن گیا ہے لیکن آپ ذرا تصور کریں اس ماحول کا جس ماحول میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت جو شخص اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا تھا وہ گویا لوگوں کو دعوت عام دیتا تھا کہ آؤ مجھ پر پتھر برساؤ، میری مشکیں کس کر مجھے تپتی ہوئی ریت پر لٹاؤ۔ بھاری بھرکم پتھر میری چھاتی پر رکھ دو یا انگارے دہکاؤ اور مجھے ان دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دو۔ میری دلجوئی کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ تم سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ ایسے ماحول میں یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں۔ رب العالمین کا بندہ اور رحمۃ للعالمین کا غلام ہونے کا اعلان کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج بھی اس اعلان کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کا پورا احساس کرتے ہوئے یہ کہنا انني من المسلمين بڑے ہی دل گردے کا کام ہے۔ اسی لیے تو علامہ مرحوم نے فرمایا تھا:

چو گویم من مسلمانم بلرزم … کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

اور اپنے انداز میں جگر مراد آبادی کا یہ شعر بھی خوب ہے:

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے … اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

۵۳ بیان حقیقت کے طور پر پہلے بتا دیا کہ نیکی اور برائی یکساں نہیں۔ نیکی ہر حال میں نیکی ہے خواہ معاشرہ میں اس کی پذیرائی نہ ہو اور برائی اپنی انتہائی مقبولیت کے باوجود برائی ہے۔ خواہ اس کو اپنانے والی بڑی بڑی ہستیاں ہوں۔ برائی کا خوگر برائی کا ارتکاب کیوں نہ کرتا ہو لیکن اس کے دل میں یہ خلش ہمیشہ رہتی ہے کہ وہ برائی کر رہا ہے اور اس طرح اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ

برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے ۵۴ پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت

کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝۳۴ وَمَا یُلَقّٰىہَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ

تھی یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے ۵۵ اور نہیں توفیق دی جاتی اس خصائل حمیدہ کی مگر انہیں جو صبر کرتے ہیں ۵۶

۵۴ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے تمام داعیانِ حق کو یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ جس جنگ میں تم شریک ہو اس کو جیتنے کا گُر یہ ہے کہ لوگ تم سے برائی کریں اور تم اس کا مداوا صرف نیکی سے نہیں بلکہ بہترین نیکی سے دو۔ لوگ تم پر پتھر برسائیں۔ پتھر کھا کر پتھر نہ مارنا نیکی ہے لیکن ان پر پھول برسانا تمہارا شیوہ ہونا چاہیے۔ اگر تمہیں گالیاں دیں، تم پر جھوٹے بہتان تراشیں، تمہارے خلاف غلط الزامات لگائیں اور پھیلائیں اور تم چپ رہو یہ بھی قابل تعریف بات ہے۔ لیکن انتہائی ترتیب ہے کہ تم رات کو اٹھ کر سجدہ میں سر نیاز رکھ کر ان کی ہدایت پذیری کے لیے دعائیں مانگو۔

۵۵ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خیر و شر کے اس معرکہ میں خیر کو فتح نصیب ہوگی اور شر کو ہزیمت۔ خواہ خیر کے پاس اسلحہ اور سامان کی قلت ہو، خیر کے علمبرداروں کی تعداد بھی تھوڑی ہو اور شر کے لشکر جرار سے زمین کانپ رہی ہو، پھر بھی خیر کو کامیابی اور شر کو ناکامی نصیب ہوگی بلکہ وہی لوگ جو شر کو پھیلانے اور اس کو غالب کرنے کے لیے جان کی بازی لگانے پھرتے تھے وہ اس سے سارے ناطے توڑ کر شمع حق پر پروانہ وار نثار ہونے لگیں گے۔ جو پہلے تمہارے اسلام لانے کی وجہ سے تمہاری جان کے دشمن اور تمہارے خون کے پیاسے بن گئے تھے اب وہ سو جان سے تم پر تصدق اور نثار ہونے لگیں گے اگر یقین نہ آئے تو خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرو۔

یہ تو مسلمان کی قومی اور دینی زندگی کا حال ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی صحیح اور پائیدار کامیابی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کسی شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کچھ نازیبا جملے کہے۔ مکتب رسالت کے اس تربیت یافتہ نے جواب دیا کہ:

ان کنت صادقا فغفر اللہ لی۔ وان کنت کاذبا فغفر اللہ لک۔ (قرطبی) اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کے خادم قنبر کو کسی نے گالی دی۔ آپ سن رہے تھے۔ قنبر کو بلند آواز کر کے فرمایا: یا قنبر دع شاتمک واله عنه ترضی الرحمٰن وتسخط الشیطان وتعاقب شاتمک فما عوقب احمق بمثل السکوت عنه (قرطبی)

اے قنبر! اپنے گالی نکالنے والے کو چھوڑ دو۔ اور اس کو بھلا دو اس طرح تو رحمان کو راضی کرے گا اور شیطان کو غضبناک کرے گا اور اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا، کیونکہ بیوقوف کی یہی سزا ہے کہ اس سے الجھنے کی بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔

۵۶ اس مقام رفیع پر پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں جب تک صبر کا دامن مضبوطی سے نہ پکڑ لیا جائے اس وقت

مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ

اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے نصیب والے کو اور وہ بڑے سننے والے، اگر شیطان کی طرف سے تیرے

الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اس کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ ۳۶ بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی سورج بھی ہے اور چاند بھی ۳۷ مت سجدہ کرو

تک یہاں قدم رکھنا کسی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب اور بلند اقبال ہے جس کو اس مقام تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ ابن منظور یُلَقّٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال الازھری: والتلقی ھو الاستقبال ومنہ قولہ تعالٰی وما یلقاھا الا الذین صبروا الخ وقیل فی قولہ ما یلقاھا ای ما یعلمھا ویوفق لھا الا الصابر (لسان)

ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۶ اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک بڑی پیاری بات کہہ دی۔ جتنا تم اپنے حسن عمل سے خوبصورت روایات قائم کرنے کی کوشش کرو گے شیطان بھی تمہیں پچھاڑنے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دے گا۔ وہ بھلا یہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ تمہاری ذات میں نیکی، حسن خلق، پاکبازی کا ایک ایسا حسین پیکر دنیا کے سامنے پیش ہو جسے دیکھ کر دل بے ساختہ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں وہ ضرور ڈنک مارے گا اور پوری جدوجہد کرے گا کہ تجھ سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ تیری سیرت کی دلکشی اور جاذبیت کو ختم کر دے۔ اس لیے اپنے دشمن کے اس وار سے تجھے بھی ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے۔ الیا نہ ہو کہ تو بھی الجھ جائے۔ جب بھی شیطان کوئی ایسی بات تیرے دل میں ڈالے تجھے چاہیے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کے لیے التجا کر تاکہ وہ شیطان کے شر سے تجھے محفوظ رکھے۔ تو اس عیار کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تجھے اللہ تعالیٰ کی امداد اور توفیق کی ضرورت ہے اس لیے اپنی بے بسی اور ناتوانی کا اعتراف کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے درخواست کر کہ وہ تجھے شیطان کی اس سازش سے بچا لے۔ وہ تیری درخواست سنے گا اسے قبول فرمائے گا۔ وہ تیرے حال دل سے خوب آگاہ ہے۔

نَزَغَ یَنْزَغُ نَزْغًا کا معنی دل میں وسوسہ ڈالنا۔ وہ وسوسہ جس کی وجہ سے انسان گناہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اسے نَزْغُ الشیطٰن کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: نزغ الشیطٰن وساوسہ ونخسہ فی القلب بما یسوّل للانسان من المعاصی (لسان)

۳۷ اب پھر شرک کے ابطال اور توحید کی حقانیت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ سورج اور چاند اکثر مشرک قوموں

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ

سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے ۵۸ اگر تم

كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ

واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں (تو ان کی قسمت) پس وہ (فرشتے) جو آپ کے

رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز ۵۹ اور وہ نہیں تھکتے ۶۰

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ (کسی وقت) خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ

ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو جھومنے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے ۶۱ بیشک وہ (قادر مطلق) جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ

کے مسجود و معبود رہے ہیں، بتایا جا رہا ہے کہ یہ خود کچھ نہیں۔ یہ تو اس خالق کائنات کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ جو کام اس نے ان کے سپرد کیا ہے اس کو انجام دینے میں مصروف ہیں۔ رات کو چاند طلوع ہوتا ہے اور سورج کا کہیں پتہ نہیں چلتا، صبح ہوتی ہے تو سورج نور افشانیاں کرتا نمودار ہوتا ہے اور چاند کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ اگر یہ معبود ہوتے تو ہر وقت ہر جگہ موجود رہتے۔ مزید غور فرمایئے۔ دونوں روشن ہیں لیکن ہر ایک کی روشنی کی مقدار الگ الگ اور تاثیر جدا جدا ہے، رفتار کسی کی تیز کسی کی سست۔ ان گوناگوں اختلافات میں بھی ہزاروں حکمتیں ہیں جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۵۸ ان کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ہستی کو سجدہ کرو جو ان کی خالق ہے۔

۵۹ اگر کفار اس کھلی صداقت کو تسلیم نہ کریں اور غرور و تکبر سے باز نہ آئیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اپنی عاقبت کو ہی تباہ کر رہے ہیں۔ ان گنت نوری فرشتے اپنی پاک زبانوں سے اس کی حمد و ثنا میں محو ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں بلکہ اسی ذکر و تسبیح پر ہی ان کی زندگی کا انحصار ہے۔

۶۰ یہاں سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے احناف کے نزدیک۔ امام مالک اور دیگر ائمہ آیاہ تعبدون پر سجدۂ تلاوت لازم کرتے ہیں۔

۶۱ اپنی قدرت کی ایک اور روشن نشانی کا ذکر فرمایا جس کا مشاہدہ وہ آئے روز کیا کرتے تھے۔ اھتزت: خوشی سے

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا

کر دے گا مردوں کو۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں ۴۳

لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا

وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن و سلامتی کے ساتھ

یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

قیامت کے دن (اے دشمنانِ حق) کرو جو تمہاری مرضی یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝

بیشک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا ۴۴ تو وہ بہت ہی مجرم ہیں اور بیشک یہ بڑی عزت والی کتاب ہے۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ

اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے ۴۵ یہ اُتری ہوئی ہے

حرکت کرنا۔ جھومنا۔ زبت نکلنا۔ پھولنا۔ بڑھنا۔

۴۳ علامہ ابن منظور الحاد کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْمُلْحِدُ الْعَادِلُ عَنِ الْحَقِّ الْمُدْخِلُ فِیْهِ مَا لَیْسَ فِیْهِ : یعنی ملحد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے اس کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے : یُلْحِدُوْنَ اَیْ یَعْتَرِضُوْنَ۔ یعنی وہ اعتراض کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو خود حق سے روگردانی کیے ہوئے ہیں لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حق میں ایسی چیزوں کی ملاوٹ کرتے رہتے ہیں جن کے باعث لوگ حق سے ہی نفرت کرنے لگتے ہیں یا جو لوگ آیات الٰہی پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ وہ کتنے مکار اور عیار کیوں نہ ہوں ان کی فاسد نیت کتنی چھپی ہوئی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ قیامت کے دن انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا وہ خود سوچیں اور فیصلہ کریں کہ ان کی یہ حالت اچھی ہوگی یا اس شخص کی حالت بہتر ہوگی جسے قیامت کے دن کسی مواخذہ کا اندیشہ نہ ہوگا ہر خطرہ سے محفوظ ہوگا امن و عافیت سے وہاں اپنے جنتی اہل و عیال کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوگا۔

۴۴ موصول اور صلہ مل کر مبتدا اور هالكون یا معاندون اس کی خبر محذوف مقدر ہے۔

۴۵ یہ ایسی کتاب ہے کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ اس میں کمی بیشی کر سکے یا اس میں بیان کی ہوئی کسی سچائی کی تکذیب

مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ

بڑے حکمت والے (اور) سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ

مِنْ قَبْلِكَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ

سے پہلے ۶۷ بیشک آپ کا پروردگار اہل ایمان کے لیے بہت بخشنے والا اور منکرین کیلئے دردناک عذاب دینے والا ہے۔ اور

جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۗ ءَاَعْجَمِيٌّ

بالفرض اگر ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں ۶۸ کیا عجیب ہے کتاب عجمی

وَّعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۗ وَالَّذِيْنَ

اور نبی عربی ۶۹ آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفاء ہے ۷۰ اور جو

کرینگے۔ یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کے تمام اطراف محفوظ ہیں کسی جہت سے اس کے اندر کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ کفار مکہ نے اس میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی اور بہر طور شکست کھائی۔ رافضیوں نے اس کی آیتوں میں ردوبدل کرنے کی ناپاک سعی کی لیکن ہمیشہ ناکام رہے۔

۶۷ ۔ کفار جو اعتراض آج آپ پر کرتے ہیں بعینہٖ اسی قسم کے اعتراضات آپ سے پہلے جو رسول تشریف لے آئے ان کی امت کے نابکار لوگ ان پر بھی کیے۔ یہ لوگ پہلے معترضین کا انجام دیکھ لیں۔ اگر یہ باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو ان کے پیشروؤں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔

۶۸ ۔ ان کفار کا بھی عجیب حال ہے۔ قرآن کریم فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کی آیات بالکل واضح اور ان کا مفہوم بالکل آشکارا ہے، لیکن یہ انہیں قبول نہیں کرتے۔ اور اگر یہ قرآن کسی عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو یہ کہتے کہ دیکھو کتاب لانے والا رسول تو عربی اور جس زبان میں یہ کتاب اس پر نازل ہوئی وہ عجمی ہے۔ ہمیں کیا خبر کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ مقصد انہیں تو فقط اعتراض کرنے سے کام ہے۔ عربی میں ہے تب بھی اعتراض کرتے ہیں، کسی عجمی زبان میں نازل ہوتی تب بھی اعتراض کرتے۔ خوئے بدرا بہانہ ہا بسیار والی بات ہے۔

۶۹ ۔ تقدیر کلام یوں ہے: ای کتابٌ اعجمیٌّ و رسولٌ عربیٌّ ۔ یعنی کتاب عجمی ہے اور رسول عربی۔

۷۰ ۔ اے محبوب! آپ فرمائیے۔ قرآن کریم اہل ایمان کے لیے تو سراپا ہدایت اور پیغام شفا ہے۔ وہ تو اس کی تعلیمات کو دل سے قبول کرتے ہیں اور اس کے احکام کو صدق دل سے بجا لاتے ہیں اور اس کی نواہی سے دور رہتے ہیں۔ البتہ جن کے

لَا يُؤْمِنُونَ فِيٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر ہر حال میں مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا ہے [1] اور اگر ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

کر دیا جاتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے

فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

تو وہ اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ

اسی اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم [2] اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور

دلوں میں کفر کے اندھیرے تیرہ تر ہیں انہیں اعتراضات سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اس پیغام حق کو سننے سے ان کے کان بہرے ہیں اور وہ ہر وقت شک و شبہ میں ہی گرفتار رہتے ہیں۔

عمی کا معنی دل کا اندھا ہونا ہے۔ یہاں اس سے مراد شبہ میں مبتلا ہونا۔ ای ظلمۃ و شبھۃ۔

[1] موسیٰ علیہ السلام جو بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے ان پر تورات نازل ہوئی تو اس میں بھی اہل زیغ نے کئی اختلافات کا دروازہ کھول دیا۔ وہ شک جو انسان کو قلق و اضطراب سے دوچار کر دے اور سکون قلب کی دولت اس سے چھین لے اس کو شک مریب کہتے ہیں۔

[2] یہاں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے۔

مَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِي

نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اسکے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟

قَالُوٓا آذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَدْعُونَ

کہیں گے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی (اس بات) کا گواہ نہیں ہے ۷۷ اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت

مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ

کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے

الْخَيْرِ ۖ وَإِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوسٌ قَنُوطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا

سے ۷۸ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس (اور) ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی

مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي ۙ وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً

سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں ۷۹ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی

۷۷ قیامت کے روز ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ من گھڑت خدا جن کو تم میرا شریک بنائے ہوئے تھے، وہ کہاں ہیں تو وہ مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم ان کی خدائی پر گواہی دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ یا اس آیت کے اس حصہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آج یہاں نظر نہیں آ رہے۔ ہم میں سے کوئی بھی ان کو آج یہاں نہیں دیکھ رہا۔

۷۸ جب یہ دعائیں مانگنے لگتا ہے تو تھکتا ہی نہیں۔ یہ خیرات و برکات کا یہ مطالبہ کرتا ہے ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی اور اگر ذرا تکلیف پہنچے تو پھر بالکل مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اسے یوں لگتا ہے کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔

۷۹ اور اگر ہم اس کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو بجائے احسان فراموشی عجیب و غریب باتیں بناتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اپنی قابلیت، ذہانت اور تجربے کے لحاظ سے اس کا ہی مستحق تھا کہ یہ نعمت مجھ پر کی جاتی اور اس منصب پر مجھے فائز کیا جاتا۔ یہ خشک مزاج ملا مجھے قیامت کی ہر وقت دھمکی دیتے ہیں اور میرے عیش و عشرت میں بے جگہ خلل ڈالنا چاہتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت آئے گی ہی نہیں یہ یوں ہی ہمیں خواہ مخواہ ڈراتے رہتے ہیں۔ اور اگر بالفرض آ بھی گئی تو ہم لوگوں کو جو

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ

اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لیے اسکے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ سو یقیناً ہم آگاہ کریں گے

كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا

کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کیے۔ اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان کرتے

عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ

ہیں انسان پر تو وہ روگردانی کرتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتے ہوئے دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں

عَرِيْضٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ

کرنے لگ جاتا ہے۔ آپ فرمائیے (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اسکا انکار کرو تو کون

اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ

زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپکا رب

یہاں وزارت و صدارت کے منصب پر فائز ہیں قیامت کے روز بھی وہیں ہی انہیں توپوں کی سلامی دی جائے گی اور ان خشک زاہدوں کو تو وہاں بھی کوئی نہیں پوچھے گا۔

۵۳ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم برسوں سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دے رہے تھے۔ اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے ناقابل تردید عقلی اور تکوینی دلائل پیش فرما رہے تھے۔ لیکن کفار نے اپنے ارد گرد تعصب اور ضد کی ایسی دیوار کھڑی کی تھی جسے وہ کسی نہ کسی طرح قائم رکھتے ہوئے تھے۔ اسلام کے خلاف ان کے جذبات بڑے شدید اور ان کے ارادے نہایت بھیانک تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب چاہیں گے پھونک مار کر یہ چراغ بجھا دیں گے۔ یہ مٹھی بھر مسلمان جن میں اکثریت غلاموں، ناداروں اور نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کی ہے ان کی یہ مجال کہاں کہ ہمارے بتوں کی خدائی کا تختہ الٹ سکیں۔ ہم جب چاہیں گے ان کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیں گے۔ ایک ظاہر بین ان نازک حالات میں اسلام کے روشن مستقبل کے بارے میں کیا

بھی نہیں سکتا تھا ان حالات میں ہر چیز کو جاننے والے اور ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس میں ایک پیشگوئی فرمائی جس کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہو کر رہے گا لیکن واقعات وحالات بتا رہے تھے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا بظاہر قطعاً کوئی امکان نہیں۔

فرمایا ہم انہیں آفاق عالم میں اور خود ان کی اپنی ذات میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کے بعد جس حق کا وہ آج انکار کر رہے ہیں ، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہی حق اور سچ ہے اور سالہا سال تک عناد وحسد کی روش پر قائم رہنے کے بعد انقیاد وتسلیم کے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہ جائے گا تعصب کی پٹی اتر جائے گی۔ آنکھیں آفتاب اسلام کی نور افشانیوں سے مستنیر ہونے لگیں گی۔ دلوں پر لگے ہوئے قفل ٹوٹ جائیں گے اور ان کے تاریک سینے نور توحید سے جگمگا اٹھیں گے۔ وہ دن آنے والا ہے اور اس دن کے آنے میں اب کوئی زیادہ دیر بھی نہیں۔ جب ان کے ہاتھ میں ہتھوڑے ہوں گے اور وہ ان باطل معبودوں کو ریزہ ریزہ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے ہوں گے۔ ان بتوں کو وہ اپنے ہاتھ سے توڑیں گے جو صدیوں سے ان کے آباء واجداد کے معبود اور ان کی عقیدت کا مرکز بنے رہے ہیں۔

وہ آیات بینات کون سی ہیں اس میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں :

وہ فتوحات جو ان بے سروسامانوں اور اپنے گھروں سے نکالے ہوئے لوگوں کو اندرون ملک اور بیرون ملک حاصل ہوئیں۔ مکہ کے متکبر اور مغرور سردار بدر کے میدان میں جب شکست سے دوچار ہوئے۔ کیا اس کا ان کے دلوں میں کبھی خیال تک بھی آیا تھا۔ وہ تو مسلمانوں کا شکار کھیلنے کے لیے بدر تک چلے آئے تھے انہیں تو یہ شوق یہاں کھینچ لایا تھا کہ وہ ایک ایک مسلمان کو پکڑیں گے اس کو گھائل کریں گے اور رقص بسمل کا تماشا دیکھیں گے لیکن قدرت نے جو کرشمہ دکھایا اس نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور وہ اسلام کے متعلق ایک بار پھر سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ بھلا کوئی یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ یہ چھپ چھپ کر اپنی متاع ایمان کو لے کر مکہ سے ہجرت کرنے والے زندگی میں پھر کبھی مکہ واپس آ سکیں گے لیکن ابھی چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ کا رخ کر رہا تھا اور اس لشکر کے مختلف دستوں کے پرچم تھامنے والے وہی مکہ کے قریشی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو یہاں سے نکالا تھا آج کفر وشرک میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ اس لشکر کی پیش قدمی کو روک سکے یا اس پر اپنی ناگواری کا ہی اظہار کر سکے۔ پھر یہی لوگ مشرق ومغرب میں جو عظیم سلطنتیں تھیں ان کے قلعوں پر حملہ آور ہوئے تو نہ ہی اور نہ اس کے رستم واسفندیاران کا راستہ روک سکے اور نہ قیصر اپنی ہزارہا سالہ قوت وحشمت کے ساتھ ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے میدان جنگ میں دشمن کو پے در پے شکستیں دیں اور ممالک فتح کیے بلکہ یہ لوگ جہاں گئے وہاں ابر رحمت بن کر برسے۔ انسانیت کے چہرے سے ذلت ونکبت کے غبار کو صاف کیا۔ ملوک وسلاطین کی غلامی کی زنجیروں کو پاش پاش کیا اور غیر اللہ کی خدائی سے بھی ان کے مغلوب وازدہان کو رہائی دلائی اور جہاں جہاں یہ پہنچے گلشن انسانیت میں بہار آ گئی۔ وہاں کے لوگ اپنے فاتحین کے اخلاق ، ان کے اطوار اور ان کی سیرت کی پختگی اور پاکیزگی سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عرب کے ان صحرا نشینوں کا دین قبول کیا۔ اپنی مادری زبان چھوڑ کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنے قدیم تمدن وثقافت کو الوداع

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ

ہر چیز پر گواہ ہے۔ سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب کے ملنے

رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾

کے بارے میں شک۔ یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

کی اور عرب کے تمدن اور ثقافت کو اختیار کیا۔ اسلام کے برحق ہونے کی اس سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس نے جیسی قبایلی، جاہل، اجڈ اور غیر شائستہ قوم کی چند سالوں میں کایا پلٹ کر رکھ دی۔ کہاں وہ دن کہ سارا جزیرہ جہالت و وحشت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ مدارس و مکاتب کا تو وہاں کوئی چیز نہ تھی سکہ جیسے۔ بڑی شہروں تک گنتی کے چند آدمیوں کے سوا لکھنا تک کوئی نہ جانتا تھا اور کہاں وہ صبح نور کہ ہر طرف علم کے آفتاب و ماہتاب ضیا پاشیاں کرنے لگے کہاں وہ بربریت اور سنگدلی کہ اپنی بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا کرتے تھے اور کہاں یہ احساس ہمدردی و شفقت کہ عمرو بن العاص مصر فتح کرنے کی مہم میں اس خیمہ کو اکھیڑنے سے روک دیتے ہیں جس میں ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ فتوحات بھی معجزہ سے کم دقیق اور لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ کون سی قوت ہے جو ان کے ہاتھوں میں کل بن کر کو ندر ہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت آفرین وہ سعادت، خیر و برکت کا حامل وہ انقلاب تھا جو ان فتوحات کی رہنمائی کر رہا تھا۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب انہیں مظاہر فطرت میں غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے، لیکن لوگ ان میں غور و فکر کی زحمت برداشت نہیں کرتے۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں جو جہان معنی مستور ہے اس سے یہ غافل ہیں۔ اگر صرف اپنی آنکھ کی ساخت پر غور کریں اس میں جو نزاکتیں اور لطافتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، جسم انسانی کے مختلف اعضا کس طرح بنائے گئے ہیں اور کیا کیا کام انجام دیتے ہیں۔ ان کی بناوٹ میں ان کاموں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مناسبتیں رکھی گئی ہیں ان کی وضع قطع کو دیکھتے ہی یقین آ جاتا ہے کہ یہ کسی علیم و حکیم ہستی کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے ارد گرد جو چھوٹی بڑی چیزیں ہیں ان میں غور کرو تو تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس خداوند ذوالجلال کو ماننے کی قرآن دعوت دے رہا ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ نہ پہاڑ، نہ دریا، نہ کوکب، نہ چاند، نہ سورج اور نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا انسان۔

۵۳؎ اے محبوب! ان گم کردہ راہ انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے لیے جس خلوص، جاں سوزی اور استقامت سے آپ شب و روز کوشش فرما رہے ہیں اور جس ہٹ دھرمی، عناد، کج فہمی اور ایذا رسانی کا طریقہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے یہ دونوں باتیں ہم جانتے ہیں ہم ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے دشمنوں کو ناکام کریں گے اور آپ کے سر مبارک پر کرامت و فلاح کا تابندہ تاج رکھیں گے۔

۵۴؎ آخر میں بتا دیا کہ جس کے دل میں قیامت کے بارے میں شبہ ہوتا ہے وہ سرکشی اور نافرمانی کی روش سے باز نہیں آتا کیونکہ

سامنے ہزاروں دلائل پیش کیے جائیں وہ انہیں لائق التفات ہی نہیں سمجھتا۔ وہ اس دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ جانتا ہے اس لیے اس کی ساری کوششیں ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہیں کہ وہ زندگی کے ان ماہ و سال میں زیادہ سے زیادہ لطف اُٹھا لے، زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لے اور اُونچے سے اُونچے منصب تک رسائی حاصل کر لے۔ اس کے لیے اسے اپنے شرفِ انسانی، عزتِ نفس اور اخلاقِ عالیہ کی قربانی بھی دینا پڑے تو وہ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ وہ فقط اپنی ذات کو سنوارنے اور اس کو اُونچا کرنے کے لیے پوری بستی پورے علاقہ بلکہ پوری اُمت کی قسمت کے ساتھ کھیل جاتا ہے۔ لیکن یہ سودا انہیں آخرکار مہنگا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ لوگ بھی اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں، جب وہ علیم و قدیر ان سے انتقام لے گا تو انہیں اپنی عاقبت معلوم ہو جائے گی۔

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضاہ و اصلح لی فی ذریتی۔

انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

محمد کرم شاہ

لیلۃ الجمعۃ ۹ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

۱۴ دسمبر ۱۹۷۲ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الشُّوریٰ

نام : آیت نمبر ۳۸ میں شوریٰ کا لفظ ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ اس سورت میں پانچ رکوع، ترپن آیتیں، آٹھ سو ساٹھ کلمات اور تین ہزار پانچ سو اٹھاسی حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : سورۂ مومن سے الاحقاف تک یہ سات سورتیں ہیں جن کا آغاز حٰم سے ہوا۔ ان سب کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔ مضامین کی یکسانیت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جبکہ کفار کا عناد اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اہل مکہ سراپا حیرت و تعجب بن کر رہ گئے۔ انسان جس کا دامن ہر طرح کی آلائشوں سے آلودہ ہے ان میں سے کسی کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کی اس حیرت کا ازالہ یہ کہہ کر کر دیا کہ نوع انسانی میں ظاہر ہونے والے اگر یہ پہلے نبی ہوتے تو تمہارا اظہار تعجب درست بجانب تھے۔ لیکن یہ سلسلۂ نبوت تو آدم علیہ السلام سے شروع ہے۔ ان میں سے کسی نبی کی بعثت پر تمہیں اعتراض نہیں۔ اعتراض ہے تو اس نبی برحق پر جو تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل پر پہنچانے کے لیے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کا انکار، اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار اور بے شمار معبودوں کی پوجا پاٹ کا جو گھناؤنا کاروبار تم نے شروع کر رکھا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ آسمان پھٹ جاتا، نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا، لیکن اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ تمہیں فوراً ہلاک نہیں کر دیتا، بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر کر سکو۔

یہ بھی بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتوں کی طرح سارے انسان بھی ذکر و فکر، عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے اور کوئی بھی سر مو انحراف نہ کرتا۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ انسان کو اختیار و ارادہ کی نعمت سے نوازا جائے تاکہ ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس کے لیے ہموار ہو جائے جہاں کسی اور مخلوق کی رسائی نہیں۔ جو لوگ اپنی مرضی سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی اختیار کرتے ہیں ان کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ جس طرح وہ تمہارا خالق اور مالک ہے اسی طرح اسی کو یہ زیبا ہے کہ وہ تمہارے لیے ایک ایسا نظام حیات تجویز کرے جس کو اپنا کر تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو۔ جس طرح کسی غیر کو خالق نہیں مانا جا سکتا اسی طرح اس کے بغیر اس کی مخلوق کے لیے کسی کو ضابطۂ حیات مقرر کرنے کا اختیار بھی نہیں دیا جا سکتا۔

تمام انبیاء ابتدا سے ایک ہی دین کی دعوت دیتے آئے ہیں۔ انہوں نے انسانی معاشرے میں افتراق و انتشار کی کبھی تخم ریزی نہیں کی۔ البتہ ان کے بعد آنے والے اہل غرض نے اپنی سرداری کا سکہ جمانے کے لیے باہمی تفرقہ بازی کا آغاز کیا۔ آیت ۱۵ خصوصی توجہ کی مستحق ہے جس میں دس احکام دیئے گئے ہیں

نبوت میرا کاروبار نہیں کہ اس کے ذریعہ سے میں دولت کمانا نہیں چاہتا۔ میں اپنی اس دلسوزی کا تم سے کوئی اجر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ ہاں میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ تم باہم شیر و شکر ہو جاؤ، ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو تاکہ تمہاری یہ دنیوی زندگی ہر قسم کی بے چینیوں اور تکالیف سے محفوظ ہو جائے اور تم یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت انجام دے سکو۔

رزق کی تقسیم وہ اپنے حکیمانہ انداز سے کرتا ہے۔ اگر ہر ایک کو رزق فراواں مل جائے تو لوگ سرکش اور باغی ہو جاتے ہیں۔

اہل ایمان کی متعدد خوبیاں پہلے بیان کیں۔ ان میں سے ایک یہ خوبی بھی بیان کی کہ وہ اپنے گھریلو، معاشی اور سیاسی تمام معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا یہ وہ اصول ہے جس پر اگر عمل کیا جائے تو اسلامی سوسائٹی میں آمریت، مطلق العنانی اور ڈکٹیٹر شپ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

ان کی خوبیوں میں سے اس خوبی کو بطور خاص ذکر کیا (آیت ۳۹) کہ مسلمان بے غیرت اور بے حمیت نہیں ہوتا کہ مخالف اسے جوتیاں مارتا ہے، اس پر ظلم و تشدد روا رکھے اور یہ سر جھکائے خاموشی سے اس تذلیل کو برداشت کرتا ہے بلکہ وہ انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور جب تک بدلہ نہ لے لے اسے چین نہیں آتا۔ دشمن پر قابو پالینے کے بعد اس کو معاف کر دینا ہی مومن کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جن مختلف طریقوں سے وحی پہنچاتا ہے ان کا ذکر بھی کر دیا تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ شوریٰ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۵۳ آیات اور ۵ رکوع

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ

حا، میم، عین، سین، قاف [1] اسی طرح کے مطالب بلند و نفیسہ وحی فرماتا رہا ہے آپ کی طرف [2] اور ان (رسولوں) کی طرف جو آپ سے پہلے

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

گزرے ہیں۔ اللہ جو زبردست اور بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے [3] اور وہی سب

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

سے اعلیٰ اور عظمت والا ہے۔ قریب ہے کہ (جلال الٰہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے [4] اور (اس اثنا میں) فرشتے

[1] یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تشریح بارہا گزر چکی ہے۔

[2] حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ اعلان کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے اور یہ کلام میں تمہیں سناتا ہوں یہ میرا نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اس اعلان نے کفار مکہ کو گونا گوں حیرانیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اسے ایک انہونی بات سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک آج تک ایسا نہیں ہوا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی بندے سے ہم کلام ہو۔ ان کی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کذلک سے آیت کا آغاز کیا یعنی یہ کلام جو تم سن رہے ہو سراسر حکمت و برکت ہے اور یہ کوئی انوکھا نہیں بلکہ اسی طرح ہدایت و سعادت سے لبریز کلام ہم نے پہلے بھی انبیاء پر نازل فرمایا ہے۔ تمہارا یہ خیال کہ ایسا نہیں ہو سکتا باطل ہے۔ ایسا ہونا صرف ممکن ہی نہیں بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے جب اس نے انسان کی جسمانی زندگی کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا تو اس کی حکمت انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی بقا اور نشوونما کو کیونکر پس پشت ڈال سکتی ہے۔ اسی لیے "العزیز" اور "الحکیم" کے اسمائے حسنیٰ یہاں ذکر کیے گئے۔

[3] جب ساری کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے تو اس کے بغیر اور کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ انسان کے لیے کوئی ضابطہ حیات تجویز کرے بلکہ اس کے بغیر اور کون ہے جس کے پاس اتنا علم اور قدرت ہو کہ وہ اس نہایت عجیب اور نازک اہم کام کو حسن و خوبی سے انجام دے سکے۔ جن کو اس کا ہمسر بنایا جاتا ہے یا جو بدقسمت اس کا ہمسر بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، وہ تو سب اس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں۔ ان کا علم بھی محدود ہے اور ان کی قدرت بھی ناتمام ہے۔ خود سوچو خالق و مخلوق، مالک و مملوک، عالم اور جاہل، قادر اور عاجز بھی کبھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سب سے اونچا اور اعلیٰ اور سب سے زیادہ عظمت و سطوت والا ہے۔

[4] اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت اور شان بخشی ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے رب کریم کی اطاعت سے سر مو انحراف

يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ

تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہلِ زمین کے لیے ؎ سن لو! یقیناً

اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ

اللہ ہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا اور دوست ؎

حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٦﴾ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا

اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ؎ اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعہ اتارا ہے

نہ کرتا۔ اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنی ساری کوشش صرف کر دیتا لیکن انسان نے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم سے سرتابی نہیں کی بلکہ اس کی عظمت و تقدس پر بھی حرف گیری شروع کر دی۔ کبھی اس کی صفات کمالیہ کا انکار کیا، کبھی اوصاف توحید کی نسبت اس کی طرف کرنے کی گستاخی کی۔ کبھی عاجز اور درماندہ مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرایا اور کبھی سرے سے اس کے وجود کا ہی انکار کر دیا۔ انسان کی ان پیہم گستاخیوں اور دیدہ دلیریوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ نظام کائنات بھک سے اڑ جاتا۔ آسمانوں کی سقف اور عرش و طبقات سب نیچے بیچ سے شگاف پڑ جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم ہے اس کے حوصلے کی انتہا نہیں۔ اس کے جود و کرم کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ ان سرکشوں کو پھر بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت دے رہا ہے۔

؎ اگر انسانوں کا تو یہ حال ہے لیکن فرشتے جو پاک اور نوری نہاد ہیں سے ان تمام عیوب و نقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر رہے ہیں جو انسان اپنے خالق کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ اس کی صفاتِ کمال کا ذکر کر کے اس کی حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اولادِ آدم کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے عذاب ٹلا ہوا ہے اور فسق و فجور کی گرم بازاری کے باوجود بساطِ عالم الٹ نہیں دی جاتی۔

؎ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی شانِ مغفرت اور اس کی رحمت بے پایاں کے باعث نظام عالم قائم ہے۔

؎ کفار مکہ اپنے شیخ و معبود رب کریم سے ترک کر کے اپنے باطل معبودوں کے ساتھ جوڑ لیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے کرتوتوں سے کوئی آگاہ نہیں اور نہ ان سے ان کے متعلق کوئی باز پرس ہو گی۔ اس لیے وہ بے اطمینانی سے ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرتے تھے۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان کا کوئی کام بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ حفیظ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے اور انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان کا ریکارڈ محفوظ رکھا جا رہا ہے۔ اولیاء انہیں اپنی کوتاہیوں کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ کفار نے زندگی کے لیے الگ الگ معبود مقرر کر رکھے تھے اور ہر بت کو اس کے متعلقہ شعبہ میں مختار مطلق اور کارساز سمجھتے تھے۔ اس لیے اتخذوا من دونہ اولیاء کے الفاظ استعمال ہوئے۔ "ولی" کا لفظ اگرچہ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی المتولی لامور والمالک بمعنی امور عالم کا کارساز۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس معنی میں کسی کو ولی کہنا یقیناً شرک ہے۔

؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی سے انہیں ہدایت کی طرف بلاتے ان کے سامنے اپنے دعوے کی صداقت کو معجزات

إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ

آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہلِ مکہ کو شہ اور جو اس کے آس پاس رہتے ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے

الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ

ہونے کے دن سے جس (کی آمد) میں کچھ شبہ نہیں۔ (اس دن) ایک فریق شہ جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا اور اگر

شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي

چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت شلہ لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی

اور دلائل سے ثابت کرتے، ان کے شکوک و شبہات کا بڑے موثر طریق پر قلع قمع فرماتے۔ اس کے باوجود جب وہ باطل سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے تو حضور کو از حد دکھ ہوتا اور بڑے افسردہ خاطر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب! آپ اتنے رنجیدہ خاطر کیوں ہوتے ہیں۔ آپ پر ان کی گمراہی کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پرس ہوگی۔ آپ کا فرض تبلیغ حق تھا وہ آپ نے احسن طریق پر ادا کر دیا۔ اب یہ جانیں اور ان کی قسمت۔ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا اس کی کرنوں سے سارا عالم جگمگا رہا ہے۔ لیکن یہ اب بھی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھے کفر و شرک کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ الوکیل: الکفیل۔ جو کسی کا ضامن اور ذمہ دار ہو۔

شہ اے حبیب! یہ قرآن ہم نے عربی زبان میں آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ مکہ جو تمام بستیوں کی اصل ہے، اس کے رہنے والوں کو آپ بروقت خبردار کر دیں اور اس کے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے جتنے دیہات، قصبے اور آبادیاں ہیں، ان کو آگاہ کر دیں کہ قیامت کا دن آنے والا ضرور آئے گا اس کے آنے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔

شہ اس روز انسانوں کی تقسیم عربی و عجمی، غریب و امیر، سفید فام اور سیاہ فام کی بنیاد پر نہ ہوگی بلکہ نیک و بد اعمال کی بنا پر ہوگی نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔

شلہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو بھی ارادہ کی آزادی اور اختیار نہ دیتا جس طرح دوسری مخلوقات بے چون و چرا اس کے احکام کی تعمیل کر رہی ہے، اسی طرح حضرت انسان بھی اس کے احکام کے سامنے سرافگندہ رہتا۔ لیکن رحمت الٰہی نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کی صنعت تخلیق کا یہ شاہکار عمل کی آزادی سے محروم ہو جائے اور ریل کی طرح بے ارادہ اور بے اختیار زندگی گزار کر راہیِ ملک عدم ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور عمل کی ایک گونہ آزادی عطا فرمائی تاکہ وہ راہِ حق پر گامزن ہو تو اپنی مرضی سے، اور اگر کفر و گمراہی پر کاربند ہو تو اپنی مرضی سے۔ جو لوگ ہدایت قبول کریں گے اور سیدھی راہ پر چلتے رہیں گے قدم قدم پر نصرت الٰہی ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہے گی اور جو بدنصیب دانستہ غلط راہ منتخب کریں گے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے پر وہ مصر ہوں گے تو

رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا

رحمت میں اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ کیا انہوں نے بنا لیے

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي

ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور وہ زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور وہ ہر چیز پر

ان کی منت سماجت نہیں کی جائے گی کہ پہلے بالجبر تم ایسا کرو۔

۱۱؎ جو لوگ جان بوجھ کر اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بجائے اس کی نافرمانی کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ایسے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار ـــــ کتنے احمق ہیں کہ قادر و توانا پروردگار کو چھوڑ کر بتوں کو انہوں نے اپنا کارساز بنا لیا ہے۔ بھلا بے بس اور ناتواں بتوں کو اپنا کارساز بنا کر انہیں کیا فائدہ ہوگا جو اپنی بگڑی نہیں بنا سکتے وہ ان کا کیا بھلا کریں گے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسی ہستی کو اپنا کارساز اور حامی بنائے جو ہر قسم کی قدرت کا مالک ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کی قدرت اور طاقت کا یہ عالم ہے کہ چاہے تو مردہ کو چشم زدن میں زندہ کر دے، مشکل سے مشکل کام کو آسان کر دکھائے، پیچیدہ سے پیچیدہ گرہ کو کھولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف مردہ جسموں کو ہی زندہ نہیں کرتا بلکہ مردہ دلوں کو بھی زندہ فرماتا ہے۔ قال الواسطی رحمہ اللہ یحیی القلوب بالتجلی ویمیت الانفس بالاستتار۔ واسطی فرماتے ہیں کہ جب کسی دل پر اپنی تجلی فرماتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب چھپ جاتا ہے تو نفوس اس سے مر جاتے ہیں۔ لیکن یہ سعادت فقط ان کو نصیب ہوتی ہے جو سرکشی اور نافرمانی کی روش کو ترک کر کے اطاعت و انابت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جو غرور و کبر کے انداز چھوڑ کر عجز و نیاز کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے خوب کہا ہے ۔

۱۔ پیش یوسف نازش و خوبی مکن ‏ ‏ جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

۲۔ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ‏ ‏ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

۳۔ سالہا تو سنگ بودی دلخراش ‏ ‏ آزموں را یک زمانے خاک باش

ترجمہ :

۱۔ یوسف کے سامنے ناز و ادا مت کرو۔ اظہار نیاز اور آہ یعقوبی کے بغیر اس کے سامنے کچھ نہ کرو۔

۲۔ موسم بہار میں پتھر سرسبز نہیں ہوتے۔ مٹی بن جا تاکہ تجھ سے رنگ برنگے پھول اگنے لگیں۔

۳۔ اے نادان! سالہا سال تو دل کو کاٹنے والا پتھر بنا رہا۔ ہماری بات کو آزما اور کچھ عرصہ کے لیے مٹی بن جاؤ۔

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝۹ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى

پوری طرح قادر ہے۔ اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے ۱۳؎ تو اس کا فیصلہ اللہ

اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّى عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۱۰ فَاطِرُ

کے سپرد کر دو۔ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۴؎ وہ پیدا کرنے

السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَمِنَ

والا ہے آسمانوں اور زمین کا ۱۵؎ اسی نے بنائے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں

۱۳؎ کسی نظریہ کے حق یا باطل ہونے، کسی چیز کے حلال و حرام ہونے یا کسی عمل کے مفید اور مضر ہونے میں اگر تمہارا کسی قوم سے اختلاف ہو یا آپس میں تمہارا کسی بات میں تنازع ہو تو اگر تم اپنی عقل و فہم سے ہی حل کرنے کی کوشش کرو گے تو جھگڑا بڑھتا ہی جائے گا، اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی جائے گی۔ اس انتشار و افتراق سے نجات پانے کا یہی ذریعہ ہے کہ اپنی عقل نا تمام کو حَکَم بنانے کے بجائے اپنے خداوند قدوس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی اور جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی۔

۱۴؎ وہ ذات جو عدل و احسان دونوں صفات سے موصوف ہے یہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی میرا پروردگار ہے۔ میں نے اپنے تمام کام اسی کے سپرد کر دیے ہیں اور جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میری نگاہیں اسباب و وسائل کے حجاب میں الجھ کر نہیں رہ جاتیں، میں خلوص دل سے اسی کی بارگاہ بیکس پناہ میں رجوع کرتا ہوں۔ تم خود دیکھ لو کہ کامیابی کس کے قدم چوم رہی ہے اور فتح و نصرت کا تاج کس کے سر پر جگمگا رہا ہے۔ تم اپنے وسائل کی کثرت، ساز و سامان کی وسعت اور طویل تجربات کے باوجود پسپا ہو رہے ہو اور میں اپنی بے سرو سامانی کے باوجود اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے میدان جیت لیا کرتے ہیں۔

۱۵؎ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات جلیلہ کا بیان ہو رہا ہے کہ بلندیوں اور پستیوں کا پیدا کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے اور انسان کو آباد اور بارونق بنانے والا بھی وہی ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں کہ اس نے تنہا آدم علیہ السلام کو ہی پیدا نہیں کیا بلکہ زندگی کی جدوجہد میں اس کا دل لبھانے والی، اس کے حوصلوں کو بلند رکھنے والی، اسی کی جنس سے حوا بھی پیدا کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کا انتظام بھی فرما دیا تاکہ جب تک خالق کائنات کی مرضی ہے یہ گلشن آباد رہے، اس کی رعنائی ہوتی رہے، اس میں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی رہیں اور نئے نئے غنچے کھل کر پھول بنتے رہیں۔

صرف انسانوں کی افزائش نسل کا انتظام نہیں فرمایا بلکہ طرح طرح کے حیوانات بھی انسان کی گوناگوں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ

سے بھی جوڑے بنائے۔ وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ۔ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز ۱۸ اور وہی

السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ

سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی۔ ۱۹ کشادہ کر دیتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ

رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس نے مقرر فرمایا ہے

مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا

تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا

انہیں بھی نر اور مادہ پیدا کیا تاکہ ان کی نسل بھی بڑھتی رہے اور انسان کی روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام بھی ہوتا رہے۔ یذرؤکم ای یکثرکم من الذرء۔ البث۔ (مظہری) یذرؤ ذرء سے مشتق ہے اس کا معنی ہے پھیل جانا۔ یعنی وہ تمہاری تعداد کو بڑھا رہا ہے اور تمہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا رہا ہے۔ فیہ کی ضمیر کا مرجع التدبیر ہے۔ ای فی ھذا التدبیر وھو جعل الناس ازواجا۔ (مظہری) یعنی انسانوں اور حیوانوں کو جوڑا جوڑا پیدا کر کے اس نے ان کی نسل کے پھیلنے اور بڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

۱۸ کوئی چیز ذات میں یا صفات میں اللہ تعالیٰ کی مانند نہیں تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پناہ لی جاتے تو کام بن جائے انسان کو اپنے خالق کا در چھوڑ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ وہ سمیع اور بصیر ہے۔ اپنی ہر مخلوق کی فریاد اور اس کا نالۂ درد بھی سن رہا ہے اور اس کی حالت زار کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور کون ہے جس کی یہ شان ہو۔

۱۹ بسا اوقات انسان نفع عاجل کے لیے بادشاہوں اور ارباب ثروت کی محبت کا دم بھرنے لگتا ہے۔ اس طرح ان کے ظلم و ستم کا آلۂ کار اور لوٹ کھسوٹ کی سرگرمیوں میں ان کا اشتراک کرنے لگتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے اور جو کام اس سے لیا جا رہا ہے یہ سراسر ظلم ہے۔ اس میں خدا کی نافرمانی، اس کے بندوں کی حق تلفی اور دل آزاری ہے۔ اس کا ضمیر بھی اس کو ملامت کرتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ باز نہیں آتا۔ کیونکہ اس کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا رزق چھین جائیگا اور اپنے منصب سے اسے محروم کر دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں تو اللہ رب العالمین کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ رزق کی تقسیم کا کلی اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ وہ جس کو چاہے بے حد و حساب عطا فرمائے اور جس کو چاہے تنگ دست کر دے۔ جو نعمت وہ اپنے کسی بندے کو عطا فرمانا چاہے اسے کوئی جابر و قاہر سلطان بھی روک نہیں سکتا اور جس کو محروم

وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ

ہم نے حکم دیا تھا ۱۳ | ابراہیم | موسیٰ | اور عیسیٰ علیہم السلام کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا ۱۳ | اور

کرنا چاہیے اسے کوئی شے نہیں سکتا اس لیے بندہ بنتا ہے تو اس کا ہو، حکم مانتا ہے تو احکم الحاکمین کا مانو، رزق و عزت کے طلبگار ہو تو اکرم الاکرمین کے دربار پر حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ کیوں اس کے دشمنوں کے سامنے بھکاری بن کر جاتے ہو۔ اس طرح تم اپنی آبرو کو بھی داغدار بنا لو گے اور اپنے رب کریم کو بھی ناراض کر لو گے۔

۱۳ پہلے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور حکمت و کبریائی کا بیان ہوا۔ اب اس دین قیم کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم صادر فرمایا جا رہا ہے جس کی تاسیس اور تکمیل کے لیے سارے اولوالعزم رسول مصروف جہاد رہے۔ شَرَعَ کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ شرع۔ شرع، کوئی طریقہ مقرر کرنا۔ شرع: الظہر، اوضح وبین۔ کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا۔ اس کو یوں عیاں اور آشکارا کرنا کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش تک باقی نہ رہے۔

ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کی جلالت شان کے تذکرے ہو رہے ہیں اسی نے اس دین کو تم پر واضح اور مبین کر دیا جس کا حکم اس نے رسول اول حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس پر آپ کو اے خاتم الانبیاء بذریعہ وحی آگاہی بخشی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت فرمائی گئی تھی۔ سپہر رسالت کے یہی وہ درخشندہ و تابندہ ستارے ہیں جنہیں اولوالعزم رسول کے جلیل لقب سے نوازا گیا ہے۔ فرمایا پہلا اور آخری رسول اور مختلف ادوار و شہور میں تشریف لانے والے یہ جلیل القدر رسول ایک ہی دین اور ایک ہی نظام حیات کے داعی اور مبلغ تھے صرف داعی اور مبلغ ہی نہیں بلکہ اس کے نفوذ اور اس کو پروان چڑھانے والے بھی تھے۔ انبیائے کرام نے ایک دوسرے کی تکذیب نہیں کی اور اپنے اپنے دور میں علیحدہ ادیان قبول کرنے کے لیے نہیں کہا بلکہ ایک اور صرف ایک دین کے لیے کوشاں رہے۔

۱۳ آیت کے اس حصے کا پہلے حصے سے کیا تعلق ہے اس کے متعلق دو قول ہیں یا تو یہ شرع کے مفعول کا بدل ہے۔ اس صورت میں یہ محلاً منصوب ہوگا یا یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ کلام کے پہلے حصے کو سننے کے بعد یہ سوال دل میں کھٹکنے لگتا تھا کہ وہ کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان اولوالعزم رسولوں کو دیا تھا فرمایا "ھو اقامۃ الدین" تو ان اقیموا خبر ہے اور ھو محذوف مبتدا۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو، لوگوں کی عملی زندگیوں میں اسے رائج کرو۔ تاکہ لوگوں کے اعمال اسی دین کے قالب میں ڈھل جائیں۔ صرف زبانی دعوت دینا اور اس دعوت کے محاسن کو بیان کرتے رہنا ہی انبیاء کا فریضہ نہ تھا بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ جہاں یہ نظام حیات رائج نہیں وہاں اسے رائج کیا جائے اور جہاں یہ رائج ہے وہاں یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ رواج پذیر رہے۔ ایسے حوادث اور خطرات سے اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے جو اس کو عملی زندگی سے بے دخل کرنے پر منتج ہوں۔

یہ نصب العین جو انبیاء و رسل کی عظیم البرکات زندگیوں کا نصب العین تھا یہی نصب العین آج امت محمدیہ علی صاحبہا

لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي

اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے

افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے لیے من جانب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء و اہواء کا اتباع کر کے اپنی جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنا دیں اور ایک اُمت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کر دیں کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ برآنہ ہو سکیں گے۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا ان کی ہوا اکھڑ جائے گی تنے انسانی معاشروں میں اس کو قائم کرنا تو بڑی بات ہے جہاں ان کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ میں امت کو بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔ جس نے دانستہ ایک بالشت بھر کے لیے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اس نے گویا اپنے گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعۃ۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی پیاری حدیث منقول ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذۃ والقاصیۃ والناحیۃ وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ۔ (رواہ احمد) یعنی حضور نے فرمایا جس طرح بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے۔ بھیڑیا اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی یا دور آگے چلی جانے والی یا ایک طرف ہو جانے والی کو ہی پکڑتا ہے اور میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ تم گروہ گروہ ہو جاؤ تم پر لازم ہے کہ تم جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ رہو۔ (مظہری)

لے اے محبوب! یہ دین حق جس کی دعوت آپ دے رہے ہیں مشرکین کو از حد ناگوار ہے۔ اس دین کو قبول کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان معبودوں سے قطع تعلق کر لیں جن کی پوجا پاٹ یہ کئی نسلوں سے کرتے چلے آرہے ہیں یا پھر اپنے قدیم رسم و رواج جن پر ان کا معاشرہ قائم ہے اور جن کے وہ عرصہ سے خوگر ہیں ان تمام کو یکسر ترک کر دینا پڑے پھینک دیں۔ وہ مشرک اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔

لے علامہ ابن منظور "یجتبی" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اجتباہ ای اصطفاہ یعنی اس کو چن لیا۔ ابن سیدہ کہتے ہیں اجتبی الشیئ ای اختارہ یعنی اس کو پسند کر لیا۔ وھو مشتق من جبیت الشیئ اذا خلصتہ لنفسک۔ جب کسی چیز کو تو اپنے لیے مخصوص کر لے تو عرب کہتے ہیں جبیت الشیئ۔ اسی سے ہے جبیت الماء فی الحوض۔ یعنی میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا۔ (لسان العرب) علامہ راغب اصفہانی اس لفظ کی لغوی تحقیق کرنے کے بعد کہتے ہیں: واجتباء اللہ العبد تخصیصہ

اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا

اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف ہر اس کو جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہیں وہ فرقوں میں بٹے ۱۳ مگر

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم۔ (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا

ایاہ بفیض الٰہی یتصل لہ منہ انواع من النعم بلا سعی من العبد وذٰلک للانبیاء وبعض من یقاربھم من الصدیقین والشہداء۔ آنہ یعنی حبیب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چن لیتا ہے تو وہ اسے ایسے فیض الٰہی سے مخصوص کرتا ہے جس سے بغیر سعی کے اسے طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ نعمت انبیائے کرام اور صدیقین اور شہداء میں سے بعض مقربین کو مرحمت ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ محض اپنی مہربانی سے کسی کو اپنے قرب اور محبت کے لیے چن لے اور اس کو گوناگوں انعامات واحسانات سے سرفراز فرمائے۔ یہ تعلق عموماً انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء پر کیا جاتا ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان ہر طرف سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اپنی ہمت وقف کر دے۔ جب کوئی شخص خلوص نیت سے راہ طلب پر گامزن ہوتا ہے اور کشمکش وابتلا کے ابتدائی مرحلوں میں سرخرو ہو جاتا ہے تو پھر توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

تحفت ار طالبی از جملہ بگذر، بعد ہر دو آنگہ ... کز آں حضرت ندا آید کہ اے سرگشتہ راہ اینک

ترجمہ: اگر تو اس کا طالب ہے تو پہلے سب سے قطع تعلق کر لے اور اس کی طرف رخ پھیر لے یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی سے یہ ندا آنے لگے کہ اے میرے دیوانے راستہ یہ ہے۔

علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: قالت الصوفیۃ من یجتبیہ ویجذبہ الی نفسہ من غیر اختیارہ فھو مراد اللہ تعالیٰ ھم الانبیاء والصدیقون۔ ومن اناب الی اللہ فیہداہ اللہ تعالیٰ فھو المرید وھم اولیاء اللہ الصالحون من عبادہ (مظہری) یعنی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ خود چن لیتا ہے اور اسے اپنی ذات کی طرف کھینچ لیتا ہے جس میں اس بندے کے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتا ہے اور وہ انبیاء اور صدیقین ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے تو وہ مرید ہے جیسے اولیاء کرام اور اس کے نیک بندے۔

۱۳۔ بتا دیا کہ لوگوں کا راہ حق سے انحراف اور الگ الگ فرقوں کا معرض وجود میں آ جانا محض بے علمی اور غلط فہمی کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اکثر وبیشتر اس انتشار وافتراق کا باعث ان کا باہمی حسد وعناد اور رقابت ہوا کرتی ہے۔ اپنی برتری کا سکہ جمانے کے لیے اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتے ہیں اور اس طرح امت کی وحدت میں نقب لگانے کا آغاز کر دیتے ہیں۔ وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس راہ کو وہ چھوڑ رہے ہیں وہی سیدھی راہ ہے اور جو راستہ وہ اپنا رہے ہیں وہ ان کو اپنی منزل سے دور دھکیل دے گا لیکن اپنی ذاتی اغراض اور اپنی دنیاوی مصلحتیں پیش نظر ہیں

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا

آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے گی تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان ۔ ۳۲ اور جو لوگ وارث بنائے گئے

الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ

تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے ۳۳ پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہئے

اگے یہ مجبور کر بیٹھی ہیں، وہ جانتے بوجھتے ہوئے غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔ بغیاً بینہم کے الفاظ ہم سب کے لیے بڑے توجہ طلب ہیں۔

۳۲ ان کے کرتوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ انہیں تو تاحس نہس کر کے رکھ دیا جائے لیکن آپ کے رب نے اپنی رحمت اور حکمت کے پیش نظر انہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دی ہے اس لیے اس وقت تک ان کی رسی ڈھیلی رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس اثنا میں ان کی چشم ہوش کھلے اور انہیں اپنی غلط کاریوں پر ندامت ہو اور وہ توبہ کر کے اپنی بخشش کا سامان کر لیں۔ اور اگر ان کی بے ہودگی کا یہی عالم رہا اور مقررہ میعاد تک انھوں نے سنبھلنے کی کوشش نہ کی تو جب مقررہ وقت آجائے گا تو چشم زدن میں ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ ان کی عبرتناک تباہی پر دو آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔

۳۳ یعنی کہ کے مشرک جنہیں گزشتہ قوموں کی تباہی کے بعد قرآن حکیم جیسی کتاب کا وارث بننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی وہ عقل کے اندھے اس تذبذب میں مبتلا ہیں کہ آیا یہ کتاب خدا کی نازل کردہ ہے یا نہیں۔ مریب، ای مقلق او مدخل فی الریبۃ (مظہری) جس شک وشبہ سے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو اس کو مُریب کہتے ہیں۔ (مظہری)

۳۴ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دس کلمات ہیں۔ ہر کلمہ اپنی جامعیت اور افادیت کے باعث ایک مستقل حکم ہے اور اگر اسے سیاق وسباق سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس آیت کی نظیر صرف آیۃ الکرسی ہے جس میں اسی طرح کے دس احکام بیان کیے گئے ہیں۔

اب بڑے اختصار کے ساتھ الگ الگ ہر کلمہ کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔۔۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۔ ذٰلک اسم اشارہ ہے۔ اس کے مشار الیہ کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ باہمی حسد و عناد کی وجہ سے لوگ مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہیں، ہر ایک اپنے آپ کو حق وصداقت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے۔ اے حبیب! آپ اپنی کوششیں ادا سے انہیں حق قبول کرنے کی دعوت دیں تا کہ وہ اس انتشار کے باعث ذلیل و خوار ہونے سے بچ جائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ دین ہے جس کے اتباع کا حکم تمام انبیاء ورسل کو دیا گیا ہے اور جس پر کاربند ہونے کی آپ کو بھی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ خلق خدا کو اسے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اس نظام صداقت سے صرف آپ یا چند خاص نفوس ہی بہرہ یاب نہ ہوں بلکہ شرق وغرب میں بسنے والا جو بھی اس دعوت کی دلآویزی سے متاثر ہو کر اسے قبول کرے وہ اس سے فیضیاب ہو سکے۔

۲۔۔۔ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔ صرف اس دعوت کو قبول کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو قبول کر کے اس پر ڈٹ جانا اور بجوم

وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ

اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجیے ان کی خواہشات کا۔ اور (برملا) فرما دیجیے کہ میں ایمان لایا ہر

اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا

اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۲۹

الاسم ... صاحب دین میں ثابت قدم رہنا اور شاہراہ حق پر گامزن رہنا۔ یہ ایسا کام ہے جس کو پورا کرنے کی خاطر ہمت و استقامت درکار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس استقامت کا حکم اپنے محبوب کو دیا اور حضور کے طفیل ساری امت اسلامیہ بلکہ جملہ بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ اس فرمان الٰہی کی جلالت شان کا اندازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جا سکتا ہے۔ شیبتنی سورۃ ھود واخواتھا وقیل لہ علیہ السلام لقد اسرع الیک الشیب یا رسول اللہ فقال لذکر فیھا فاستقم کما امرت (روح البیان) حضور نے فرمایا کہ سورہ ہود اور اس کی مثل سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول وہ کیسے؟ ارشاد فرمایا کیونکہ اس میں فاستقم کما امرت کا حکم ہے یعنی اس طرح استقامت کا مظاہرہ کرو جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

شے لفتش کے پجاریوں اور خسیس خواہشات کے پرستاروں کی پیروی کرنا آپ کا کام نہیں بلکہ ان احکام کی بجا آوری آپ کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوتے ہیں۔ بفرض محال اگر آپ لوگوں کی پیروی کرنے لگیں تو انسانیت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اور اس کشتی کی سلامتی کی ساری امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

ے آپ کبھی ہوئی انسانیت کی شیرازہ بندی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہ کام تب ہی سر انجام پا سکتا ہے کہ آپ حق کو ہر طور پر نہیں بلکہ کلی طور پر تسلیم کریں۔ حق جہاں بھی ہو اور جس روپ میں ہو آپ اس کی تصدیق فرمادیں۔ اس لیے آپ یہ اعلان فرمادیں کہ میں صرف اس کتاب پر ہی ایمان نہیں لایا جو مجھ پر نازل کی گئی ہے بلکہ میرے رب نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں ان سب کتابوں کو برحق مانتا ہوں۔

ے مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر قسم کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دوں۔ تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دوں زندگی کے ہر شعبے میں ایسا نظام رائج کر دوں کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ تبلیغ اسلام میں بھی تنفیذ احکام میں بھی امیر و غریب شاہ و گدا اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز برقرار نہ رکھوں۔ گویا انسانی معاشرے سے ہر قسم کے جور و جفا کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کی ذمہ داری ہے اور جب اسلام کو غلبہ اور اقتدار نصیب ہوا تو دوست و دشمن نے دیکھا اپنوں اور بیگانوں نے دیکھا ساری دنیا والوں نے دیکھا کہ کملی والے نے اور اس کے غلاموں نے کس خوبصورتی سے اس ذمہ داری کو ادا کیا۔ جو ان کے پیاسوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی روا نہیں رکھی گئی اور عزیز و اقرب کے ساتھ بھی بے جا رعایت نہیں کی گئی۔

ے ہمارا پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارا پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ عبادت کریں گے تو اسی کی۔ کارساز حقیقی سمجھیں گے تو اسی کو، توکل کریں گے تو اسی پر۔ اس کے در پاک کو چھوڑ کر کسی معبود کی طرف جانا تو کجا آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی ساری غیرت ایمانی

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا

ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ۲۸ کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ۲۹ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا ۳۰

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا

اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے ۳۱ اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ اکثر لوگ

اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

اسے قبول کر چکے ہیں، سو ان کی حجت بازی لغو ہے ۳۲ ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے

گوارا نہیں کرتی۔

۲۸ ہمارے نیک اعمال کا ثواب اور برے اعمال کی سزا ہمیں ملے گی۔ تمہارے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا تمہیں ملے گی۔ ایسا نہیں ہو گا کہ نیکی تم کرو اور ثواب ہمیں مل جائے یا برائی ہم کریں اور اس کا جرم تم پر لے جاؤ۔ اس لیے جب تمہارے اچھے اعمال کا اجر بھی تمہیں ملنا ہے تو تم نیکی کرنے میں سستی کیوں کرتے ہو اور جب سزا بھی اپنے کرتوتوں کی خود تمہیں ہی بھگتنی ہے تو پھر آخر بے پروائی سے گناہوں کا ارتکاب کیوں کرتے ہو۔

۲۹ حق واضح ہو گیا، روشن اور قوی دلائل نے شکوک و ارتیاب کے حجابات کو تار تار کر دیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اب تم باطل سے چمٹے ہوئے ہو اور حق کو قبول نہیں کرتے تو تمہاری قسمت۔ اب مزید بحث و تکرار کی نہ کوئی گنجائش ہے نہ ضرورت اور نہ ہمارے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ ہم بے مقصد تمہارے ساتھ سر کھپاتے رہیں۔

۳۰ آخر تک فرمایا وہ دن آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور ہم سب سے باز پرس ہو گی۔ اس روز معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور غلط راستوں پر کون بھٹک رہا ہے۔

۳۱ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اگر کوئی خوشی سے وہاں جانے کے لیے آمادہ نہ ہو گا تو اسے دھکیل کر وہاں لے جائیں گے۔

۳۲ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا۔ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔ تاریک سینے روشن اور سیاہ دل منور ہو گئے۔ سلیم العقل لوگ ایک ایک کر کے کفر و شرک کی زنجیروں کو توڑ کر نعمت توحید سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں بھی جو بد بخت حق قبول کرنے والوں پر اعتراض کی بوچھاڑ کرتے ہیں، ان پر خدا کی پھٹکار ہو اور وہ عذاب الیم میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ دَحَضَ برجلہ: فحص بھا کسی چیز کو پاؤں تلے روندڈالنا (قاموس)۔ ومن المجاز دَحَضَتِ الْحُجَّةُ دُحُوضًا بَطَلَتْ۔ مجازاً باطل اور فضول دلیل کو حجت داحضہ کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حق کی تردید کے لیے وہ اپنی طرف سے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہوتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے پاؤں کے تلے روندی ہوئی کوئی چیز۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ

اور انہی کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو ۲۵

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ

اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ ۲۶ جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ

جو ایمان نہیں رکھتے اس پر ۲۷ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں

أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾

کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾

اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر ۲۸ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔

۲۵ بالحق کی تشریح کے لیے دیکھیے ضیاء القرآن جلد اول سورہ آل عمران آیت ۲۔ میزان سے مراد شریعت ہے جس سے حقوق کا وزن کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کے درمیان عدل اور مساوات قائم کی جا سکتی ہے۔ المیزان الذی یوزن به الحقوق ویسوی بین الناس

۲۶ تم لیت و لعل کرتے رہتے ہو اور بیدار ہونے کا نام نہیں لیتے۔ تمہیں کیا خبر کہ وہ گھڑی قریب آگئی ہو جس کے آنے کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ خواب غفلت سے فوراً آنکھیں کھولو اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

۲۷ یعنی وہ لوگ جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ تو اس کے جلد برپا ہونے کے لیے بے تاب ہیں اور ازراہ مذاق کہتے ہیں کہ قیامت جلدی برپا ہو جائے تاکہ ہمارا یہ باہمی جھگڑا ختم ہو جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ حق پر کون ہے۔ ہم یا یہ نئے دین کا پرچار کرنے والے۔ قیامت کے لیے کفار کی یہ عجلت اس لیے نہ تھی کہ وہ واقعی اس کے منتظر تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آ جائے بلکہ ان کا یہ کہنا محض ازراہ مذاق تھا۔ جن لوگوں کو قیامت کی آمد کا یقین ہے وہ تو اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

۲۸ لطیف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ علامہ ابن منظور اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں قال ابن الاثیر فی تفسیرہ اللطیف هو الذی اجتمع له الرفق فی الفعل والعلم بدقائق المصالح وایصالها الی من قدرها له من خلقه۔ یعنی لطیف اس کو کہتے ہیں جس میں یہ تین چیزیں جمع ہوں: ا جو کام ہو اس میں درشتی اور سختی نہ ہو بلکہ نرمی اور رفق

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے ۳۰؎ اور جو شخص خواہشمند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ

کا پہلو نمایاں ہو۔ نیز وہ اپنے بندوں کی بارگاہ سے بابرکت مصلحتوں اور منفعتوں پر آگاہ ہے اور یہ کہ کوئی نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے اسے عطا فرمانے پر قادر ہو۔ سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں: اللطیف من نور قلبك بالھدی وربی جسمك بالغذی وجعل لك من الدنیا بالایمان ویحرسك من نار اللظی ھذا لطف اللطیف بالعبد الضعیف۔ لطیف اس ذات پاک کو کہتے ہیں جو تیرے دل کو ہدایت سے منور کر دے۔ غذا سے تیرے جسم کی نشوونما کرے۔ تجھے دنیا سے ایمان کے ساتھ نکالے اور دوزخ کی آگ سے تجھے بچائے۔ (روح المعانی)

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف فرمانے والا ہے اور جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ کسی کو علم دے دیا کسی کو دولت دے دی۔ کسی کو حسنِ صورت سے نوازا کسی کو حسنِ سیرت سے سرفراز فرمایا۔ کسی کو سیم و زر کے انبار بخش دیے اور کسی کو قناعت کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس کے انعامات بے شمار اور اس کی عطائیں بے حد۔ اس کے بخشنے اور عطا کرنے کا انداز لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی۔

۳۰؎ انسان جن مشاغل میں دن رات مشغول رہتا ہے جن مقاصد کے حصول کے لیے وہ تگ و دو کرتا ہے اس سے اگر وہ اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہے اور اپنے رب کریم کو راضی کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ نوید ہو کہ اسے اس کی محنت سے کم از کم دس گنا زیادہ اجر ملے گا اور اگر اس کے خلوص میں زیادتی ہوئی تو اجر بھی اسی نسبت سے بڑھتا جائے گا۔ اس کی آخرت سنور جائے گی اور جو لوگ صبح سے لے کر شام تک اسی دنیا میں سرشار رہتے ہیں جن کے دن رات جمع مال اور سونے کے گرد دائرے بنا کر گھومتے رہتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد عاقبت سنوارنا نہیں بلکہ دنیا میں جاہ و جلال حاصل کرنا اور دولت و ثروت کے انبار جمع کرنا ہے تو ان کے متعلق ایک بات تو یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں ان کے لیے کوئی آرام و آسائش اور کوئی عزت و پذیرائی نہیں ہوگی۔ رہی دنیا جس کے لیے وہ دیوانوں کی طرح خاک چھانتے پھرتے ہیں اس میں سے بھی انہیں اتنا تو نہیں ملے گا جتنی ان کی حسرت پوری ہو سکے البتہ کچھ نہ کچھ انہیں دے ہی دیا جائے گا۔ اس آیت کی صحیح تفسیر ایک ارشاد نبوی سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من کانت نیتہ الآخرۃ جمع اللہ شملہ وجعل غناہ فی قلبہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن کانت نیتہ الدنیا فرق اللہ علیہ امرہ وجعل فقرہ بین عینیہ ولم یاتہ من الدنیا الا ما کتب لہ۔

یعنی جو اخروی زندگی کی بہتری کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں کو دور کر دیتا ہے۔ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس حاضر ہوتی ہے اور جو آدمی دنیا کی نیت سے کام کاج میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی یکسوئی اور طمانیت کو درہم برہم کر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے اور دنیا میں سے اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھا ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ۚ

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی سٹ۲۹

وَلَوْلَا كَلِمَةُ ٱلْفَصْلِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ لَهُمْ

اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ سٹ۳۰ اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى ٱلظَّٰلِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا۟ وَهُوَ

دردناک عذاب ہے۔ آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان کرتوتوں سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فِى رَوْضَاتِ

پر واقع ہو کر رہے گا سٹ۳۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں

ٱلْجَنَّاتِ ۖ لَهُم مَّا يَشَآءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَضْلُ ٱلْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾

ہوں گے۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہی بڑا فضل ہے۔

ذَٰلِكَ ٱلَّذِى يُبَشِّرُ ٱللَّهُ عِبَادَهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ ۗ

یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے

سٹ۲۹ وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے پسند فرمایا ہے کفار اس کو تو مانتے نہیں اور ان قواعد وضوابط کی ہر آن نافرمانی کرتے ہیں جو رحیم وکریم پروردگار نے اپنے بندوں کی فلاح وبہبود کے لیے مقرر کیے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے بندوں کے لیے دین تو وہ قابل قبول ہونا چاہیے جو ان کے خالق نے انہیں دیا ہے۔ کفار جن قواعد وضوابط کی پیروی کر رہے ہیں یہ خدائے برتر کے بھیجے ہوئے تو ہیں نہیں۔ پھر انہوں نے یہ کہاں سے لیے ہیں۔ کیا انہوں نے کوئی اور خدا بنا رکھے ہیں اور یہ ان کا نازل کیا ہوا دین ہے اور ان کے مقرر کردہ قواعد ہیں جن پر یہ اتنی سختی سے کاربند ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور قانون ساز نہیں ہو سکتا۔

سٹ۳۰ اللہ تعالیٰ نے ان کے فیصلے کے لیے ایک دن مقرر کر دیا ہے اس لیے یہ اتراتے پھرتے ہیں ورنہ کبھی کا ان کا کچومر نکل گیا ہوتا۔

سٹ۳۱ قیامت کے روز ان ظالموں کی جو کیفیت ہوگی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰىؕ وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ

آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس (دعوتِ حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے ۵۳ اور جو شخص کماتا ہے

۵۳ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے جو طرح طرح کی گمراہیوں کے باعث اپنے رب سے بہت دور جا چکے ہیں پھر قریب ہو جائیں۔ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ ہدایت سے اپنے قلب و نظر کو روشن کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور کی لگن کا یہ عالم تھا کہ دن رات اسی میں مشغول رہتے۔ ان کو سمجھانے وہ غصہ ہوتے تو حضور مسکرا دیتے، وہ گالیاں بکتے تو حضور دعائیں دیتے، وہ روشن معجزات دیکھ کر اور آیات الٰہی سن کر بھی کفر سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے تو حضور کے مشفق دل پر غم و اندوہ کے بادل گھر آتے۔ اور آپ رات بھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی مغفرت اور ہدایت کے لیے دعائیں مانگتے۔ اخلاص و محبت کے یہ بے مثل انداز کفار کہ نے جو اب کہیں دیکھے تھے۔ وہ دل ہی دل میں خیال کرتے کہ اس ساری جد و جہد اور شبانہ روز تگ و دو کے پس منظر میں کوئی بڑا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے یہ شخص جانگسل محنت اور مشقت برداشت کر رہا ہے اور ہمارے جور و جفا پر اتنے صبر اور حلم کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ یہ دولت جمع کرنا چاہتا ہے یا اقتدار کی ہوس ہے یا ہمارا بادشاہ بننا چاہتا ہے آخر کوئی وجہ کوئی بات ضرور ہے جس کے باعث انہوں نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ لے نادانو! ہم کسی اور چیز کی ہوس تو نہیں البتہ ان جانکاہیوں کا ان دلسوزیوں کا تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرنا چاہتا نہ آج نہ کل اور نہ کبھی قیامت تک۔ البتہ میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تم نے آپس میں قتل و غارت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اور ایک دوسرے کو اپنا پچھاڑنے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہو اس سے باز آ جاؤ اور آپس میں محبت اور پیار کرو۔ تمہاری باہمی رشتہ داریاں اور قرابتیں ہیں۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹے۔ چھوٹا بڑے کی پگڑی اچھالے۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ مجھے تمہارا یہ انداز پسند نہیں۔ میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو تاکہ تمہاری زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی نمودار ہو جائے۔

اِلَّا حرفِ استثناء ہے یہاں مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اَلْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى جو مستثنیٰ ہے یہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں تاکہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ میں تم سے کوئی اجر، کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، مگر یہ اجر طلب کرتا ہوں کہ تم آپس میں پیار اور محبت کرو۔ تقریباً یہی مفہوم ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا (الفرقان) یعنی میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا یہی اجر ہے کہ تم میں سے کوئی معرفتِ الٰہی کی راہ پر گامزن ہو جائے۔ اس آیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ میں تم سے اپنے لیے کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم آپس میں محبت اور پیار کرنے لگو۔ مجھے صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی مطلوب ہے۔ اگر تم سدھر جاؤ اور تمہارے طور اطوار درست ہو جائیں تو یہی میری کاوشوں کا بہترین معاوضہ ہے۔ انتہائی خلوص کے لیے اس سے زیادہ اثر انگیز اسلوب بیان اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف انبیاء کے یہ اعلانات مذکور ہیں۔ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین

کے مترادف ہے۔ جب دیگر انبیاء اپنی قوموں سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ کسی مالی یا ادنیٰ منفعت کی خواہش نہیں کرتے تو فخر الانبیاء سید الرسل کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضور نے کسی قسم کی منفعت کی خواہش کی اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت کسی کا روپے کے بھرے ہوئے خزانے، زمین کے مسکن کی فرمانروائی اور دولت نیم شبی ان گریہ ہائے سحرگاہی کا صلہ نہیں ہو سکتی جن سے اس رحمت عالمیان نے بنی نوع انسان کو مشرف فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ اس مہربان دلبر کی زبان کی وہ کوئی تلخ بات جو ایک آنسو سارے عالم سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر حضور اتنی ان رسوائیاں ان سنگباریوں کے معاوضہ کا تصور بھی کرتے کہ جو شان نبی سے بہت فروتر ہے۔ دشمنوں کو گھٹیا شان کا موقع مل جاتا یہودی اور عیسائی ہیں طعنہ دے سکتے کہ جب ہمارے راہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا کہ لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی رب العالمین اور تمہارے رسول نے موقع قرب کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا۔ العیاذ باللہ۔

اس آیت سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا، جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہوگا ہم اسے اس میں سے دیں گے۔ اس سیاق و سباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک آیت کی پہلی تفسیر زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ قرابت داروں خاندان بنو ہاشم خصوصاً اہل بیت کرام کی محبت ان کا ادب و احترام عین ایمان بلکہ جان ایمان ہے۔ جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمع ایمان بجھ چکی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور سے زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی محبت اور احترام زیادہ مطلوب ہوگا۔ ایک نہیں صدہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے لیکن یہ حضور کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجر ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک ہے، یہ اس خورشید کی چمک ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں محبت آل مصطفیٰ ضرور ہوگی۔

یہ گرہ اب تک نہ کھلی کہ بعض لوگوں کے نزدیک محبت آل مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے لیے بغض صحابہ کیوں ضروری کی شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور نے اپنے اہل بیت کی محبت کا اگر حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کے احترام و اکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اہل بیت کے بارے میں فرمایا: مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَ فِیْھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ۔ یعنی میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے۔ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔ تو دوسرا ارشاد گرامی یہ ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں۔ ہم زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ اَمْ

کوئی نیکی ہم وہ بالا کر دیں گے اس کے لیے اس میں حسن ۲۳؎ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے ۴۳؎ کیا یہ

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى

لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے ۴۴؎ پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے

۴۲؎ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے ہم اس کے اعمال کے حسن اور دلکشی میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس کی سعی و کوشش کے باوجود جو خامی رہ جاتی ہے ہم اپنے فضل و کرم سے وہ پوری کر دیتے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا کہ ایک نیکی کے بدلے اسے کم از کم دس نیکیوں کا اجر دیتے ہیں اور زیادہ کی تو حد نہیں۔ جتنا جتنا اس کے عجز و نیاز میں اور اس کے درد و سوز میں اضافہ ہوتا جاتا ہے گا اس کے اجر میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ يقترف : يكتسب۔ الاقتراف الاكتساب : واصل القرف : الكسب۔ (قرطبی) يقترف کا معنی کمانا ہے۔

ترجمہ میں حسنة "نیک عمل" سے مراد ہر نیک عمل ہے اور ان اعمال حسنہ کی فہرست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ہے۔ جس کو یہ نعمت بخشی جاتی ہے اس کے ارادہ رفیع سے وہ بلند تر ہو جاتے ہیں۔ جو خوش نصیب اہل بیت کرام اور صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے اسے حب مصطفوی کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے اور جس دل میں عشق حبیب کی شمع روشن ہوتی ہے اسے محبت الٰہی کی شراب طہور کے جام پر جام پلائے جاتے ہیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ومن ههنا قالت الصوفية يحصل للصوفي اولا الفناء في الشيخ ثم الفناء في الرسول ثم الفناء في الله تعالى والفناء عبارة عن شدة المحب بحيث يذهل نفسه عند ذكر المحبوب حتى لا يبقى من نفسه ولا من غيره عنها ولا اثر اما عدا المحبوب۔ (مظہری) ترجمہ: اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ صوفی کو پہلے فنا فی الشیخ کا مقام حاصل ہوتا ہے پھر وہ فنا فی الرسول کے درجہ پر فائز ہوتا ہے پھر وہ فنا فی اللہ کی منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ فنا کا مطلب محبت کی وہ کیفیت ہے جب انسان اپنے محبوب کے ذکر کے وقت اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے محبوب کے علاوہ اسے کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ آپ کے دل میں آل بیت کرام کی از حد محبت تھی اور وہ اپنی اولاد پر بھی خاندان مصطفوی کو ہر لحاظ سے ترجیح دیتے تھے۔

۴۳؎ اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں اور اس کے احسانات لا محدود ہیں۔ وہ اپنے بندوں کے بے شمار گناہوں کو بخشنے والا ہے اور ان کی قلیل اور ناقص نیکیوں کو قبول فرمانے والا ہے۔ قال قتادة غفور للذنوب شكور للحسنات وقال السدي غفور لذنوب آل محمد عليه السلام شكور لحسناتهم (قرطبی) قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہوں کو بخشنے والا اور نیکیوں کو قبول کرنے والا ہے۔ سدی کہتے ہیں حضور ﷺ کے اہل بیت کے گناہ بخشنے والا اور ان کی نیکیاں قبول کرنے والا ہے۔

۴۴؎ کفار کا تو یہ مسلسل کہنا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے محض غلط اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس

قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

دل پر۔ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو [۳۳] اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے۔ بیشک وہ جاننے والا

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ

ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی [۳۴] اور

بے دلیل پراتنا بڑا بہتان باندھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ اللہ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو ہر آن اپنے رب سے ڈر رہا ہو جس کا دل اس کے خوف سے ہر وقت لبریز رہتا ہو۔ جس کی احتیاط کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنی زبان پر اس کے اذن کے بغیر کوئی حرف بھی نہ لاتا ہو کیا ایسی ہستی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے خداوند ذوالجلال کی طرف غلط باتیں منسوب کرے گا۔ ہاں اگر آپ کا دل اسے محبوب اللہ تعالیٰ کے خوف سے معمور نہ ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگا دی ہوتی پھر تو ایسا ممکن تھا۔ لیکن آپ کا قلب منور تو اپنے رب کے انوار و تجلیات کا مہبط ہے آپ کے بارے میں تو اس افترا پردازی کا وہم تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

[۳۳] اگر یہ کلام خداوند کریم کا نازل شدہ نہ ہوتا بلکہ آپ نے گھڑ لیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام و نشان بھی مٹا دیتا۔ اس کو یہ ترقی، یہ عروج ہرگز نصیب نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ باطل کو آخرکار مٹا دیتا ہے اور حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں حق کا بول بالا ہو کر رہتا ہے۔

اگر دجل و فریب کے باعث باطل کو چند روزہ فروغ نصیب ہو اور اہل حق کی غفلت اور فرض ناشناسی کی وجہ سے حق کمزور اور ضعیف ہو جاتے تو اس سے نہ باطل حق ہو جاتا ہے اور نہ حق باطل۔ آج کل کمیونزم کو جو عروج حاصل ہو رہا ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ اباحیت اور فسق و فجور کو جو روز افزوں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے یہ کمیونزم کے حق اور اباحیت اور اخلاقی انارکی کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بین الاقوامی سازشوں سے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے مرزا کی جھوٹی نبوت کو اگر چند لالچی یا جاہل لوگ تسلیم کر لیں تو اس سے مرزا کی نبوت کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ فتنہ و فساد کی آگ بجھ جائے گی اور اس کو ماننے والے اس پر پچھتا کر ہی رہیں گے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔ انشاء اللہ۔

[۳۴] ان نابکاروں کے گناہوں نے جرم کے ڈر کے بعد یہ بتایا جا رہا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ جس کا جی چاہے آئے۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَكَبَّرَ۔ اے اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ پھر اس نے تکبیر تحریمہ کہی اور نماز پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوا تو سیدنا علیؓ نے فرمایا اِنَّ سُرْعَةَ اللِّسَانِ بِالْاِسْتِغْفَارِ تَوْبَةُ الْكَذَّابِيْنَ وَتَوْبَتُكَ تَحْتَاجُ اِلَى التَّوْبَةِ کہ زبان سے تیز تیز توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ تیری ایسی توبہ ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین توبہ کیا ہے ؟

يَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَالْكٰفِرُوْنَ

ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور وہ ان کے حق میں انہیں زیادہ انعام دیتا ہے اپنی مہربانی سے ۲۳ اور کفار،

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا

ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے تمام بندوں کے لیے تو وہ سرکشی

فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ

کرنے لگتے زمین میں ۲۴ لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے احوال سے خبردار ہے

بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

سب کچھ دیکھنے والا ہے ۲۵ اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں ۲۶ اور پھیلا دیتا ہے

آپ نے فرمایا جب یہ (شرائط) پائی جائیں تو توبہ مکمل ہوتی ہے۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت، فوت شدہ فرائض کی قضا، جو کسی کا مال چھینا ہے اس کی واپسی۔ جس طرح تو نے اپنے نفس کی پرورش کی ہے اسی طرح اطاعت سے اسے گلا۔ اسے جس طرح تو نے گناہوں کی مٹھاس چکھائی ہے اسی طرح اس کو فرمانبرداری کی تلخی چکھا اور کثرت گریہ۔

۲۳ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صرف دعائیں ہی قبول نہیں فرماتا بلکہ اپنے فضل و کرم سے بن مانگے انہیں ان گنت نعمتیں مرحمت فرماتا ہے۔

۲۴ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کثرت دولت و ثروت دے دے تو وہ سرکشی اور نافرمانی کو اپنا شعار بنا لیں۔ فسق و فجور کا بازار گرم کر دیں۔ سارے عالم میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ وہ اندازہ اور مقدار کے مطابق ہر ایک کو رزق دیتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں۔ خیر العیش مالا یلھیک ولا یطغیک۔ بہترین زندگی وہ ہے جو تمہیں غافل بھی نہ کرے اور سرکش بھی نہ بنائے۔ (ابن کثیر)

۲۵ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کے لیے دولت کی کثرت تباہی کا باعث بنے گی اور کس کے لیے تنگ دستی وجہ نجات ثابت ہوگی۔ اس کی جود و عطا کا سلسلہ اس کی حکمت کا آئینہ دار ہے۔

۲۶ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جلوہ نمائی کے صد ہا روپ ہیں۔ ان میں سے ایک کا بیان ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

اپنی رحمت کو اور وہی کارسازِ حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق

وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ

ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیے ہیں آسمان و زمین میں۔ اور وہ جب چاہے ان کو جمع کر لینے پر

ع إِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

پوری قدرت رکھتا ہے ۵۶ اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچتی ہے

اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ

اور وہ درگزر فرماتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے ۵۷ اور تم عاجز نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں۔

۵۶ اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کی مزید نشانیاں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔

۵۷ قرآن کریم نے اہلِ نعمت کو شکر کا حکم دیا ہے اور اہلِ بلا کو صبر کی تلقین کی ہے۔ شکر کو نعمت کی بقا اور اس میں اضافہ کا سبب قرار دیا ہے اور صبر کو مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے لیکن عام انسان خوش حالی اور اقبال مندی کے دنوں میں ناشکری کرتے ہیں، دولت مند ہیں تو مغرور اور بے نوا ہیں تو زبانِ شکایت دراز کرنے کے بجائے ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اقتدار کی مسند مل گئی ہے تو ظلم و تعدی کی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ تاجر ہیں تو سادہ لوح گاہک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا ان کا شعار بن جاتا ہے۔ دیانت و امانت کو اپنے کاروبار اور عادات سے دھکا دے کر نکال دیتے ہیں اور جب ان کی دھاندلیوں کی حد ہو جاتی ہے اور مکافاتِ عمل کا چکر چلنے لگتا ہے تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، سر پھوڑتے ہیں۔ ان کا ذہن ان اسباب و عوامل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جو ان کی موجودہ تباہی کا باعث بنے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھایا جا رہا ہے اور انہیں کہا جا رہا ہے کہ ذرا اپنے اعمال نامے پر ایک سرسری نظر ڈالو، اپنے گریبان میں جھانکو۔ یہ حقیقت خود عیاں ہو جائے گی کہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی سزا مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا کریم ہے۔ اس نے تمہاری بے شمار غلطیوں اور سرکشیوں کو معاف کر دیا ہے۔ اگر تمہیں تمہاری بدکاریوں کی پوری سزا دی جاتی تو تمہارا نام و نشان ہی مٹ گیا ہوتا۔ یہ معاملہ تو سرکشوں اور بدکاروں کا ہے لیکن غیرت مند بندوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے یہ حدیث لکھی ہے کہ حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ والذی نفسی بیدہ ما یصیب المومن من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن الا کفر اللہ عنہ بھا عن خطایاہ حتی الشوکۃ یشاکھا۔ ترجمہ: یعنی اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے مومن کو کوئی تکلیف، کوئی رنج و ملال، غم نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی غلطیوں کا کفارہ بنا دیتا ہے یہاں تک کہ کانٹا

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۳۱ وَمِنْ اٰيٰتِهِ

اور نہیں تمہارا اللہ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ۔ ۳۱ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں

الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝۳۲ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ

سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں ۳۲ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ ٹھہرے رہیں

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۳

ساکت اس کی پشت پر۔ بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لیے

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۴ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے ۳۴ انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور وہ درگزر فرماتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور (اس حکمت سے) جان لیں گے جو

جو مومن کو پہنچتا ہے۔ بعض بندوں کو امتحان کے لیے مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور بعض مقربین کے مدارج اور مناصب بلند کرنے کے لیے انہیں گوناگوں تکالیف سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام معصوم نبی تھے لیکن بدکار یہودیوں نے آپ کو ذبح کیا اور آپ کا سر بنی اسرائیل کی ایک پیشہ ور رنڈی کو بطور تحفہ پیش کیا۔

ولی کا معنی ہے متولیا الشیٔ من امورکم بالاستقلال یحمیکم من المصائب یعنی وہ شخص جو مستقلاً تمہارے کسی کام کا متولی ہو اور تمہیں وہ مصیبتوں سے بچائے۔ نصیر: یدفعھا عنکم، جو مصیبتوں کو تم سے دور کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے پایاں کی ایک اور دلیل پیش فرماتا ہے کہ اے اہل مکہ تم تجارت پیشہ ہو۔ تمہیں دور دراز سمندر میں سفر کرتے رہتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ وہ بادبانی جہاز جو پہاڑوں کی طرح بلند بالا اور محلوں کی طرح آرام دہ ہوتے ہیں اور وزنی سامان اٹھائے پانی کی سطح پر تیرتے جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہواؤں کو چلنے سے روک دے تو تم کس طرح ان بھاری بھرکم جہازوں کو گھسیٹ کر منزل مقصود تک پہنچاؤ گے یا ان نرم نرم ہواؤں کے بجائے جن کے دوش پر تمہارے جہاز خراماں خراماں ساحل کی طرف بڑھ رہے ہیں، اگر تند و تیز طوفان بھیج کر تمہارے کو ٹوٹوں کے باعث کہیں غرق کر دے تو تم کیا کر سکتے ہو۔ اتنے بے بس اور ضعیف ہو کر تم رب العالمین سے اکڑتے ہو۔ اپنی حقیقت کو پہچانو اور اس سرکشی سے باز آجاؤ۔ جواری کا واحد جاریۃ ہے۔ یعنی کشتی کیونکہ وہ آب رواں پر رواں رہتی ہے۔ اعلام، جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی پہاڑ بھی ہے اور محل بھی۔ الاعلام الجبال وقال مجاھد الاعلام القصور۔ (قرطبی)

اوبق کا معنی ہے ہلاک کرنا۔ یہاں اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو ہواؤں کا چلنا ہمیشہ کے لیے موقوف کر دیا جائے یہاں تک کہ جہاز بیچ سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سخت طوفان آجائیں اور جہازوں کو الٹ کر رکھ دیں۔ پرانے بادبانی

يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَا أُوتِيتُم مِّن

جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے یہ

شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ

دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو

آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ

ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ۳۵ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے

الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ

گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں ۳۶ اور جو اپنے

جہازوں کی جگہ آج کل سٹیم، ڈیزل اور ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہازوں نے لے لی ہے لیکن سمندر میں اٹھنے والے طوفانوں کی تباہ کاریوں کے سامنے ان کی حیثیت بھی تنکے سے زیادہ نہیں۔ پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بادبانی کشتیاں ساحل تک پہنچتی تھیں آج بھی اسی کے کرم کے طفیل ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہاز سلامتی سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔

سمندر ان کے، جہاز ان کے، ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر، گرہ ہے تقدیر کا بہانہ

۳۵ یہ دولت و ثروت، یہ حویلیاں اور محلات، یہ زمینیں اور کارخانے یہ سارے ٹھاٹھ فانی ہیں اور چند روزہ دنیوی زندگی میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ جس کم عقل نے ان فانی چیزوں کو اپنا حاصل حیات بنا لیا اس سے زیادہ گھاٹے والا کون ہوگا۔ ادھر زندگی کا چراغ بجھے گا ادھر سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ البتہ اہل ایمان کے لیے اور توکل کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو لازوال نعمتیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں وہ باقی اور سرمدی ہیں۔ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا تو کئی لوگ انہیں ملامت کرنے لگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری)

۳۶ سابقہ آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو خصوصی انعامات ہیں وہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے جنہیں یہ ابدی نعمتیں بخشی جائیں گی۔ بتایا کہ یہ اہل ایمان کا حصہ ہے۔ ان اہل ایمان کی خوبیوں اور خصائل حمیدہ کا بیان شروع ہے۔ ایک خوبی تو ان کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ اس آیت میں مزید ان کی دو خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک خوبی تو یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں اپنے دامن کردار کو ان سے آلودہ نہیں ہونے دیتے اور ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ جب انہیں

اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ؎ اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں ؎

ستایا جاتا ہے یا انہیں مشتعل کیا جاتا ہے تو بھی وہ کسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غضب ناک ہو کر اپنے آپ سے باہر نہیں ہو جاتے اور بے قابو نہیں ہونے لگتے بلکہ بڑے حلیم اور بردبار ہیں۔ کوئی لاکھ انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کرے یہ اشتعال میں آنے کا نام نہیں لیتے۔ متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہیں بلکہ دل دکھانے والوں کو برا بھلا کہنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

صاحب لسان العرب نے اثم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا: الاثم: الذنب وقیل ان یعمل ما لا یحل لہ۔ اثم کا معنی گناہ ہے یا ایسا کام کرنا جس کا کرنا حلال نہ ہو۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ ہر وہ کام جو نیک اعمال میں تاخیر کا باعث ہو اسے اثم کہتے ہیں۔ الاثم اسم لفعل مبطئ عن الثواب۔ (تاج العروس) اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو ثواب میں تاخیر کا باعث ہو۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل ضیاء القرآن جلد اول سورہ النساء کی آیت ۳۱ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

فواحش بھی اگرچہ گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن ان کبیرہ گناہوں کو فواحش کہتے ہیں جن میں پرلے درجے کی بے حیائی اور قباحت ہو۔ اس صورت میں عطف الخص علی العام ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ دو قسمیں ہیں۔ تفصیل میں بعض دوسرے متعدد الفاظ بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

؎ وہ سعادت مند جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ابدی نعمتیں ہیں ان کی چند مزید صفات حمیدہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ استجابت کسی کی دعوت پر لبیک کہنا یعنی جب اللہ تعالیٰ کے رسول نے حق قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے صدق دل سے اس پر لبیک کہی۔ پھر بڑے ذوق و شوق سے اس کی عبادت، اس کے احکام کے مطابق بجا لاتے ہیں۔

؎ علامہ راغب شوریٰ کی تحقیق کے ضمن میں لکھتے ہیں: التشاور والمشاورۃ والمشورۃ استخراج الرأی بمراجعۃ البعض الی البعض من قولھم شرت العسل اذا اتخذتہ من موضعہ واستخرجتہ منہ یعنی آپس میں تبادلہ خیال اور بحث و تکرار کے بعد کوئی رائے قائم کرنے کو تشاور، مشاورت اور مشورہ کہتے ہیں۔ اس لیے جب چھتے سے شہد نکالا جائے تو عرب کہتے ہیں شُرْتُ العسل۔

امام ابن عربی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی مشکل یا اہم مسئلہ پیش آتا تو سب اکٹھے ہو کر اس کے ہر پہلو پر گفتگو کرتے اور آخرکار ایک صائب نتیجہ پر پہنچتے۔ اذا حزبھم امر تشاوروا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی ایسی مشکل پیش آتی تو صحابہ کو بلا کر مجلس مشاورت منعقد فرماتے اور بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ فرماتے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ کار رہا۔ حضرت فاروق اعظم نے ایک مجلس شوریٰ مقرر کی ہوئی تھی جو جلیل القدر صحابہ پر مشتمل تھی اور تمام ملکی سیاسی، جنگی اور قانونی معاملات زیر بحث آتے اور مجلس کے فیصلہ کے مطابق عمل کیا جاتا۔ کسریٰ اور قیصر کے مقابلہ کے لیے حضرت فاروق اعظم نے بنفس نفیس تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو خلاف مصلحت سمجھا اور خود جانے سے روکا اور آپ کی رائے کے مطابق عمل کیا گیا۔ اس آیت میں اسلامی سیاست کا ایک اہم ترین اصول بتایا گیا ہے۔ جب بطرف ملوکیت اور شخصی آمریت کا ابطال بالاتفاق ہو چکا اور آمرانہ سارے معاملات ملک کے لیے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ

اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا ۹۱

قانون چلانے کے مجاز تھے لیکن جن کے لیے قانون بنایا جا رہا ہو تا ان کی پسند اور ناپسند ان کے فائدہ اور نقصان کا جائزہ لینا قطعاً ضروری نہ خیال کیا جاتا۔ اس مطلق العنان حکمران کی جو مرضی میں آ جاتا وہی ملک کا قانون قرار پاتا خواہ اس سے سارا ملک ہی گوناگوں مشکلات میں بگڑ جائے۔ اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں قابل قدر دور رس اور انقلابی نوعیت کی تبدیلیاں کیں وہاں سیاسی زندگی کو بھی نئے اصولوں سے آشنا کر دیا۔ ان میں ایک شورائی نظام ہے۔ یعنی ہر کام جس کا تعلق عوام سے ہو اس کے بارے میں ان لوگوں سے ضرور صلاح مشورہ کیا جائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ رعایا کی دل جوئی ہوتی ہے بلکہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور استبدادی طریقہ کار سے جو گھٹن اور ذہنی کی کشمکش تلب و روح کو ڈس رہی ہوتی ہے اس سے نجات حاصل ہوتی ہے نیز قومی سطح پر کسی اہم معاملہ کے متعلق فرد واحد کا فیصلہ نافذ کرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے محدود علم ناقص تجربہ یا اپنی ذاتی منفعت کے باعث کوئی غلط فیصلہ کر دے جس کا نقصان ساری قوم کو برداشت کرنا پڑے اور پھر بھی اس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ اس لیے مشورہ کا حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی قابلیت، تجربہ اور معاملہ فہمی کی صلاحیتوں کے مطابق مشورہ دے اور اس کی برکت سے منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جائے گی۔

۹۱ اس سے پہلے اہل ایمان کی جو خصوصی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسے اگر تکلیف دی جاتی ہے یا ستایا جاتا ہے تو وہ غضب ناک ہو کر آپے سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ بردباری اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ اس آیت میں بندۂ مومن کی ایک اور خوبی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر کوئی اس پر بے جا زیادتی کرتا ہے اور اسے کمزور سمجھ کر اس کو دبانا چاہتا ہے یا اس کے دین متین کے خلاف کوئی محاذ قائم کر لیتا ہے تو پھر یہ شیر نر کی طرح میدان میں اتر آتا ہے اور اس وقت تک پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا جب تک باغیوں اور سرکشوں کے غرور کو خاک میں نہ ملا دے اور ان کی قوت کو پاش پاش کر کے نہ رکھ دے۔ اس وقت وہ طوفان بن کر اٹھتا ہے ظلم و تعدی، کفر و طغیان کے مغرور و متکبر علمبرداروں کو تنکوں کی طرح بہالے جاتا ہے۔ عفو و درگزر نادر چیز ہے۔ وقت بے چارگی اور چیز۔ مومن عفو و درگزر تو کرتا ہے لیکن کوئی سرکش اس سے ذلت اور بے چارگی کی توقع کرے تو یہ عبث ہے۔ مومن متواضع اور ضعیف پر قہر و رحم کرتا ہے لیکن جو قوت و طاقت کے نشہ میں مغرور ہو کر اس کو للکارنا چاہے تو اس کی وہ ٹانگیں توڑ دیتا ہے کہ وہ اٹھ نہیں سکتا، جن میں ظلم کی رفتار ہوتی ہے کاٹ لیتے جاتے ہیں اور وہ آنکھ پھوڑ دی جاتی ہے جو ان کی طرف بری نیت سے اٹھتی ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ينتصرون ای **ينتقمون** علامہ ابن منظور کہتے ہیں۔ **الانتصار** **الانتقام** **وانتصر منه ای انتقم** (لسان)
علامہ قرطبی لکھتے ہیں **ای اذا نالهم ظلم من ظالم لم يستسلموا الظلمه** یعنی اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرتا ہے تو وہ اس کے سامنے سر نہیں جھکاتے بلکہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ جاتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ایمان کے طرز عمل کو یوں بیان

هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا

(مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے پس جو معاف کر دے

فرمایا ہے۔ انهم کانوا یکرھون ان یذلوا انفسھم فتجترأ علیھم الفساق۔ یعنی اہل ایمان اس بات کو ازحد ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و خوار بنائیں تاکہ فاسق اور فاجر ان پر دست درازی کر سکیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے سامنے وہ فولاد کی چٹان بن جاتے ہیں اور بدمست مغروروں کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں خوب کہا ہے وقال البیضاوی وصفھم بسائر امہات الفضائل منھا کراھۃ التذلل وھی لاتخالف وصفھم بالغفران فانہ ینبأ عن عجز المغفور والانتصار عن مقاومۃ الخصم والحلم عن العاجز محمود وعن المتغلب مذموم لانہ اجرأ واغراء۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی بنیادی خوبیوں سے توصیف فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و خوار ظاہر کرنے کو ازحد ناپسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ آیت پہلی آیت کے مخالف ہے جس میں غفران ان کی صفت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عاجز اور درماندہ سے عفو و درگزر کرنا بہتر ہے اور مدمقابل دشمن سے انتقام لینا عین حکمت ہے۔ کمزور سے حلم محمود ہے اور زبردست سے حلم مذموم ہے کیونکہ اس طرح وہ ظلم کرنے پر اور زیادہ جری ہو جائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اذا انت اکرمت الکریم ملکتہ
وان انت اکرمت اللئیم تمردا

اگر تو کسی شریف آدمی کی عزت کرے گا تو وہ ہمیشہ کے لیے تیرا ممنون رہے گا اور اگر تو کسی کمینہ فطرت آدمی کی عزت کرے گا تو وہ اور زیادہ سرکش ہو جائے گا۔

فوضع الندٰی فی موضع السیف بالعلٰی
مضر کوضع السیف فی موضع الندٰی

یعنی جہاں تلوار استعمال کرنا چاہیے وہاں سخاوت سے کام لینا مضر ہے جس طرح سخاوت کے موقع پر تلوار کا استعمال خطرناک ہے۔

۳۲ کیونکہ ظالم سے انتقام لینے کو مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ انتقام لینے والا حد سے تجاوز کر جائے اور کل کا مظلوم جوش انتقام میں خود ظالم بن جائے۔ اس لیے فوراً متنبہ کر دیا کہ انتقام میں بھی انصاف کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ جتنی زیادتی کسی نے تم پر کی ہے اتنی ہی زیادتی تم اس پر بھی کر سکتے ہو۔ انتقام کی اجازت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اب اسے کھلی چھٹی مل گئی ہے جس طرح چاہے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔

وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ

اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے ۶۱ بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ۶۲ اور جو

انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا

بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی راستہ نہیں ۶۳ بے شک

السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ

راستہ ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ

ناحق۔ یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص (ظالم کی) زیادتی پر صبر کرے اور طاقت کے

۶۱ بسا اوقات انتقام لینے سے ظالم کا دماغ درست ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آجاتا ہے اور بسا اوقات انتقامی کارروائی سے فتنہ بڑھتا ہے اور شور و شر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اہل ایمان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر عفو و درگزر سے بگڑے ہوئے حالات اصلاح پذیر ہو جاتے ہوں اور مشتعل جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہوں تو اگر کوئی شخص انتقام لینے کی اجازت کے باوجود معاف کر دے اور اپنے احساسات اور جذبات پر قابو پالے تو گو وقتی طور پر اسے تکلیف ضرور ہوگی لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا رب قدوس و کریم ایسا عطا فرمائے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہو جائے گا۔

۶۲ وہ شخص جو ظلم کی ابتدا کرتا ہے اور وہ مظلوم جو جوشِ انتقام میں اندھا ہو جاتا ہے اور حد سے تجاوز کر جاتا ہے، دونوں ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو پسند نہیں کرتا۔

۶۳ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ امن پسند ہوتے ہیں۔ مظلوم اگر ظالم کا دستِ ظلم کاٹنے کے لیے تلوار بے نیام کرتا ہے تو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو جوابی کارروائی پر ملامت کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ظالم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ دل کھول کر لوگوں پر جور و جفا کے تیر چلاتا ہے۔ قرآن کا یہ فلسفہ نہیں ہے۔ صاف اعلان کیا جا رہا ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کے لیے مظلوم جو کارروائی کرے گا، بشرطیکہ وہ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے، اس پر کسی قسم کی ملامت نہ ہوگی۔ ملامت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ظلم و زیادتی کا آغاز کیا اور زمین میں ناحق فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ

باوجود معاف کردے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ٦١ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کا کوئی

مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ

کارساز نہیں اس کے بعد ٦٢ اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب (تو چلا اٹھیں گے)

يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا

پوچھیں گے کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ ٦٣ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جا رہے ہوں گے دوزخ

خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ

پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے ذلت کے باعث، دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری ٦٤ اور کہیں گے

٦١ لفظ عزم کی تحقیق کرتے ہوئے علماء لغت نے لکھا ہے قال الليث ما عقد عليه قلبك من امر انك فاعله۔ ایسے کام پر جس کو تو کرنے والا ہے تیرے دل کا پختہ ارادہ کرنا عزم کہلاتا ہے (لسان العرب)۔ علامہ جوہری کہتے ہیں عزمت على كذا اذا اردت فعله وقطعت عليه۔ جب تو کسی کام کا قطعی ارادہ کرلے تو عرب کہتے ہیں عزمت على كذا (الصحاح)۔ علامہ راغب کہتے ہیں۔ العزم والعزيمة عقد القلب على امضاء الامر۔ کسی کام کی تکمیل پر دل کا پختہ ارادہ کرنا عزم اور عزیمہ کہلاتا ہے۔ آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ صبر اور مغفرت ان امور میں سے ہیں جنہیں بندہ کو اپنے نفس کے لیے واجب کرنا چاہیے کیونکہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود اور پسندیدہ ہیں۔ اى من معزومات الامور اى مما يجب العزم عليه من الامور او مما اوجبه العبد على نفسه لكونه من الامور المحمودة عند الله تعالى (روح البیان)۔

٦٢ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کس کو گمراہ کرتا ہے اس کے متعلق قرآن کریم میں بار بار بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلسل نافرمانی اور سرکشی سے اپنی صلاحیتوں کو برباد کردیتے ہیں۔ دعوت حق سننے اور راہ حق دیکھنے سے اپنی گوش و چشم بند کر دیتے ہیں ان لوگوں کو گمراہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ گمراہی کے بغیر وہ اور کسی چیز کے طلبگار ہی نہیں ہوتے۔ جس دل میں ہدایت کی خواہش نہ ہو بلکہ حق کو حقارت سے مسترد کرنا ہی اس کا اصول ہو چکا ہو تو قدرت زبردستی اس کو ہدایت قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔

٦٣ آج کفار کو سمجھایا جاتا ہے لیکن اس شدید غفلت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قیامت کے روز جب بھڑکتا ہوا جہنم دیکھیں گے تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور ہوش آئے گا۔ اس وقت راہ فرار تلاش کریں گے لیکن اس روز نجات کے تمام راستے بالکل بند ہوں گے۔

٦٤ حضرت سعید بن جبیر نے طرف خفی کا معنی کیا ہے یسارقون النظر من شدة الخوف۔ یعنی شدت خوف کے باعث

اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

اہلِ ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے

الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝٤٥ وَمَا كَانَ لَهُمْ

روز۔ سنو! ظالم لوگ عذابِ ابدی میں ہوں گے ؎ اور نہیں ہوں گے ان کے

مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

ان کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ

فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝٤٦ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

تو اس کے لیے (بچنے کی) کوئی راہ نہیں۔ (لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آ جائے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ

وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ؎ نہیں ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک

مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝٤٧ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ

کرنے والا ہوگا ؎ پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا

چوری چوری کن انکھیوں سے دیکھیں گے (قرطبی) یونس کہتے ہیں کہ یہاں مِن بمعنی باء ہے اَی ینظرون بطرفٍ خفیٍ اَی ضعیفٍ من الذل والخوف یعنی ذلت اور خوف کے باعث ان کی آنکھوں کی بینائی کمزور ہو چکی ہوگی اور وہ کمزور آنکھوں سے جہنم کی طرف دیکھیں گے۔

؎ اہلِ ایمان جب جنت میں ان دوزخیوں کی حالتِ زار کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے کہ ان ظالموں سے زیادہ گھاٹا کس کو ہوا ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنایا اور اپنے اہل و عیال کو بھی تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

؎ قیامت کے روز کفار کی حالتِ زار بیان کرنے کے بعد انہیں پھر قبولِ اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے اور انہیں اس پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے تاکہ اس روز کفِ افسوس ملنے اور اشکِ ندامت بہانے کے بجائے آج ہی توبہ کر لیں جب وہ دن آ گیا تو کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔ اے منکرو! تمہارے لیے اس روز کوئی پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی۔

؎ آیت کے اس آخری فقرے کے متعدد مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ نکیر کا معنی انکار کرنا ہے یعنی قیامت

عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ

فرض تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث (تو فوراً چلانے لگتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکرگزار ہے ۷۷

کے روز جب ان کا دفترِ عمل کھول کر ان کے سامنے رکھا جائے گا تو انہیں یہ طاقت نہ ہوگی کہ اس کے مندرجات کا انکار کر سکیں۔ (السراج) مجاہد نے نکیر کا معنی ناصر اور مددگار کیا ہے یعنی قیامت کے دن ان کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچا لے۔ بعض نے نکیر بمعنی منکر یعنی بدل دینے والا، تبدیل کر دینے والا لکھا ہے۔ یعنی کوئی ایسا آدمی انہیں نہیں ملے گا جو اس عذاب میں رد و بدل کر سکے۔ النکیر والانکار تغییر المنکر (قرطبی) ابن کثیر نے یہ مفہوم بتایا ہے۔ تتنکرون عنہا وتغیبون عن بصرہ عز و جل یعنی تم اپنی شکل و صورت کو بدل کر اور اپنا حلیہ تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ کی آنکھوں سے چھپ نہیں سکتے۔ اور جاگ نہیں سکتے ہو۔

۷۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ یہ کفار آپ کی انتھک مساعی و کوششوں کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ روگردانی کیے جاتے ہیں تو آپ دلگیر و پریشان نہ ہوں۔ ان کی گمراہی اور تباہی کے بارے میں آپ سے قطعاً کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ آپ کا فرض پیغامِ حق کا پہنچانا تھا آپ نے اپنا فرض بااحسن وجوہ پورا کر دیا ہے۔ اب بھی اگر وہ باطل پر اڑے ہوئے ہیں تو یہ ان کی اپنی بدبختی ہے اور اس کی سزا یہ خود بھگتیں گے۔ حفیظ کا لفظ یہاں توجہ طلب ہے۔ علامہ پانی پتی نے اس کا معنی لکھا ہے رقیبا مواخذا علی اعراضھم ایسا نگہبان جس سے ان کی روگردانی پر مواخذہ اور باز پرس کی جا سکے۔ تاج العروس میں اس کا یہ مفہوم بتایا گیا ہے الحفیظ الموکل بالشیئ یحفظہ حفیظ اسے کہتے ہیں جسے کسی کام سپرد دار بنایا جائے اور اس کی نگہداشت و حفاظت اس کے ذمہ ہو۔ علامہ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے۔ الحفیظ المحافظ۔ نگہبان۔ ان تمام تصریحات سے حفیظ کا یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ ایسے نگہبان اور محافظ کو حفیظ کہتے ہیں جو ہر طرح سے کسی کا ذمہ دار ہو اور اس کے افعال کے لیے جواب دہ ہو۔

۷۷ انسان کی دوں ہمتی اور سطح مزاجی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ حضرت بھی عجیب شے ہے۔ اگر راحت و آرام کے دن آ جائیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور اگر اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں رنج و محن کے بادلوں میں گھر جائے تو ناشکری کی انتہا کر دیتا ہے کہ میں تو ہمیشہ سے ایسی ہی خستہ حالی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میرے نصیب میں تو کبھی خوشی دیکھی ہی نہیں۔ مسرت و شادمانی کے گزرے ہوئے سارے دن آسے بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی گزشتہ تمام مہربانیوں کا انکار کر دیتا ہے حالانکہ اس وقت بھی جب اپنے آپ کو مصائب میں گھرا ہوا پاتا ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار ایسی نعمتیں ہیں جن سے وہ لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے ان کا بھی احساس نہیں کرتا۔ منہ بسورے ہوئے اپنے رب سے روٹھا روٹھا پھرتا ہے اور آخرت کے لیے بھی مایوس و ناامید ہو کر رہ جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے

اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ

بیٹیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند۔ یا ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ

اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ بےشک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ

اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ)

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بےشک وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا

؎ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر چیز اسی کے تصرف میں ہے۔ جس کو چاہے جتنا چاہے دے دے اور اگر کسی کو کسی نعمت سے محروم رکھنا چاہے تو زبردستی اسے دینے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اولاد کے سلسلہ میں بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وہ لوگ جن کو صرف بچیاں ہی دیتا ہے۔ بیٹے کے لیے وہ ترستے رہتے ہیں اور ان کی حسرت پوری نہیں ہوتی (۲) وہ لوگ جن کو صرف بیٹے دیے جاتے ہیں (۳) جن کو ملے جلے بیٹے اور بچیاں عطا فرماتا ہے۔ (۴) وہ لوگ جو بانجھ ہیں جن میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہے۔ ان کے ہاں نہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور نہ بچی۔ آخر میں فرمایا کہ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے اور کس کو کچھ نہیں دینا ہے۔

؎ اس مقام پر وحی کے لفظ کی لغوی تحقیق اور پھر اس کا اصطلاحی مفہوم ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ صاحب تاج العروس لفظ وحی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اصل الایحاء ان یسر بعضهم الی بعض كما فی قوله تعالی یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا، هذا اصل الحرف ثم قصر او حاه علی معنی الهمه۔ فقال ابو اسحاق اصل الوحی فی اللغة اعلام فی خفاء ولذلك صار الالهام يسمى وحيا قال الازهرى وكذلك الاشارة والايماء يسمى وحيا والكتابة تسمى وحيا۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۵) یعنی ایحاء کا اصل معنی تو یہ ہے کہ راز داری سے کسی کو کچھ کہنا۔ قرآن کریم میں ہے یوحی بعضهم

الی بعض۔ یہ اس کا اصل معنی ہے۔ پھر کبھی اس کا اطلاق صرف الہام پر ہوتا ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں وحی کا اصلی لغوی معنی پوشیدہ طور پر کسی کو کوئی چیز بتا دینا ہے۔ اسی وجہ سے الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ ازہری کہتے ہیں اشارہ کرنے اور لکھ کر کوئی چیز دینے کو بھی وحی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی کسی دوسرے آدمی کو خبر نہیں ہوتی۔

علامہ راغب اصفہانی نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے:

"اصل الوحی الاشارۃ السریعۃ . . . . وذالک یکون بالکلام علی سبیل الرمز . . . وباشارۃ ببعض الجوارح وبالکتابۃ . . . . وعلی ھذہ الوجوہ قولہ وکذالک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا فذالک الوسواس المشار الیہ بقولہ من شر الوسواس الخناس. ویقال للکلمۃ الالھیۃ التی تلقی الی انبیاءہ واولیاءہ وحی وذالک اضرب حسبما دل علیہ قولہ تعالیٰ وما کان لبشر الآیۃ وذالک اما برسول مشاھد تری ذاتہ ویسمع کلامہ کتبلیغ جبرئیل للنبی فی صورۃ معینۃ واما بسماع کلام من غیر معاینۃ کسماع موسیٰ کلام اللّٰہ تعالیٰ واما بالقاء فی الروع کما ذکر علیہ السلام ان روح القدس نفث فی روعی واما بالالھام نحو اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ واما بتسخیر نحو قولہ تعالیٰ واوحی ربک الی النحل او بمنام کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انقطع الوحی وبقیت المبشرات رؤیا المومن فالالھام والتسخیر والمنام دل علیہ قولہ الا وحیا وسماع الکلام معاینۃ دل علیہ قولہ او من وراء حجاب وتبلیغ جبرئیل فی صورۃ معینۃ دل علیہ قولہ او یرسل رسولا فیوحی الیہ"

ترجمہ:

وحی کا اصل معنی اشارۂ سریعہ ہے۔ یہ کبھی ایسے کلام سے ہوتا ہے جو بطور رمز مستعمل ہو۔ . . . یا بعض اعضا کے اشارہ سے یا کتابت سے۔ ان مذکورہ وجوہات کے لیے ملاحظہ ہو یہ آیت وکذالک جعلنا الآیۃ یعنی اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن یعنی سرکش انسان اور جن چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے۔ شیطانوں کی اس باہمی گفتگو کو وسواس کہتے ہیں جس کی طرف من شر الوسواس الخناس سے اشارہ کیا گیا ہے اور کلمۂ الٰہی جس کا القاء انبیاء یا اولیاء کی طرف کیا جاتا ہے اسے وحی کہتے ہیں اور اس وحی کی کئی قسمیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے وما کان لبشر الآیۃ۔ یہ وحی یا تو بذریعہ فرشتہ ہوگی جس کو وہ نبی دیکھے گا اور اس کے کلام کو سنے گا جس طرح جبرئیل شکل معین میں حاضر ہوتے تھے یا یہ وحی اس صورت میں ہوگی کہ کلام تو سنائی دے رہا ہے لیکن متکلم دکھائی نہیں دے رہا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی سنتا یا یہ وحی بصورت القاء ہوگی جیسے حضور نے فرمایا ان روح القدس نفث فی روعی۔ روح القدس نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی یا بذریعہ الہام ہوگی جیسے واوحینا الی ام موسیٰ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی فرمائی یعنی انہیں بذریعہ الہام بتایا یا یہ وحی بذریعہ تسخیر ہوگی یعنی اس چیز کی فطرت اور طبیعت میں کوئی بات ڈال

اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے ۔ ۵۳ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے ۵۴

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ

لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ

دی گئی جس کی بجا آوری ایسی چیز طبعاً مجبور ہے جیسے اوحی ربک الی النحل آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی یا جیسے خواب ہوگی جیسے حضور نے فرمایا وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اب خوش خبریاں رہ گئیں یعنی مومن کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں پس الہام تسخیر اور خواب کی شکل میں جو وحی ہوتی ہے اس پر آیت کے اس فقرہ نے دلالت کی ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اور پس پردہ کلام سننے کی صورت میں جو وحی ہوتی ہے اسے او من وراء حجاب سے تعبیر کیا اور جو وحی جبرئیل لے کر آتے تھے اس پر آیت کے اس فقرہ او یرسل رسولا نے روشنی ڈالی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ تیسری قسم انبیاء کرام سے مخصوص ہے۔ بل انہ مخصوص بالانبیاء علیہم السلام (روح المعانی)

۵۳ یہاں روح سے مراد قرآن کریم ہے جس طرح روح جسم کو زندہ کرتی ہے اسی طرح قرآن حکیم دلوں کو حیات جاویدہ عطا کرتا ہے اس لیے اسے روح فرمایا گیا۔ کذالک سے مراد وحی کی مذکورہ تمام قسمیں ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کی ان تمام قسموں کا نزول ہوتا تھا۔

۵۴ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا انبیاء کرام کو بعثت سے پہلے ایمان اور کتاب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ آیت پڑھتے ہیں و اٰتینٰہ الحکم صبیا اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت سے مشرف فرمایا۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آپ کی عمر تین سال تھی اور حکم سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں ہی اعلان فرمایا انی عبداللہ اٰتٰنی الکتٰب وجعلنی نبیا وجعلنی مبٰرکا این ما کنت یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی میں ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کمسن ہی تھے کہ بھائیوں نے ان کے گلے میں رسی ڈال کر کنویں میں لٹکا دیا تھا۔ اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ سنایا تھا کہ واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھٰذا یعنی ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ انہیں ان کے اس فعل پر آگاہ کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت خلیل سے عرض کیا تھا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اے پدر بزرگوار! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔

اگر ان حضرات انبیاء کو بچپن میں بھی ان امور پر آگاہی بخش دی گئی تھی اور ان سے وہ محیر العقول کارنامے صادر ہوئے جو معرفت اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ہی ثمر ہو سکتے ہیں تو حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ حضور کو ایمان اور کتاب کا علم نہ تھا۔ سرور کائنات کی قبل از اعلان نبوت زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی اس مفروضے کی تکذیب کرتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: لما نشأت بغضت الی الاوثان وبغض الی الشعر ولم اهم بشیء مما كانت الجاهلية تفعله الا مرتین فعصمني الله منهما ثم لم اعد۔ جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں اور شعر گوئی کے متعلق بغض اور نفرت پیدا کر دی گئی اور میں نے جاہلیت کے کاموں کا کبھی ارادہ نہیں کیا صرف دو مرتبہ خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اس کے بعد میں نے ان کا قصد نہیں کیا۔

حضور بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام گئے۔ اسی سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضور میں نبوت کی علامات دیکھیں تو آزمانے کے لیے اس نے حضور کو لات و عزیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا۔ حضور نے اپنی کمسنی کے باوجود ارشاد فرمایا: لا تسئلني بهما فوالله ما ابغضت شيئا قط بغضهما۔ یعنی اے راہب! مجھ سے ان بتوں کے واسطے سے کوئی بات مت پوچھو۔ بخدا مجھے جتنی نفرت ان سے ہے اور کسی سے نہیں۔

انبیاء کے بچپن کے احوال لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ثم يتمكن الامر لهم وتترادف نفحات الله عليهم وتشرق انوار المعارف في قلوبهم حتى يصلوا الغاية ويبلغوا باصطفاء الله تعالى لهم بالنبوة في تحصيل الخصال الشريفة دون ممارسة ولا رياضة۔ پھر ان کے حالات میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے انہیں برگزیدہ کیا ہے۔ وہ اوصاف حمیدہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں کسی مشق اور ریاضت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: الصواب انه معصوم قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك في شيء من ذلك وقد تعاضدت الاخبار والآثار عن الانبياء بتنزيههم عن هذه النقيصة منذ ولدوا ونشأتهم على التوحيد والايمان بل على اشراق انوار المعارف ونفحات الطاف السعادة ومن طالع سيرهم منذ صباهم الى مبعثهم حقق ذلك (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی اس بات سے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جاہل ہوں یا ان میں سے کسی بات میں ان کو شک ہو۔ بکثرت ایسی احادیث و آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء بچپن ہی سے اس عیب سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی نشو و نما توحید اور ایمان پر ہوتی ہے بلکہ معرفت کے انوار ان پر ضوفشاں رہتے ہیں۔ سعادت اور ربانی الطاف کی مہک سے وہ معطر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔

جب حقیقت حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں۔ مجھے یہ جواب ان میں سے زیادہ پسند ہے:

ما كنت تدري ما الكتاب لولا انعامنا عليك ولا الايمان لولا هدايتنا لك۔ یعنی آپ پر اگر ہمارا لطف و انعام نہ ہوتا

لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی

رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف لٹ جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نشے خبردار! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے لشے

تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی رہنمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا علم بھی نہ ہوتا۔

(ملتقطا عن تفسیر القرطبی)

نیز درایت کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ درایت کہتے ہیں المعرفة المدرکة بضرب من الحیل (مفردات) یعنی کسی چیز کو ظن و تخمین سے یا اٹکل پچو سے جاننا۔ تاج العروس میں اس کا یہی معنی لکھا گیا ہے دریته و دریت به۔ علمته او علمته بضرب من الحیلة ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ۔ یعنی حیلہ سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہیں۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں دلائل عقلیہ سے پہچانا جا سکتا ہے اور دوسری وہ ہیں جن کی معرفت دلائل سمعیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ دوسری قسم کی معرفت نبوت سے پہلے نہ تھی۔ (کبیر)

بعض علماء نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ ای کنت من قوم امیین لا یعرفون الکتاب ولا الایمان حتی اکون قد اخذت ما جئتهم به عن من کان یعلم ذالک منهم وهو کقوله تعالیٰ وما کنت تتلو من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینك اذا لارتاب المبطلون۔

لٹ یعنی ہم نے قرآن کو نور بنایا ہے اور اس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اور اے محبوب آپ بھی صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

نشے آخر میں پھر اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا ذکر فرما دیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا خالق و مالک وہی ہے اور اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

لشے اس میں اطاعت گزاروں اور فرمانبردار بندوں کے لیے بشارت ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کے لیے دھمکی اور سرزنش ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ سب مخلوقات کے دنیوی اور اخروی امور بالآخر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کام کی وہی تدبیر فرماتا ہے۔ اس کی قضا و قدر کے بغیر کوئی پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ۔۔۔۔۔۔ وبد الک لا ۔۔۔۔۔۔ تعالیٰ مبدأ کل شیء ومرجعه و مصیره اما بالفناء والاختیاری او بالفناء الاضطراری یعنی اہل تحقیق کے نزدیک تمام افعال اور تمام احوال میں ہر کام کی بازگشت

اسی کی مثال یوں ہے جب پردے اٹھتے ہیں اور واسطے دور ہوتے ہیں تب اس معلوم کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا بھی اسی تک۔ اب چاہے کوئی اپنی مرضی اور اختیار سے اپنے آپ کو اس کی رضا میں فنا کر دے ورنہ اضطراراً تو ایسا ہو کر رہے گا۔ منزل حقیقی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس بہتر سے سفر پر ہوتے خوشی سے قبول کر لیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک جنازے کی تدفین میں شریک ہوئے۔ جب اس پر مٹی ڈال دی گئی تو آپ زار و قطار رونے لگے آنسوؤں سے مٹی تر ہو گئی۔ پھر فرمایا اے مردمان! آخر دنیا گور است و اوّل آخرت گور است چہ ما نازید بجہانے کہ آخرش این است بیچ گور و چرا نمی ترسید از عالمے کہ اولش این است بیچ گور۔ (روح البیان) اے لوگو! دنیا کا انجام قبر ہے اور آخرت کی ابتدا قبر ہے۔ اس جہان پر ناز کرنا کتنی حماقت ہے جس کا انجام قبر ہے اور اس جہان سے کیوں نہیں ڈرتے ہو جس کی پہلی منزل قبر ہے۔

الحمد لله والصلوة والسلام على اول نور اشرق من شمس الازل اللهم اجعل دنيانا غير مزوجة بالآخرة واجعل قبورنا روضة من رياضات الجنة وآنس وحشتنا بانسك وبرؤية الوجه الصبيح الذى لا زلنا مشتاقين الى رؤياه اللهم صل على صاحب الوجه الجميل والخد الاسيل والطرف الكحيل وعلى آله وصحبه وبارك وسلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ زخرف

نام : اس کا نام زخرف ہے یہ کلمہ آیت ۳۵ میں مستعمل ہوا ہے۔ اس سورت میں سات رکوع نواسی آیات اور تین ہزار چار سو حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ بھی ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کی ابتدا حٰمٓ سے ہوتی ہے اور اس کا زمانۂ نزول بھی اس سلسلے کی سورتوں کے زمانۂ نزول کے قریب قریب ہے۔

مضامین : ویسے تو قرآن کریم کی ہر سورت کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی شمع نور ہے جو شاہراہ حیات کو منور کر رہی ہے جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو اس سے لطف اندوز ہوں گے۔ البتہ چند ایسی باتیں ہیں جو آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں :

۱۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر محسن کے احسان کا شکر یہ ادا نہ کیا جائے بلکہ الٹا ناشکری اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیا جائے تو محسن اپنے احسان کا سلسلہ بند کر دیتا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے از راہ لطف و احسان انبیاء کی بعثت اور وحی کے نزول کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ لوگ ہدایت کی راہ سے بھٹک نہ جائیں۔ لیکن اس نعمت کی قدر کرنے کے بجائے کفار نے اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی ناشکری کے باعث یہ سلسلہ بند کر دیا جاتا اور گمراہی کے گھپ اندھیرے میں انہیں دھکے کھانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی تمہیں نفس اور شیطان کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا بلکہ قرآن کریم آفتاب ہدایت بن کر تمہارے مطلع حیات پر چمکتا رہے گا تاکہ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر جس وقت بھی کوئی شخص اپنی منزل کی طرف بڑھنا چاہے تو وہ بڑھ سکے۔ ہم تم سے تمہاری سرکشیوں کے باعث ناراض ہو کر یہ نعمت سلب نہیں کر لیں گے۔

۲۔ تم خود مانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے پھر تم ان اندھے بہرے بتوں کو خدا کیوں مانتے ہو اور ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اس وقت کہتے کہ ابھی ہم تو وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اس نے چاہا تو ہم نے بتوں کو پوجا، اگر وہ نہ چاہتا تو بھلا ہماری کیا مجال تھی کہ ان بتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے ہم پر یہ اعتراض نہ کرو بلکہ ہمارے خدا پر کرو جس کے ارادہ و مشیت کے ہم پابند ہیں۔ ان کے اس مغالطے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ محض جہالت اور حماقت ہے۔ اگر ان کی اس توجیہ کو قبول کر لیا جائے تو پھر دنیا بھر کے گناہوں کو سند جواز مل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قتل دیکھی

زنادقہ وغیرہ) ہوتے ہیں ' اگر وہ نہ چاہتا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ وہ کوئی ذرا سی حرکت کرے۔ اور حبیب خدا کے چاہنے سے سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر یہ سارے کام عذاب و ثواب ہوئے یہ جاہل لوگ رضا اور مشیئت کا فرق بھی نہیں جانتے۔ بے شک اس جہان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ارادہ و مشیت سے ہو رہا ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اس پر راضی اور خوش بھی ہو۔ اس کی رضا انہی کاموں سے حاصل ہوتی ہے جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے۔

۳ انہیں اس بات پر بھی سخت اعتراض تھا کہ منصب نبوت کے لیے ایسے شخص کو چنا گیا ہے جس کے پاس نہ مال و زر ہے اور نہ اعوان و انصار کا مضبوط جتھہ۔ وہ کہتے جزیرہ عرب میں دو مشہور شہر ہیں مکہ اور طائف۔ ان میں بڑے بڑے رئیس ہیں جن کی ثروت و امارت کی گرد و نواح میں دھوم مچی ہوئی ہے' جن کے اثر و اقتدار کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں' ان میں سے اگر کسی کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا تو یہ دعوت بڑی سرعت سے ملک بھر کے کونے کونے میں پھیل جاتی۔ ان کے اس اعتراض کو یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کو تقسیم کرنے کا انہیں قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کی اہلیت کس میں پائی جاتی ہے اور اس انعام کا کون حقدار ہے۔

یہ بھی بتا دیا کہ یہ کتاب مقدس یہ صحیفہ رشد و ہدایت جو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے' اس کا نزول آپ کے لیے اور آپ کی ساری قوم کے لیے وجہ عزت و شرف ہے۔ اس کی برکت سے تمہیں سمندر کی روانیاں' مہر و ماہ کی تابانیاں اور عرش کی بلندیاں نصیب ہوں گی۔ اس کے فیضان سے قافلہ انسانیت کی قیادت کا منصب تمہیں سونپ دیا جائے گا۔ اسے بوجھ مت سمجھو۔ اس کی تعلیمات کو اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ مت خیال کرو' بلکہ شرح صدر سے اسے قبول کر لو اور خوشی خوشی اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اسی ضمن میں حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے حالات کی طرف بھی اختصار کے ساتھ اشارہ فرما دیا تاکہ یہ مصائب میں ان کی اولوالعزمی باعث تسکین ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الزخرف مکی ہے۔ اس کی نواسی آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

حا۔میم [1] قسم ہے اس کتاب مبین کی [2] ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں [3] تاکہ تم (اس کے

[1] یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے ارشاد فرمایا کہ "حا" حی اور "میم" قیوم کی طرف اشارہ ہے۔

[2] واؤ قسم کے لیے ہے یعنی کتاب مبین کی قسم "مبین" ابانۃ، تبیین باب افعال کا اسم فاعل ہے۔ یہ لفظ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ اس کتاب کی قسم جو بالکل واضح، ظاہر اور روشن ہے۔ اس کے مطالب اور معارف شک و شبہ سے پاک ہیں۔ اختلاف و تضاد کا وہاں شائبہ تک نہیں۔ متعدی ہونے کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اس کتاب کی قسم جو حق اور باطل کو واضح کرنے والی ہے۔ راہ ہدایت کو راہ ضلالت سے ممتاز کرنے والی ہے۔ تبیین کے ایک لفظ سے قرآن کریم کی دونوں صفات کو بیان کر دیا کہ یہ کتاب بذات خود بڑی واضح اور روشن ہے۔ اس میں کسی قسم کا الجھاؤ اور التباس نہیں۔ نیز یہ حق و باطل کو نمایاں اور آشکارا کرنے والی ہے۔ جن لوگوں کی دل کی آنکھیں اس کے نور سے بینا ہو جاتی ہیں وہ کبھی گمراہی کی حالت میں نہیں رہتے۔ وہ بڑی آسانی سے ہدایت اور گمراہی کو پہچان لیتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ابان، استبان، وتبین متعدی هذه الثلاثة ولازمة تتعدی وقالوا ابان الشیئ واستبان وتبین وابان بمعنی واحد والکتاب المبین ای الکتاب البین وقیل معنی المبین الذی ابان طرق الهدیٰ من طرق الضلالة وابان کل ما تحتاج الیه الامة"

ترجمہ: یعنی ابان، استبان اور تبین، متعدی اور لازم دونوں طرح سے استعمال ہوتے ہیں اور حٰمٓ والکتاب المبین کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ کتاب بذات خود واضح اور روشن ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ ہدایت کے راستوں کو گمراہی کی راہوں سے الگ کرنے والی ہے اور ہر وہ چیز جس کی طرف امت کو احتیاج ہے اس کو کھول کر بیان کرتی ہے۔

[3] کتاب مبین کی قسم اٹھانے کے بعد جواب قسم کے طور پر بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں جو تمہاری مادری زبان ہے نازل فرمایا۔ اس کو یوں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم ان حقائق و معارف کو اچھی طرح سمجھ لو ان قواعد و ضوابط کو پوری طرح ذہن نشین کر لو

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ اِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَكِیۡمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضۡرِبُ

مطالب کو سمجھو۔ اور بے شک یہ (قرآن) ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں ثبت ہے بڑی اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔ کیا ہم روک لیں تم سے

جن پر تمہاری سعادت و ارجمندی کا دار و مدار ہے۔ وہ قوم کتنی خوش بخت ہے جس کو ایسی کتاب سے سرفراز کیا گیا۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "جعل" کے متعلق تحقیق کر لی جائے کیونکہ اس لفظ میں تدبر نہ کرنے کے باعث ایک بہت بڑا فتنہ خلقِ قرآن کا رونما ہوا جس نے کئی صدیوں تک امت کو گوناگوں ذہنی پریشانیوں اور دیگر مصائب و آلام میں مبتلا رکھا۔

علامہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اس کی جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں "جعل" پانچ وجوہ پر استعمال ہوتا ہے:

۱۔ صار اور طفق کا ہم معنی۔ اس وقت یہ لازمی ہوتا ہے جیسے جعل زید یقول (زید کہنے لگا)

۲۔ یہ اوجد اور خلق یعنی پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس وقت یہ فقط ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے جعل الظلمات والنور (اس نے اندھیروں اور نور کو پیدا فرمایا)

۳۔ کسی چیز سے کوئی اور چیز بنا دینا جیسے جعل لکم من الجبال اکنانا (یعنی اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں گھر بنا دیے)

۴۔ کسی چیز کو ایک حالت پر مخصوص کر دینا جیسے الذی جعل لکم الارض فراشا (اس نے تمہارے لیے زمین کو بستر بنا دیا) اسی ضمن میں علامہ راغب نے یہ آیت ذکر کی ہے۔ یعنی ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا دیا۔

۵۔ کسی چیز پر کسی چیز کا جھوٹا یا سچا حکم لگا دینا، ویجعلون للہ البنات یا انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ جعل کا معنی یہاں خلقنا نہیں ہے اور نہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا حالانکہ یہاں دو مفعول مذکور ہیں۔

صاحب قرطبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ای انزلناہ بلسان العرب۔ خازن نے بھی لکھا ہے وقیل انزلناہ یعنی ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا ہے۔ میں نے ترجمہ انہی حضرات کی تحقیق کے مطابق کیا ہے۔

گ۔ اُمّ الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ بعض علماء نے ام الکتاب کی تعبیر العلم الازلی سے کی ہے تعبیر بہ احسن ما دول ایک سی ہے قیل العلم الازلی (روح المعانی)

۵۔ یہ قرآن کریم کوئی معمولی کتاب نہیں۔ جس ذات قدوس نے اسے نازل فرمایا ہے اس کے حضور تو اس کا مرتبہ بہت اونچا اور شان بڑی بلند ہے۔ کوئی دوسری کتاب شکل اور معنوی اعجاز اور اسرار و معارف میں اس کی ہم پایہ نہیں۔ ای رفیع الشان بین الکتب لاعجازہ واشتمالہ علی عظیم الاسرار۔ (روح المعانی) لفظ حکیم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں حکیم ذو حکمۃ بالغۃ او محکم لا ینسخہ غیرہ او حاکم علی غیرہ من الکتب (روح المعانی)

یعنی حکیم سے کئی معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ یہ سراسر حکمت ہے یا یہ محکم ہے اسے کوئی دوسری کتاب یا اس کے احکام کو کوئی دوسری

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو ؁ اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

نبی پہلے لوگوں میں ؁ اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا

شریعت منسوخ نہیں کر سکتی۔ یا یہ حاکم ہے یعنی جتنے بھی تقاضہائے حیات ہیں ان سب پر اس کا فیصلہ ناطق ہے اور اس کا حکم نافذ ہے۔

۵ بڑی پیاری آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو بے پایاں محبت ہے اور ان کے حال پر خصوصی نظر عنایت ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کفار و مشرکین کو آیات بار بار پڑھ کر سنایا کرتے۔ عظیم معجزات سے اسلام کی صداقت ثابت کرتے۔ حضور کی اپنی زندگی کا ہر لمحہ آفتاب سے تابندہ تر تھا۔ یہ کوشش بہت خلوص اور پیار کے ساتھ برسوں سے شروع تھی۔ اس کے باوجود ان کا انکار اور اس انکار پر ان کا بے جا اصرار آئے روز بڑھتا ہی جاتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے ناشکر گزار لوگوں سے چشم عنایت پھیر لی جاتی، ان کو ہمیشہ کے لیے نظر انداز کر دیا جاتا تاکہ وہ ابدی محرومیوں کے سنسان اندھیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھٹکتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری رحمت، میری رأفت اور میری شفقت ایسا نہیں کرے گی۔ ہم ہر حالت میں انہیں دعوت حق دیتے رہیں گے۔ خواہ وہ قبول حق سے انکار کرتے رہیں اور اسلام کو ناکام بنانے میں عقل و دانش کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال دیں۔

اس آیت کے کلمات بھی غور طلب ہیں۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیر لے اور اسے نظر انداز کر دے تو عرب کہتے ہیں قد ضربت عنه صفحا اذا اعرضت عنه وتركته (قرطبی)

علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ای نهملکم ولا نعرفکم ما يجب عليكم لان كنتم قوما مسرفين اى لان اسرفتم (لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کو نظر انداز کر دیں گے اور تمہیں ان فرائض و واجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پر لازمی ہے اور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگر ہو۔ "صفحا" کے متعلق علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ نضرب کا مفعول مطلق ہے جیسے قعدت جلوسا۔ نیز اسے مفعول لہ اور حال بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس وقت صفحا صافحين کے معنی میں ہو گا۔ (روح المعانی)

۶ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مطہر کو تسلی دیتے ہیں کہ کفار کا آپ کے ساتھ یہ نامعقول اور سراسر غیر انسانی رویہ کوئی نرالی بات نہیں۔ جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے اسی قسم کا برتاؤ کیا تھا۔ "کم" یہاں استفہامیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے۔ كم هنا خبرية والمراد بها التكثير (قرطبی)

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

مذاق اڑایا کرتے۔ پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے ۸ اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا ۹

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو ۱۰ تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ہے انہیں بڑے

الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

زبردست، سب کچھ جاننے والے نے۔ جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ ۱۱ اور بنا دیئے ہیں تمہارے لیے

۸ جب ان قوموں کا عناد حد سے تجاوز کر گیا اور ان کی ہدایت پذیری کے سارے امکانات ختم ہو گئے تو ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا۔ ان بچارے مکہ والوں کی کیا حقیقت ہے۔ بڑی بڑی طاقتور اور ترقی یافتہ قومیں ہمارے عذاب کے سامنے لمحہ بھر کے لیے نہ جم سکیں۔ یہ تو مہلت کی گھڑیاں ہیں جو ہم نے ان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے ارزانی فرمائی ہیں اور یہ نادان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ وہ اپنی تدبیر یا قوت بازو سے عذاب الٰہی کو روکے ہوئے ہیں۔ وہ اسی طرح سدا داد عیش دیتے رہیں گے، حق کا منہ چڑاتے رہیں گے اور اہل حق کو ذلیل و رسوا کرتے رہیں گے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ جونہی مہلت کی گھڑی ختم ہوگی انہیں فوراً دھر لیا جائے گا۔

۹ گزشتہ نافرمان قوموں کا جو عبرتناک حشر ہوا اس کا تذکرہ جابجا قرآن کریم میں بیان ہو چکا ہے اور وہ بارہا اسے پڑھ چکے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۱۰ اگرچہ وہ شمع اسلام کو گل کر دینے کے درپے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبر اسلام کے خون کے پیاسے ہیں، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سیکڑوں بتوں کی پوجا پاٹ بڑی شد و مد سے کرتے ہیں، لیکن حق اتنا واضح اور اتنا آسان ہے کہ اس کے انکار کی ہمت ان میں بھی نہیں۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے، تو انہیں طوعاً و کرہاً کہنا پڑے گا کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جو عزیز بھی ہے اور علیم بھی۔ لات و ہبل یا کسی دوسرے دیوی دیوتا کا ان کی تخلیق میں رائی کے برابر بھی کوئی حصہ نہیں۔ اس اعتراف کے بعد ان کا کسی کو خدا سمجھنا اور اس کی عبادت کرنا اتنی بڑی بیہودگی اور نادانی ہے کہ اس کے بطلان کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

۱۱ اللہ تعالیٰ اپنی شان کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے۔ یعنی وہ عزیز اور علیم جس نے تمہارے لیے اس زمین کو یوں آرام دہ بنایا ہے جس طرح بچے کے لیے گہوارہ۔ تمہاری آسائش و راحت کے جملہ اسباب فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ پھر اس میں طرح طرح کی گزرگاہیں بنا دی ہیں تاکہ تم ان پر چل کر اپنی منزل تک پہنچ سکو۔

فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے

بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾ وَالَّذِي

مطابق۔ پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو، یونہی تمہیں بھی (قبروں) سے نکالا جائے گا ۱۲ اور جس نے

خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا

ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ۱۳ اور بنائیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم

اگر تم ان احسانات کی قدر پہچانو گے اور ان کا شکر ادا کرو گے تو تمہیں وہ راہ بھی مل جائے گی جو تمہیں حریم ذات تک لے جائے گی اور تم اس کے نور عرفان سے اپنے دل کی دنیا کو روشن کر لوگے۔

"مہد" گہوارے کو کہتے ہیں۔ آلوسی فرماتے ہیں: "مکانا ممهدا ای موطأً ومآلا بسبلها لکم تستقرون فیها ولا ینافی ذالک کریتها لمکان العظم" (روح المعانی)۔ یعنی زمین کے گول ہونے کے منافی نہیں کیونکہ زمین کا کرہ اتنا وسیع اور کشادہ ہے کہ یہاں اس کی کرویت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ حد نگاہ تک صاف چٹیل میدان دکھائی دیتا ہے۔

۱۲ ایک اور شان کبریائی بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اس کا ہر کام ایک اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش برستی ہے تو اندھا دھند نہیں بلکہ ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ بستی جس میں چند لمحے پہلے خاک اڑ رہی تھی، ہر طرف افسردگی اور مردنی چھائی تھی، یکایک اس میں تازگی اور شادابی کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ جو خداوند ذوالجلال لمحہ بھر میں ایک اجڑی ہوئی بستی کو آباد کر دیتا ہے وہی تمہیں قبروں سے زندہ کر کے میدان حشر میں لا کھڑا کرے گا۔ اس کے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔

۱۳ زوج سے مراد یہاں صنف اور نوع ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: "ای اصناف المخلوقات فالزوج بمعنی الصنف لا بمعناه المشهور"۔ اس کی تائید میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس الازواج الضروب والانواع کالحلو والحامض والابیض والاسود والذکر والانثی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اور قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ ذائقہ کے اعتبار سے کوئی میٹھی، کوئی ترش، رنگ کے اعتبار سے کوئی سپید کوئی سیاہ۔ پھر کوئی بے جان اور جاندار، پھر کوئی نر اور کوئی مادہ۔ یہ تنوع اتنا وسیع، اتنا دلچسپ اور اتنا مفید ہے کہ انسان اس میں جتنا غور کرے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔

تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا

سوار ہوتے ہو ﴿شلہ﴾ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر دلوں میں یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب

اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا

تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور زبان سے یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے

كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ

کی قدرت نہ رکھتے تھے ﴿شلہ﴾ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور بنا دی ہے مشرکوں نے اس کے لیے

شلہ بحر و بر میں تمہاری سواری کا بندوبست کر دیا گیا ہے تاکہ تم اپنے ساز و سامان کے ساتھ دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ سکو۔ کشتیوں اور جہازوں میں بیٹھ کر تم دریاؤں اور بیکراں سمندروں کو عبور کرتے ہو۔ اور گھوڑوں، اونٹوں، ریل گاڑیوں، کاروں پر سوار ہو کر تم خشکی کا سفر کرتے ہو۔

شلہ تاکہ جب تم ان کی پیٹھ پر بیٹھ کر سوئے منزل روانہ ہو تو تمہارے دل اپنے رب کریم کے شکر سے لبریز ہوں، تمہاری روحیں اس کے احسانات کی یاد سے سرشار ہوں اور اپنی ناتوانی اور بے بسی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان پاکیزہ کلمات سے اپنے رب کی پاکی کے نغمے گا رہے ہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا، ورنہ آتنا گراں ڈیل اور طاقتور یہ کشتی پر اترنے تو کسی کو نزدیک نہ پھٹکنے دے۔ ایک دوستی مجاتنے تو یہ طاقتور انسان کو کچھ نکال دے۔ اتنی طاقت والا حیوان ہمیں اپنی پشت پر لادے ہوئے کالے کوسوں کی مسافت چپکے چپکے طے کرتا جا رہا ہے۔ نہ تھکاوٹ کی شکایت اور نہ بھوک و پیاس کا شکوہ۔ یہ اطاعت، یہ سرافگندی اسے میرے رب کریم نے اس کے دل میں ڈال دی ہے۔ ہم اس حقیقت کو بھی صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ ہم سب نے تیری جناب میں لوٹ کر حاضر ہونا ہے۔

اسلام کی جامعیت کی یہ بین دلیل ہے کہ اس کی روشنی سے زندگی کے سارے گوشے منور ہو رہے ہیں اور اس کے فیض سے جانداری کا ہر شعبہ بہرہ ور ہو رہا ہے۔ ان آیات میں کسی مرکب پر، جانور ہو یا کشتی، ہو یا گاڑی اور اس پر سوار ہونے کے اسلامی آداب سکھائے جا رہے ہیں۔ ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو جس وقت رکاب میں قدم رکھا تو فرمایا بسم اللہ۔ جب اس کی پشت پر تشریف فرما ہوئے تو الحمد للہ۔ پھر یہ آیت پڑھی سبحان الذی ... الی لمنقلبون۔ اس کے بعد تین مرتبہ الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا۔ پھر تین مرتبہ کہا لا الہ الا انت ظلمت نفسی فاغفر لی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ پھر آپ ہنس پڑے۔ عرض کی گئی امیر المومنین ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دیکھا کہ حضور نے ایسا کیا جیسا میں نے کیا۔ وہی کلمات کہے جو میں نے کہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے۔ ہم نے عرض کی حضور

وَجَعَلُوا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ

اس کے بندوں سے اولاد ۱۵؎ بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے ۱۶؎ کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں (اپنے لیے) اپنی

بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ ۱۷؎ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے

آپ کیوں ہنستے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جب بندہ یہ الفاظ کہتا ہے رب اغفرلی الخ تو اللہ تعالیٰ اس کے یہ کلمات سن کر بہت خوش ہوتا ہے۔ تعجب کا اظہار کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ گناہوں کو بخشنے والا میں ہی ہوں، اور کوئی نہیں بخش سکتا۔ جب منزل مقصود پر پہنچ جائے اور سواری سے اترے تو اس وقت یہ پڑھے۔ اللھم انزلنا منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین کشتی یا جہاز میں سوار ہوتے ہوئے یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جب گھر سے سفر پر روانہ ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ دعا پڑھے۔ آپ بھی اسے یاد کر لیں۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔ اے اللہ! سفر میں تو میرا ساتھی ہے اور میرے اہل اور مال کا نگہبان ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقتوں سے اور لوٹنے کی تکلیف سے اور حالات کی درستی کے بعد ابتری سے اور اپنے اہل اور مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اب آیات کے چند کلمات پر غور فرمائیے۔ استوی "سوار ہو" پر جم کر بیٹھ جانا۔ ظہورہ ضمیر کا مرجع الفلک اور الانعام ہے جو جمع ہے۔ قاعدہ کے مطابق ظہورھا ہونا چاہیے تھا لیکن ما ترکبون میں ما موصولہ کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے واحد مذکر کی ضمیر ذکر کر دی۔ مقرنین "قال الجوھری واقرن لہ ای اطاقہ وقوی علیہ قال اللہ تعالیٰ وما کنا لہ مقرنین ای مطیقین (الصحاح) یعنی کسی چیز کا بوجھ اٹھانا اور اس کو اپنا مطیع کر لینا۔

۱۵؎ کفار فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور یہی اس کا جزو ہوا کرتی ہے۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کے اقوال کا تضاد قابل دید ہے۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ زمین اور آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں بھی ہیں۔ انسان ذرا غور کرے تو ان کی یہ خرافات کتنے لغو اور بیہودہ ہیں۔ انسان تو اولاد کا اس لیے خواہش مند ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں وہ عصائے پیری ثابت ہو، خدمت اور دلجوئی کی ہمت میں اس کی خدمت کرے، مرنے کے بعد اس کی جانشین ہو، اس کی وراثت بنے اور اس کی یاد کو تازہ رکھے۔ لیکن خالق کائنات بڑھاپے، مرض، موت وغیرہ سے پاک ہے۔ وہ ان کمزوریوں سے بالاتر ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ عقل و فہم سے جو لوگ بے بہرہ ہیں، اور جن کے ہوش و خرد کے چراغ بجھ چکے ہیں وہی یہ بکواس کی جرأت کر سکتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۱۶؎ الانسان سے مراد یہاں کافر ہے۔ کفور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ از حد ناشکر گزار۔

۱۷؎ اللہ تعالیٰ جس طرح بیٹیوں سے منزہ ہے اسی طرح بیٹوں سے بھی مبرا ہے۔ یہاں فقط کفار کی اس بے ہودہ بات کے بعض پہلو

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا

رحمان کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ دن بھر سیاہ رہتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے ۱۶ کیا وہ (اللہ کی) اولاد ہے جو پرورش

فِی الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

پاتی ہے زیور میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی ۱۷ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو

کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے لیے تو بیٹوں کو پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔

۱۶ یعنی ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر ان کو بتایا جائے کہ ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو ان کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ چہروں پر مایوسی کی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ایسی جنس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی۔ ان کی بیوی بیٹی جنے تو گھر میں آنا جانا بند کر دیتے ہیں، ان کی چہیتی بیگم ان کو چڑیل کی مانند ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے۔ ایک عرب عورت اپنے خاوند کی اس بے رخی کو یوں بیان کرتی ہے:

ما لأبي حمزة لا يأتينا   يظل في البيت الذي يلينا
غضبان ان لا نلد البنينا   وانما نأخذ ما اعطينا

یعنی میرے خاوند ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب وہ ہمارے ہاں آتا ہی نہیں اور ساتھ والے مکان میں ہی رہتا ہے۔ وہ اس لیے غضب ناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں جو ملتا ہے وہی ہم لیتی ہیں۔

۱۷ ان کی اس تقسیم کے معیوب ہونے کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی بچیاں جو ناز و نعم میں پلتی ہیں اور کسی مجلس میں اپنا مدعا واضح طور پر بیان کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مملکت خداوندی کے فرائض و مہمات کو وہ کامیابی سے انجام دے سکیں۔ نہ ان میں زور بازو کہ شمشیر و سناں بکف میدان میں اتر سکیں اور نہ ان میں جرأت و بیان کی استعداد کہ وہ زبان سے حق کا بول بالا کر سکیں۔ ایسی بے مصرف اولاد کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے۔

اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے۔ حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔
عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لبس الحریر والذهب حرام علی ذکور امتی وحلال لإناثها۔ یعنی ریشم اور سونے کا استعمال میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک عورتیں زیور پہنتی آئی ہیں اور کسی نے اس کو ناجائز نہیں کہا۔ اس لیے اخبار آحاد سے عورتوں کے لیے زیور کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (احکام القرآن ج ۳)

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ

جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں۔ ۲۱ کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت؟ لکھی جائے گی

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ

ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی ۲۲ اور (کفار) کہتے ہیں کہ اگر چاہتا (خدائے) رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے ۲۳

۲۱ یہاں کی الف ذیباں اور لن ترانیاں حقیقت کے سراسر خلاف ہیں۔ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو ہر وقت اس کے ذکر میں محو رہتے ہیں اور اس کے جملہ احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو ظالموں نے خدا کی بیٹیاں کہنا شروع کر دیا ہے یہ کتنا ظلم اور کس قدر نا انصافی ہے۔

۲۲ ایسی نامعقول اور لغو بات پر ان کا یوں اڑ جانا آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو کیا یہ لوگ اس وقت موجود تھے جب اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ ان کو بیٹیاں کہہ رہے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو وہ اس پر شہادت پیش کریں۔ ان کی یہ شہادت قلمبند کر لی جائے گی جب وہ روز قیامت ہمارے روبرو پیش ہوں گے تو ہم اس شہادت کے متعلق ان سے باز پرس کریں گے۔ ان کو جواب دہی کے لیے آج ہی سے تیار ہو جانا چاہیے۔

۲۳ اگر کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ وہ بڑا زیرک اور دانا ہے یا کوئی جاہل اپنی جہالت کو علم و فضل خیال کرنے لگے تو افہام و تفہیم کا مرحلہ بڑا پیچیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے تغیر پذیر ہونے کے امکانات بہت قلیل رہ جاتے ہیں۔ وہ اپنی سراسر نامعقول بات کو معقولیت کی جان یقین کرتا ہے اور اگر اس کو اس کی نامعقولیت کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ بات تک سننے کا روادار نہیں ہوتا۔

اہل مکہ اسی قسم کی صورت حال سے دوچار تھے۔ جب انہیں ٹوکا جاتا کہ فرشتوں کی عبادت نہ کیا کرو، وہ تو اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ یہ بڑی نامناسب بات ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی شروع کر دی جائے تو کہتے کہ ہم عرصہ دراز سے ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوتی تو ہماری مجال نہ تھی کہ ہم ایسا کر سکتے۔ اس نے ہمیں ایسا کرنے سے باز نہیں رکھا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کام اسے پسند ہے۔ یہ دلیل پیش کر کے وہ یہ سمجھتے کہ انہوں نے اپنے موقف کی حقانیت کو ایسی دلیل سے ثابت کر دیا ہے جس کی صداقت میں شک و شبہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں۔ لیکن اگر اس پر ذرا تامل کیا جائے تو یہ دلیل تار عنکبوت سے بھی کمزور اور ضعیف ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو چوری، ڈاکہ زنی کی محفلیں ہر شب سجتی ہیں۔ ظلم و ستم کی مشق ہر لمحہ مظلوموں اور کمزوروں پر جاری رہتی ہے۔ قتل، اغوا، چوری، ڈاکہ زنی، ملک و قوم سے غداری کی وارداتیں آئے دن رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے بیان کردہ اصول کے مطابق یہ عین صواب ہے اور ان پر کسی کو اعتراض کا حق ہے اور نہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو کوئی سزا ملنی چاہیے۔ کیا وہ اپنی پیش کردہ دلیل کے مطابق ان سب خرافات کو جائز اور مستحسن قرار دینے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے

مَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا

انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب

مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا

اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو

عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن

ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پا پر چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح حبیب بھی ہم نے بھیجا

قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا

آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا

آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُم

اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اس نبی نے فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تمہارے

تو پھر وہ حقیقت توحید اور دینی معاملات میں بھی اس دلیل پر اعتماد کیوں کرتے ہیں۔

بالکل اکھڑ اور جاہل ہیں علم و فہم کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ اپنی قیاس آرائیوں کو انہوں نے دلیل سمجھ رکھا ہے۔

اگر ہم نے ان کی طرف کوئی ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہم نے انہیں شرک کرنے کی اجازت دی ہو یا ان لغو رسم و رواج کی پابندی کا حکم دیا ہو تو وہ سب لوگوں کے سامنے پیش کریں تاکہ یہ روز کا جھگڑا ختم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ان کے عقائد ان کے اعمال اس کتاب کے مطابق ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہے۔

ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل۔ جب ہر طرف سے عاجز اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو اپنے گم کردہ راہ آباؤ اجداد کی تقلید کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس راہ پر چلتے دیکھا ہم اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ الأمة: الطريقة والدين کسی طریقہ اور دین کو امت کہتے ہیں۔ (الصحاح للجوہری)

یہ اہل مکہ کا ہی انداز فکر نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی جو اہل زیغ و باطل گزرے ہیں اپنے رسولوں کے ساتھ وہ بھی اسی طرح کی حجت بازی کیا کرتے تھے۔ اپنے موقف کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے جب کوئی عقلی اور نقلی دلیل دستیاب نہ ہوتی تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کی آڑ لے کر اپنا دفاع کرتے تھے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ انبیاء کی اصلاحی تحریکوں کی مزاحمت کرنے والا ہمیشہ خوش حال طبقہ کے عیش پرست

بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ

پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو (تب بھی؟) انھوں نے جواب دیا ہم تو جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اس کو

كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

نہیں مانتے ۲۹؎ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا (ہولناک) انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ۳۰؎

لوگ کیوں ہوتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ جب وہ فکر معاش سے آزاد ہیں، معاشرہ کا ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے، انہیں اپنی دانست کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی میسر ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ آگے بڑھ کر حق کا جھنڈا تھام لیتے، سابقین اولین میں ان کا نام سرفہرست ہوتا۔ راہ حق پاتے انہیں گامزن دیکھ کر دوسرے لوگ بھی باطل سے اپنا رشتہ منقطع کر کے ہدایت کو قبول کرتے۔ ان کے اثر و رسوخ اور کوشش سے سارا معاشرہ گمراہی و ضلالت کی گھمبیر ظلمتوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آجاتا، لیکن وہ اس کے بجائے اہل حق سے محاذ آرائی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے چیلوں کو ورغلا کر اہل حق کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیتے ہیں۔ اس کی آخر وجہ کیا ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ان لوگوں کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے اور وہ اس کے نشہ میں یوں سرشار ہوتے ہیں کہ کسی کا مطیع اور فرمانبردار بنتے ہیں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں، سیادت کی جس مسند پر وہ بیٹھے ہوتے ہیں اس کو خالی کرنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔ نیز معاشرہ میں لوٹ کھسوٹ کی جو گرم بازاری ہوتی ہے اس میں وہ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ غریب طبقہ کا معاشی استحصال ان کی دولت و ثروت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اصلاحِ معاشرہ کی ان کوششوں میں مصلحین کا ساتھ دیں تو عیش و آرام کی زندگی جس کے وہ عادی ہو چکے ہوتے ہیں اس کی بساط الٹ جاتی ہے اور سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ وہ دین اور مذہب کو مقلسوں اور کنگالوں کا دھندا سمجھتے ہیں۔ جنہیں رہنے کے لیے آرام دہ بنگلے سواری کے لیے بہترین کاریں اور ہوس نفس کو بہلانے کے لیے دولت فراواں میسر ہو اسے کیا پڑی کہ وہ مذہب کے بارے میں سوچتا ہے۔ اسی قسم کی دوسری رکاوٹیں ان لوگوں کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہیں وہ عمل کے بجائے یہ آسان سمجھتے ہیں کہ حق کی بات کو سختی سے دبا دیں اور اہل حق کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ دیں۔ اگرچہ وہ اس کوشش میں بُری طرح ناکام ہوتے ہیں۔

۲۹؎ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ان پر اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد کا طریقہ گمراہ کن اور ان کی ذہنی، مادی اور روحانی ترقیوں میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتا ہے اور زندگی کا جو پروگرام ہم نے پیش کیا ہے وہ ہر حیثیت سے تمہارے لیے مفید ہے تو اس وقت وہ انکار کی روش اختیار کر لیتے ہیں کہ تم لاکھ دلیلیں پیش کرو جس راستہ پر علم و حکمت کی ہزاروں قندیلیں روشن کر دو ہم نہیں مانیں گے، ہرگز نہیں مانیں گے۔

۳۰؎ جب ان کے اصلاح پذیر ہونے کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں پھر قدرت ان سے عبرت ناک انتقام لیتی ہے۔ اگر آپ میں دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا میسر ہے تو ان اجڑے ہوئے کھنڈروں کی شکستہ دیواروں سے پوچھو جہاں حق کو جھٹلانے والے کیسے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا

اور یاد کیجیو، جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ۳۰ بجز

ٱلَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى

اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا ۳۱ اور آپ نے بنا دیا کلمۂ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی

۳۰ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود قرآن کریم کی دل ہلا دینے والی آیات کو سننے کے باوصف کفار مکہ شرک پر اڑے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے باپ دادا کی پیروی چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اندھی تقلید کی آہنی زنجیروں میں یوں جکڑ دیا تھا کہ عقل و دانش کے تقاضوں کو وہ بڑی خوش دلی سے نظر انداز کر دیا کرتے۔ ان کے سامنے ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کار پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو حضرت خلیل نے جب اپنے اسلاف کو اور اپنی قوم کو راہ حق سے بھٹکا ہوا پایا تو ان سے قطع تعلق کر لیا۔ تم لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہو اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے متولی اور خدمت گزار ہو۔ اسی نسبت کے باعث تمام عرب میں تمہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب انہوں نے اپنے گمراہ پیشرووں کی روش کو اعلانیہ ترک کر دیا تھا تو تم بھی آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گمراہ آباء و اجداد سے اپنی برأت کا اعلان کر دو۔ گھر اور مت آسمان نہیں گر پڑے گا۔ نیز ان آیات سے انہیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ اگر تم عقل و ہوش سے کام لینا نہیں چاہتے اور تقلید کرنے پر ہی مصر ہو کہ پھر تقلید کرنا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی کرو۔ یہ کیا مذاق ہے کہ عقل کا چراغ بھی گل کر رکھا ہے اور تقلید کے لیے ابراہیم جیسے صدق شعار اور راستباز کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی تقلید پر ادھار کھائے بیٹھے ہو جو انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔

بَرَآءٌ، مصدر ہے اور اسم صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و تانیث سب حالتوں میں یہ اسی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی امام لغت جوہری کا قول نقل کرتے ہیں قال الجوھری "وتبرأت من كذا وانا منه براء الاثنين ولا يجمع لانه مصدر في الاصل" اور اگر بَرِيٓءٌ مستعمل ہو تو وہ تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث میں اپنے موصوف کے مطابق ہو گا۔

۳۱ شرک سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے ان تمام معبودوں سے بیزار ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ میں صرف اس کا پرستار ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ وہی مجھے راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے گا اور بلند سے بلند مقامات اور درجات کی طرف میری رہنمائی فرماتا رہے گا۔ ای سیثبتنی علی الھدایۃ ویرشدنی فوق ما ارشدنی الیہ۔ تم جن معبودوں کی پوجا کرتے ہو وہ کسی چیز کے خالق ہیں اور نہ وہ کسی کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور جس پروردگار کی بارگاہ میں میری جبین نیاز سجدہ ریز ہے وہ میرا خالق بھی ہے اور میرا دستگیر بھی۔ میں اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف کیوں دیکھوں؟

عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

اولاد میں ۳۲ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ۳۳ بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

کہ آگیا ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول ۳۴ اور جب آگیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے یہ تو جادو

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ

ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان

مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا

دو شہروں میں بڑا ہے ۳۵ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے

۳۲ حضرت خلیل خود ہی عقیدۂ توحید پر ایمان نہیں لائے بلکہ اپنی آنے والی نسل کو بھی تاکید کی کہ خبردار اس راہ حق سے بھٹک نہ جانا اپنا رشتہ عبودیت اپنے رب کریم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پختہ اور مستحکم رکھنا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر کیا جا چکا ہے سورۂ بقرہ کی آیت ملاحظہ ہو وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ الآیۃ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور اپنے پوتے یعقوب کو دین حق پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی۔ العقب: الذریۃ۔ یعنی اولاد و نسل۔

۳۳ یعنی اے محبوب! آپ قریش مکہ کو حضرت ابراہیمؑ کے حالات سنائیے۔ شاید وہ اس طرح دین حق کو قبول کر لیں اور راہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں۔

۳۴ ان لوگوں نے عرصہ دراز سے مسلک ابراہیمی کو ترک کر دیا تھا اور شرک و کفر کو اختیار کر لیا تھا چاہیے تو یہ تھا کہ انہیں اس ناشکری اور نافرمانی کی فوراً سزا دی جاتی اور ان کو نیست و نابود کر دیا جاتا لیکن ہماری رحمت نے ان کو مہلت دی اور یہ دنیوی زندگی کے ساز و سامان سے اور عیش و آرام سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ عرصہ دراز کے بعد ان کے افق حیات پر آفتاب نور حق جلوہ گر ہوا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس نور ہدایت سے اپنے سینوں کو روشن کر لیتے اور ہمارے رسول کریم کی حیات آفریں تعلیمات اور روح پرور ارشادات پر عمل کرتے لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہ کیا۔ الٹا اسے جادو کے نفرت انگیز لفظ سے تعبیر کیا اور اس پر ایمان لانے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

۳۵ پہلے تو کفار عرب اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہی تیار نہ تھے کہ کوئی انسان نبوت کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایسا ہو سکتا ہے تو پھر اس منصب کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب ہونا چاہیے جو اثر و رسوخ کا مالک ہو، سردار اور مالدار ہو اس کا رعب سب کے دل میں بیٹھا ہو۔ اس ملک کے دو مشہور شہر ہیں۔ مکہ اور طائف۔ ان میں بڑے بڑے نامور اور اثر و رسوخ والے سردار موجود

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

ان کے درمیان سامانِ زیست کو اس دنیوی زندگی میں ۔ اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب

ہیں۔ منصب نبوت کے لیے ان میں سے کسی کو منتخب کرنا چاہیے تھا تاکہ لوگ اس کی زبان سے نکلی ہوئی دعوت کو فوراً قبول کر لیتے اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے چنانچہ ولید بن مغیرہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا لوکان مایقوله محمد صلی اللہ علیہ وسلم حقا لنزل علی او علی ابی مسعود: یعنی جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہوتا تو یہ مجھ پر نازل ہوتا یا رطائف کے سردار ابو مسعود ثقفی پر۔

بے شک اس بار نبوت کے اٹھانے کا حوصلہ ہر کسی میں نہیں، بے شک کوئی عظیم انسان ہی اس امانت جلیلہ کا متحمل ہو سکتا ہے اور اس منصب جلیل کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے لیکن اے کفار! عظمت کا جو معیار تم نے مقرر کر رکھا ہے کہ زر و دولت مسند ہو، ساز و سامان کی بہتات ہو، خدم و حشم کا لشکر جرار اس کے ساتھ ہو، اس منصب کی اہلیت کے لیے عظمت و بڑائی کا یہ معیار نہیں۔ بلکہ اس کا معیار یہ ہے کہ دل ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو، کردار بے داغ اور سیرت آفتاب سے تابندہ تر ہو، عزم و حوصلہ کا یہ عالم ہو کر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو نہ گھبرائے اور نہ پسپائی اختیار کرے بلکہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ علامہ شاہ اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فان الرسالة من الله منصب عظيم لا يليق الا لعظيم ولم يعلموا انها رتبة روحانية تستدعي عظم النفس بالتحلي بالفضائل والكمالات القدسية وكمال الاستعداد للتجليات الذاتية والصفاتية لا التزخر بالزخارف الدنيوية۔

ترجمہ: یعنی رسالت ایک منصب عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے اور یہ کسی عظیم ہستی ہی کو سزاوار ہے۔ کفار یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ایک روحانی رتبہ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نفس فضائل اور قدسی کمالات کی جلوہ گاہ ہو اور اس میں ذاتی اور صفاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی کامل استعداد ہو۔ دنیا کی زیب و زینت اور ساز و سامان کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔

۳۱ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی مخصوص ترین رحمت ہے۔ کیا یہ لوگ اس کی رحمت کے خزانوں کی تقسیم پر مقرر ہیں جس کو چاہیں کچھ دے دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ یہ ان کا مقام ہے اور جو اس کا بخشش و عطا ہے اس میں ان کی پسند و ناپسند کا کچھ دخل ہے۔ یہ تو یونہی بھٹک رہے ہیں۔

یہ مال و دولت جس پر یہ پھولے نہیں سماتے اور جس کو یہ نبوت کی اہلیت کے لیے بنیادی شرط قرار دیتے ہیں یہ بھی تو ہم ہی نے ان کو عطا کی ہے اور اس عطا میں گوناگوں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کسی کو غنی کر دیا، کسی کو فقیر، کسی کو جسمانی صحت و توانائی بخش دی، کسی کو فنی مہارت اور کسی کو ہنر میں کمال عطا فرما دیا، کسی کو اقلیم ادب و شعر کا سلطان بنا دیا، کسی کو ریاضی اور سائنس کے دقیق اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی قابلیت بخش دی، کسی کو دولت دی اور کسی کو کاروبار اور انتظامی صلاحیتوں سے مالا مال کر دیا تاکہ قدرت کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اگر سب سائنس دان ہی ہوتے تو تجربہ گاہوں میں نور و تحقیق کی مشعلیں جلاتے اور کارخانوں میں کام کون کرتا۔ اگر سب لوگ انتظامی صلاحیت کے مالک ہوتے تو انتظام کس کا کرتے۔ اگر سارے شاعر ہوتے خواہ وہ ترقی پسند شاعر ہی ہوتے تو ساری دنیا مجلس مشاعرہ بن

دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا

ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں ٣٧ اور آپ کے رب کی رحمت (ان اموال سے) بہتر ہے جو

يَجْمَعُوْنَ ٣٢ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ

جو وہ جمع کرتے ہیں ٣٨ اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لیے جو انکار

يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ٣٣

کرتے ہیں رحمٰن کا، ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ٣٤ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ

اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے ٣٩ اور یہ سب

جاتی لیکن کھانے پینے کے لیے من و سلویٰ کا انتظار کرنا پڑتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے بعض لوگوں کو بعض امور میں فضیلت دی اور بعض کو دوسرے کاموں میں فوقیت بخشی تاکہ سب ایک دوسرے سے کام لے کر اس بزم ہستی کی رونق کا باعث بنیں۔

٣٧ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لیستعمل بعضهم بعضا في مصالحهم ويستخدموهم في مهنهم ويتسخروهم في أشغالهم حتى يتعايشوا ويترافدوا ويصلوا إلى مرافقهم (روح المعانی) یعنی تاکہ بعض لوگ دوسروں کو اپنی سلطنت میں استعمال کریں اور مختلف پیشوں میں ان سے خدمت لیں اور مختلف کاموں میں ان سے فائدہ اٹھائیں تاکہ مل جل کر آرام و راحت کی زندگی بسر کریں اور اپنی آسائشوں پر رسائی حاصل کریں۔

٣٨ اے محبوب! تیرے رب کریم کی خصوصی رحمت یعنی منصب رسالت و ختم نبوت جس سے اس نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا بھر کے تاجروں کے خزانوں کی کیا حیثیت۔ "رحمة ربك" کے کلمات میں کیا لطف ہے۔ رب تو سارے جہانوں کا ہے لیکن اس کی شان ربوبیت کی جو خصوصی نسبت آپ کی ذات سے ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ آیت کے اس حصے نے بتا دیا کہ جب حقیر دنیا کی تقسیم میں ان کا کوئی دخل نہیں تو نبوت اور رسالت جیسی گراں بہا متاع ہے جس کی بخشش میں ان کی رائے کون پوچھتا ہے۔

٣٩ ارشاد ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سارے لوگ گمراہ ہو جائیں گے تو ہم کفار کو اتنی دولت دیتے اور ان کے ہاں سونے چاندی کی اتنی افراط ہوتی کہ ان کے بنگلوں کی چھتیں چاندی کی بنی ہوتیں۔ ان کے زینے ان کے مکانوں کے دروازے اور پلنگ بھی چاندی کے بنے ہوتے اور زیب و آرائش کا یہ عالم ہوتا کہ ان کی چمک دمک اور حسن و جمال کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ یہ مال پسندیدہ چیز ہوتا تو ہم صرف پسندیدہ لوگوں کو ہی دیتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا مبادا کم فہم لوگ کفار کی یہ سج دھج دیکھ کر ان کو ہدایت یافتہ سمجھنے لگیں اور سب انکی پیروی پر گامزن ہو جائیں۔

وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۵﴾

(سنہری) روپہلی (چیزیں)۔ یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۳۶﴾

اور جو شخص (روگردانی) اور چشم پوشی کرتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔

"زخرف" کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: الزخرف: الزينة المزوقة ومنه قيل للذهب زخرف۔ یعنی وہ زینت جو رنگ و نقش و نگار سے آراستہ ہو اور اسی وجہ سے سونے کو بھی زخرف کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی زیب و آرائش کا ذریعہ ہے۔

لفظ زخرفا کا عطف سقفا پر ہے اس صورت میں اس کا معنی نقش و نگار، زیب و زینت ہوگا۔ قال الحسن: اي نقوشا وتزويقا۔ قال ابن زيد: الزخرف اثاث البيت وتجملہ۔ یعنی سامان آرائش و زینت ہوگا۔ اگر زخرف سے مراد سونا ہو تو پھر اس کا عطف "من فضة" پر ہوگا اور اس کی نصب محل کی وجہ سے ہوگی اور آیت کا معنی ہوگا کہ ان کی چھتیں اور ان کے زینے ان کے پلنگ بعض چاندی کے بنے ہوتے اور بعض سونے کے بنے ہوتے۔ وكان الاصل سقفا من فضة وزخرف يعني بعضها من فضة وبعضها من ذهب ونصب عطفا على المحل (روح المعاني)

یہ سب کچھ محض چند روزہ دنیا میں کام آنے والا سامان ہے۔ اس آیت میں دنیا کے ساز و سامان کی بے مائیگی اور حقیر کو بیان کر کے تقویٰ و پارسائی کو اپنا شعار بنانے کی رغبت دلائی جا رہی ہے۔ یہاں ایک حدیث پاک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ سہل بن سعد سے مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى منها كافرا شربة ماء" (ترمذی، ابن ماجہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔

قیامت کے دن ساری سرفرازیاں اور سرخروئیاں فقط متقی لوگوں کو بخش دی جائیں گی۔

اس آیت کی تشریح سے پہلے چند الفاظ کی لغوی تحقیق از بس ضروری ہے۔ یعش: علامہ زبیدی تاج العروس میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العشا مقصورة سوء البصر بالليل والنهار يكون في الناس والدواب والابل والطير كما في المحكم۔ قال الراغب: ظلمة تعترض للعين كالعشاوة او هو العمى او ذهاب البصر مطلقا وقوله تعالى ومن يعش عن ذكر الرحمن اي يعم۔ یعنی عشا کی کمزوری ہے خواہ رات میں ہو یا دن میں اس کو عشا کہتے ہیں یہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب میں پائی جاتی ہے۔ راغب کہتے ہیں وہ تاریکی جو آنکھوں پر چھا جائے اس کا ایک معنی اندھا ہو جانا، بینائی کا بالکل ختم ہو جانا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں من یعش کا معنی لیعم ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نابینا ہو جائے۔ علامہ ابن منظور اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: عشا عن الشيء يعشو، ضعف بصره عنه، وخبط خبط عشواء لم يتعمده (لسان العرب) یعنی آنکھ کمزور ہو جانا۔ وہ اونٹنی جو ضعف بصر کے باعث یونہی منہ اٹھائے چلی جاتی ہے ایسی اونٹنی کو الناقة العشواء کہتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف ذکر کرتے ہیں جب کوئی شخص کسی چیز سے سیدھی راہ پر قصد نہ کرے بیں عشوت عنه اور اس آیت قرآنی میں من یعش کا یہی مفہوم ہے۔ قال الفراء معناه من يعرض عن ذكر الرحمن (لسان العرب) فراء کہتے

وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾

اور شیاطین روکتے ہیں ان (غافلوں) کو راہِ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ۳۶

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَنَا قَالَ يَٰلَيْتَ بَيْنِى وَبَيْنَكَ بُعْدَ ٱلْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ

یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو (تو)

ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو رحمان کے ذکر سے منہ پھیرلے۔

۳۶ قیض: کہتے ہیں اس خول کو جو انڈے پر ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے نقیض لہ شیطانا کا معنی ہوگا کہ ہم اس کے لیے ایک شیطان مخصوص کر دیتے ہیں جو اس پر اس طرح چھا جاتا ہے اور اس کو ہر جانب سے اس طرح گھیر لیتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے رہتا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں، ای نتیح لہ شیطانا یستولی علیہ۔ استیلاء القیض علی البیض وھو القشر الاعلی یعنی ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس پر اس طرح چھا جاتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے پر چھایا ہوتا ہے۔ علامہ راغب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ای ننتج لیستولی علیہ استیلاء القیض علی البیض وھو القشر الاعلی یعنی ہم اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ ہماری توفیق اس کو نظر انداز کر دیتی ہے تاکہ اس پر شیطان یوں تسلط جمالے جس طرح چھلکا انڈے پر مستولی ہوتا ہے۔

ان الفاظ کی لغوی تحقیق آپ پڑھ چکے اب اس کی روشنی میں اس آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یعنی وہ شخص جو ذکرِ رحمٰن سے اندھا بن جاتا ہے یا اپنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے انوارو جمال اور تجلیاتِ رحمانی کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کر لیتا ہے یا جو شخص ذکرِ رحمٰن سے منہ پھیر لیتا ہے اور دوسری لغویات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ خداوند ذوالجلال فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اس کی خرمستی کی یہ سزا دیتے ہیں کہ ہماری توفیق اس سے الگ ہو جاتی ہے اور شیطان کو اس پر ایسا مسلط کر دیا جاتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ وہ بدنصیب مکمل طور پر شیطان کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہے۔ اس کی انفرادیت شیطان کی اطاعت و رضا جوئی میں کھو جاتی ہے۔ اس کے شعور و تحت الشعور میں عقل و فہم کے جلتے دیئے روشن تھے بجھ جاتے ہیں۔ وہ شیطان کے پھیلائے ہوئے اندھیروں سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ اسے روشنی کی ایک کرن بھی ناگوار گزرتی ہے اور شیطان کی یہ رفاقت پل دو پل کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ زندگی بھر اس کا رفیق اور ساتھی رہتا ہے۔ قرین: ایسے ساتھی کو کہتے ہیں جو ہر وقت ساتھ رہے جیسے وہ رسی سے بندھا ہوا ہو۔

اب آپ ایسے بدبختوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔ آپ کو اس آیت کی ہو بہو تصویر وہاں نظر آئے گی۔

۳۷ شیطان انہیں راہِ حق پر چلنے سے روکے رہتے ہیں۔ انہیں فسق و فجور کا خوگر بنا لیتے ہیں۔ دنیا کی حرص ان کے دلوں میں یوں جما دیتے ہیں کہ وہ ساری قوم کا خون چوسنے کے باوجود تشنہ لب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ قوم کی آزادی کا سودا کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ ان تمام شرمناک حرکتوں کے باوجود وہ اپنے جی میں بڑا حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں بس وہی صحیح ہے۔ جو راہ انہوں نے اختیار کر رکھی ہے وہی سیدھی راہ ہے۔ قوم کی ترقی و خوشحالی کے لیے جو پروگرام انہوں نے طے کر رکھا ہے اس سے بہتر سوچا ہی نہیں جا سکتا۔

الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ

بہت برا ساتھی ہے وہ۔ اور ہرگز نفع نہیں دے گا تمہیں آج (یہ اظہار افسوس) جبکہ تم (دنیا میں) ظلم کرتے رہے (اب) تم اس عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ

حصہ دار ہو۔ کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو

فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ

کھلی گمراہی میں ہیں۔ پس اگر ہم لے جائیں آپ کو (اس دار فانی سے) تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا ہم

نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ

آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پس مضبوطی سے پکڑے رکھیے

۳۹ اس خود ستائی اور غرور فریب میں زندگی کا سورج ڈوب جاتا ہے۔ موت کی تاریک شام آ جاتی ہے۔ وہ بزم نشاط جو انہوں نے بڑے ارمانوں سے سجائی تھی اس سے انہیں اٹھا کر ہمارے حضور پیش کر دیا جاتا ہے۔ اب آنکھیں کھلتی ہیں اور مارے حسرت و ندامت کے کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ سر پیٹتے ہیں، کف افسوس ملتے ہیں اور اپنے اس دوست کے باعث جس پر وہ جان چھڑکتے رہے اور اس کے اشاروں پر ناچتے رہے، اس کے باعث جب وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں گھرا ہوا پاتے ہیں تو فرط ندامت سے چیخ اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: یالیت بینی و بینک بعد المشرقین، کاش میرے اور اس منحوس کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اس جیسا بدبخت، منحوس اور بدتمیز ساتھی اور کوئی نہیں۔

اب شور مت مچاؤ، یہ آہیں سب بے کار ہیں۔ تم پیہم ظلم و طغیان کرتے رہے۔ اب کس منہ سے معافی مانگتے ہو۔ تمہیں بھی اور تمہارے ان جانی دوستوں کو بھی اکٹھی سزا دی جائے گی اور ایک ہی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔

۴۰ اے محبوب! یہ بہرے ہیں انہیں سنائی نہیں دیتا اور اندھے ہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ آفتاب چمک رہا ہے انہیں کیا دکھائی دے گا۔ دنیا بقعہ نور بنی ہے ان کے دلوں میں گھپ اندھیری رات چھائی ہے۔ حق کی دلنواز صدا نے سوئے ہوئے بختوں کو بیدار کر دیا لیکن ان ازلی بدبختوں نے ان کو نہ سنا اور نہ ہدایت کو قبول کیا۔ آپ ان کی حرماں نصیبی پر رنجیدہ نہ ہوں۔

۴۱ ہر بدکار کو سزا ملے گی، ہر نابکار کو اپنی کشت عمل کاٹنی پڑے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے سارے کام حکمت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس نے ہر کام کے لیے ایک مناسب وقت مقرر کر رکھا ہے۔ لوگوں کے جلدی مچانے سے وہ اپنے فیصلوں کو بدلنے کا روادار نہیں۔ تعمیل و تاخیر سے کام نہیں بنتا۔ جلد بازی تو وہ کرے جسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر حریف اب قابو سے نکل گیا تو پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو ایسا کوئی خدشہ نہیں۔

بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں ۴۸ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے ۴۹

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔــلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

آپ کیلئے اور آپ کی قوم کیلئے اور (اے فرزندانِ اسلام) تم سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی ۵۰ اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے

کسی سرکش کو کتنی ڈھیل دے اور وہ اس عرصہ میں بظاہر کتنا طاقتور ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی حیثیت ایک چیونٹی سے بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو فرما رہے ہیں کہ ان کفار کو سزا ملے گی اور ضرور ملے گی لیکن ہر شخص کو سزا دینے کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ بعض تو آپ کے سامنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں گے اور جو بچ جائیں گے انہیں آپ کے وصال کے بعد عذاب کے شکنجوں میں کس دیا جائے گا۔

۴۸ اے میرے رسول! آپ ان کی شرانگیزیوں کا کوئی اثر قبول نہ کریں۔ جو کتابِ ہدایت ہم آپ پر نازل فرما رہے ہیں، اس کو بڑی مضبوطی سے تھامے رہیں۔ بلاشبہ آپ راہِ راست پر گامزن ہیں۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ آپ کے دین کو غلبہ نصیب ہوگا۔ آپ کا آفتابِ عظمت ہمیشہ ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہے گا۔ ناکامیاں اور محرومیاں فقط ان لوگوں کا مقدر ہیں جنہوں نے تیرا دامن چھوڑ دیا، تیری ذاتِ انور کے بغیر کسی اور کو اپنی عقیدت کا مرکز بنا لیا۔

۴۹ ذکر کا معنی یہاں شرفِ عظیم ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں لَذِكْرٌ لَّكَ ای الشرف عظیم (روح المعانی) یعنی یہ قرآن حکیم کوئی معمولی چیز نہیں، یہ ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ آپ کے لیے بھی یہ باعثِ صد عزّ و شرف ہے اور آپ کی امت کے لیے بھی سرمایۂ افتخار و نازش ہے۔ کیا پیاری بات فرمائی، جس نبی کریم، رسولِ معظم اور حبیبِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب العزت جل مجدہ نے ایسا لا ثانی تحفۂ مرحمت فرمایا اس کی شانِ رفیع کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور جس امت کو یہ جامع نظامِ حیات مرحمت فرمایا گیا وہ اس پر شکر کے جتنے سجدے کرے، بجا ہے۔

۵۰ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ واطیب التحیۃ کو ذمہ داری کا احساس دلایا جا رہا ہے یعنی یہ نورِ مبین تمہیں اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس سے تم صرف اپنے قلب و نگاہ کو روشن کرو بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جہاں جہاں اندھیروں نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، وہاں پہنچو اور اس نور سے وہاں اجالا کرو۔ ہم تم سے اس کے بارے میں پوچھیں گے اور اچھی طرح باز پرس ہوگی۔

شومیِ قسمت ملاحظہ ہو، آج حالت یہ ہے کہ سب سے زیادہ اندھیرا وہیں ہے جہاں حاملینِ قرآن کی بستیاں ہیں۔ معاشی پسماندگی، اخلاقی انحطاط اپنے عروج پر ہے۔ کہیں کہیں عشرت کدے آباد ہیں۔ اس کے برعکس جگہ جگہ غربت و افلاس کی آبادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کل ہم کیا منہ لے کر حاضر ہوں گے؟ ہائے ہمارے پاس کیونکر ممکن ہوگا کہ آتی آندھیوں کے باوجود محبوبِ خدا کے دامنِ شفاعت کو پکڑ سکیں۔

مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ

اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جاتی ﷺ اور ہم نے

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ

بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ﷺ پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رسول ہوں رب العالمین کا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا

فرستادہ ہوں ﷺ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں

نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے۔ اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

تاکہ وہ باز آجائیں ﷺ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لیے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے

خداوند عالم! تو ہی رحم فرما! اے کس کا دامن سے سالار قوم ہی لاج رکھیو!

۱؎ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ سب رسولوں سے بھی اگر آپ پوچھیں گے تو وہ اسی کی تصدیق کریں گے۔

۲؎ اس رکوع میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے بھی تسلی دینا چاہتے ہیں کہ قوم کا یہ معاندانہ رویہ صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں پہلے بھی گمراہ اور سرکش لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا کرتے تھے۔ ساتھ ہی کفار مکہ کو بھی تنبیہ کر دی کہ فرعون کے ہولناک انجام سے بچنا چاہتے ہو تو ہوش سے کام لو اور اس نبی رحمت پر ایمان لے آؤ۔

۳؎ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے۔ وہاں اعیان مملکت اور سرداران قوم بھی اپنی زرنگار کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ آپ نے جا کر اعلان کر دیا کہ میں سارے جہانوں کے مالک کا فرستادہ ہوں۔ میری بات سنو اور اپنے رب کو پہچانو اور اس کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کی بات کو ذرا اہمیت نہ دی۔ الٹا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

۴؎ موسیٰ علیہ السلام انہیں راہ حق پر چلانے کے لیے پے در پے معجزات پیش کرتے رہے اور ہر معجزہ پہلے معجزہ سے اعلیٰ ہوتا لیکن یہ شوریدہ سر اور سرکشی سے انہیں باز رکھنے کے لیے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا گیا تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور حق کو قبول کریں۔

۵؎ فرعون کی قوم مصائب و آلام میں گرفتار ہے۔ رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آخر کار حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست

إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾

ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے۔ پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَ

اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور

هَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ

یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (اتنا بھی) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں

هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ

اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا ۞ اگر یہ سچا نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر

کہہ رہے ہیں لیکن اس وقت بھی اے رسول کے الفاظ سے آپ کو خطاب نہیں کرتے بلکہ یٰاَیُّھَا السَّاحِرُ کہہ کر آپ کو پکارتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ساحر ان کے نزدیک بڑا معزز اور محترم ہوا کرتا تھا کیونکہ وہ اشرف العلوم تصور کرتے تھے یہاں یٰاَیُّھَا السَّاحِرُ تحقیر کے لیے نہیں بلکہ احترام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ غرور و سرکشی میں وہ اتنے بڑھ چکے تھے کہ اپنی انتہائی بے بسی کے باوجود آپ کو جادوگر کہہ کر پکارتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معمولی دل گردے کے فرد نہ تھے کہ اتنی سی بات پر خفا ہو جاتے۔ آپ نے ان کی اس بدتمیزی کے باوجود دعا مانگی۔ عذاب ٹل گیا لیکن بدنصیبوں نے حق کو قبول کرنا تھا اور نہ کیا۔ نیز مکمل بربادی جو ان کا مقدر بن چکی تھی اس کی طرف وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے کہ ادھر سے انعامات ہوتے ہیں اور ادھر سے سرکشی۔ ادھر سے پیہم عفو و درگزر ادھر سے مسلسل کفر و طغیان۔ حتیٰ کہ جب وہ غرق ہوئے تو ان کی اس تباہی پر کسی کو حیرت نہ ہوئی۔

ملائے انسان کو چاہیے کہ ان آیات کو بار بار پڑھے اور ان میں غور و فکر کرے۔ ان آیات میں مادہ پرست ذہنیت کے خسیس نظریات، نیز آمر اور ڈکٹیٹر کی نفسیات کی ایسی سچی تصویر پیش کی گئی ہے جو آج بھی اسی طرح حقیقت ہے جس طرح ہزاروں سال پہلے مصر کے فراعنہ کے زمانے میں ایک حقیقت تھی۔

فرعون نے جب محسوس کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اس کی قوم ان کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی روز وہ اس کو خدا ماننے سے برملا انکار کر دیں اور اس کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اس نے بھرے دربار میں بلکہ ساری قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے میری قوم! مصر کے وسیع و عریض علاقہ میں کس کی شاہی کا نقارہ بج رہا ہے اس کی نیلگوں فضاؤں میں کس کا پرچم لہرا رہا ہے۔ دریائے نیل سے نہریں کس نے نکالی ہیں اور کس کی تدبیر کا یہ اعجاز ہے کہ وہ دو ط بھراؤں

مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ

سونے کے کنگن یا کیوں نہ آگئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار ۵۳ پس اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو ۵۴

میں جہاں لوگ ایک بوند پانی کے لیے ترستے تھے نہروں کا جال بچھا دیا گیا۔ تمہارے ریگستانوں میں یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور شاداب باغات کس کی حسن تدبیر کا کرشمہ ہے۔ ان نہروں کا میں مالک ہوں۔ ان میں پانی میرے حکم سے بہتا ہے۔ اے اہل مصر! یہ ایسی حقیقت ہے جس کا تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہو۔ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ میں بہتر ہوں یا یہ مرد جس کی نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اہمیت ہے اور بات بھی ایسی ایک ڈھنگ کی نہیں کرتا کہ کچھ پلے پڑے۔ تم بتاؤ کہ تم میرے جیسے صاحب حشمت اور جاہ و حشمت، وسیع اقتدار کے مالک، فراعنہ کے تخت و تاج کے وارث کی اطاعت کرنا پسند کرتے ہو یا کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے کہ ایسے شخص کی غلامی اختیار کرتے ہو جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ وہ اور اس کی ساری قوم صدیوں سے ہماری غلام چلی آرہی ہے۔

مَهِیْنٌ : ضعیف اور حقیر۔ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ : اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی زبان میں لکنت تھی۔ اگرچہ دعا سے اس میں شدت تو باقی نہ رہی تھی لیکن اس کا اثر ابھی کچھ باقی تھا۔ فرعون نے اس لفظ سے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی باتیں بڑی الجھی ہوتی ہیں۔ عقل کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

۵۳ ان کے ہاں یہ رواج تھا کہ بادشاہ جس کو وزارت و سفارت کے منصب پر فائز کرتا تو اسے خلعت فاخرہ سے نوازتا اور بازوؤں میں سونے کے کنگن پہناتا۔ اس کو خدام کا ایک دستہ بھی دیا جاتا جو اس کے آگے پیچھے موجود رہتا اور اس کے احکام بجا لاتا۔ فرعون اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم تو اگر کسی کو کسی اہم منصب پر فائز کرتے ہیں تو اسے سونے کے کڑے پہناتے ہیں۔ موسیٰ کہتا ہے کہ میں سارے جہان کے مالک کا فرستادہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اس کی کلائیاں بھی سونے کے قیمتی کنگنوں سے مزین ہوتیں۔ اس کے ہمراہ بھی فرشتوں کا ایک دستہ ہوتا جو پرا باندھے دست بستہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا۔ اس کی کلائیوں میں کڑے تو کجا اس کی جیب میں تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ فرشتوں کا جلوس تو بڑی بات ہے یہ تو لاٹھی کے سوا اسلحہ بھی خود اٹھا کر لاتا ہے۔ کیا تم خود سرا پا فقر و فاقہ کا شاہکار اور یہ خستہ حالی! کیا تم اس کا دعویٰ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو؟

۵۴ قرآن کریم کے ان کلمات نے مطلق العنان بادشاہوں، آمروں اور ڈکٹیٹروں کی تلبیسات کا پردہ چاک کر دیا یعنی وہ یہ باتیں اس لیے نہیں کرتا تھا کہ وہ انہیں حقیقت اور حق مانتا تھا یا وہ اپنی قوم کا بہی خواہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام سے اپنی قوم کو اس لیے دور رکھنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی راہ اختیار کر کے ادبار و انحطاط کی پستیوں میں نہ گر جائیں یا ان کی خوشحالی، تنگ دستی اور بدحالی سے نہ بدل جائے۔ اسے محض اپنے اقتدار کی فکر تھی۔ اسے صرف اپنے تاج و تخت کی سلامتی سے مطلب تھا یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، وہ ان چکنی چپڑی باتوں سے اپنی قوم کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اور ان کو اپنی ہمدردی اور حق پرستی کا یقین دلا کر اپنے دام فریب میں پھانسے رکھنا چاہتا تھا۔ ایسے جابر سلطانوں، ظالم ڈکٹیٹروں اور بے رحم آمروں کا یہی دستور پہلے تھا آج بھی یہی ہے اور جب تک لوگ اپنی سادہ لوحی کے باعث ایسے شاطروں اور دوسرا ان کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہوں گے ایسا ہوتا رہے گا

فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا

سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے، درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے ۵۲ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے

مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ۵۳ اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے ۵۴

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ

اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا رہی ہے ۵۵ اور

ابن الاعرابی فاستخف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں فاستخف قومہ ای فاستجہل قومہ۔ اپنی قوم کو احمق اور الو بنایا اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ف۵۲ فرعون کی قوم اس کے دھوکہ میں آ گئی۔ انہوں نے ان مظالم کو فراموش کر دیا جو وہ ان پر توڑتا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم شخصیت، ان کے بے داغ کردار اور پاکیزہ سیرت کو نظر انداز کر دیا، فرعون کی اطاعت کا جوا بڑے زور و شور سے از سر نو پہن لیا گیا۔ قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل کی وجہ بتا دی کہ وہ فاسق لوگ تھے۔ حق و صداقت کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی، انہیں اپنی ذات اور اپنے مفادات کا تحفظ مطلوب تھا۔ اس کے لیے اگر انہیں کسی ظالم کی غلامی بھی قبول کرنی پڑتی اور انہیں اپنی عزت نفس اور قومی مفاد سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے تو وہ اس کے لیے آمادہ تھے۔ مظلوموں کی چیخیں، بے بسوں کی آہیں، ملک و قوم کی اخلاقی اور معاشی تباہی کی بھی انہیں ذرا پروا نہیں تھی بشرطیکہ ان کی ذات محفوظ ہو اور ان کے مفادات پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ظالم کے سامنے ڈٹ جانا، حق کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دینا، مظلوموں اور بے کسوں کی امداد کے لیے تمام مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر میدان میں کود پڑنا فاسقوں کو زیب نہیں دیتا اور نہ یہ ان کے بس کا روگ ہے۔ اس کے لیے تو اولوالعزم ہستیاں ہی منتخب کی جاتی ہیں۔

ف۵۳ حضرت ابن عباس "اٰسفونا" کا معنی کرتے ہیں اغاظونا و اغضبونا۔ یعنی انہوں نے ناراض کر دیا۔ ان لوگوں نے جو باغیانہ روش اختیار کیا تھا وہ ان کو غضب الٰہی سے بچا نہ سکا چنانچہ وہ غرق کر دیئے گئے۔

ف۵۴ سلف کہتے ہیں پیش رو کو۔ والسلف المتقدم اور مثلاً کا معنی عبرت اور پند و موعظت ہے۔ مثلاً ای عبرۃ لغیرھم۔ یعنی قوم فرعون کے بعد جو قومیں آئیں ان کے لیے ان کے حالات میں پند و موعظت اور عبرت ہے اور ان کا تذکرہ ضرب المثل کے طور پر کیا جاتا ہے۔

ف۵۵ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے یہ آیت پڑھی وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (یعنی اے مشرکین! تم اور جو چیز اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں)

قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے۔ درحقیقت یہ لوگ ہیں ہی

خَصِمُوْنَ ۝۵۸ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ

جھگڑالو ہیں۔ نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۵۹ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝۶۰

اسرائیل کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے ۱۲

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ

اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کیا کرو ۱۳ یہ سیدھا

یہ سن کر مشرکین کو بہت غصہ آیا اور ابن زبعری کہنے لگا کہ یا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا یہ خاص ہمارے اور ہمارے معبودوں ہی کے لیے ہے یا ہر امت اور گروہ کے لیے؟ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے اور تمہارے معبودوں کے لیے بھی ہے اور سب امتوں کے لیے بھی۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ کے نزدیک عیسیٰ ابن مریم نبی ہیں اور آپ ان کی والدہ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ نصاریٰ ان دونوں کو پوجتے ہیں اور حضرت عزیر اور فرشتے بھی پوجے جاتے ہیں تو اگر یہ حضرات (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں تو ہم راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود بھی ان کے ساتھ ہوں اور یہ کہہ کر کفار خوب ہنسے۔ اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ اور یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابن زبعری نے اپنے معبودوں کے لیے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی مثال پیش کی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مجادلہ کیا کہ نصاریٰ انہیں پوجتے ہیں تو قریش اس کی بات پر خوب ہنسے۔ (خزائن العرفان) علامہ ابن منظور نے یَصِدُّوْنَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے صَدَّ يَصِدُّ صَدًّا: اِسْتَغْرَبَ ضَحِكًا کہ حیرت و تعجب کے باعث ہنسنا اور اس کا دوسرا معنی ہے ضَجَّ وَعَجَّ وَمِنْهُ يَصِدُّوْنَ يَضِجُّوْنَ وَيَعِجُّوْنَ۔ شور و غل مچانا۔ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں تو اگر (معاذ اللہ) وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بت بھی ہوا کریں۔ (خزائن العرفان)

۱۲ علامہ قرطبی اس آیت کا مفہوم بتاتے ہیں وجعلنا بدلا منکم یعنی اگر ہم چاہتے تو جیسے آدم کو پیدا کیا تھا اولاد آدم کو … کر دیتے۔ تمہیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم نے تمہیں نیست سے ہست کیا۔ اُف تم ناشکری کرتے ہو۔

۱۳ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، حسن اور دیگر مفسرین کا قول یہ ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا

راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان (اس راستہ سے) بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب

جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ

آئے عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور تاکہ میں بیان کر دوں تم سے

بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

کچھ وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ ۶۵ بیشک اللہ تعالیٰ ہی

آپ کا قیامت سے پہلے تشریف لانا وقوع قیامت کی شرائط میں سے ہے اس لیے جب آپ نازل ہوں گے تو لوگوں کو علم ہو جائے گا کہ اب قیامت قائم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں کان شرطا من اشراطھا تعلم بہ۔ فسمی شرط علما لحصول العلم بہ (کشاف) یعنی وقوع قیامت کی علامتوں میں سے ایک ہیں اور اس علامت اور شرط کو علم کہا گیا کیونکہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن کے انکار کی جرأت کوئی ایماندار انسان نہیں کر سکتا۔ ان متعدد صحیح احادیث میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے جسے صحیح مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینزلن عیسی ابن مریم حکما عادلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیۃ ولتترکن القلاص فلا یسعی علیھا ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد ولیدعون الی المال فلا یقبلہ احد۔ یعنی یقیناً عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے آسمان سے نازل ہوں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ اٹھا لیا جائے گا اور اونٹنیوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ عداوت، بغض اور حسد کا نام و نشان نہ رہے گا۔ لوگوں کو مال قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی لیکن اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمایئے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ کا حاشیہ ضیاء القرآن۔

۶۵ عیسیٰ علیہ السلام کو جلیل القدر معجزات سے متصف کر کے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کی حالت یہ تھی کہ مذہبی بحثیں اور مناظرے روز مرہ کا معمول تھے۔ ایک دوسرے کی تکفیر ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ دین ان کے لیے اتحاد و اتفاق کا منبع رہا تھا بلکہ خلفشار و انتشار کا سبب بن گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ آؤ میں نور حکمت لے کر آیا ہوں۔ اگر تم تعصب اور بے جا ضد کا طریقہ چھوڑ دو گے تو تمہارے بہت سارے مختلف فیہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ مناظرہ بازی کا چکر ختم ہو جائے گا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ میری رہنمائی سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ میری اطاعت کرنے کے لیے تیار ہو۔

رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۴ فَاخْتَلَفَ

میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے ۶۶؎ پھر اختلاف کرنے لگ گئے

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ

(مختلف) گروہ آپس میں ۶۷؎ پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن

اَلِيْمٍ ۝۶۵ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں

لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۶ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا

خبر تک نہ ہو۔ گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور

الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝۶۸ اَلَّذِيْنَ

پرہیزگار) ہیں ۶۸؎ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) افسردہ ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو

۶۶؎ نیز آپ نے انہیں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی عبادت کرنا ہی راہ راست ہے۔ آپ نے اپنی امت کو پہلے ہی ان خطرات پر متنبہ کر دیا جن میں وہ مبتلا ہونے والے تھے۔

۶۷؎ ان کے باہمی اختلافات کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء آیت ۱۷۱ نیز ضیاء القرآن سورۂ مریم آیت ۳۷۔ جلد سوم

۶۸؎ قیامت کے دن دنیا کے سارے جانی یار اور دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ ہر شخص یہ چاہے گا کہ اس کے حصے کا عذاب بھی اس کے دوست پر ڈال دیا جائے۔ وہ ایک دوسرے سے دور بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے لیکن وہ لوگ جو پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے ان کی دوستی اس روز بھی سلامت رہے گی۔ چنانچہ امام مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله یقول یوم القیامة این المتحابون بجلالی الیوم اظلهم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔ یعنی کہاں ہیں وہ آپس میں محبت کرنے والے؟ مجھے اپنے جلال کی قسم میں ان کو آج اپنے سائے کے نیچے جگہ دوں گا جبکہ میرے سائے کے بغیر اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو ان عبدین تحابا فی الله عزوجل واحد فی المشرق وآخر فی المغرب لجمع الله بینهما یوم القیامة یقول هذا الذی کنت تحبه فیّ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ

ایمان لائے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے (۶۹) (حکم ہوگا) داخل ہوجاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِیْهَا

خوشی خوشی (۷۰) گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں

مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ

ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید یہ کہ) تم وہاں ہمیشہ رہو گے (۷۱) اور

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ

یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لیے یہاں بکثرت پھل

نے فرمایا اگر دو بندے اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا تھا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا کہ یہ وہ آدمی ہے جس کے ساتھ تو میرے لیے محبت کرتا تھا۔ (مظہری)

۷۰ یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کیا کرتے تھے انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے المرء مع من احب کہ روز حشر ہر آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت تھی۔ تو غور فرمائیے کہ جب عشاق جمال مصطفوی صاحب لولاہ الحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنگت اور رفاقت میں ہوں گے تو پھر خوف کیسا اور حزن کیسا؟

۷۱ ان خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ تم بھی جنت میں تشریف لے چلو اور تمہاری بیویاں بھی۔ علامہ پانی پتی تحبرون کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای تسرون سرورا یظہر حبارہ علی وجوہکم یعنی تم اس روز اتنے خوش ہو گے کہ مسرت کی نشانیاں تمہارے شگفتہ چہروں اور چمکتی آنکھوں سے نمایاں ہوں گی۔ تحبرون کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے۔ قال الزجاج فی قولہ تعالیٰ انتم و ازواجکم تحبرون معناہ تکرمون اکراما یبالغ فیہ (لسان العرب) یعنی تمہیں اور تمہاری بیویوں کو بڑی شان و عزت سے جنت میں جانے کا اذن ملے گا۔

۷۲ نفس سیر ہو جائیں گے اور آنکھیں جس سے محظوظ ہوں گی ہر شخص کو وہی ملے گا۔ البتہ سب نفس ایک ہی چیز کے طلب گار نہیں ہوں گے سب آنکھیں ایک جیسی چیزوں کو دیکھ کر روشن نہیں ہوں گی۔ ہر شخص کا اپنا ذوق ہوگا اور ہر شخص کی اپنی نگاہ ہوگی۔

ہے مجھے تو پسند اور مجنوں کو لیلیٰ

شاہا اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾

بہت ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے) بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ۲۷

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا

نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے وہ عذاب اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (آپ ہی) اپنے اوپر ظلم

هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم

ڈھانے والے تھے ۲۸ اور وہ پکاریں گے اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر دے وہ جواب دے گا تمہیں

مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾

تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے ۲۹ بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس (دین) حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔

حضرت ثوبان، ربیعہ ابن کعب اور ان کے ہم مشرب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ رسالت کی حاضری پر سب کچھ قربان کرنے والے ہوں گے، بعض دیدار الٰہی کی تمنا لیے وہاں حاضر ہوں گے۔ فما لغصوی النبی مشتماد الوصل العریان بلاکیف ودوام رؤیۃ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واما غیرہ فلا ارمن نعم الجنۃ۔ حاشیہ تفسیر مظہری، یعنی وہ صوفی جس کا مقصود وصیداللہ کا دیدار بے حجاب اور وصال دائمی ہے اسے یہ نعمت بخشی جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو جنت کی نعمتوں سے ان کی چاہت کے مطابق سرفراز کیا جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ ایک اعرابی بولا کیا وہاں اونٹ ہوں گے؟ دونوں کو فرمایا اگر تمہیں خدا جنت میں لے گیا تو تمہاری ہر خواہش پوری ہو گی۔ (مظہری)

۲۷ پہلے اپنے مطیع و فرمانبردار بندوں پر اپنے بے پایاں انعامات اور غیر محدود احسانات کا ذکر فرمایا۔ اب ان کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو عمر بھر بغاوت و سرکشی کا علم بلند کیے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان کا شعار رہا، عذاب کی شدت کم کرنے کی عرض کرتے ہیں جب شدید بخار ہو اور وہ ہلکا ہو جائے تو کہتے ہیں فترت عنہ الحمی اذا سکنت قلیلا ونقص حرها۔ جب بخار کی شدت کم ہو جائے۔ مبلس کے معنی ہیں مایوس ہونے والے۔ یعنی جو عذاب انہیں دیا جائے گا وہ کبھی ہلکا نہ ہو گا اور وہ ہمیشہ اس میں مبتلا رہیں گے۔ وہ فریاد کریں گے لیکن کوئی شنوائی نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائیں گے اور یقین کر لیں گے کہ اب انہیں جہنم سے رہائی کی کوئی امید نہیں۔

۲۸ لیکن یہاں ان کا اپنا قصور ہے۔ ہم نے ان پر قطعاً کوئی زیادتی نہیں کی۔ انہیں عقل و فہم کی قوتیں بخشیں، ان کے پاس اپنے رسول بھیجے، پھر انہیں عرصہ دراز تک سوچنے اور سمجھنے کی مہلت دی۔ پھر انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے طرح طرح کے آلام و مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ ہم وہ بے راہ روی پر اڑے رہے۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں۔

۲۹ زندگی بڑی عزیز چیز ہے۔ موت کو کوئی پسند نہیں کرتا لیکن وہ عذاب جہنم سے کہیں گے کہ اگر ہماری معافی اور بخشش کی

أَمْ أَبْرَمُوٓا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ

ہاں اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں ۹۶ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے راز اور سرگوشی

نَجْوٰىهُمْ ۚ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

کو۔ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں ۹۷ آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی

وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعٰبِدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ

بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا ۹۸ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور)

کوئی صورت نہیں تو اے مالک! اپنے رب سے عرض کرو کہ ہمیں موت دے دے، ہمارا کام تمام کر دے۔ جواب ملے گا اب موت کہاں؟ تم زندہ رہو گے اور انہی انگاروں پر لوٹتے رہو گے۔ یہی شعلے تمہارا مقدر ہیں اور یہی جہنم تمہارا ابدی ٹھکانا ہے۔

۹۶ جوہری لکھتے ہیں ابرمت الشیئ، احکمتہ (صحاح) کسی چیز کو پختہ کرنا۔ کفار نے دارالندوہ میں مجلس مشاورت منعقد کی۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے پر سب متفق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم نے میرے محبوب کو شہید کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی غافل نہیں۔ ہم نے بھی یہ حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے محبوب کی حفاظت کریں گے۔ تم ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے اور تمہاری یہ سازشیں تمہارے لیے ہی ناکامی و نامرادی کا سبب بنیں گی۔

۹۷ کیا کفار یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ وہ چھپ چھپ کر چپکے چپکے جو منصوبے بنا رہے ہیں ان کا ہمیں علم نہیں، اس لیے بالا بالا وہ چالیں چلے گزریں گے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ اے کفار! ہمارے فرشتے تمہاری ہر محفل میں شریک ہوتے ہیں، جو سرگوشیاں تم کرتے ہو ہم ان کو جانتے ہیں اور ہمارے فرشتے تمہاری زبان سے نکلنے والا ہر لفظ لکھ رہے ہیں۔ تمہارا کوئی راز ہم سے پوشیدہ نہیں۔

۹۸ جس طرح اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا بیٹا ہو، اسی طرح وہ اس سے بھی منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ خدا واجب الوجود وحدہ ہے کیونکہ ممکن ہو جائے گا اور جو ممکن ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے خدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان عیوب سے منزہ ہو۔ اس مضمون کو پہلے بھی نہایت مدلل اور موثر انداز سے کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ مضمون ایک اچھوتے اسلوب سے بیان کیا جا رہا ہے۔

اے کفار! تم سب جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پرستار اور عبادت گزار ہوں۔ تم سب معبودان باطل کے آستانوں پر جبیں سا رہے ہو۔ ایک میں ہوں کہ تمہارے طعنے سہتا ہوں، تمہاری زبان درازیاں سنتا ہوں، تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود اپنے معبود برحق اور اپنے مالک و خالق کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ تم ذرا سوچو جس کے دل میں اپنے رب کی اتنی محبت اور اتنا عشق ہو، جس کی زبان اپنے مالک کی تعریف میں ہر وقت زمزمہ سنج رہتی ہو، جس کی یاد میں میری راتیں بیت جاتی ہوں، اگر اس کا کوئی بیٹا

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا

عرش کا رب ہر اس عیب سے جو وہ بیان کرتے ہیں ف۸۲ پس رہنے دیجئے انہیں کہ بیہودہ باتیں کرتے رہیں اور کھیل تماشا کرتے رہیں حتی کہ

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي

ملاقات ہو جائے ان کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ف۸۳ اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی

الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

خدا ہے۔ اور وہی بہت دانا سب کچھ جاننے والا ہے ف۸۴ اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

ہوتا تو کیا میں کسی کے سامنے بے ساختہ طور پر سربسجود نہ ہو جاتا۔ میرا ایسا نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں وہ اس سے پاک اور بہت پاک ہے کہ کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہا جائے۔

یہاں شرط بھی محال ہے اور جزا بھی محال ہے اور ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا بھی محال اور میرا اس کی عبادت کرنا بھی محال ہے۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں۔ عابدین کا معنی آنفین ہے یعنی میں اس کذب و افتراء کو تسلیم کرنے سے سب سے پہلے انکار کرنے والا اور اس کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرنے والا ہوں۔

قال الجوهري: وقال ابو عمرو قوله فانا اول العابدين من الانف والغضب، قال ابن الاعرابي فانا اول العابدين اى الغضاب الآنفين (قرطبی)

ف۸۲ کفار کی بہتان طرازیوں کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات جو آسمانوں کا خالق ہے اور جس نے زمین بنائی، اسی کے ہے اور اس میں حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ عرش پر بھی اسی کی کبریائی کے پرچم لہرا رہے ہیں۔ ایسی عظیم و جلیل ہستی کو اولاد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ صمد اور بے نیاز ہے۔

ف۸۳ اے محبوب! آپ انہیں نظر انداز کر دیجیے اور ان کے بارے میں فکرمند نہ رہیے۔ ان میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ ای اترکهم يخوضوا في باطلهم ويلعبوا في دنياهم (قرطبی) جب قیامت کا دن آئے گا تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی۔

ف۸۴ آسمانوں میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور زمین میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ

اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں ۸۶؎ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے

فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ

پھر کدھر بہکائے جا رہے ہیں ۸۷؎ اور قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ۸۸؎ پس

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

(اے) حبیب! رخ انور پھیر لیجیے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو، وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے ۸۹؎

اس کی کوئی اولاد ہے۔

۸۶؎ کفار اس گھمنڈ میں تھے کہ بت اور فرشتے ان کی شفاعت کریں گے۔ بتایا کہ ان بیچاروں کی کیا مجال! یہاں تو بڑے بڑوں کی مجال نہیں کہ بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے کی جرأت کر سکے اور نہ ہر شخص اس قابل ہے کہ اس کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت کرنے کا وہ مجاز ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتا ہے اور اس کی یہ گواہی علم و یقین پر مبنی ہو۔ اسی طرح شفاعت اس کی کی جائے گی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ شفاعت صرف ان گناہگاروں کے لیے ہوگی جو ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے اور جن کا خاتمہ کفر یا شرک پر ہوگا ان کے لیے شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

۸۷؎ عجیب احمق لوگ ہیں، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس کے علاوہ دوسروں کو اپنا معبود بنا رکھتے ہیں اور اس طرح راہ حق سے روگردانی کرتے ہیں۔

۸۸؎ حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کو آشکارا کر دیا۔ شک و شبہ کے بادل چھٹ گئے۔ قرآن کریم کے اعجاز نے ان منکرین کے چھکے چھڑا دیے اور ان پر سکتہ طاری کر دیا۔ اس کے باوجود وہ اپنے باطل سے چمٹے رہنے پر مصر تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں عرض کی الٰہی! یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں یہ ماننے والے ہی نہیں۔ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا ہے لیکن یہ اسے تسلیم ہی نہیں کر رہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ ادا بڑی پسند آئی اور اس قول کی قسم اٹھائی جو لب مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء سے نکلا۔

۸۹؎ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے میرے حبیب! آپ بھی ان سے رخ انور پھیر لیجیے۔ اب ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔

ان کے لیے سلامتی اور ہدایت کی دعا مانگتے رہا کیجیے۔ عنقریب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور حقیقت حال جان لیں گے۔ اگر حق کو قبول نہ کیا تو اپنی سزا پائیں گے اور اگر قبول کر لیا تو فردوس بریں کے دروازے ان پر کھول دیے جائیں گے۔

علامہ ابو حیان الاندلسی اور علامہ محمود آلوسی کی رائے یہ ہے کہ یہاں سلام دعائیہ نہیں بلکہ ان سے اپنی براءت اور قطع تعلق کے اعلان کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ فلیس ذٰلک امرا بالسلام علیهم والتحیة وانما امر بالمتارکة وحاصله اذا ابیتم القبول فامری التسلم منکم (روح المعانی) علامہ ابو حیان لکھتے ہیں وعید لهم وتهدید وموادعة (بحر محیط) یعنی قل سلام میں کفار کو عذاب کی وعید اور دھمکی دی جا رہی ہے اور ان سے جدائی کا اعلان مقصود ہے۔

اللّٰهم ربنا لك الحمد ولك الشكر على ما انعمت علي ووفقتني وعلى حبيبك وصفيك ونبينا وشفيعنا محمد وآله واصحابه افضل الصلوات واجمل التسليمات واحسن التحيات۔ ربنا اغفرلي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب فاطر السمٰوات والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الدّخان

نام : اس سورت کا نام الدخان ہے۔ یہ کلمہ آیت نمبر ۱۰ میں مذکور ہے۔ اسی سے اس کا نام ماخوذ ہے۔ اس میں تین رکوع، ستاون یا انسٹھ آیتیں، تین سو چھیالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو اکتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : وہ سورتیں جن کی ابتدا حٰم سے ہوتی ہے ان سب کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔ اگرچہ سال و ماہ کے تعین کے لیے ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں، لیکن جس واقعہ کا ذکر سورہ دخان میں ہے اس سے اس کے زمانۂ نزول کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کفار کا عناد اور اسلام سے ان کی عداوت جب حد سے بڑھنے لگی اور انہوں نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں فقراء و مساکین پر ظلم و تشدد شروع کر دیا، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی الٰہی! ان کو عہد یوسفی کے قحط کی طرح قحط میں مبتلا کر تاکہ دولت کا خمار ان کے دماغوں سے نکلے اور جب پے در پے فاقوں سے جان لبوں پر آ جائے تو شاید ان کے دل پسیج جائیں اور دعوتِ حق کو قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کی دعا قبول فرمائی۔ مینہ برسنا بند ہو گیا۔ خشک سالی سے ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ اشیائے خوردنی بازار سے نایاب ہو گئیں۔ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ حضور کی دعا کا اثر ہے اور جب تک حضور کے دستِ مبارک دعا کے لیے بارگاہِ الٰہی میں نہیں اٹھیں گے یہ بلا نہیں ٹلے گی۔ چنانچہ ان کے متکبر سرداروں کا ایک وفد جس میں ابو سفیان بھی تھا بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور ملتجی ہوا کہ حضور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس قحط سے نجات بخشے ہم حضور پر ایمان لے آئیں گے۔ سراپا رحمت و رافت نبی کے مبارک ہاتھ دعا کے لیے اٹھے، مینہ برسنا شروع ہو گیا اور قحط کی ہلاکت انگیزیوں سے انہیں نجات مل گئی۔

مضامین : اہلِ مکہ کی دیرینہ بیماریاں ہیں اور انہیں کا علاج یہاں مقصود ہے۔ قرآن کریم کو وہ کلام الٰہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کے وہ انبار لگا دیا کرتے۔ ان کے ازالہ کے لیے فرما دیا یہ تو کتاب مبین ہے۔ اس کا انداز بیان، اس کے پُر از حکمت مضامین خود بتا رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کتاب کے نزول سے تم گوناگوں مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے ہو اور تمہیں نحوست نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، یہ تمہاری کج فہمی ہے۔ یہ کتاب تو یمن و برکت کا سرچشمہ ہے۔ وہ رات جس میں یہ نازل ہوئی، اس کے نزول کے باعث دوسری راتوں پر فوقیت لے گئی۔ سال کے بعد جب وہ رات لوٹ کر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آ جاتا ہے اور گنت گنہگاروں کو نوید بخشش سنا دی جاتی ہے۔

دوسرا روگ جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے شرک تھا جس نے ان کی توانائیوں کا آخری قطرہ تک چوس لیا تھا۔ اس سورت میں اس کے علاج کی طرف توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جن بتوں اور معبودانِ باطل کو تم اپنا خدا سمجھتے ہو، جو کل تک اِن گھڑے پتھر کی صورت میں کسی پہاڑ میں پڑے ہوتے تھے، تمہارے سنگتراش نے انہیں اٹھایا اور اپنے فن کی قوت سے اس سے ایک صورت تراش دی، تم خود ہی بتاؤ یہ بے جان پتھر بھی بھلا کہیں تمہارے نفع و نقصان کے مالک بن سکتے ہیں۔

کفار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی دولت اور اثر و رسوخ پر بڑے نازاں ہو اور اپنے حالات پر پوری طرح مطمئن ہو۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہیں اصلاحِ احوال کے لیے کسی نئی دعوت کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم نے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل سیدھا راستہ ہے، جن نظریات و افکار کی بنیادوں پر تم اپنے اعمال کی دنیا تعمیر کر رہے ہو وہ بالکل صحیح ہیں۔ تم نے زندگی بسر کرنے کے جو انداز اختیار کر رکھے ہیں، ان میں کسی اصلاح کی گنجائش نہیں، اس لیے تم آیاتِ الٰہی میں غور کرتے ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کی مخلصانہ کوششوں کو بار آور ہونے دیتے ہو۔ یہ گھمنڈ تمہیں مہنگا پڑے گا۔ تم سے پہلے فرعون نے یہی روش اختیار کی تھی اور تم خوب جانتے ہو کہ باوجود جاہ و جلال اس کا انجام کتنا عبرتناک ہوا تھا۔

وہ لوگ قیامت کے بھی منکر تھے اور اس انکار پر انہیں شدید اصرار تھا۔ وقوعِ قیامت کی حکمت بیان فرما دی کہ اگر قیامت کے عقیدہ کو خارج کر دیا جائے تو یہ جہان ایک کھیل تماشا بن کر رہ جائے گا جس میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا قانون نافذ ہو گا۔

سورۃ الدخان مکیۃ وهی تسع وخمسون اٰیۃ وثلٰث رکوعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ دخان مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | آیات ۵۹ رکوع ۳

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

حا میم ۱؎ قسم ہے روشن کتاب کی ۲؎ بیشک ہم نے اتارا ہے ۳؎ اسے ایک بابرکت رات میں ۴؎ ہماری یہ شان ہے کہ ہم ڈرانے والے ہیں

۱؎ یہ بھی حروف مقطعات میں سے ہیں ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حٰ اور میم، حیّ قیوم کی طرف اشارہ ہے۔

۲؎ اس کی وضاحت بھی سورۂ زخرف میں گزر چکی ہے۔

۳؎ یہ مقسم علیہ ہے یعنی ہمیں اس کتاب مبین کی قسم۔ اس کتاب کو ہم نے ہی نازل فرمایا ہے۔ یہ انسانوں اور جنوں میں سے کسی فرد واحد کی تصنیف ہے اور نہ دانشوروں کے کسی بورڈ نے باہمی مشوروں سے اس کا مسودہ تیار کیا ہے۔

۴؎ یعنی ہم نے ہی اس کو نازل کیا ہے اور بڑی خیر و برکت والی رات میں اس کو نازل کیا ہے۔ وہ کون سی رات تھی علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر تھی۔ کیونکہ سورۂ قدر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ اور عکرمہ اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ نصف شعبان کی رات تھی لیکن صحیح پہلا قول ہے۔

ویسے نصف شعبان کی رات بھی بڑی برکتوں والی رات ہے۔ اس کی فضیلت میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس الى سماء الدنيا فيقول الا مستغفر فاغفر له۔ الا مسترزق فارزقه۔ الا مبتلى فاعافيه۔ الا كذا الا كذا حتى يطلع الفجر۔ ابن ماجہ والبیہقی (روح المعانی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو رات کو جاگا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو جب سورج غروب ہوتا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا تاکہ میں اس کو بخش دوں، ہے کوئی رزق طلب کرنے والا تاکہ میں اس کو رزق دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ تاکہ میں اس کو اس سے نجات دوں۔ یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔

دوسری حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں حضور کی تلاش میں نکلی میں نے حضور کو جنت البقیع میں پایا کہ آسمان کی طرف حضور نے سر اٹھایا ہوا تھا مجھے دیکھ کر حضور نے فرمایا ان الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان الى السماء الدنيا فيغفر لاكثر من عدد شعر غنم كلب۔ رواہ الترمذی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے جس قدر بال ہیں اتنے ہی

مُنذِرِينَ ﴿٣﴾ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا

خبردار کرنے والے ہیں۔ اس رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے بے شک ہم ہی

لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

علمائے کرام نے اس آیت کے ضمن میں یہ بحث بھی کی ہے کہ بعض اوقات اور مقامات کو ذاتی لحاظ سے دوسروں پر فضیلت ہے یا نہیں۔ عز بن عبد السلام کہتے ہیں کہ ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں البتہ کسی خاص وقت یا مکان میں بعض اعمال کے وقوع پذیر ہونے کے باعث ان کو فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز ان کی نسبت کسی مقدس شخصیت کی طرف ہو جائے تو اس کے باعث وہ وقت اور وہ جگہ مشرف و محترم ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر علامہ آلوسی لکھتے ہیں البقعۃ التی ضمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فانہا افضل البقاع الارضیۃ والسماویۃ حتی قیل وبہ اقول انہا افضل من العرش (روح المعانی)

ترجمہ: وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں وہ زمین و آسمان کے تمام مقامات سے افضل ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے اور میرا مذہب بھی یہی ہے کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے۔ اصحاب طریقت و معرفت فرماتے ہیں اشد اللیالی برکۃ وقدرا لیلۃ یکون العبد فیہا حاضر القلب۔ مشاهد الرب۔ یتنعم فیہا بانوار الوصل۔ یعنی وہ رات برکت اور منزلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے حاضر ہوتا ہے اپنے رب کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے اور انوار وصال سے لذت حاصل کرتا ہے۔

ؔ نزول کتاب کی حکمت بیان کی جا رہی ہے یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم آنے والے مصائب و آلام سے بروقت آگاہ کر دیا کرتے ہیں تاکہ جو ان سے بچنا چاہے وہ اپنا بچاؤ کر لے۔ وانزلنا لانّ من شاننا الانذار والتحذیر من العقاب (کشاف)

ؔ امام لغت جوہری نے فرق یفرق کا معنی بیّن کیا ہے یعنی کسی چیز کو واضح کر دینا (صحاح)۔ صاحب تاج العروس نے اس معنی کے علاوہ دوسرا معنی یقضی کیا ہے یعنی فیصلہ کرنا (تاج العروس)۔ حکیم: ذو الحکمۃ او ہو المحکم ای الذی لا اختلاف فیہ ولا اضطراب (لسان العرب) الحکیم کے دو معنی ہیں حکمت والا اور پختہ جس میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

بتایا جا رہا ہے کہ اس بابرکت رات میں وہ فیصلے جو عالم تکوین میں مختلف فرائض کی انجام دہی کے لیے متعین ہیں سال بھر کے لیے ان کو ان کے متعلقہ فرائض کے بارے میں تفصیل سے بتایا جاتا ہے اور اگر یفرق بمعنی یقضی ہو تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے والے امور کے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ امر حکیم سے مراد یہ ہے کہ ایسا کام جو سراسر حکمت ہی حکمت ہو یا حکیم سے مراد محکم ہے یعنی وہ فیصلہ کیا ہے اس میں کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں۔

ؔ یعنی یہ فیصلے میری بارگاہ اقدس و عالیہ سے صادر ہوتے ہیں اور جو فیصلہ ہماری بارگاہ سے صادر ہو گا یقیناً وہ خیر و برکت کا حامل ہو گا، عدل و احسان کا آئینہ دار ہو گا۔ اس مبارک رات میں جو فیصلے کیے جاتے ہیں ان کی عظمت شان کے اظہار کے لیے امراً من عندنا کے الفاظ ذکر کیے گئے۔ امام رازی نے امراً کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ الف۔ نصب علی

مُرْسِلِيْنَ ۝۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

وہ کتاب رسول بھیجنے والے ہیں ۵ (یہ) سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۶ جو رب ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۷ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم ایسا یقین رکھتے ہو ۷ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

الاختصاص کو منصوب ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ حال ہے اس کا ذوالحال انزلناہ کی ضمیر فاعل ہوگی یا ضمیر مفعول۔

ف ہم قرآن کریم کو نازل کرنے والے اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے والے ہیں۔ قرآن جیسی کتاب مبین کا نزول اور آپ جیسے رسول مکرم کی بعثت آپ کے رب کریم کی رحمت بے پایاں ہے۔ آپ کے رب کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ وہ شکم مادر میں بچہ کی نشوونما کے تمام وسائل مہیا فرماتا ہے۔ اس سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہوا و ہوس کے تند و تیز بگولوں کے حوالے کر دے اور ان کی دستگیری نہ کرے۔ انہیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے اور ان کی رہنمائی نہ کرے۔

ف وہ اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سنتا بھی ہے اور انہیں قبول بھی فرماتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی ہر طرح کی ضروریات سے باخبر ہے اور ان کے دلوں کے احساسات و حالات کو بخوبی جانتا ہے۔

ف اس آیت سے جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا پتہ چلتا ہے جس کی وسعتیں بلندیوں اور پستیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اور جس کی ذرہ نوازیاں ہر خورد و کلاں کا سہارا بنی ہوئی ہیں وہاں قرآن کی رفعت شان اور جلالت منزلت کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ جب ہر چیز کا پروردگار وہ ہے تو تمہیں بھی اسی کا ماتحت ہونا چاہیے کسی بت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ چون و چرا کرے۔ ان کنتم موقنین سے کفار کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ زبان سے تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر تمہارے دل بھی اس کو مانتے ہیں تو پھر تمہیں اس کتاب اور صاحب کتاب کی اطاعت میں ہیل و حجت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ رب ماننا اور اس کا حکم نہ ماننا ملک کنا اور اس کے بھیجے ہوئے رسول سے مخاصمت کوئی ہوش مند ایسا نہیں کیا کرتا۔

ف یہ حقیقت جب روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ ہے اس کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کا ہر فیصلہ اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اب اس حقیقت سے انکار بھی پہلے درجہ کی حماقت ہے کہ لا الٰہ الا ھو بے شک صرف وہی معبود ہے وہی اس کا سزاوار ہے کہ اس کی بندگی اور عبادت کی جائے۔ زندہ کرنا اور مارنا اسی کی شان ہے۔ کھول کر سن لو تمہارا خالق و مالک بھی وہی ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا بھی۔ کیا یہ کرم ہے کہ جو ہستی کی طرف ان کی نسبت پر تم اتراتے ہو اور جن کی جانبداری کے مالک اور وارث ہو ان کا خالق اور مالک بھی وہی ہے۔ ایسی با کمال اور ذوالجلال والاکرام ہستی پر ایمان نہ لانا بڑی نادانی ہے۔

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ

تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ ۱۲ پس آپ انتظار کریں

يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اس روز کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں۔ جو چھا جائے گا لوگوں پر۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ

(اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب! دور کر دے ہم سے یہ عذاب۔ ہم (اب) ایمان لاتے ہیں۔ ۱۳ ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان

۱۲ یہ لوگ درحقیقت نعمت یقین سے محروم ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے دل کی آواز نہیں۔ حالات کی سنگینیاں جب انہیں اپنے شکنجے میں لے لیتی ہیں، اس وقت وہ اپنے معبودان باطل کو بے بس پاتے ہیں تو مجبوراً مان لیتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے اور جب حالات کی شدت میں تخفیف ہونے لگتی ہے تو پھر وہ اپنے پرانے کفر کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ شکوک کی دلدل میں پھنسے ہوتے ہیں، زندگی کو انہوں نے ایک دل لگی سمجھ رکھا ہے۔ جسم و نفس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو پھر انہیں کسی اور چیز سے سروکار نہیں۔ خدا کو ماننا یا نہ ماننا ان کے نزدیک کوئی اتنی اہم بات نہیں۔ ان کی ساری توجہ اور ساری کوششیں ایک نقطہ پر مرکوز ہیں اور وہ ہے ان کی معاشی خوشحالی۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں کھیل اور مذاق ہیں۔

۱۳ انہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا ناز ہے۔ ان کے تجارتی کارواں بڑے قیمتی سامان سے لدے ہوئے واپس آتے ہیں۔ اس خوشحالی نے انہیں مغرور بنا دیا ہے۔ وہ حق کی آواز کو توجہ سے سنتے ہی نہیں۔ قرآن کریم کی آیات بینات میں تدبر کرنے کی ضرورت انہوں نے کبھی محسوس ہی نہیں کی۔ اے محبوب! آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ ہم انہیں قحط سالی کے شکنجہ میں یوں کس دیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ نہ بادل گھر کر آئیں گے نہ مینہ برسے گا۔ نہ ان کے صحراؤں میں لہلہاتے کھیت بہار دکھائیں گے۔ ان کے کھیت اور چراگاہیں ویران ہو جائیں گی۔ ہر طرف خاک اڑنے لگے گی۔ ساری فضا گرد آلود ہو جائے گی۔ یوں محسوس ہوگا کہ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا ہے۔ یا بھوک کی وجہ سے اتنی نقاہت ہو جائے گی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے گا اور یوں محسوس ہوگا جیسے ہر چیز دھوئیں میں چھپ کر رہ گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ طیبہ میں نزول اجلال فرمایا تو اہل مکہ اس گرداب میں پھنسے والوں کو قحط نے آ لیا۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ مردار اور کتے کھا کھا کر وقت گزارنے لگے۔ اپنے چھوٹے بڑے سب بتوں کے سامنے بڑی دردمندانہ التجائیں کیں لیکن سب بے سود۔ آخر ابوسفیان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ یہ خیال فرماتے ہیں کہ آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ کی قوم بھوک سے ہلاک ہو گئی ہے۔ آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے ہمیں نجات بخشے۔ فدعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسقوا الغیث۔ چنانچہ حضور نے دعا فرمائی اور بارش برسنے لگی۔

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا

کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول ۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے ۔ ۳۱ ہم

وقف لازم

كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

دور کر دینے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے ۔ جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے

وقف لازم

الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ

(اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لیں گے ۳۲ اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس

یہ آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں قحط شدید کی آمد کی اطلاع دی گئی پھر اس قحط سے مجبور ہو کر مشرکین کے رویے میں جو تبدیلی آنے والی تھی اس کا ذکر کیا گیا۔ اَنّٰى لَهُمُ سے بتایا گیا کہ ان کا یہ کہنا (اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ) محض وقتی مجبوری کے باعث تھا ورنہ جب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات اور روشن معجزات کے باوجود ایمان قبول نہیں کیا تو اب اتنی سی بات سے وہ ہدایت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ اِنَّا كَاشِفُوا الخ سے بتا دیا گیا کہ ان سے وہ عذاب ایک عرصہ کے لیے ٹال دیا جائے گا لیکن وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

آیات کی یہ تفسیر جو بخاری سے منقول ہے اس کو ان احادیث سے متعارض کہنا جن میں دخان علامات قیامت کے ضمن میں مذکور ہے قطعاً درست نہیں۔ بے شک قیامت سے پہلے بھی دھواں ظاہر ہوگا جیسے حدیث میں مذکور ہے۔ وہ دھواں علامات قیامت میں سے ہوگا اور یہ الگ واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ اس لیے قطعاً کوئی تعارض نہیں جیسے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

۳۱ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے روشن معجزات اور کمالات دیکھ کر بھی نصیحت قبول نہیں کی اور حضور سے منہ موڑ لیا اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ کوئی کہتا کسی سے سن کر یہ باتیں سکھاتے ہیں، کوئی کہتا نہیں دماغ چل گیا ہے اسی لیے ایسی اَن ہونی باتیں کرتا ہے کہ کوئی عقل مند انہیں مان نہیں سکتا۔ یقیناً انہیں جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ فقال بعضهم هو معلم وقال بعضهم هو مجنون۔ (زمخشری)

۳۲ جب ہمارے عذاب کا کوڑا ان کی پیٹھ پر لگا تو بلبلا اٹھے منتیں کرنے لگے کہ اگر یہ عذاب ایک مرتبہ ٹل گیا تو ہم نافرمانی سے باز آ جائیں گے۔ ہمیں علم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی کجروی سے باز نہیں آئیں گے۔ پھر بھی ہم کچھ وقت کے لیے ان سے عذاب ٹال دیتے ہیں اور انہیں مہلت دیتے ہیں کہ تم وہی کرتوت کرنے لگو گے۔ البتہ جس روز ہم تم کو سختی سے پکڑیں گے تو بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔ اس دن سے مراد بدر کا دن بھی ہو سکتا ہے اور قیامت کا دن بھی۔

رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ وَ

معزز رسول ۱۶ (اس نے فرمایا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں ۱۷ اور

أَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّي عُذْتُ

یہ کہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں ۱۸ بے شک میں لایا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل ۱۹ اور میں نے پناہ لے لی ہے

۱۶ مشرکین مکہ کے معاندانہ رویّے کے ذکر کے بعد اب فرعون اور اس کی قوم کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ اہل مکہ فرعونیوں کے حسرتناک انجام سے عبرت حاصل کریں۔ "فتنّا" کا معنی آزمانا ہے۔ یہاں ان کی آزمائش کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے ان کو ان کے باطل عقائد و نظریات پر متنبہ کیا۔ ان کی سیاسی و معاندانہ پالیسیوں پر انہیں ٹوکا۔ وہ جن اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے ان سے باہر نکلنے کی انہیں دعوت دی۔ اپنی صداقت کو عیاں کرنے کے لیے بڑے بڑے معجزات دکھائے۔ اس کے باوجود وہ لوگ اپنی مصلحتوں اور معاشی مفادات کے باعث حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہی ان کی آزمائش تھی۔ رسول کریم وہ رسول بارگاہ رب العزت میں جس کی بڑی قدر و منزلت ہے نیز اپنے اخلاقِ حسنہ اور اطوارِ جمیلہ کے باعث لوگوں کی نگاہوں میں بڑی عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۷ فرعون اور اس کی قوم قبطی تھے۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن کنعان تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں یہ کنعان سے ترک سکونت کر کے مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں رہتے انہیں صدہا سال بیت گئیں۔ اپنی خداداد صلاحیتوں، محنت و جفاکشی کے باعث انہوں نے مصر میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ ان کی خوشحالی کے باعث مصری ان سے حسد کرنے لگے۔ قبطیوں نے قومی عصبیت کے جذبہ کو ہوا دے کر ان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا۔ حکومت کو بھی ان کے خلاف اکسایا جانے لگا۔ ان پر حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشوں کا بھی الزام لگایا جانے لگا یہاں تک کہ بنی اسرائیل کو مصر کی شہریت کے حقوق سے محروم کر کے غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے جانے لگے۔ بات بات پر انہیں سزائیں دی جاتیں۔ ان سے جبراً مشقت کے ایسے کام لیے جاتے جن سے حیوانات بھی پناہ مانگتے۔ [illegible] ان کی خدمت انجام دیتے۔ [illegible] ان کے گھروں میں [illegible] اللہ تعالیٰ نے ان مظلوموں کی فریاد سنی اور انہی میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف رسالت سے مشرف کر کے فرعون کی طرف بھیجا تاکہ آپ اس کو توحید کی دعوت دیں [illegible] بنی اسرائیل کو آزاد کر دے۔ آپ نے اس کے دربار میں جا کر [illegible] بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں [illegible] ان کا استحصال کر رہے ہو اور ان کو ہر قسم کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ اب تم اس سے باز آ جاؤ اور ان کو میرے حوالے کر دو [illegible] مجھے رب العالمین نے تمہاری طرف بھیجا ہے [illegible] اور ساری قوم میں اس پر کامل اعتماد کیا گیا ہے۔

۱۸ میرا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی سے باز آ جاؤ [illegible] اس کو اقبال یا ہر گز بندوں کو بندگی بجا زیب دیتی ہے۔ بندہ اگر خدا بننے کی کوشش کرے تو خود بھی برباد ہو گا اور اپنے ماننے والوں کو بھی تباہ کر دے گا۔

۱۹ میرا یہ دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں۔ میں ایسی مضبوط دلیلیں اور روشن معجزات لے کر تمہارے پاس آیا ہوں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔

بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کرو ۲۰ اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ ۲۱

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ

پھر پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الٰہی!) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں ۲۲ (حکم ہوا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات۔ تمہارا تعاقب کیا

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا

جائے گا ۲۳ اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا۔ بے شک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا ۲۴ وہ چھوڑ گئے

۲۰۔ فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی جرأت اور بے باکی پر پیچ و تاب کھانے لگے اور آپ کو دھمکیاں دینے لگے جیسے ہوش باختہ اہل اقتدار کا شیوہ ہوتا ہے۔ آپ نے ان کی اس دھمکی پر بھی ذرا وقعت نہ ڈالی اور فرمایا تم جتنا چاہو گرم ہو لو، یہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ تم جانتے ہو کہ مجھے کس قادر و توانا کی پناہ حاصل ہے۔ کان کھول کر سن لو، میں اسی کی پناہ میں ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اگر مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ترجمون سے مراد تیر برسانا بھی ہے اور بدکلامی کرنا بھی۔

۲۱۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم میری بات مان لو اور ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے اور دارین کی سعادت ہے لیکن اگر تمہارا نصیب تمہیں راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی اجازت نہیں دیتی اور تم اپنی بدبختیوں میں ہی گم رہنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔ میں نے نصیحت و خیرخواہی کا حق ادا کر دیا۔ البتہ ایک بات سن لو میرے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ میرے فرض کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہو ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ فاعتزلون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی کہتے ہیں: دعونی کفافا لا لی ولا علی وقیل خلوا سبیلی وکفوا عن اذای۔ یعنی میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اذیت پہنچانے سے باز رہو۔

۲۲۔ جب دعوت و تبلیغ کرتے کرتے عرصہ دراز گزر گیا، عجب عجب معجزات دکھائے گئے لیکن وہ متاثر نہ ہوئے بلکہ ان کے ظلم و ستم میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو کلیم نے اپنے رب کریم کے حضور عرض حال کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ الٰہی! میں نے ان کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن یہ لوگ جرائم کے خوگر ہو گئے ہیں، یہ باز نہیں آتے۔ اب تو ہی ان سے سمجھ۔

۲۳۔ حکم ہوا میرے بندوں کو راتوں رات لے کر آپ روانہ ہو جائیں لیکن یہ خیال رہے کہ فرعونی آپ کا تعاقب کریں گے۔ رات کو سفر کرنے کی دو حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ تاکہ گھر سے نکلتے ہی نظر نہ آ جائیں یا دن کو گرمی میں سفر دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے ٹھنڈے ٹھنڈے رات کو سفر کریں تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

۲۴۔ موسیٰ علیہ السلام جب سمندر سے بخیر و عافیت پار اتر گئے تو آپ نے چاہا کہ عصا مار کر سمندر کو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دیں مبادا فرعون اور اس کا لشکر جو پیچھا کرتا چلا آ رہا ہے انہی راستوں سے سمندر کو عبور کر کے ہمیں پکڑ لے۔ حکم ہوا موسیٰ! سمندر کو یونہی رہنے دو، وہ تم

مِن جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا

بہت سے باغات اور چشمے ۔ اور کھیتیاں اور عالیشان مکانات ۔ اور بہت سا ساز و سامان جس میں وہ

فٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ

عیش کیا کرتے تھے ۲۵ یونہی ہوا اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔ پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان

وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنَ

اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی ۔ اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو

الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾

رسوا کن عذاب سے ۔ ۲۶ (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے، بلاشبہ وہ بڑا متکبر اور حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنٰهُم مِّنَ الْآيٰتِ

اور ہم نے چن لیا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر ۲۷ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں

تھا کہ دراڑوں میں سے کسی کو بھی اگر انہیں جانے کا ہم سب کو غرق کر دیے گے۔ قال لموسیٰ یوم البحر [illegible] اعبر انت البحر علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ رھوا کا معنی ساکن نہیں بلکہ اس کشادہ جگہ کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان ہو۔ قیل الرھو من السکون [illegible] الفرجة بین الشیئین (قرطبی)

۲۵ کتنی عبرت انگیز منظر ہے اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کیا اعلیٰ درس ہے۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دم قدم سے ہی بزم ہستی کی ساری رونق ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو گلشن عالم میں خزاں آجائے گی۔ نہ کوئی کونپل پھوٹے گی نہ کوئی غنچہ چٹکے گا نہ کوئی عندلیب نغمہ سرا ہو گی [illegible] حقیقت یہ تھی ان کی خود غرضی [illegible] جب ان پر عذاب الٰہی آیا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے تو ان کی تباہی پر کوئی آنکھ اشکبار ہوئی اور نہ کسی نے دوبارہ انہیں یاد کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں نے گیتی کو اپنی [illegible] سے [illegible] کی کوشش کی [illegible] لیکن اس کو [illegible] کرنے کی انہیں توفیق ہی نصیب نہ ہوئی تھی پھر ان کو یاد کرتا تو کون اور ان کے فراق میں آنسو بہائے جاتے تو کیوں؟

۲۶ غلامی کو عذاب مہین کہا گیا ہے یعنی رسوا کن عذاب۔ بے شک کسی قوم پر اس سے بڑا عذاب مسلط نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی آزادی اس سے سلب کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر عذاب سے خصوصاً کفار و مشرکین کی غلامی سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین!

۲۷ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جملہ اقوام عالم سے چن لیا اور وحدت حق کا شرف انہیں ارزانی فرمایا۔ یہ سب کچھ بلاوجہ نہ تھا

مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا

جن میں صریح آزمائش تھی ۳۳ بےشک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں ۳۴ نہیں ہے (ہمارے لیے) مگر ہماری (یہی)

الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾

پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا ۔ بھلا ہمارے باپ دادوں کو (تو زندہ کر کے) لے آؤ اگر تم سچے ہو ۳۶

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ان کو اس منصب جلیل کے لیے منتخب فرمایا کیونکہ اس زمانہ میں جتنی قومیں تھیں ان سب سے اس بار امانت کو اٹھانے کی اہلیت صرف بنی اسرائیل ہی میں تھی۔

۳۳ ان کے دلوں کو نور یقین سے منور کرنے کے لیے انہیں بے شمار معجزات دکھائے گئے۔ درحقیقت یہ ان کا امتحان تھا، یہ ان کی آزمائش تھی کہ آیا وہ اس اعزاز کا حق رکھتے ہیں جو انہیں بخشا گیا ہے یا نہیں۔

۳۴ پہلے گفتگو کفار مکہ سے ہو رہی تھی اور ان کو کفر سے باز آنے کی تلقین کی جا رہی تھی، لیکن جب ان کی ضد میں کوئی فرق نہ آیا تو ان کو سمجھانے کے لیے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر کر دیا۔ بتایا کہ ان کی روش بھی ہٹ دھرمی اور تعصب کی تھی جس طرح تمہاری ہے۔ لیکن ان کی جاہ و حشمت اور حکومت و سلطنت سے تم کو تو دور کی بھی نسبت نہیں۔ وہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے۔ ان کے خزانے سونے چاندی سے بھرے تھے۔ ان کے پاس وسیع و عریض اور زرخیز زرعی زمینیں تھیں جن کو دریائے نیل سے نکلی ہوئی نہریں سیراب کرتی تھیں۔ جب انہوں نے قبول حق سے انکار کر دیا تو یہاں جاہ و حشمت ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ تم خود سوچو کہ تم میں یہ طاقت ہے کہ غضب الٰہی کا مقابلہ کر سکو۔

اس ضمنی بحث کے بعد اب پھر گفتگو اہل مکہ کے بارے میں ہو رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیں خواہ مخواہ قیامت اور عذاب جہنم سے ڈراتے رہتے ہیں۔ پہلی دفعہ جب ہم موت کا پیالہ پئیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اس کے بعد نہ کوئی زندگی ہے نہ کوئی حشر و نشر۔

الموتۃ الاولیٰ سے مراد پہلی موت۔ پہلی موت کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی دوسری موت بھی ہو۔ قال الالوسی فی التمہید الاول فی اللغۃ ابتداء الشیئ ثم قد یکون لہ ثان وقد لا یکون۔ الوسی اپنی کتاب التمہید میں کہتے ہیں کہ لغت میں اول، شے کی ابتدا کو کہتے ہیں کبھی اس کے بعد دوسرا ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

۳۶ وقوع قیامت پر ان کے سامنے جیسے دلائل پیش کیے گئے۔ وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے ٹالتے اور کہتے کہ ہم تمہاری اس بات کو تب تسلیم کریں گے جب تم ہماری مطلوبہ دلیل پیش کر دو۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد جو مر چکے ہیں تم ان کو زندہ کر دو۔ ہم مان لیں گے کہ ہم بھی زندہ ہوں گے اور قیامت بھی قائم ہو گی۔ ان کا یہ مطالبہ سراسر ناحق تھا۔ بھلا ان سے کس نے یہ کہا تھا کہ وہ اسی دنیا میں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا

والے لوگو! ذرا سوچو کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ہم نے انہیں باوجود شوکت و حشمت ہلاک کر دیا بے شک وہ

جس طرح ایران کے بادشاہ کو کسریٰ اور چین کے سلطان کو خاقان کہا جاتا تھا اسی طرح یمن اور حضر موت کے فرمانروا کا لقب تبع تھا۔ یہ علاقہ اس وقت آبپاشی کے ترقی یافتہ نظام کے باعث بڑا زرخیز اور آباد تھا۔ یہاں کے لوگ متمول اور خوشحال تھے۔ یہاں کے سلاطین کے خزانے بھرے رہتے تھے۔ ان کی شوکت اور سطوت کے باعث ان کے ہمعصر سلاطین اور ملوک میں ان کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور سب ان سے خائف رہا کرتے تھے۔

اہل مکہ کو کہا جا رہا ہے کہ تم اتنے بدمست کیوں بنے پھرتے ہو۔ تمہاری تو بساط ہی کیا ہے۔ تبع کی قوم تم سے کہیں زیادہ دولت مند اور طاقتور تھی۔ انہیں زندگی کی جو راحتیں اور سہولتیں میسر تھیں تمہیں تو ان کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں۔ ان کی عظمت و ثروت کے افسانے خود تمہارے ہاں زبان زد عوام ہیں۔ تمہیں خوب علم ہے کہ جب انہوں نے راہ راست سے منہ موڑا اور ہماری نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ بلکہ تم سے پہلے جتنی قومیں گزری ہیں انہوں نے جب سرکشی کو اپنا شیوہ بنا لیا تو ان کو اسی حسرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ اب ذرا یہ بتاؤ کہ تم کس بل بوتے پر ہمارے رسول کی عداوت پر کمربستہ ہو اور ہماری آیات کو جھٹلا رہے ہو۔ کیا کبھی تم نے اس بات پر غور کیا کہ تمہاری اس روش کا انجام کس قدر خوفناک ہے۔ جوش میں آ کر عقل سے کام لو!

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس خاندان میں سے ایک تبع مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اس کا نام ابو کرب بتایا جاتا ہے اسی نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر قیمتی غلاف چڑھایا۔ جب اس کا گزر مدینہ طیبہ کے مقام سے ہوا تو اس کے لشکر کے علماء نے اسے بتایا کہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ اس فضا میں اسے ایسی کشش اور روحانی جاذبیت محسوس ہوئی کہ اس نے حضور کے نام ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا اور یہ التجا کی کہ میرا ایمان قبول ہو اور روز قیامت مجھے اپنی شفاعت سے محروم نہ کیا جائے۔ علامہ قرطبی اور دیگر علماء تفسیر نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے وہ خط تحریر کیا ہے جس میں تبع نے اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"فان لم ادرك كه فاشفع لي ولا تنسني يوم القيامة فاني من امتك الاولين الخ"

ترجمہ: اگر میں اس حیات مستعار میں حضور کی زیارت سے بہرہ مند نہ ہو سکوں تو میری شفاعت فرمائیے اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ کیجیے کیونکہ میں آپ کے ان امتیوں میں سے ہوں جو پہلے گزر رہے ہیں۔

اس کے ہمراہ علماء بھی تھے۔ ان میں سے ایک جماعت نے اسی جگہ اقامت کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے ان کی رہائش کے لیے مکانات تعمیر کروائے ان کو زندگی کی ضروریات فراہم کیں اور ان میں جو سب سے بڑا عالم تھا اپنا مکتوب اس کے حوالے کیا اور اسے وصیت کی کہ اگر تجھے زیارت نصیب ہو تو میرا عریضہ پیش خدمت کرنا ورنہ اپنی اولاد کو ہدایت کرتے جانا کہ جس کو یہ سعادت نصیب

مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا

مجرم تھے۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ۳۲ نہیں

خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کو اٹھانے کے لیے

مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ

دوبارہ زندہ کرنے کے لیے مقرر وقت ہے ۳۳ جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی

ہو وہ میرا نطاپیش کرے۔ تبع کا زمانہ عہدِ رسالت سے ایک ہزار سال پہلے کا ہے۔ جب رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جس گھر کے سامنے ناقہ مبارکہ بیٹھی وہ حضرت ابو ایوب انصاری کا دولت کدہ تھا اور یہ اس عالم کی اولاد سے تھے جس کو یہ خط دیا تھا۔ انہوں نے وہ عریضہ پیش کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ پڑھ کر سنائیں۔ حضور نے یہ خط سن کر اس کا ایمان قبول فرمایا اور اس کی شفاعت کی درخواست کو بھی منظور فرمایا۔

۳۲ تبع کی قوم نے بھی یومِ الحساب کا انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رنگ رلیاں منانا اور جی بھر کر عیش کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن گیا جو ان کی تباہی کا باعث ہوا۔ اے اہلِ مکہ تم بھی روزِ قیامت کا انکار کر کے مکافاتِ عمل کے اٹل اصول سے غافل بن گئے ہو کبھی اس کے انجام پر بھی غور کیا کرو۔ اس آیت میں ان کی توجہ کائنات کے حکیمانہ اور دقیق نظام کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

اس کارخانۂ ہستی کے ہر ذرہ میں جو نظم و ضبط پایا جاتا ہے اس کے نظام میں جو یکسانیت اور ہم آہنگی نظر آ رہی ہے اس کے مشاہدہ کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ سب کچھ کھیل تماشا ہے اور اس کے بنانے والے نے اسے محض تفریحِ طبع کے لیے بنایا ہے۔ کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا صانع بڑا حکیم ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ ہر چیز بامقصد ہے۔ جب پتھر اور روڑے بھی بے کار نہیں تو اس خلاقِ عظیم کا یہ حسین و جمیل شاہکار حضرتِ انسان جسے دیگر ان گنت نعمتوں کے علاوہ عقل و شعور کی نعمت بھی بخشی گئی ہے اس کی زندگی بھلا بے مقصد کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے اعمال و افعال بے نتیجہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز تم اپنے خالق کے روبرو پیش کیے جاؤ گے جہاں بیگانوں سے بیگانگی کا اظہار کیا جائے گا اور اپنے عاشقان و فگار پر ابرِ کرم کھل کر برسے گا۔

۳۳ وقوعِ قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہو چکا ہے تمہیں اس کے بارے میں پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہے اب یہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ چاہے اس پر ایمان لے آؤ اور اس دن کی کامیابی کے لیے تیاری شروع کر دو اور چاہے تو اس دن

يُنصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾ اِنَّ شَجَرَتَ

مدد کی جائے گی ۝ سوائے ان کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے۔ بے شک وہی سب پر غالب ہمیشہ رحم کرنے والا ہے ۝ بلاشبہ زقوم کا

الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ

درخت گنہگار کی خوراک ہوگا ۝ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند، پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش

الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ

مارتا ہے ۝ حکم ہوگا اس (نابکار) کو پکڑو پھر اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ جہنم کے وسط میں ۝ پھر انڈیلو اس کے سر کے

سے بے خوف ہو کر داد عیش دیتے رہو اور جب قیامت برپا ہو اور تمہیں قبروں سے نکال کر بارگاہ ذوالجلال میں کھڑا کر دیا جائے تو اس وقت ندامت و خجالت سے سر جھکائے کف افسوس ملتے رہو گے۔

میقات کہتے ہیں وہ وقت جو کسی کام کے لیے متعین کر دیا گیا ہو۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے وقوع قیامت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ تمہاری جلد بازی سے اس پروگرام میں رد و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ ہم قیامت پر تب ایمان لائیں گے کہ ہم سے پہلے جو لوگ مر چکے ہیں ان میں سے کسی کو زندہ کر کے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اس دنیا میں تو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی پروگرام ہی نہیں۔ جب قیامت کا مقررہ وقت آ جائے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۳۴ ہر وہ قرابت اور تعلق جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی امداد و اعانت کرتا ہے اسے مولیٰ کہتے ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسب کا ہو دوستی کا ہو یا عقیدہ یا مسلک کا ہو یا آزاد کرنے کا۔ والمعنی الذی منه تنفرع منه النصرة اما القریب فی الدین او النسب او المعتق کل منهما یسمی مولی۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار یا دوست کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ کسی کی مدد کی جائے گی۔ پہلے وقوع قیامت کا ذکر کیا گیا اب احوال قیامت کا بیان شروع ہے۔

۳۵ البتہ وہ خوش نصیب جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گی ان کی دوستی بھی کام آئے گی اور ان کی رشتہ داری بھی۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا بھی رابطہ ہو گا تو وہ بے سود نہ ہو گا۔

۳۶ یہاں دشمنوں اور دوستوں دونوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ایسے دو اسم یہاں ذکر کیے گئے جن سے اس سلوک کا پتہ چل جائے جو دونوں گروہوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ فرمایا وہ العزیز ہے یعنی سب سے زبردست اور سب پر غالب۔ اگر اپنے دشمنوں سے انتقام لینا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے اور اپنے دوستوں کے ساتھ وہ الرحیم ہے۔ ای المنتقم من اعدائه الرحیم باولیائه۔

۳۷ اہل نار کو جو غذا دی جائے گی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ الزقوم۔ دوزخ کا ایک درخت ہے۔ خاردار، کڑوا، کسیلا، نہایت بدبودار، زہریلا، مجہول، مشہور ہے ایک گوند مماثلت کے باعث الزقوم کہا گیا ہے۔ الاثیم، بدکار، فاجر۔ المهل، النحاس المذاب۔

رَأْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ

اور کھولتا پانی (ڈالو)، عذاب دینے کے لیے (۴۸) (اسے کہا جائے گا) چکھ (مزہ) تم تو بڑے معزز مکرم ہو (۴۹) بیشک

هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾

یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے (۵۰) یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے (۵۱)

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

باغات میں اور بہتے ہوئے چشموں میں (۵۲) پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۟ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا

آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (۵۳) یونہی (ہو گا) اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم حوروں سے (۵۴) وہ طلب کیا کریں گے وہاں

پگھلا ہوا تانبا۔ اس کا دوسرا معنی تیل کا تلچھٹ بھی کیا گیا ہے۔

۲۸؎ علامہ قرطبی فاعتلوہ کا معنی لکھتے ہیں العتل ان تاخذ بتلابیب الرجل وتعتلہ ای تجرہ الیک۔ کسی کو گریبان سے پکڑ کر کھینچنا۔ علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی اقصفوہ کما یقصف الحطب یعنی اس کو آگ میں جھونک دو جس طرح ایندھن جھونکا جاتا ہے۔ سواء الجحیم: ای وسط الجحیم یعنی جہنم کے وسط میں۔ صبّوا: انڈیلو۔

۲۹؎ اس عذاب الیم پر یہ سرزنش! اللہ اکبر! کون ہے جو اسے برداشت کر سکے۔

۳۰؎ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں، تقویٰ اور پارسائی کو اپنا شعار بنانے والوں پر جو لطف و کرم اس روز فرمایا جائے گا اب اس کا تذکرہ بیان شروع ہے۔ بتایا کہ جہاں انہیں ٹھہرایا جائے گا وہاں انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو گا۔ نہ بیماری کا، نہ تنگ دستی کا، نہ غم و اندوہ کا۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوش حال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے، ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ جہاں انسان ان تمام آفات اور پریشانیوں سے ہر طرح محفوظ ہو اس سے بڑھ کر بھی کوئی امن کی جگہ ہو سکتی ہے۔

السندس: الرقیق من الدیباج۔ باریک ریشمی کپڑا۔ الاستبرق: غلیظہ۔ دبیز ریشمی کپڑا۔

۳۱؎ رو برو۔ آمنے سامنے بیٹھنے والوں میں عیاں و واضح ہیں کہ دوست نہیں ہو گی کہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیسے بیٹھے ہوں۔ بلکہ باہمی محبت و مودت کی ایسی کیفیت ہو گی کہ ایک دوسرے کے رو برو بیٹھیں گے جیسے باہمی دیدار کا شوق ہو اور نگاہیں ایک دوسرے

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ

ہر قسم کا پھل اطمینان سے ۴۲ نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس

الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ

پہلی موت کے۔ اور اللہ نے بچا لیا ہے انہیں عذاب جہنم سے۔ محض آپ کے رب کی مہربانی سے ۴۳ یہی تو

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں آرزو تھی) پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

سو آپ بھی انتظار کیجیے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ۴۴

کی بلائیں لے رہی ہوں۔ حُور: حوریٰ۔ اس کا معنی ہے گوری رنگت والی۔ عِین: جمع ہے عیناء کی، وہ عورت جس کی آنکھیں بڑی اور خوبصورت ہوں۔

۴۲ جو پھل طلب کریں گے جتنی بار اور جتنی مقدار میں وہ نوش فرمائیں گے ان کو پیش کر دیا جائے گا۔ نہ یہ کھٹکا ہو گا کہ مطلوبہ مقدار نہیں ملے گی اور نہ ذخیرہ ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو گا۔

۴۳ یہ سب بندہ نوازیاں، یہ سب ذرہ پروریاں، یہ سب کرم گستریاں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ثمر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں بھی ایسے ایسے انعامات بخشے ہیں کہ ہم عمر بھر شکر ادا کرتے رہیں تو کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم میں سے بڑے سے بڑا متقی اور پارسا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے اعمال صالحہ ہر لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں۔ اس لیے قیامت کے روز جو عنایات وہ اپنے مقبول بندوں پر فرمائے گا اسے اس کا فضل و احسان ہی کہا جا سکتا ہے۔

۴۴ ہم نے قرآن کو آپ کی اور ان کی زبان میں نازل فرمایا جس کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہے۔ اب بھی اگر وہ نصیحت قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت۔ اے حبیب مکرم! آپ بھی انتظار فرمائیں اور وہ بھی انتظار کریں۔ جب ان کی بربادی کی مقررہ ساعت آ پہنچے گی تو ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا مل کر رہے گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الجاثیہ

نام: اس کا نام جاثیہ ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۲۸ میں مذکور ہے۔ اس سورت میں چار رکوع سینتیس آیات چار سو اٹھاسی کلمات اور دو ہزار ایک سو اکیانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز حٰمٓ سے کیا گیا ہے۔ مضامین و مطالب میں یکسانیت اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ ان کا نزول یکساں حالات میں ہوا۔

مضامین: ① عقیدۂ توحید کو تسلیم کرنا ان کے لیے بڑا دشوار تھا۔ اسی دشواری کی دیوار کو منہدم کرنے کے لیے عالم رنگ و بو کی بلندیوں اور پستیوں میں بکھری ہوئی ان روشن نشانیوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی جو پکار پکار کر اپنے بنانے والے کی حکمت بالغہ، قدرت کاملہ اور علم محیط کی شہادت دے رہی ہیں۔ چشم خود کھول کر زمین و آسمان کی پہنائیوں کو دیکھو، خود اپنے وجود اور اپنی ہی نوع کے بوقلمونیوں کو دیکھو، حیوانات کے بے شمار انواع و اقسام پر نگاہ ڈالو، گردش لیل و نہار کے دقیق نظام میں غور و فکر کرو، ہر چیز تمہیں اس خالق علیم کا پتہ دے گی جو قدیر و حکیم بھی ہے اور وحدہٗ لاشریک بھی۔ البتہ کذاب اور بدکار لوگ قدم قدم پر قدرت الٰہی کی ان روشن تجلیوں کو دیکھ سکتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان مزید احسانات کا ذکر فرمایا جن سے انسان کو بہرہ ور کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ ان کی قدر و منزلت وہی لوگ جان سکتے ہیں جو فکر اور تدبر کے خوگر ہیں۔

② بنی اسرائیل پر جو بے پایاں الطاف کیے گئے انہیں بیان کیا۔ بتایا کہ ہم نے اس قوم کو کتاب، حکومت اور نبوت کی گراں بہا نعمتیں ارزانی فرمائیں۔ انہی عنایات کے باعث اس زمانے کی تمام اقوام عالم پر انہیں فضیلت اور برتری بخشی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ان میں باہمی حسد و عداوت کی وبا پھوٹ پڑی۔ وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مختلف دھڑوں میں بٹ گئے اور اس آسمانی دین کو انہوں نے اس طرح پارہ پارہ کر دیا کہ وہ ان کی اجتماعی زندگی میں رہنمائی کی قوت سے محروم ہو گیا۔

اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بھی ایک شریعت، ایک جامع نظام حیات عطا فرمایا ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ اس کا اتباع کریں اور ان جاہلوں اور نادانوں کی اطاعت نہ کریں جو اپنے نفسوں کی خواہشات کے بندے بن کر رہ گئے ہیں۔ اگر آپ نے بفرض محال ایسا کیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ہماری گرفت سے آپ کو نہ بچا سکے گی۔

اے غلامان مصطفیٰ! اے سرزمین پاکستان میں بسنے والے فرزندان اسلام! اپنے خالق و مالک کا فرمان سن رہے ہو! کیا

اس کے لیے بھی ہمارے سربراہانِ حکومت کو، ہمارے قانون ساز اداروں کو اور ان کے مقرر کردہ کمیشنوں کے اراکین کو مزید گہری تدبر اور سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ صاف صاف بتادیا کہ ہماری دی ہوئی شریعت پر عمل کرو، ورنہ عذابِ الٰہی سے تمہاری نجات کی سب راہیں بند ہو جائیں گی۔

آیت ۲۳ میں بھی غور فرمایئے۔ ارشاد ہے جو ہمارے قانون پر عمل نہیں کرتا گویا وہ ہمیں خدا نہیں مانتا اور جو نفس کی ہر فرمائش کو پورا کرتا ہے گویا اس نے اسے اپنا خدا اور معبود بنا لیا ہے۔ ایسا شخص علم و فضل کا پتلا ہی کیوں نہ ہو، وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ ایسے بدبخت سے فہم و تدبر کی قوتیں سلب کرلی جاتی ہیں اور اس کے ہدایت قبول کرنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ بس یہی زندگی ہے۔ گردشِ زمانہ ان کی موت کا پیغام لاتی ہے۔ نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کا سوال پیدا ہوگا۔ یہ عقیدہ انہیں اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

سورت کے اختتام سے پہلے ان کو اس دلیل محکم کی طرف توجہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا کہ قیامت کا برپا ہونا خلافِ عقل نہیں بلکہ عین حکمت ہے اور عقل سلیم کے تقاضوں سے کلیۃً ہم آہنگ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جس نے عمر بھر تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا اور ایک عیش دینے والا شخص، دونوں یکساں ہوں۔ دنیاوی عیش و عشرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے، ورنہ وہ اس روشن حقیقت سے انکار نہ کرتے۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ جاثیہ مکی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — ۳۷ آیتیں — ۴ رکوع

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

حا میم۔ اُتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ بےشک آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ

میں (اس کی یکتائی اور قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔ اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو وہ پھیلا رہا ہے

اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔ نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے

ا۔ پہلی دو سورتوں کی طرح اس سورت کا آغاز بھی اس حقیقت کو آشکارا کرنے سے ہو رہا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ کفار کا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اس کے مصنف ہیں یا کوئی اور شخص آپ کو یہ کلام سکھاتا ہے۔ کفار کی یہ ساری باتیں بالکل لغو اور بیہودہ ہیں۔ اس کا یہ شکوہ اسلوب بیان، اس کے وقیع نکات، اس کے الفاظ، اس کا بیان کردہ فلسفہ حیات سب بتا رہے ہیں کہ یہ اس ارفع و اعلیٰ، ہمہ دان، ہمہ بین ہستی کا کلام ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس لیے تمہاری فلاح اس میں ہے کہ اس عزیز و حکیم کے ارشادات پر پورے اطمینان سے عمل پیرا ہو اور یقین کرو کہ اسی ہستی کی فرمانبرداری میں ہی تمہاری کامیابی اور کامرانی کا راز مضمر ہے۔

تنزیل: مصدر ہے اسم مفعول منزل کے معنی میں۔

۲۔ اسلام کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ لوگ غفلت کی چادر تانے سوتے رہیں۔ عیش و عشرت کا گھن زندگی کی تعمیری صلاحیتوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ فسق و فجور کے بدبودار داغ ان کی انسانیت کو مسخ کر گئے ہیں۔ اسلام اس صورت حال کے خلاف غلغلہ بلند کرتا ہے اور انہیں یکسر بدل ڈالنے کے لیے اپنی ساری قوت بروئے کار لاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیے وہ جبر و تشدد کا قائل نہیں۔ وہ زبردستی اپنے نظریات کسی پر نہیں تھوپ دیتا۔ وہ صرف غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ آیات بینات جو خالق کون و مکان کی وحدانیت اور اس کی صفات کاملہ پر ناقابل تردید شہادت دے رہی ہیں، ان کی طرف ضرور متوجہ کرتا ہے تاکہ اگر دل میں حق پذیری کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اسے شوق و رغبت سے قبول کرے۔ اگر آنکھوں میں بینائی ہے تو وہ حسن ازل کی دلفریبیوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی مقصد کے لیے قرآن کریم اپنے قارئین کو آفاق عالم کی ان تابندہ آیات میں غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ

آسمان سے رزق (کا سبب یعنی بارش) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد نیز ہواؤں کے ادلنے بدلنے میں

الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

بہت نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقلمند ہیں ۔ یہ سب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) جو پڑھ کر ہم سناتے ہیں آپ کو حق کے ساتھ۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷

پس وہ کونسی ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے ۔ ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے

۔ اگر ہمیشہ رات ہوتی یا ہمیشہ ہی دن رہتا تو دنیا کا منظر اس طرح خوشنما اور دلفریب نہ ہوتا جس طرح اب ہے۔ رات دن کا بڑی باقاعدگی سے یکے بعد دیگرے آنا، پھر ایک کا آہستہ آہستہ گھٹتے چلے جانا اور دوسرے کا بڑھنا اپنے اندر اتنے فوائد رکھتا ہے جو اہل بصیرت کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس نظام کا برپا کرنے والا بڑی قدرت والا، وسیع علم اور گہری حکمت کا مالک ہے۔

۔ اس کرۂ ہوائی پر غور فرمائیے۔ اس کی یکسانیت میں بھی اس کس قدر تنوع ہے اور اس تنوع میں جو حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں اس کا اندازہ لگانا ارباب علم کے لیے بھی مشکل نہیں۔ کہیں باد نسیم کے جھونکے خواب آلود غنچوں کو جگا رہے ہیں۔ کہیں سبزہ زاروں پر شبنم کے موتی بکھیر رہے ہیں کہیں طوفان بن کر امڈ رہے ہیں، کہیں بادلوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کرنے کی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔ کہیں گھنگھور گھٹاؤں کو آن واحد میں ناپید کر رہے ہیں۔ کبھی بہار کا پیغام لا رہے ہیں، کبھی خزاں کی چیرہ دستیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ کہیں انسان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو تمام کرۂ ارضی میں آناً فاناً پھیلا رہے ہیں۔ کرۂ ہوا کی بوقلمونیوں کو دیکھتے ہی انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی قدرت، حکمت اور علم بے نظیر اور لاجواب ہے اور ان حقائق کے مشاہدہ کے بعد ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان اور یقین کا نور موجود ہے اور عقل و فہم کا چراغ روشن ہے اسے آسانی سے عرفان الٰہی نصیب ہو سکتا ہے۔

۔ سورج طلوع ہو چکا ہو، اس کی کرنوں سے زمین کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا ہو۔ پھر بھی اگر کسی کو کچھ نظر نہ آئے اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہو تو کیا ایسے شخص کی راہ میں کوئی دیا جلا کر رکھا جائے تو اس کو کچھ نظر آئے گا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کے بعد بھی اگر کسی کو نور ایمان نصیب نہیں ہوتا تو اس کے ظلمت کدۂ دل میں کسی اور ذریعہ سے اجالا کرنا ناممکن ہے۔

۔ ان آیات میں کفار کے ایک مخصوص گروہ کے طرز عمل کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ آیات الٰہی کو سنتے ہیں لیکن ماننے اور ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ ان کو جھٹلانے کے لیے۔ ان کا یہ طے شدہ پروگرام ہے کہ وہ آیات قرآنی کو ہرگز نہیں مانیں گے بلکہ اس خیال سے سنیں گے کہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں یا اس کا مذاق اڑا سکیں۔ ایسے لوگوں کو رسوا کن عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو گا۔ نہ ان کی کمائی ہوئی دولت ان کے کام آئے گی اور نہ ان کی اولاد ان کو اس مصیبت سے بچا سکے گی نہ وہ جنہیں ...

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ

جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں۔

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ

پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں۔ اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔

اُولٰۤىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا

یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے کمایا

كَسَبُوْا شَيْـــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾

کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنا یا تھا۔ ف اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾

یہ (قرآن) سراپا ہدایت ہے ف اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے۔ ف

عبادت کیا کرتے تھے اور وہ رؤسا، جن کو خوش کرنے کے لیے نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شمع اسلام کے پروانوں کو اذیت دیا کرتے تھے ان کی دستگیری کر سکیں گے۔ افسوس، مگر اب بہت ہو چکا، اتمام حجت ہو چکا۔

ف ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں کہ آیات قرآنی پر انہیں کوئی معقول اعتراض ہے۔ جن عقائد کی تلقین کی گئی ہے وہ غلط ہیں جس نظام حیات کو پیش کیا گیا ہے وہ فرسودہ ہے اور انسان کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ نہیں ان میں سے کوئی وجہ ان کو ایمان لانے سے باز نہیں رکھتی بلکہ غرور و نخوت انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس نبی مکرم کی اطاعت قبول کریں۔ اس لیے وہ باطل پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے چمٹے بیٹھے ہیں، آیات الٰہی کا تمسخر اڑانا ان کا شیوہ ہے۔

ف اس سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے یا وہ رئیس، سردار اور سیاسی لیڈر ہیں جن کی خوشامد میں وہ ہر طرح کی خسیس حرکت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ حتی کہ قرآن اور منزل قرآن کی نافرمانی بھی ان کا شعار بن گئی تھی۔

ف یعنی یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ جو اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے گا منزل مقصود پر پہنچ جائے گا جو اس کے نور سے اکتساب نور کرے گا اس کا دل بھی منور ہو جائے گا۔

ف اس آیت میں رِجز کا لفظ غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابو اسحٰق ومعنی

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا

اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تاکہ رواں ہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے ۱۶ اور تاکہ تم (رکوع کی) تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

تلاش کرو اس کا فضل ۱۷ اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو ۔ اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الرجز فی القرآن ھو العذاب المقلقل لشدتہ ولہ قلقلۃ شدیدۃ متتابعۃ (لسان العرب) یعنی ابو اسحٰق کہتے ہیں کہ رجز کا لفظ جو قرآن میں مذکور ہے اس کا معنی ہے ایسا عذاب جو اپنی شدت کے باعث لرزہ خیز ہو۔ اس کے جھٹکے شدید اور لگاتار ہوں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بدبخت جو از راہ غرور و تکبر اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں انہیں شدید عذاب میں سے بہت دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۱۶ پہلے ان آیات بینات کے ذکر کا سلسلہ شروع تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کمال پر دلالت کر رہی تھیں۔ درمیان میں کفار کے ایک گروہ کی ہٹ دھرمی کا ذکر آ گیا۔ اب پھر انہی آیات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔

علمائے لغت لفظ تسخیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ سخرہ تسخیرا کلفہ عملا بلا اجرۃ (الصحاح للجوہری) کسی کو اجرت اور معاوضہ دیئے بغیر کوئی کام کرنے پر مجبور کرنا۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں تسخیر کا یہی مفہوم نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں قال الزجاج تسخیر ما فی السموات تسخیر الشمس والقمر والنجوم للآدمیین وھو الانتفاع بہا فی بلوغ منابتھم والاقتداء بہا فی مسالکھم وتسخیر ما فی الارض تسخیر بحارہا وانہارہا ودوابہا وجمیع منافعہا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے سمندر کو تمہاری مفت خدمت انجام دینے پر مقرر کر دیا ہے۔ اس کی سطح کو اس طرح نرم بنا دیا ہے کہ تم اس میں غوطہ لگا سکتے ہو۔ تمہارے بڑے بڑے مسافر بردار جہاز، مال بردار جہاز اور وہ ٹینکر جو لاکھوں ٹن تیل اٹھا کر دور دراز مقامات تک پہنچتے ہیں وہ اس کی پشت پر تیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ تم اس میں غوطہ لگا کر آبدار موتی نکالتے ہو، مچھلیاں پکڑ کر ان کو بیچتے بھی ہو اور کھاتے بھی ہو۔ اس کے علاوہ اور بے شمار خدمات ہیں جو سمندر انجام دے رہا ہے اور تم سے ان خدمات کا کوئی معاوضہ بھی طلب نہیں کیا جاتا۔

خود سوچو اگر سمندروں کی سطح سخت ہوتی تو تم اس میں غوطہ کیسے لگا سکتے۔ اگر اس میں بھاری بھرکم جہازوں کو اٹھانے کی صلاحیت نہ ہوتی تو بین الاقوامی تجارت کی یہ گرم بازاری سرے سے مفقود ہوتی۔ یہ سب اس کا فضل ہے جس کو تم تلاش کرتے ہو۔

۱۷ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسب حلال کا شوق دلا رہا ہے اور پاکیزہ رزق تلاش کرنے کے لیے بحر و بر میں سفر اختیار کرنے والوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ میرے فضل کے متلاشی ہیں۔ اس انداز میں کسب حلال کی جو عزت افزائی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٣﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ

زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے ۔ بیشک اس (انتظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ۔ آپ فرمائیے (اے حبیب!)

اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا

فرمائیے اہل ایمان کو کہ وہ درگزر کیا کریں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا

۱۲؎ صرف سمندر ہی پر کیا منحصر ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہاری خدمت گزاری کے لیے وقف ہے اور اس کی تسخیر میں تمہارا یا تمہارے دیوی دیوتاؤں کا کوئی دخل نہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ سائنس دان اپنی محیر العقول ایجادات کے باوجود کسی چیز کے خالق اور موجد نہیں۔ انہوں نے تو صرف ان مستور قوتوں کو آشکارا کر دیا ہے جو پہلے سے موجود تھیں اور نامعلوم تھیں۔ مثلاً جب انسان بولتا ہے اور اس کے متحرک ہونٹ ہوائی لہروں سے ٹکراتے ہیں تو سارے کرۂ ہوائی میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ آواز دنیا کے کونے کونے تک گونج جاتی ہے۔ سائنس کے قدیم ماہرین کو اس راز کی خبر نہ تھی اس لیے وہ اس سے استفادہ نہ کر سکے۔ اب انہوں نے اس راز کو پا لیا اس لیے اب ریڈیو وغیرہ کے ذریعے آپ دور دراز کی آوازیں سن لیتے ہیں۔ "جمیعا منہ" سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

امریکہ کا شہرۂ آفاق سائنس دان تھامس ایڈیسن جس نے ایک ہزار سے زیادہ ایجادات کیں، ایک روز کہنے لگا میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت بڑا موجد ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ میں قطعاً ایسا موجد نہیں ہوں جو قابلِ ذکر ہو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک زیرک انسان تو کجا ایک بے وقوف آدمی بنانے پر بھی قادر نہیں جو العقل کی سی باتیں کر سکے اس کے باوجود مجھے موجد کہنا بڑی بے انصافی ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "THAT IS THE REAL INVENTOR" حقیقی موجد اس کی ذات ہے۔

("ریڈرز ڈائجسٹ" اگست ۱۹۷۳ء)

۱۳؎ ان آیات کے آئینوں میں حسنِ حقیقی اور کمالِ ازلی کا عکسِ جمیل وہی دیکھ سکتے ہیں جو غور و فکر کرنے کے عادی ہوں۔ لیکن جنہوں نے غور و فکر کی کٹھن وادیوں میں قدم رنجہ فرمانے کی کبھی زحمت نہیں کی انہیں ان جلووں کی رعنائیوں کی کیا خبر۔ تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ وہ قوم جو قرآن جیسی کتاب کی حامل ہے، بے حسی اور جمود کے آغوش میں اونگھ رہی ہے۔ اسے اونگھتے صدیاں بیت چکی ہیں اور ابھی تک وہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔ اقبال نے اسی لیے یہ دعا کی تھی۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ

کرتے رہے تھے ۔ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا ۱۶ پھر

إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا ۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب ، حکومت

وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

اور نبوت ۱۷ اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا ۱۸ اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر ۱۹

۱۵ اہل ایمان کو عفو و درگزر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ کفار جنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف نہیں وہ تمہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں تم ان سے الجھنا شروع کر دو اور ان سے انتقام لینے کے درپے ہو جاؤ۔ عفو و درگزر سے کام لیا کرو۔ تمہارے مقام رفیع کو یہی بات زیب دیتی ہے۔ رہا ان کی سزا کا معاملہ تو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو وہ ہر چیز پر قادر بھی ہے، اسے جلی و خفی کا علم بھی ہے اور وہ حکیم بھی ہے۔ جب مناسب ہوگا ان کو عذاب کے شکنجہ میں کس لے گا۔ قوماً سے مراد اہل ایمان بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اہل ایمان قدرت و طاقت کے باوجود حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ان منکرین سے درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا۔

بڑی اہمیت کے تاریخی واقعات کو مجازاً الایام کہا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ جنگیں جو زمانہ جاہلیت میں لڑی گئیں جن میں انسانی خون پانی کی طرح بہایا گیا جن کی تلخ یاد مدت مدید تک تازہ رہی۔ انہیں ایام العرب کہتے ہیں۔ نیز ایام کا معنی عذاب بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت میں یرجون، یخافون کا ہم معنی ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

۱۶ ہر شخص اپنے اعمال نیک و بد کا خود ذمہ دار ہے۔

۱۷ بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے گئے اب ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلے ان انعامات کا ذکر کیا جو دین سے متعلق ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو تورات جیسی عظیم کتاب مرحمت فرمائی۔ پھر انہیں حکم سے سرفراز فرمایا۔ حکم سے مراد حکومت ہے۔ یعنی ہم نے ان کو حکومت عطا فرمائی تاکہ وہ احکام الٰہی کی تنفیذ کر سکیں اور ارشاد خداوندی کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کر سکیں اور حکم کا دوسرا معنی کتاب کا فہم اور اس کے مطالب کا ادراک بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں کتاب بھی دی اور اس کے اسرار و معارف کی سمجھ بھی ارزانی فرمائی۔

۱۸ ان دینی عنایات کے علاوہ انہیں پاکیزہ رزق بھی عطا فرمایا۔ جب تک دشت تیہ میں رہے من و سلویٰ اترتا رہا۔ جب شام و فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوئی تو وہاں کی سرسبز و شاداب زمینوں نے ان کو مالا مال کر دیا۔

۱۹ یعنی اس زمانے میں جتنی قومیں موجود تھیں ان سب سے زیادہ یہی لوگ ارشادات کو اپنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس

وَاٰتَیۡنٰہُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ

اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے ۲۰ پس انہوں نے جھگڑا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (حقائق کا)

الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا

صحیح علم (اور) محض باہمی حسد و عناد کے باعث ۲۱ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن ۲۲ ان باتوں

کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا

میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ۔ ۲۳ پھر ہم نے گامزن کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں ۲۳ پس آپ اس کی

لیے اپنی ہمعصر اقوام عالم پر ان کو فضیلت بخشی گئی اور تبلیغ حق کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی

۲۰ الامر سے مراد دین ہے۔ یعنی دین کے معاملہ میں انہیں کسی تذبذب اور ابہام میں نہیں رہنے دیا گیا بلکہ عقائد صحیحہ اعمال حسنہ اور اخلاق پسندیدہ کے بارے میں انہیں واضح ہدایات دے دی گئیں اور پختہ دلائل سے انہیں ثابت کر دیا گیا۔ دلائل ظاہرۃ فی امر الدین۔ (روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ الامر سے مراد حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے یعنی حضور کے متعلق ایسی واضح نشانیاں انہیں بتا دی گئیں جن سے وہ بآسانی حضور کو پہچان کر ایمان لا سکتے تھے۔ (روح المعانی۔ قرطبی)

۲۱ بنی اسرائیل متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کا یہ اختلاف شدید نوعیت کا تھا۔ اس انتشار نے ان کی دینی اور اخلاقی زندگی کو گوناگوں خرابیوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا فرقہ بندی کے باعث ان کی اجتماعی قوت بھی پاش پاش ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے اس اختلاف اور انتشار کی وجہ ان کی بے علمی اور جہالت نہ تھی سب کچھ جانتے تھے۔ محض باہمی حسد اور کینہ کے باعث وہ الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگے۔

۲۲ قیامت کے روز ان کے باہمی اختلاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۲۳ لغت میں شریعت نہر یا دریا کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگ بآسانی اتر کر پانی پی سکتے ہیں اور غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ راستہ جو منزل کی طرف لے جاتا ہے اس کو عربی میں شارع کہتے ہیں یہاں شریعت کا معنی ہے ماشرع اللہ لعبادہ من الدین۔ یعنی وہ عقائد، عبادات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی سے وہ اپنے مالک کے شکر گزار بندے کہلا سکتے ہیں اور ان کا وجود ان کے اپنے لیے اور سارے معاشرہ کے لیے خیر و برکت کا باعث بن جاتا ہے۔

بنی اسرائیل پر جو عنایات کی گئی تھیں اور انہوں نے باہمی حسد و بغض سے جس طرح اپنے آپ کو مختلف دھڑوں میں تقسیم کر کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ

پیروی کیجئے اس کی اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔ ۲۴ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ ۲۵

اپنی افادیت کھو دی تھی اور اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دعوتِ حق کے منصب پر متمکن رہیں۔ ان کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے اپنے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلافت دی ہے، یعنی ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک واضح شریعت عطا فرمادی ہے جس میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ دین و دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر عمل کرنے والا فرد ہو یا اُمت فلاحِ دارین کے شرف سے مشرف ہوگا۔

۲۴ اے میرے پیارے حبیب! اب آپ پر فرض ہے کہ آپ اس کی پیروی کریں۔ نفس کے پرستار اور دنیا کے پجاری لاکھ شور مچائیں آپ ان کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ بڑی ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں۔ جس ذات نے آپ کو یہ جامع شریعت عطا فرمائی ہے وہ علیم و خبیر ہے اور اعتراض کرنے والے لوگ جاہل اور نفس پرست ہیں۔ اگر علیم و خبیر کی واضح ہدایت پر ان جاہلوں کی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی جائے گی تو اس پر جو نتیجہ مرتب ہوگا وہ واضح ہے۔

۲۵ یاد رکھو اگر تم نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ لطف و کرم سے محروم کر لیے گئے تو پھر اس کے غضب سے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں بچا نہیں سکے گی۔

اہلِ پاکستان کے لیے یہ آیت خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ہم آزادی کے ابتدائی سالوں میں یورپ اور امریکہ کی مادی ترقی پر فریفتہ ہو کر اپنی پاکیزہ ثقافت اور خوبصورت تمدن کو مغربی تہذیب کی کنیز بنانے پر مُصر رہے ان کے ادنیٰ اشارے پر اپنی سیاست کو رنگ دیتے رہے، بیس پچیس سال تک مغرب کی اندھی تقلید کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری معاشیات سرمایہ دارانہ نظام کے قالب میں ڈھل گئی۔ چند خاندان امیر ہوگئے، باقی ساری قوم قلاش ہوگئی۔ اس تباہ کن پالیسی کے خطرناک اثرات ظاہر ہونے تو ہم چونک اٹھے اور اپنے آپ کو سوشلسٹ کہہ دیا لیکن شومیٔ قسمت ملاحظہ ہو اگر پہلے لندن اور واشنگٹن ہمارا مرکزِ عقیدت تھا تو اب ماسکو ہمارا قبلۂ حاجات بنتا جا رہا ہے اور حالات جو اب پیدا ہو رہے ہیں اُن سے اندیشہ ہے کہ موجودہ قائدین ہمیں سوشلزم کی دلدل میں پھنسا کر دم لیں گے۔ کاش! کوئی مردِ دانا ان نازک لمحوں میں ہمیں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نظام پر عمل پیرا کر دیتا اور اسلام کا وہی نظام جسے رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے جہنم زار میں نافذ کر کے اُسے رشکِ فردوس بنا دیا تھا، اسی کو وہ اس پاکستان میں نافذ کر کے ہماری کشتی کو بھی ساحل آشنا کر دیتا۔ ہم کب تک در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اپنے نبیٔ برحق کے دامنِ رحمت کو چھوڑ کر اغیار کے سامنے دلدل میں پھنسے رہیں گے؟ اس انقلاب کے لیے ضروری ہے کہ قوم میں فکری اتحاد ہو اور قیادت ایسی جاندار اور نورِ ایمان سے مالا مال ہو کہ مخالفین کی غوغا آرائی میں قرآن کی اس آیت پر فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ پر عمل پیرا ہونے کی ہمت رکھتی ہو۔

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

ذرا بچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے ۲۸

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ

یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور (سراسر) ہدایت و رحمت ہے ان کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۲۹ کیا خیال کر رکھا ہے

الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ

سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

یکساں ہو جائے ان دونوں کا جینا اور مرنا ۳۰ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

۲۸۔ اگر تم قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دو گے تو ظالم بن جاؤ گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے مستحق نہیں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تو صرف ان لوگوں کی اعانت فرماتا ہے اور دستگیری کرتا ہے جو اس کی نافرمانی سے بالاہتمام بچتے ہیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں۔

۲۹۔ قرآن کریم تمام انسانوں کے لیے نور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جو اس سے مستفید ہونا چاہے وہ محروم واپس نہیں جاتا۔ لیکن وہ خوش نصیب جو اس کی بیان کردہ حقیقتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے۔ اس کا دامن پکڑ کر اور اس کے ارشادات کو مشعل راہ بنا کر ہم اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۰۔ کفار عرب قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے ہر طرح کی باز پرس سے بے غم تھے ان کی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد یہ تھا کہ وہ خوب داد عیش دیں اور معاشرہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ جب اسلام نے انہیں قیامت کے محاسبہ سے ڈرایا اور انہیں ان بدکاریوں اور ناانصافیوں کی تلخیوں کی یاد دلائی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے تو ان میں سے جو بڑے سرکش تھے تو برملا کہتے کہ پہلے تو قیامت کا برپا ہونا ہی خلاف عقل اور محال ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو وہی ٹھاٹ وہاں بھی ہو گا جو یہاں ہے۔ جب اس نے ہمیں یہاں گوناگوں نعمتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور کیا ہے تو وہ ہمیں اس روز بھی محروم نہیں رکھے گا۔ وہ بڑی شوخی سے کہا کرتے۔ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى۔ اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو مجھے وہاں بڑی عمدہ چیزیں ملیں گی۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ کیا بدکار اور رذیل اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی اور موت ان لوگوں جیسی ہو گی جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سچے دل سے ایمان لائے اور ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی؟ کیا وہ لوگ ان کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں جو عمر بھر شرک کرتے رہے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اللہ نے زمین کو حق کے ساتھ ۲۹ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى

ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو ۳۰ اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی

نفس کی سفلی خواہشات کی تسکین کے لیے تمام اخلاقی ضابطوں کو روندتے رہے اور حصول مال و جاہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتے رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ کان کھول کر سن لو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ جس طرح ان کی دنیوی زندگیاں یکساں نہیں تھیں اسی طرح ان کی آنے والی زندگیاں بھی یکساں نہیں ہوں گی۔ اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کو فردوس بریں میں بصد عزت و اکرام داخل کیا جائے گا اور بدکاروں اور سرکشوں کو دھکے دے کر جہنم کے شعلہ زاروں میں پھینک دیا جائے گا۔

اس آیت کی ترکیب پر ذرا سرسری نظر ڈال لیجیے۔ آم منقطعہ ہے۔ اس کا کوئی خاص مدلول نہیں۔ محض ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف انتقال کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا استفہام انکار کے لیے ہے یعنی ان ما لا یلیق وانہ لا ینبغی لظہور بطلانہ۔ حسب کا فاعل الذین ہے۔ قاعدہ کے مطابق حسب کے دو مفعول ہونے چاہئیں۔ یہاں صرف ایک مفعول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نجعلهم اگرچہ بظاہر ایک مفعول ہے لیکن دو کے قائم مقام ہے۔ نجعل کا معنی نصیّر ہے۔ ھُم اس کا مفعول اوّل ہے اور کالذین اٰمنوا مفعول ثانی ہے۔ سواء بدل ہے اور کاف سے بدل ہے جو یہاں مثل کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سواء مصدر ہے اور مستوی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ محیاھم و مماتھم اس کا فاعل ہیں۔ اگرچہ اور بھی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح اور صاف یہی ترکیب ہے۔

اب آیت کا مطلب واضح ہو گیا کہ بدکاروں کا یہ خیال باطل محض ہے۔ ہم انہیں اور اہل ایمان کو ایک جیسا کر دیں گے اور ان سے یکساں سلوک کیا جائے گا۔ یعنی ہم کفار کی زندگی اور موت، اہل ایمان کی زندگی اور موت کی طرح کر دیں گے۔ ان کا خیال بالکل غلط ہے۔

۲۹ یہ کارخانہ ہستی کھیل تماشا نہیں بلکہ بڑی سنجیدگی اور متانت سے اس کی تخلیق کی گئی ہے اور اس کو برقرار رکھنے کے انتظامات کر دیے گئے ہیں۔

۳۰ اپنی خواہش کو خدا بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کام کو کرتا ہے جو اس کے نفس کو پسند ہو اور ہر ایسے کام سے روگردانی کرتا ہے جس سے اس کا نفس انکار کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی پروا نہیں کرتا۔ جب کسی شخص پر اس کی خواہشات کا اس طرح غلبہ ہو جائے تو گویا وہ اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے اور اس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ہوائے نفس کی اتباع کی جگہ جگہ مذمت کی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ شداد بن اوس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسہ

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ

ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر ۲۲ اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ ۲۳ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے

ھواھا و تمنٰی علی اللہ یعنی دانا وہ ہے جس کا نفس حکم الٰہی کا پابند ہو گیا ہے اور آنے والی زندگی کے لیے عمل کرتا ہے اور عاجز وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی توقعات وابستہ رکھتا ہے۔ وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاث مھلکات وثلاث منجیات۔ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ المھلکات شح مطاع وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ والمنجیات خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ والقصد فی الغناء والفقر والعدل فی الرضاء والغضب۔ پس ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں۔ بخل جو مسلط ہو جائے۔ خواہش نفس جس کی پیروی کی جانے لگے اور خود بینی یعنی اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے کی عادت۔ اور نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا خوف، خوشنودی اور ناراضگی میں عدل و انصاف اور تونگری اور افلاس میں میانہ روی۔

موافق بھی یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کا مقابلہ کرے اس کی ترغیبات و تحریصات کے باوجود راہ حق پر ثابت قدم رہے اور اگر کوئی شخص ایسی جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے تو نفس سر اطاعت خم کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی خواہشات اور مطالبات احکام الٰہی سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی

حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے اگر تم اس کو دودھ پینے پر آزاد چھوڑ دو تو وہ اسی عادت پر جوان ہو جائے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند دن رونے کے بعد دودھ پینا چھوڑ دے گا۔ لیکن اگر نفس کا مطالبہ ماننا شروع کر دیا جائے تو نفس کے مطالبات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ابو عبیدالطوسی کہتے ہیں ـــ والنفس ان اعطیتھا مناھا

فاغرۃ نحو ھواھا فاھا

ترجمہ: اگر تو نفس کی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے تو وہ اپنی مزید خواہشات کی طرف منہ کھولے ہوئے بڑھتا جائے گا۔

۲۲؎ علی علم حال ہے۔ اس کا ذوالحال اضلّ کا فاعل اللہ جل مجدہ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول اَضَلَّهٗ ھو ضمیر بھی۔ پہلی صورت میں معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ شخص صرف اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرے گا۔ دعوت حق کی طرف قطعاً التفات نہ کرے گا نہ اس کے دل میں ہدایت کا شوق ہے اور نہ اس نے حصول ہدایت کے لیے کوئی کوشش کی ہے۔ اس لیے اس کو گمراہ کر دیا گیا۔ دوسری صورت میں آیت کا معنی ہو گا کہ یہ شخص جانتے بوجھتے حق سے گریزاں رہا اور باطل سے چمٹا رہا۔ وہ اسی قابل تھا کہ اسے نعمت ہدایت سے محروم کر دیا جائے اور بادیہ ضلالت میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

۲۳؎ اس اتباع ہوی کی نحوست اس پالیسی پر یہ کہ ان کا ن آواز حق سننے سے بہرے ہو گئے اور دلوں میں عرفان و صداقت کی بو

اللّٰہِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۳ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا

بعد (لوگو) کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی) دوسری زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم مرتے اور زندہ

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا

ہوتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ ۲۴؎ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین سے

استفادہ تھی وہ ختم ہوگئی۔ آنکھوں سے نور حق کو دیکھنے کی بینائی سلب کرلی گئی۔ اب ایسے بدبخت کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔

۲۴؎ کفار عرب کی ذہنیت یہاں بالکل بے نقاب ہوکر سامنے آگئی ہے۔ وہ صرف قیامت اور حیات بعد الموت کے ہی منکر نہ تھے بلکہ وہ اس ہستی کے بھی قائل نہ تھے جو اس سارے جہان کا خالق ہے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات، تغیرات اور احوال کی حقیقی فاعل ہے۔ حیات اور موت، فتح و شکست، عروج اور زوال اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ زمانہ ہی مؤثر حقیقی ہے۔ رنج و راحت، ادبار و اقبال، کامیابی و ناکامی، صحت اور مرض، بہار اور خزاں سب کا تعلق فلک الافلاک کی گردش سے ہے۔ جب وہ خالق کائنات کے ہی منکر تھے تو پھر رسالت، قیامت، نزول وحی پر ان کا ایمان کیسے ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ اسی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ اسی کو خوب سے خوب تر بنانا ان کے تخیل کی پرواز کی انتہا تھی۔

'الدھر' کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الدھر فی الاصل اسم لمدة العالم من مبدأ وجوده الی انقضائه ... ثم يعبر به عن كل مدة كثيرة۔ یعنی 'دہر' اصل میں جہان کی ابتداء سے لے کر اس کے اختتام تک کی مدت کو کہتے ہیں۔ پھر طویل مدت کو بھی دہر کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے 'ان اللّٰہ ھو الدھر' کہ زمانہ ہی اللہ تعالیٰ ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یقول اللّٰہ تعالیٰ یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے کیونکہ وہ دہر کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ 'انا الدھر' میں زمانہ کا موجد ہوں۔ سارا اختیار میرے دست قدرت میں ہے۔ میں رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں۔

اس حدیث میں الدھر مرفوع نہیں ہے تاکہ اس کا معنی ہو کہ میں دہر ہوں۔ اور نہ الدہر بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہے بلکہ انا الدھر ہے اور الدہر ظرفیت کے باعث منصوب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفار عرب مصائب و آلام کا حقیقی فاعل دہر کو سمجھتے ہیں اور دہر کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی فاعل دہر نہیں ہے میں ہوں۔ جس نے زمانہ کو پیدا کیا اور مختلف تغیرات کا اس کو سبب بنایا۔ گویا ان کا سب و شتم میری طرف منسوب ہوتا ہے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں: انما غلط بعض الرواۃ فنقل المعنی عندہ فقال لا تسبوا الدھر فان اللّٰہ ھو الدھر۔ (احکام القرآن للجصاص) یعنی بعض راویوں نے اس حدیث کے بعینہ الفاظ نقل نہیں کیے بلکہ حدیث بالمعنی کی ہے

يَظُنُّوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ

گمان کیے جاتے ہیں ۳۳؎ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو ان کے جواب میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں

قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو ۳۵؎ فرمائیے اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

پھر جمع کرے گا تمہیں روزِ قیامت جس میں ذرا شک نہیں ۳۶؎ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو)

اس طرح ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی اور انہوں نے فان اللہ ھو الدھر نقل کیا حالانکہ حدیث کے صحیح الفاظ یہ تھے انا الدھر۔

یہ نظریہ عرب کے بادیہ نشینوں کا تھا جو جہالت و بربریت کی آغوش میں پروان چڑھے تھے۔ اسی نظریہ کو عصر حاضر کے ملحد فلسفی اور مادہ پرست سائنس دان بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں اور ہمارے سادہ لوح نوجوان جو خود علم و حکمت کے بحر بے پایاں کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کرتے کیونکہ ان کی تن آسانی اور عشرت کوشی انہیں ان جانفشانیوں اور رہنوردیوں کی اجازت نہیں دیتی جو ایک طالب علم کے لیے ناگزیر ہیں۔ وہ صرف سنی سنائی باتوں پر ہی قانع ہیں اور ذہنی طور پر اتنے مرعوب ہیں کہ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ تو وہی پرانا بوسیدہ اور از کار رفتہ نظریہ ہے جس کو عرب کے گنواروں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ عہد جدید کے بعض ملاحدہ اگر یہی عقیدہ رکھتے ہیں تو اس کو ترقی یافتہ اور محققانہ نظریہ نہیں کہا جا سکتا۔ ترقی یافتہ اور محققانہ نظریہ وہی ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جس کا اعلان اور تبلیغ محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے۔

۳۴؎ خالق حقیقی کے انکار اور بعثت و قیامت کے ابطال کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔

۳۵؎ وقوع قیامت کے امکان بلکہ اس کے ضروری اور عین حکمت ہونے پر تو ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل پیش کیے جا چکے ہیں لیکن ان کے پاس انکار قیامت کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کچھ کہتے ہیں تو اتنا ہی کہتے ہیں کہ ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھاؤ ہم مان جائیں گے کہ قیامت برپا ہو گی۔ ان کے اس قول کی لغویت واضح ہے۔ ان سے یہ کس نے کہا ہے کہ اس دنیا میں انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دعویٰ تو یہ ہے کہ روز قیامت انہیں زندہ کیا جائے گا۔ ان کے اس فضول قول کو حجت اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اسے ایک قوی حجت کے طور پر پیش کرتے تھے۔ (۱۹ ہم ادا ولیہ کما یدل الحنج لحجتہ وا لا منافی خسبانہم وتقدیرہم حجۃ)

۳۶؎ ان کے تمام نظریات باطلہ کی تردید کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ زمانہ بیچارہ خود مخلوق ہے۔ اس کی صبحیں اور شامیں اس کی

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

نہیں جانتے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ۲۷؎ اور جس روز برپا ہوگی قیامت

يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ

اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست ۔ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ۲۸؎ ہر گروہ کو بلایا جائے

تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

گا اس کے صحیفۂ عمل کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں وہ بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا

جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ ۲۹؎ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے ۔ پس

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا

چار اور عناصر، اس کے خالق کے اشارہ کی مرہون منت ہیں۔ نہ اس میں شعور نہ ادراک، نہ قدرت نہ اختیار، وہ کیسے مؤثر حقیقی ہو سکتا ہے۔ وہ تمہیں بلکہ خالق دہر تمہیں زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ وہی تمہیں قیامت کے دن ایک جگہ جمع کرے گا اس میں ذرا شک نہیں۔ ما افسوس! اکثر لوگ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۷؎ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی۔ ایسے قادر و قیوم کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اس حقیقت کو آج تسلیم کر لو ورنہ قیامت کے روز فرط ندامت سے ہاتھ کاٹو گے اور اس وقت حسرت و ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

۲۸؎ حساب کے خوف اور باز پرس کی ہیبت سے لوگ اتنے مرعوب اور دہشت زدہ ہوں گے کہ ان کے لیے سیدھا کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا۔ بڑے بڑے سرکش اور مغرور لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ ہر گروہ کو ان کے صحیفۂ عمل کی طرف بلایا جائے گا اور اسی کے مطابق ان سے باز پرس ہوگی۔

۲۹؎ انہیں کہا جائے گا یہ صحیفۂ اعمال ہے جو آج تمہارے متعلق بلا کم و کاست سچی گواہی دے گا۔ تمہارے اعمال میں سے کسی عمل کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور تمہیں مجرم گردانے کے لیے تم پر غلط الزامات نہیں لگائے گئے۔ جو نیک و بد اعمال تم کرتے رہے یہ اسی کا مصدقہ ریکارڈ ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

یہی وہ روشن کامیابی ہے ۳۴ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (انہیں کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ

سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم گھمنڈ کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔ اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑی رعونت سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت

السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ

کیا ہے۔ ہمیں تو (اس کے بارے میں) ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (کوئی) یقین نہیں۔ اور ظاہر ہو گئیں ان کے لیے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ

بُرے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور ہر طرف سے گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہہ دیا گیا

ہمارے حکم سے فرشتے تمہارے اعمال کو ضبطِ تحریر میں لاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح ہمارے جملہ اعمال کو لکھواتا ہے اس کی حقیقت کے ادراک سے اگرچہ ہم قاصر بھی ہوں تو ہمیں اس کا انکار ممکن نہیں۔ کسی کی گفتگو کو بعینہٖ اس کے صوتی لہجوں کے ساتھ محفوظ کر لینے کے کتنے طریقے چند سالوں میں ایجاد کر لیے گئے ہیں جن کا کل تک ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ٹیپ کی ایک چھوٹی سی ریل میں کیا کچھ محفوظ نہیں کر لیا جاتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کل ہم اس سے بھی زیادہ محیر العقول طریقے دریافت کر لیں جن کے ذریعے الفاظ، حرکات و سکنات کو اسی طرح منضبط کیا جا سکے۔ جب انسانی مہارت کا یہ عالم ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ ہماری زندگی کے روز و شب کی سرگرمیوں کو پوری طرح ریکارڈ کر لے۔

۳۴ وہ اہلِ ایمان جو ہمیشہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، نفس و شیطان کے بہکانے میں نہ آئے ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خیابانِ رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اس رحمتِ خاصہ کی شان ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ طالبِ صادق کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ اس کا ربِ کریم اس کا محبوبِ حقیقی اس کو شاندار کامیابی کا مژدہ سنائے۔ اے سعید بخت! تمہیں اللہ کی رضا مبارک ہو تو نے اس امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔

۳۵ ان آیات میں کفار کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہیں خوابِ غفلت سے

الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ

آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور

مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

تمہیں دنیوی زندگی نے۔ پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں گریہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا ۲۴؎

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ

پس اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۲۵؎ اور فقط اسی

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے۔

بپا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ سرکشی اور نافرمانی کی جو راہ تم نے اپنے لیے پسند کی تھی ہم نے اس کے ہولناک انجام سے تمہیں بار بار آگاہ کیا لیکن تم ماننے سے انکار کرتے رہے اور ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے رہے۔ جاؤ جہنم میں۔ آج تمہاری فریاد رسی کرنے والا کوئی نہیں۔

۲۴؎ الاستعتاب۔ طلبك الى المسئ الرجوع عن اساءته۔ یعنی کسی بدکار سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنی بدکاری سے رجوع کرے۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حقیقت ان پر عیاں ہو جائے گی، ان کی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، اپنے غرور و سرکشی کے برے نتائج ان کو اپنے نرغہ میں لے لیں گے، دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس وقت وہ چاہیں گے کہ انہیں ایک بار توبہ کا موقع دیا جاتا، ایک مرتبہ اپنے کریم و رحیم پروردگار کو راضی کرنے کی مہلت مل جاتی لیکن ایسا نہ ہوگا۔ ای لا یطلب منہم ان یرضوا ربہم بالتوبۃ لفوات اوانہ قال علیہ الصلوۃ والسلام لیس بعد الموت من مستعتب۔ (مظہری) حضور نے ارشاد فرمایا کہ موت کے بعد پھر توبہ کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

۲۵؎ اس سورت کا اختتام کس شاندار اور دلنشیں انداز سے ہو رہا ہے۔ عالم کے صانع حقیقی کا انکار کرنے والے انکار کرتے رہیں اور اس پر اپنے لاطائل دلائل کا انبار لگاتے رہیں۔ شرک کرنے والے اپنا سر کھپاتے رہیں اور شرک کو ثابت کرنے کے لیے دلائل

جن کو کہتے رہیں ان کے انکار سے حقیقت نہیں بدل جائے گی، کوئی مانے یا نہ مانے ہر قسم کی تعریفوں اور شکر گزاریوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو آسمانوں کا رب، زمین کا رب بلکہ سب جہانوں کا رب ہے۔ بڑائی اور سرمدی عظمتیں، اور ہر طرح کی بڑائیاں اسی کو زیبا ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی کبریائی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہی سب پر غالب اور بڑا دانا ہے۔

فللّٰہ الحمد رب السموات ورب الارض رب العلمین وله الکبریاء فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔

والصلوٰۃ والسلام علی رسوله النبی الامی سیدنا ومولانا محمد شفیع المذنبین انیس الغرباء والمساکین وعلی اٰله واصحابه ومن تبعه الی یوم الدین۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الاحقاف

نام: آیت ۲۱ میں الاحقاف کا ذکر ہے یہی اس سورۂ مبارکہ کا نام ہے۔ اس سورت میں چار رکوع اور پینتیس آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد چھ سو چوالیس اور حروف کی تعداد دو ہزار پانچ سو ننانوے ہے۔

زمانۂ نزول: یہ سورت ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی آخری آیت فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔ اے حبیب! آپ یوں صبر فرمایے جس طرح اولوالعزم رسولوں کا شیوہ تھا، کے کلمات صاف بتا رہے ہیں کہ یہ کی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب کفار کے ظلم وتشدد کی انتہا ہو گئی تھی۔ وہ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر غضب ناک ہو رہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر اس شمع کو بجھا دینا چاہتے تھے۔ قرابت داری اور ہمسائیگی کے سارے رشتوں کو پاؤں تلے روند چکے تھے۔ ہم وطنی اور ہم قوم ہونے کا بھی کوئی پاس نہ رہا تھا۔ جیسے کہ انہوں نے مکہ کے تمام قبائل کو جمع کر کے بنو ہاشم اور مسلمانوں سے معاشرتی قطع تعلق (سوشل بائیکاٹ) کا تحریری معاہدہ کیا تھا اور اس کو ایک صندوقچی میں بند کر کے بڑی حفاظت سے کعبہ میں رکھ دیا تھا۔ اس معاہدہ میں یہ تحریر کیا گیا کہ سارے قبائل بنو ہاشم سے لین دین، شادی بیاہ کا سلسلہ کلیۃً بند کر دیں گے۔ کھانے پینے کی اشیاء بھی ان پر فروخت نہیں کریں گے۔ تین سال تک حضور اپنے خاندان اور اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ الغرض کفار نے اذیت رسانی کی حد کر دی۔ کی زندگی کے یہ آخری سال تھے جب اس سورۂ کریمہ کا نزول ہوا۔

اس سورت میں جنات کی حاضری کا بھی ذکر ہے۔ جنات نے متعدد بار شرف باریابی حاصل کیا جس حاضری کا ان آیات میں ذکر ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوق عکاظ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضور کے ہمراہ چند صحابہ بھی تھے اور صبح کی نماز ادا کی جا رہی تھی۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد اور دیگر اکابر کا خیال یہ ہے کہ جب حضور طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اس وقت جنات نے حاضری دی۔ اس قول کے مطابق سورت کا زمانہ نزول نبوت کا دسواں سال یا گیارہویں سال کا آغاز ہوگا کیونکہ دسویں سال میں جناب ابو طالب کی وفات ہوئی۔ ایک ماہ بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں۔ حضور کے قلب نازک کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس سال کو حضور نے عام الحزن (یعنی رنج واندوہ کا سال) فرمایا۔ کفار کے جور وستم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ان ازحد ترسا حالات میں حضور نے طائف کا رخ کیا کہ شاید بنی ثقیف کے سردار اس دعوت کو قبول کر کے یہ آمادہ ہو جائیں، لیکن انہوں نے انتہائی شقاوت کا مظاہرہ کیا۔ وہ تین بھائی تھے عبد یالیل، مسعود، حبیب۔ قریش کی ایک خاتون بھی ان کے ہاں بیاہی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہو تو میں غلاف کعبہ کو نوچ کر پھینک دوں گا۔

دوسرے بولے، کیا خدا کو آپ کے سوا رسول بنانے کے لیے کوئی دوسرا نہ ملا؟ تیسرے بھائی نے یوں اظہار خیال کیا: بخدا میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کی شان اتنی اونچی ہے کہ میری مجال نہیں کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں اور اگر آپ خود ساختہ رسول ہیں تو پھر آپ اس قابل نہیں کہ آپ سے گفتگو کی جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب واپس جانے لگے تو انہوں نے شہر کے لفنگوں اور اوباشوں کو پیچھے لگا دیا۔ وہ طرح طرح کے آوازے کستے، گستاخیاں کرتے اور پتھر مارتے پیچھے چلے۔ حضور کی پنڈلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں، جوتیاں خون پاک سے بھر گئیں۔ اسی حالت میں طائف سے باہر تشریف لائے۔ قریب ہی ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا ایک باغ تھا حضور وہاں سستانے کے لیے ٹھہرے اور اپنے دل پر درد مند کی فریاد اپنے کریم اور قدیر رب کی بارگاہ میں بایں الفاظ پیش کی:

"الٰہی! اپنی کمزوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے مائیگی کا شکوہ میں تیری جناب میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! کمزوروں کا تو ہی آسرا ہے اور میرا رب تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ ایسے بندے کی طرف جو ترش روئی سے مجھ سے پیش آتا ہے۔ کیا کسی دشمن کو تو نے میرے کام کا مالک بنا دیا ہے اور مجھ پر تیری ناراضگی نہ ہو تو مجھے (ان آلام و مصائب) کی ذرا پروا نہیں لیکن تیرا دامن عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے رخ پاک کے نور کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر اترے۔"

"لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (ترجمہ) عتبہ اور شیبہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حالت میں دیکھا تو ان کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو بلایا اور کہا کہ انگوروں کا ایک گچھا لے لو اس کو ایک طشتری میں رکھو اور اس کے پاس لے جاؤ۔ جب عداس نے وہ طبق حضور کی خدمت میں پیش کیا تو حضور نے بسم اللہ کہا اور کھانا شروع کیا۔ عداس نے تعجب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس علاقہ کے لوگ تو کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا کرتے۔ حضور نے پوچھا تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ کہنے لگا میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔ حضور نے پوچھا کیا تم مرد پاک یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ عداس کہنے لگا آپ کو یونس کا کیسے علم ہے؟ فرمایا وہ تو میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے جھک کر حضور کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا۔ واپس گیا تو عتبہ اور شیبہ نے پوچھا تمہیں ان کی قدم بوسی کیوں کی۔ کہنے لگا اس وقت روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا۔

وہاں سے روانہ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وادی نخلہ میں پہنچے۔ وہاں شب باش ہوئے۔ صبح کی نماز میں حضور تلاوت فرما رہے تھے کہ نصیبین کے جنات کا ایک گروہ وہاں سے گزرا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت سنی تو سب وہیں جم کر کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو اس کے نبی کی پاک زبان سے سننے میں محو ہو گئے۔ جب اپنی قوم میں واپس گئے تو قرآنی تعلیمات سے انہیں بھی آگاہ کیا۔

مضامین: جیسے مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ یہ سورت نبوت کے دسویں سال کے آخر یا گیارہویں سال کے آغاز میں مکہ میں نازل ہوئی۔ اس لیے اس میں ان کی اصلاح کی طرف ہی توجہ دی گئی ہے۔ ان کے معبودانِ باطل کی بے بسی اور بیکسی کا پردہ چاک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ قیامت کے بارے میں وہ جن شبہات میں بری طرح الجھے ہوئے تھے ان سے نکلنے کا انہیں راستہ بتایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے بیمار اذہان جن خود ستائی اور خود فریبی کے مرض کا شکار تھے اس کو عیاں کیا گیا ہے۔

عوام الناس اسلام کی پاک تعلیمات سے متاثر ہو کر اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ سیرت و صورت سے مسحور ہو کر اسلام کی طرف راغب ہونے لگے تو یہ لوگ ان سادہ منش عوام کو یہ کہہ کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے کہ لوگو! ہمیں دیکھو اس شہر میں، اس سارے علاقہ میں علم و فہم میں ہمارے پائے کا کوئی دوسرا آدمی ہے؟ کوئی ایسا شخص ہے جسے احوالِ عالم کا تجربہ ہم سے زیادہ ہو؟ تمہارا مشاہدہ ہے کہ جنگ اور صلح ہر حالت میں ہماری رائے ہی صائب اور درست ہوتی ہے۔ مزید برآں ہماری قسمت کا ستارہ بڑی بلندی پر ہے۔ اپنے بخت کی ارجمندی کے باعث ہر اچھی بات کی طرف ہم سب لوگوں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اگر اسلام کوئی اچھا دین ہوتا تو اپنی علم و فہم، تجربہ اور فراست کے باوجود اس کو قبول کرنے میں ہم پیچھے رہ جاتے اور یہ ناچیز سمجھے جانے والے اس معاملے میں ہم سے سبقت لے جاتے یہ کیونکر ممکن تھا۔ اس لیے ہمارا اس دین کو قبول نہ کرنا اس بات کے لیے کافی سند ہے کہ یہ دین کسی تعریف کا نہیں، بیکار محض ہے۔

یہ ان کی خود فریبی تھی جس میں وہ عمر بھر مبتلا رہے۔ خود بھی اسلام کے سرچشمہ شیریں سے فیض یاب نہ ہوئے اور جہاں تک بن پڑا عوام کو بھی اس سے دور دور رکھتے رہے۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات جس طرح پُرزور انقلاب سے اپنے ماننے والوں کو ہمکنار کر دیتی ہیں، اس کی وضاحت دو آدمیوں کے خیالات کا تذکرہ کر کے فرما دی۔ ایک مومن اور دوسرا کافر۔

آیت ۱۵ کے آخر میں جو دعا ہے اس کے آئینہ میں بندۂ مومن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا عکسِ جمیل آپ کو نظر آئے گا اور آیت ۱۷ میں ایک کافر کی بدخلقی و بدبختی کی تصویر صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔

اہلِ مکہ کو قومِ عاد کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی بربادی کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی قوت و طاقت عطا فرمائی تھی۔ انہیں ظاہری اور باطنی صلاحیتیں مرحمت کی تھیں۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے پروردگار کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے اور مزید انعامات و احسانات کے مستحق بن جاتے لیکن آیاتِ الٰہی سے بے اعتنائی بلکہ ان کا استہزا اور انبیاء کی تکذیب کی عادت نے انہیں برباد کر کے رکھ دیا۔ پھر نہ مال و دولت ان کو عذاب سے بچا سکی، نہ علم و فن میں ان کا کمال و مہارت ان کے کسی کام آئی۔ اپنی بدکاریوں کے باعث وہ حرفِ غلط کی طرح نیست و نابود کر دیے گئے۔

کفار و مشرکین کی طرف سے جب حد درجہ عناد و عداوت کا اظہار کیا جانے لگا، وہ مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے، خود ذاتِ پاک حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کو بھی جی بھر کر ستاتے، تو ان کی بربریت کا مقابلہ کرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو صبر کی ڈھال استعمال کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ بے شک اہل حق کے لیے ہمیشہ سے صبر ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے وہ دشمن کے مکر و فریب کا بھی مقابلہ کرتے رہے اور اسی سے مسلح ہو کر دشمنانِ حق کے جدید ترین مہلک جنگی اسلحہ کو بھی ناکارہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی ہتھیار سے باطل کو شکست دی تھی اور حق کا پرچم بلند کیا اور ہم غلاموں کے لیے بھی کامیابی اور فلاح کا یہی طریقہ ہے۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الاحقاف مکی ہے اور اس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا

حا۔میم۔ اُتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب، بہت دانا ہے ۱ نہیں پیدا فرمایا ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ ۲ اور مدّت مقررہ تک ۳

۱ کفار کی مخالفت اپنے شباب پر ہے۔ وہ بڑی شدّومد سے اس بات کا انکار کر رہے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ سورۂ جاثیہ کی طرح یہاں بھی سورت کا افتتاح کرتے ہوئے بڑی فصاحت و بلاغت سے بتا دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس قرآن پاک کی ہر آیت اس کی عزت اور اس کی حکمت کی گواہی دے رہی ہے۔ تنزیل مصدر ہے اور اسم مفعول مُنَزَّل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوا ہے

۲ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بے مقصد اور محض کھیل تماشا نہیں بلکہ اس میں انگنت حکمتیں ہیں۔ علامہ آلوسی آیت کے اس حصّے کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خلقنا متلبسًا بالحق الذی تقتضیہ الحکمۃ التکوینیۃ والتشریعیۃ (روح المعانی) یعنی تکوینی اور تشریعی حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تخلیق کی گئی ہے۔ بنانے والے نے اسے اس خوبی اور مہارت سے بنایا ہے کہ اس میں کسی قسم کی اصلاح اور ترمیم کی گنجائش نہیں۔ جو چیز جیسی بنائی جیسے بنی چاہیے تھی ویسی بنائی اور جہاں سجا دی گئی ہے وہی اس کی موزوں ترین جگہ ہے۔ کوئی مہندس، کوئی مصوّر، کوئی ماہر نہیں کہہ سکتا کہ اگر یوں نہ ہوتا یا ایسا ہوتا تو زیادہ مفید، زیادہ کارآمد اور حسن و خوبی کے اعتبار سے زیادہ دل کش ہوتا۔ جتنا زیادہ کوئی غور و فکر کرے گا اس نظام کی خوبیوں اور لطافتوں کو دیکھ کر دنگ رہ جائے گا۔ اے انسان! تو تو اس خلاق عظیم کا شاہکار ہے۔ تیرے بارے میں اس نے خود بڑے فخر سے فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ ذرا اپنی رعنائیوں اور دلربائیوں کو آئینۂ فطرت میں دیکھ، تجھے محسوس ہوگا کہ زمین کی وسعتیں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی روانیاں، آسمانوں کی پہنائیاں تیری عظمتوں کو سلام کر رہی ہیں۔ تو ان میں نہ کھو جا۔ تو مخدوم ہے، خادم نہ بن۔ تو مطلوب ہے طالب نہیں۔ اگر طالب بننا ہے تو اس کا بن جس نے تجھے یہ حسن، یہ رعنائی عطا فرمائی ہے۔

۳ اَجَلٍ مُّسَمًّى فرما کر بتا دیا کہ اس جہاں کی کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ ہر چیز کو اس کے خالق نے جس طرح بڑی حکمت

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ

اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔ فرمائیے: (اے کفار!) کبھی تم نے غور سے دیکھا ہے جنہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ

تم اللہ کے سوا (خدا) سمجھ کر پکارتے ہو ذرا مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کونسی چیز پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں

فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ

کچھ حصہ ہے لے آؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت ؎

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

اگر تم سچے ہو — اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر

بے کار پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے ایک میعاد بھی مقرر کر دی ہے۔ جب مقررہ میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ چیز فنا ہو جائے گی۔ تم آسمانوں کی پختگی اور زمین وغیرہ کی مضبوطی کو دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ دنیا یونہی رہے گی، کبھی فنا نہ ہو گی۔ اس دنیا کی عمر طویل ہو سکتی ہے لیکن اسے ایک روز ختم ضرور ہونا ہے۔ اس کے بعد تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو گی۔ خوش نصیب وہ ہے جو بروقت ہوشیار ہو جاتا ہے اور اپنے مستقبل کو درخشاں کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ وہ لوگ جو کثرت فسق کے باعث قلب سلیم کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں، وہ اس پند و موعظت کی قدر نہیں کرتے بلکہ الٹا مذاق اور بے رخی کا اظہار کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔

؎ مشرکین جو بڑے زور و شور سے اپنے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اگر اس پر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ بہت برہم ہوتے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر تم نے ان کی پوجا شروع کر رکھی ہے کیا اس کی کوئی معقول وجہ بھی تم بتا سکتے ہو؟ کیا کہ زمین کی کسی چیز کے وہ خالق ہیں؟ آسمان کی آفرینش میں کیا ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت ہے تو پیش کرو اور اگر تم خود اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اس وسیع و عریض کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہے تو پھر اس خالق رحیم کو چھوڑ کر کسی پتھر کی بے روح یا ذی روح شے کی پوجا کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ ما تدعون: ما تعبدون (روح المعانی) اس آیت میں ما تدعون کا معنی ما تعبدون ہے یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ ما تدعون، ما تعبدون (مظہری) ما تدعون: تعبدون (بحر)

؎ اگر تمہارے بتوں نے زمین و آسمان کی تخلیق میں کچھ حصہ لیا ہے تو اسے دلیل سے ثابت کرو۔ قرآن کریم کو تو تم تسلیم نہیں

اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ

ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی

غٰفِلُوْنَ ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ

غافل ہیں ۵ اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روزِ محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف

کرتے۔ آخر اس سے پہلے بھی کئی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں، ان میں سے کسی میں یہ لکھا ہوا دکھاؤ کہ تمہارے فلاں بت یا فلاں معبود نے زمین و آسمان کی فلاں چیز بنائی ہے۔ اگر تم اس قسم کا کوئی حوالہ کسی آسمانی کتاب سے نہیں دکھا سکتے تو چلو کوئی عقلی ثبوت ہی پیش کر دو۔

علامہ ابن حیان اندلسی "اثارة من علم" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں او بقیة من علم ای من علوم الاولین۔ یعنی وہ علم جو پہلے علماء و حکماء سے منقول ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور قتادہ نے فرمایا او خاصة من علم یعنی وہ علم جو صرف تمہیں حاصل ہوا۔ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کی رسائی اس تک نہیں ہوئی۔ اگر تمہارے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی دلیل، تو پھر بلا وجہ جان بوجھ کر ایسی غلطی نہ کرو جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

ے مشرکین بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ بت نصب کر رکھے تھے۔ اپنے اپنے گھروں میں جو مورتیاں انہوں نے سجا رکھی تھیں وہ ان کے علاوہ تھیں۔ ان کی اس کھلی گمراہی بلکہ حماقت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو! تم ان بتوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں۔ وہ بھلا کسی مشکل وقت میں تمہاری مدد کیا خاک کریں گے۔ اس سے زیادہ نادان اور گمراہ اور کون ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای لا اضل ممن یدعوا من دون الله اصناما ویطلب منها ما لا تستطیعه الی یوم القیامة وهی غافلة عما یقول لا تسمع ولا تبصر ولا تبطش لانها جماد حجارة صم (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس آدمی سے زیادہ گمراہ اور کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتا ہے اور ان سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جو وہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ جو وہ کہہ رہا ہے وہ اس سے غافل ہیں۔ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ پکڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں جو بالکل بہرے ہیں۔

علامہ ابو حیان اندلسی کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

یدعون من دونه جمادا لا یستجیب لهم ولا قدرة له علی استجابة۔

یعنی وہ ایسے بے جان پتھر کو پکارتے ہیں جو انہیں نہ جواب دے سکتا ہے اور نہ اس میں جواب دینے کی طاقت ہے۔

بعض کم فہم لوگ جو ملت کے اتحاد کو انتشار کا شکار بنانا چاہتے ہیں، رات دن اسی دھن میں لگے رہتے ہیں کہ ملت میں نئی تفریق پیدا کریں۔ وہ یہ آیت اہل سنت پر چسپاں کرتے ہیں۔ معاذ اللہ، ہر گز اہل سنت ایسے نہیں۔ کوئی ان سے پوچھے …

کسی کی خدائی اور الوہیت کا عقیدہ فاسدہ نہیں رکھتا۔ حبیب وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب، تمام نبیوں کے سردار، تمام رسولوں کے سرتاج اپنے آقا و مولیٰ اور دونوں جہان کے آسرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اور نماز میں کئی کئی بار اس شہادت کا اعادہ کرتا ہے۔ تو وہ کسی اور کو کیونکر خدا یا خدا کا ہمسر اور شریک تصور کر سکتا ہے۔ یہ محض بہتان اور افترائے عظیم ہے کہ اہل سنت کسی کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔ ھذا افک مبین و بہتان عظیم۔

ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر اس کی تشریح کی گئی ہے۔

خارجیوں وہابیوں اور دیوبندیوں کے علاوہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں جب کوئی غلام صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے تو حضور پرنور اس کے سلام کا جواب فرماتے ہیں جس کو خواص اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور اس جواب سے سرشار ہو گئے ہیں۔ مصر کے مشہور ولی کامل حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو بصد ادب و نیاز عرض کی الصلوٰۃ والسلام علیک یا جدی۔ اے میرے نانا پاک آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو۔ روضہ اقدس سے جواب آیا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اے میرے بچے تجھ پر بھی سلام۔ یہ سن کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور فی البدیہہ یہ اشعار عرض کی:

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ كُنْتُ اُرْسِلُهَا   تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ

جب میرا جسد خاکی یہاں سے دور تھا تو میں آستانہ بوسی کے لیے اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ   فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ كَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

اب تو میں خود بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں۔ دست پاک نکالیے تاکہ میں بوسہ دے کر دل کی حسرت پوری کر سکوں۔

دست مبارک باہر آیا جس کو آپ نے بوسہ دیا ہزاروں آدمیوں نے اس کو دیکھا۔

اس واقعہ کو دیگر علماء کے علاوہ علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں اور مولانا تھانوی نے اپنے رسائل میں بیان کیا ہے۔

حضرت شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج کا مرض لاحق ہوا۔ نصف جسم بے کار ہو گیا۔ آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں قصیدہ لکھا۔ اسی رات زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا۔ یہ فوراً شفایاب ہو گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نشر الطیب مطبوعہ دیوبند ص ۲۴۲ پر اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔ الخ آپ بھی پڑھیے:

"اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ عنایت کیجیے جو آپ نے مدح نبوی میں کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ اس نے کہا جس کے اول میں ہے اَمِنْ تَذَكُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٍ۔ ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس درویش نے کہا واللہ! میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جب یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور آپ خوش ہو رہے تھے۔"

یہ قصیدہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پسند فرمایا ہے۔ اس کا ایک شعر آپ بھی سن لیں۔ ان شرک سازوں کے قول کی حقیقت کھل جائے گی۔

كٰفِرِيْنَ ۝٦ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

انکار کرنے والے ہوں گے اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ

حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ فرمایئے

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ ۔ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے ساری مخلوق سے زیادہ سخی! مصائبِ عام کے وقت حضور کے بغیر میں کس کے دامن میں پناہ لوں۔

ہمارے عہد کے نابغہ روزگار شاہ عبدالعزیز خالد کے یہ اشعار بھی سن لیجیے۔

تو خورشید مجسم تو جمال کامل، مہر او تیری ۔ نگاہیں منتظر اک جنبش ابرو یا رسول اللہ
تیری رحمت کے در وا ہیں کھلے ہیں ہر گدا پر ۔ ہے تو واحد امید مستمنداں یا رسول اللہ
حریم خاطر آشفتہ حالاں کون ہے سوا تیرے ۔ تمہارے علاوہ کس کا سہارا یا رسول اللہ

آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی پیش نظر رکھیے۔ وہ اپنے پیر سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم اور حضرت بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہما نے ان کو بیک وقت قادری اور نقشبندی سلسلہ کا فیض بخشا۔ چشتی سلسلہ سے حصول فیض و نسبت کے متعلق دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"روزے حضرت ایشاں را بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند و بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند و دریں اثنا بروح پر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہ بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائی حصول نسبت چشتیہ متحقق شد" (صراط مستقیم ص ١٦٦ مطبع ضیاء المطابع لکھنؤ)

یعنی ایک دن سید احمد صاحب حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے اور وہاں مراقبہ میں بیٹھے۔ اس اثنا میں حضرت کی روح پر فتوح سے ملاقات نصیب ہوئی۔ خواجہ خواجگان نے آپ پر بڑی زور دار توجہ فرمائی۔ اس توجہ کی برکت سے نسبت چشتیہ کے حصول کی ابتدا ہوئی۔

٤۔ ان کے پجاریوں کو بتایا جا رہا ہے کہ روز حشر جب تمہیں پکڑ کر لایا جائے گا اور تمہارے عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ کی باز پرس شروع ہوگی تو تمہارے یہ جھوٹے معبود جن کی تم عمر بھر عبادت کرتے رہے تھے وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ جن کو تم اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ تمہاری تباہی و بربادی کا سبب بن گئے ہیں اور تمہاری پوجا پاٹ کا صاف صاف انکار کر دیں گے۔ سابقہ آیت میں یدعوا اور عن دعائہم کے الفاظ میں بتصریح ان کا معنی یعبدوا اور عبادتہم سے کیا ہے۔ اس آیت نے ان کی اس تفسیر کی تصدیق کر دی۔ فرمایا وکانوا بعبادتہم کافرین۔

٥۔ انصاف اور حق پسندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ آیات ربانی کو سن کر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاتے، حق کو قبول کر لیتے اور ان کے

إِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے بچا لو۔ وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

مشغول ہو ۔ وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان ۔ اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ

الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ

رحم فرمانے والا ہے۔ آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں ۔ اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا

دونوں جہان سنور جاتے لیکن ان بدبختوں نے اس کو اپنانے کی بجائے اس کی تکذیب کرنا شروع کر دیا کہ یہ جادو صاف ظاہر ہے۔

ف کفار کے اس افترا اور بہتان کا جواب دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی بلکہ میں نے خود اس کو گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کر رہا ہوں تو یہ ایک سنگین جرم ہے جس کی سزا بڑی المناک ہے اور تم میں سے کسی میں یہ ہمت اور قوت نہیں کہ اگر مجھے سزا ملنے لگے تو تم مجھے بچا سکو۔ تم خود سوچو کیا میں اپنی جان پر ایسا ظلم ڈھا سکتا ہوں اور اپنے آپ کو خدا کے غضب کا مورد بنا سکتا ہوں۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ تم بھی یہ سمجھ لو کہ یہ مذاق تم کر رہے ہو اور جس شغل میں تم لگے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتا ہے اور تمہاری اس بہتان تراشی کی سزا ضرور وہ تمہیں دے گا۔

تفیضون: الافاضة فی الشئ: الخوض فیه والاندفاع افاضوا فی الحدیث: اندفعوا فیه۔ کسی کام میں کھو جانا، منہمک ہو جانا، کسی گفتگو میں محو ہو جانا۔

ف میں حق پر ہوں یا تم، اس کا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی گواہی کے بعد کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ب اس میں باء زائدہ ہے اور ضمیر مجرور فاعل ہے۔ مثالہ الباء زائدۃ والضمیر فی محل الرفع علی الفاعلیۃ۔ (مظہری)

ف حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر کفار طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ کبھی کہتے یہ بشر ہے، بھلا بشر بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتا ہے؟ کبھی کہتے یہ تو بالکل ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ بھلا رسول سے بھی ایسے معمولی کام سرزد ہوتے ہیں؟ کبھی کہتے اگر خدا کو رسول بنانا ہی تھا تو وہ کیا ایسے شخص کو رسول بناتا جس کے پاس نہ مال، نہ دولت، نہ خدم، نہ حشم، نہ جاگیر، نہ اعوان و انصار، بھلا یہ بھی کوئی تک ہے؟ ہمارے یہاں بڑے بڑے سردار ہیں جو زیرک بھی ہیں اور تجربہ کار بھی۔ ان کے اثر و رسوخ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ عرب کے تمام قبائل کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ان کی دولت و ثروت کے افسانے دور دور تک مشہور ہیں۔ منصب رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کیوں کسی کو منتخب نہ کیا۔ پھر وہ فرمائشیں کرتے کہ ہم تب مانیں گے اگر یہ خشک کالے پہاڑ یہاں سے دور ہٹا دیے جائیں، حد نگاہ تک ہموار میدان ہو، اس میں چشمے ابلنے لگیں، نہریں بہنے لگیں وغیرہ وغیرہ۔

بِیْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ⑨

میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔ میں تو پیروی کرتا ہوں صرف اس وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے اور نہیں ہوں میں مگر صاف صاف ڈرانے والا ۱۲

ان سب بیہودہ سوالوں کے جواب میں صرف ایک ہی آیت نازل فرمانے کا حکم دیا کہ اے رؤف و رحیم ہستی! اے شمع محفل امکان! آپ انہیں کہیں کہ کیا میں انوکھا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں آیا؟ اگر میں پہلا رسول ہوتا تو تمہاری ان اکھڑی اکھڑی باتوں میں کچھ وزن ہوتا اور ان کے جواب کی طرف توجہ کی جاتی۔ جب مجھ سے پہلے کثیر تعداد میں پیغمبر آچکے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم بھی مانتے ہو اور ان کا احترام کرتے ہو۔ کیا وہ انسان نہ تھے؟ کیا وہ کھاتے پیتے نہ تھے؟ کیا وہ زر و سیم کے انباروں کے مالک تھے؟ کیا وہ اپنی امت کی ایسی بے ہودہ فرمائشوں کو پورا کیا کرتے تھے؟ جب ایسا نہیں تھا تو تم میرے متعلق یاوہ گوئی کیوں کرتے ہو۔ میرا کام ظاہری چشمے جاری کرنا نہیں۔ میں تو معرفت الٰہی کے چشموں سے تمہارے اجڑے ہوئے چمن حیات کو از سر نو بہار آشنا کرنے آیا ہوں۔ ان بہاڑوں کو تو تم ڈائنامائٹ سے بھی اڑا سکتے ہو۔ میں ایسے حجابات اٹھانے کے لیے آیا ہوں جنہوں نے تمہارے دلوں کی آنکھوں کو اندھا بنا رکھا تھا۔ مجھ سے نہ پوچھو کہ تم کو بتاؤں کہ کل کیا ہوگا۔ مجھ سے اپنے رب کریم کے قرب و رضا کے طریقے سیکھو۔ میں تمہیں ان تنگ و تاریک تصورات سے نکال کر حریم ذات تک لے جاؤں گا۔ مجھ سے اس چور کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہارا گھوڑا اور اونٹ اڑا کر لے گیا ہے۔ مجھ سے اس رہزن اور ڈاکو کا پتہ پوچھو جو دن رات تمہارے ایمان و ایقان کے خزانوں پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ اس کا پورا پتہ اور نشان بتاؤں گا تو تم اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لو گے۔ کیا ہوا اگر میرے پاس خزانے نہیں۔ کیا دنیا کے شہنشاہوں کے خزانوں کے قیمتی موتی، علوم و معارف، اسرار و لطائف کے ان درہائے آبدار کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن سے میرے رب نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ پیغمبر تمہارا نوکر نہیں ہوتا کہ تمہاری فرمائشوں کی تعمیل میں لگا رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور تمہارا آقا ہے۔ وہ تو صرف اور صرف اپنے رب کی فرمانبرداری کرے گا۔ ہاں! تمہاری عزت و شرف اسی میں ہے کہ تم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرو۔

ایک ہی فقرہ سے ان کی تمام ہرزہ سرائیوں کا دندان شکن جواب دے دیا۔

۱۲ آیت کے اس حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے علماء کرام نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ پہلے میں ان کے ارشادات نقل کروں گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو مفہوم میں سمجھا ہوں وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی عاقبت اور انجام کے بارے میں (معاذ اللہ) کچھ خبر نہ تھی اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے احوال آخرت کا کوئی علم تھا۔ اس قول کے مطابق آیت کا معنی ہوگا کہ مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کے روز میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔

کفار، یہود اور منافقین نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے کہ ایسے نبی پر ایمان لانے سے کیا حاصل! جسے اپنے انجام کی بھی خبر نہیں۔ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ قرآن ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ اگر یہ منزل من اللہ ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ انہیں یہ بھی نہ بتاتا کہ روز حشر ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہرزہ سرائی کو ختم کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اس آیت سے وہ پہلی آیت (وَمَآ اَدْرِيْ) منسوخ ہو گئی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے حضور کو تو اپنے بارے میں علم ہو گیا لیکن ہم غلاموں کا کیا حال ہو گا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہیں۔

علماء محققین نے اس قول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ خبر ہے اور نسخ اخبار کا نہیں ہوتا، اوامر و نواہی کا ہوتا ہے نیز یہ آیت مکی ہے اور سورۂ فتح کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ سال بعد نازل ہوئی حالانکہ اگر کسی آیت میں اجمال ہو تو اس کے بیان میں تاخیر نار وا ہے۔ نیز سورت کی ابتداء سے خطاب کفار و مشرکین سے ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیں کہ تم کفار کو بتا دو کہ مجھے اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں۔ کفار بڑی آسانی سے یہ کہہ کر حضور کی دعوت کو مسترد کر سکتے تھے کہ جب آپ کو اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں تو یہ ایک غیر یقینی چیز کی طرف دعوت دینے کے لیے یہاں کیسے آ گئے؟ جائیے تشریف لے جائیے۔ چنانچہ ابن العربی، طبری، قرطبی، زمخشری اور دیگر اکابر نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روز اول سے اپنی نجات کا یقین تھا۔

قرآن کریم کی کثیر التعداد آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو مغفرت کا مژدہ ہے اور منکرین کو دوزخ کی وعید۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزازات کا ذکر قرآن میں بھی بڑی شرح و بسط سے موجود ہے اور احادیث طیبہ میں بھی مقام محمود، مقام شفاعت کبریٰ، کوثر وغیرہ ان امور کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَاٰدَمُ وَمَنْ سِوَاهُ تَحْتَ لِوَائِيْ وَلَا فَخْرَ۔ قیامت کے روز اولاد آدم کا میں سردار ہوں گا۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا۔ آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں فخریہ طور پر نہیں کہہ رہا، حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔

ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں حضور کے مقامات رفیعہ اور درجات سنیہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرابت، شہداء اور غلاموں کے بارے میں نام لے لے کر ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں۔ حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سیدا شباب اھل الجنۃ۔ یہ دونوں شہزادے اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کا تفصیلی ذکر سورۂ حجرات میں آ رہا ہے کے متعلق فرمایا اے ثابت! اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَتُقْتَلَ شَهِيْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم عزت و آرام سے زندگی بسر کرو، تمہیں شہادت کا شرف بخشا جائے اور تم جنت میں داخل ہو۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

ان آیات محکمات اور احادیث صحیحہ کی موجودگی میں یہ کہنا بڑی گستاخی ہے کہ حضور کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ (معاذ اللہ)

دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے حالات سے بے خبری کا اعلان مقصود ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ دنیا میں میرا کیا حال ہو گا۔ میں شہید کیا جاؤں گا یا یہاں سے نکال دیا جاؤں گا۔ اسلام کامیاب ہو گا یا کفر کو غلبہ ہو گا۔ مسلمانوں کا مستقبل تابناک ہو گا یا تاریک وغیرہ وغیرہ لیکن اگر اس آیت کو دوسری قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھا جائے اور منکرین حدیث کی طرح تمام احادیث کو محض گپ شپ نہ قرار دیا جائے تو یہ قول بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین حق کے غلبہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کا ذکر قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ ارشاد ہے وَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت اور کامیابی کا پختہ وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ہمارے ذمہ کرم پر یہ لازم ہے کہ ہم اہل ایمان کی مدد ضرور کریں گے۔

وہ آیات جو عہد نبوت کے بالکل ابتدائی ایام میں نازل ہوئیں ان کے نزول کے وقت بھی اپنے مستقبل کے بارے میں حضور کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ سورۃ والضحیٰ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اے محبوب آپ کا ہر آنے والا لمحہ گزرنے والے لمحہ سے بہتر ہوگا۔ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

غزوۂ خندق پر نگاہ ڈالیے۔ صرف کفار مکہ نہیں بلکہ جزیرۂ عرب کے جملہ مشرک قبائل نے مدینہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ ان کا ایک لشکر جرار مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کے دفاع کے لیے خندق کھودی جا رہی ہے۔ کڑاکے کی سردی ہے۔ کئی کئی وقت کا فاقہ ہے۔ یہودی جو مدینہ طیبہ میں آباد ہیں انہوں نے کفار مکہ کے ساتھ ساز باز کر رکھی ہے کہ باہر سے تم حملہ کر دو ہم اندر سے یلغار کر دیں گے۔ ظاہری حالات اس قدر مخدوش ہیں اور اتنا ناسازگار ہے کہ ایک عام شخص بڑی خوش فہمی کے باوجود مسلمانوں کی کامیابی کی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا محبوب جب ایک چٹان کو توڑنے کے لیے ضرب لگاتا ہے تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی زبان نبوت سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ مجھے ملک ایران کی کنجیاں دے دی گئیں، مجھے قیصر کے شاہی خزانے دیے گئے، مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں اور جن ممالک کی کنجیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی تھیں ان کا مکمل طور پر ظہور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا۔

حضرت حذیفہ بن یمان جن کا لقب راز دار رسول ہے فرماتے ہیں واللّٰه انی لاعلم الناس بكل فتنة هي كائنة فيما بينى وبين الساعة وما بى الا ان يكون رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم اسر الى فى ذالك شيئا الخ (مسلم شریف جلد دوم ص ۳۹۰)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ آج سے لے کر قیامت تک آنے والے جتنے فتنے ہیں ان میں سے ہر فتنہ کے متعلق میں تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان فتنوں کی مجھے خبر دی۔

عن ثوبان رضى اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وانه سيكون فى امتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبى وانا خاتم النبيين لا نبى بعدى (ابو داؤد کتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ان آیات و احادیث کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضور کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ آپ کے دین کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ما ادری سے تفصیلی علم کی نفی ہے کہ میں تفصیلاً نہیں جانتا۔ اگرچہ اجمالاً جانتا ہوں۔ ان تینوں اقوال سے

کوئی بھی ایسا نہیں جو دل کو مطمئن کر سکے لیکن اگر "ما ادری" کی تحقیق کی جائے تو ساری تشویش دور ہو جاتی ہے۔ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق مفردات القرآن میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدرایة، المعرفة المدرکة بضرب من الختل یقال دریتہ ودریت بہ دریة نحو فطنت وشعرت . . . . والدرایة لا تستعمل فی الله تعالیٰ وقول الشاعر لا ھم لا ادری وانت الداری فمن تعجرف اجلاف العرب (مفردات) یعنی درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو ظن و تخمین سے حاصل ہوتی ہے۔ فہم و ذہانت سے کسی چیز کو سمجھنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ درایت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ شاعر کا یہ مصرع جس میں اللہ تعالیٰ کو الداری کہا گیا ہے یہ شاعر کا جاہلانہ اکھڑ پن ہے۔

علامہ زبیدی شارح قاموس اپنی مایہ ناز تصنیف "تاج العروس" میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

دریتہ ودریت بہ . . . . علمتہ ـ قال شیخنا صرح بعضھم باتحاد العلم والدرایة ـ وصرح غیرہ بان الدرایة اخص من العلم ادرکتہ لما فیہ من الحیلة ولذا لا یطلق علی الله تعالیٰ ولما قول الراجز لا ھم لا ادری وانت الداری فمن عجرفة الاعراب (تاج العروس)

ترجمہ: یعنی درایت بذات خود بھی متعدی ہوتا ہے اور "ب" کے ساتھ بھی اس کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ درایت کا معنی ہے میں نے جان لیا۔ میرے شیخ کہتے ہیں کہ علم و درایت ہم معنی ہیں لیکن دوسرے علماء لغت نے تصریح کی ہے کہ درایت علم سے خاص ہے یعنی حیلہ و قیاس سے کسی کو جاننا درایت کہلاتا ہے۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا اور ایک رجز گو نے درایت کی نسبت اس مصرعہ میں ذات باری کی طرف کی ہے یہ اس کا گنوار پن ہے۔

علامہ ابن عابدین نے درایت کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے۔ الدرایة ای ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ یعنی عقل کا بذریعہ قیاس کسی چیز کو جاننا۔ (رد المحتار، جلد اول صفحہ ۴۷)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ درایت کا مفہوم یہ ہے کہ غور و فکر، ظن و تخمین اور قیاس آرائی سے کسی چیز کا علم حاصل کرنا۔ یہ مفہوم ذہن نشین کر کے اب آیت میں غور کریں۔ اول سا شبہ بھی باقی نہ رہے گا۔ نہ تخصیص کی ضرورت پڑے گی۔ نہ نسخ کا قول کرنا پڑے گا کہ آیات قرآنی میں باہمی تضاد یا احادیث صحیحہ سے تعارض کی نوبت بھی نہ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کو بتا دیجئے کہ میں اپنی عقل و فہم، ذہانت و فطانت اور قیاس سے نہ یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ نہ میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا، مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری اس دعوت کا انجام کیا ہوگا یا تمہاری سرکشی کی تمہیں کب اور کیا سزا ملے گی۔ ان امور کو میں اپنی فہم و فراست سے نہ تفصیلاً جان سکتا ہوں اور نہ اجمالاً۔ میرا علم سارا میری عقل و شعور کا اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اگر میں نے غور و فکر سے ان حقائق کو جانا ہوتا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی اور تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس کو جانچو اور اپنی کسوٹی پر پرکھو لیکن میرا علم تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس میں شک و شبہ کا ذرا شائبہ نہیں۔

"ما ادری" سے درایت کی نفی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تو اس کا ثبوت ہے۔ سکھلانے والا اللہ تعالیٰ ہو اور سیکھنے والا مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہو، استاذ عالم الغیب والشہادۃ ہو اور تلمیذ غار حرا کا گوشہ نشین ہو۔ جیجنے والا رب العالمین ہو اور آنے والا رحمۃ للعالمین ہو، وہاں کمی رہ جائے تو کیسے؟ کوئی نقص ہوگا تو کس جانب سے؟

آخر میں مفسرین کرام کی چند آراء بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کا آئینۂ دل ہر قسم کے گرد و غبار سے پاک ہو جائے گا۔

علامہ ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک قول حضرت حسن بصری کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اما فی الآخرۃ فمعاذ اللہ قد علم انہ فی الجنۃ حین اخذ میثاقہ فی الرسل ولکن قال ما ادری ما یفعل بی ولا بکم فی الدنیا اخرج کما اخرجت الانبیاء۔

یعنی یہ کہنا کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہ تھا کہ آخرت میں حضور کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ایسی نازیبا بات سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضور کو اس وقت سے اپنے ناجی ہونے کا علم تھا جب روز اول ارواح انبیاء سے حضور پر ایمان لانے کا وعدہ لیا گیا تھا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں مجھے سابقہ انبیاء کی طرح جلاوطن کر دیا جائے گا یا نہیں۔ ابن جریر حسن بصری کے قول کو صحیح قرار دیتے ہیں: وکذلک کما قال الحسن ثم بین اللہ لنبیہ ما هو فاعل بہ وبمن کذبہ بما جاء بہ من قومہ وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جو معاملہ حضور سے کیا جانے والا تھا اور جو سلوک آپ کی قوم اور دوسرے کفار کے ساتھ ہونے والا تھا اس کو بیان کر دیا۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں: وانہ لم ینف الا الدرایۃ من قبل نفسہ وما نفی الدرایۃ من جہۃ الوحی۔ یعنی خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی معلوم ہوا اس کی نفی نہیں۔

علامہ آلوسی نے تو بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ والذی اختارہ ان المعنی علی نفی الدرایۃ من غیر جہۃ الوحی سواء کانت الدرایۃ تفصیلیۃ او اجمالیۃ وسواء کان ذلک فی الامور الدنیویۃ او الاخرویۃ واعتقد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم ینتقل من الدنیا حتی اوتی من العلم باللہ تعالیٰ وصفاتہ وشئونہ والعلم باشیاء یعد العلم بہا کمالا ما لم یعطہ احد غیرہ من العالمین۔ (روح المعانی)

ترجمہ: میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ نفی اس درایت کی ہے جو وحی کے بغیر ہو، خواہ تفصیلی ہو یا اجمالی، اس کا تعلق دنیوی واقعات سے ہو یا اخروی حالات سے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک حضور کو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے شئون کا علم اور تمام ایسی اشیاء کا علم جو وجہ کمال ہے، عطا نہ کر دیا گیا۔

واللہ اعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب والیہ المآب

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ

فرمائیے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو تو اس کا انجام کیا ہو گا؟ (۱) ۱۳ے حالانکہ گواہی دے چکا

شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ

ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا ۱۴ے

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔ اور کفار اہل ایمان کے بارے میں

اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ

کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف ۱۵ے اور چونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ

۱۳ے اے کفار! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہو اور تم اس کا انکار کر رہے ہو تو تم نے کبھی سوچا اس کا انجام کس قدر ہولناک ہو گا۔ اس لیے ضد اور عناد کو دل سے نکال دو اور اس کتاب الٰہی کو تسلیم کر لو۔

۱۴ے تعجب ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ انہیں تورات عطا کی گئی۔ بنی اسرائیل نے اس کتاب کو بھی مان لیا اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بھی ایمان لے آئے۔ تمہارے پاس قرآن کریم جیسی عظیم اور بے مثل کتاب آئی ہے اور اس کتاب کو لے کر آنے والی وہ ہستی ہے جس کی عظمتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود تم کتاب پر ایمان لاتے ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول پر۔ تم نے غرور و سرکشی کی روش اختیار کر رکھی ہے سن لو! جو قوم ظلم کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق سے اس کو محروم کر دیتا ہے۔

بعض مفسرین نے شَاهِدٌ سے مراد عبد اللہ بن سلام کو لیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ ہجرت کے بعد ایمان لائے اور یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت مسروق کا قول ہے "قال مسروق فالتوراة مثل القرآن وموسیٰ مثل محمد ولعنوا لیا التوراة و بیر سولہم وکفرتم" (ابن جریر)

۱۵ے غرور اور تکبر نے انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ عقل کل ہیں۔ جس بات کو وہ پسند کریں وہی پسندیدہ ہے اور جس کو وہ مسترد کر دیں اسے ردی کی ٹوکری میں پھینکنا چاہیے۔ حق و باطل کے پرکھنے کے لیے وہ اپنے آپ کو معیار قرار دیتے تھے۔ چنانچہ جب دعوت اسلام لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے لگی اور ان میں اکثریت غلاموں، کنیزوں، غریبوں اور فقیروں کی تھی تو انہوں نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر اس دین میں کوئی خوبی ہوتی تو عقلاء ہم اس کو رد کرتے کیا یہ ممکن ہے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ و

اب ضرور کہیں گے کہ (دیکھو) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے ۱۶ حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے ۔ اور

هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى

یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کرے ظالموں کو اور خوشخبری ہے

لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ

نیکوکاروں کے لیے ۱۷ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ

انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۱۸ یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں

کہ ایک اچھی چیز کو قبول کرنے میں یہ لوگ جو علم، تجربہ، دولت، شہرت ہر لحاظ سے ہم سے فروتر ہیں سبقت لے جاتے؟— ہرگز نہیں۔ ہم نے اسلام کو خوب جانچا ہے۔ اس میں ایسی خرابیاں دیکھی ہیں جن کی وجہ سے ہم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اے لوگو! تم خود سوچو کہ ان غلاموں، مفلسوں جو بے علم بھی ہیں، تم سمجھ گئے ہیں اور ناتجربہ کار بھی، ان کا منتخب کیا ہوا راستہ اپنے لیے پسند کرنا چاہتے ہو یا یہ راہ ہم دانشوروں اور جہاندیدہ مشائخ و شیوخ نے اختیار کی ہے اس پر چلنا چاہتے ہو۔

۱۵ یہ لوگ خود بدنصیب تھے۔ بدقسمتی نے ان کو قبولِ حق سے محروم رکھا۔ اب ان کی مرضی ہے کہ ساری دنیا اس فیض سے محروم رہے، اس لیے وہ بڑی شدومد سے اسلام کے بارے میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، ایسا جھوٹ جو عرصہ سے بولا جا رہا ہے۔ غضب در اس کے نزدیک نہ جاتا۔

۱۶ ان کے اس دعوے کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قدیم جھوٹ نہیں بلکہ قدیم سچائی ہے۔ ایسی سچائی جس کو ہر زمانہ کے پاکباز لوگوں نے قبول کیا اور حرزِ جان بنایا۔ قرآن کریم سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی جو بعینہٖ وہی دعوت دیتی رہی جس کی دعوت قرآن دیتا ہے۔ قرآن کریم تورات کی تصدیق کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اور نافرمانی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں ان کو بروقت ہولناک انجام سے آگاہ کرتا ہے اور جن لوگوں نے تقویٰ و پارسائی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے انہیں تو یہ رحمت سناتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

۱۷ اس کا بیان حٰمٓ السجدہ میں گزر چکا ہے۔ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

فِيهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ

میں یہ جزا ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے ۔ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا

إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ

سلوک کرے ۱۵؎ اسے اپنے شکم میں اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے اور اس کے حمل اور اس کے دودھ

۱۵؎ عام طور پر قرآن کریم میں توحید، دلائل توحید اور فرائض بندگی کے ذکر کے بعد حقوق والدین کی طرف بڑے زور دار الفاظ میں توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہاں بھی مشرکین کی غلط فہمیوں کے ازالے کے بعد اور اہل استقامت کی کامرانیوں کے بیان کے بعد قارئین کی توجہ والدین کی خدمت اور دلجوئی کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ وصیت کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی فرض کرنا ہوتا ہے۔ الوصیۃ من اللہ انما ہی فرض (لسان العرب)۔ اگرچہ ماں باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت اور ہر طرح سے دلجوئی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ بایں ہمہ اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہاں ان تکالیف اور مشقتوں کا مفصل تذکرہ ہے جو بچے کے سلسلہ میں صرف ماں برداشت کرتی ہے۔ جس روز رحم مادر میں حمل قرار پکڑتا ہے اس وقت سے ماں کی ساری جسمانی قوتیں جنین کی پرورش اور نگہداشت میں صرف ہونے لگتی ہیں۔ اس کی اپنی صحت کا نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ نیند، بھوک وغیرہ معمولات میں نمایاں فرق رونما ہوتا ہے۔ طبیعت گراں اور افسردہ رہتی ہے اور آئے دن ان مشقتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پیدائش کے لیے تو ماں کو جان کنی کی کیفیت سے دوچار کر دیتے ہیں۔ ان جان لیوا مراحل سے گزرنے کے بعد پھر ایک طویل پرداخت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ دودھ پلانا، صبح و شام اس کی نگہداشت کرتے رہنا، بیماری کی صورت میں رات رات بھر اس کو گود میں اٹھائے رکھنا۔ اس کے آرام کی خاطر اپنا آرام بڑی خوشی اور محبت سے قربان کرنا صرف ماں کا حصہ ہے۔ ان تمام مشقتوں کا ذکر کر کے بتا دیا کہ ماں کی خدمت کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ایک شخص نے رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! میں کس سے نیکی کروں، فرمایا ماں سے۔ اس نے عرض کی اس کے بعد، فرمایا ماں سے۔ عرض کی اس کے بعد فرمایا ماں سے۔ عرض کی اس کے بعد، چوتھی بار فرمایا اپنے باپ سے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ جو مفسر ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے مایہ ناز فلسفی بھی تھے۔ انہوں نے اس آیت کے ضمن میں ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے جنین کو دوران حمل گزرنا پڑتا ہے۔ آپ بھی اس کا خلاصہ سماعت فرمائیے اور دیکھیے کہ وہ خلاق عظیم انسان کی پیچیدہ ترین مشینری کو کس طرح بناتا ہے۔

امام لکھتے ہیں کہ جب منی رحم مادر میں پہنچتی ہے تو وہاں کی حرارت کی وجہ سے اس کی ہیئت میں گوناگوں تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ چھٹے دن وہ جھاگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر اس میں خون کے تین نقطے ظاہر ہوتے ہیں۔ درمیانی نقطہ

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ

چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے ۲۱ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو

بعد میں جاکر دل بنتا ہے۔ اوپر والا دماغ اور درمیان والا جگر، پھر شوخ رنگ کے دھاگے ظاہر ہوتے ہیں جو ان کو آپس میں ملاتے ہیں۔ یہ عمل تین دن میں ہوتا ہے۔ نو دن کے بعد یہ سارا مادہ خون میں بدلنے لگتا ہے اور چھ روز کی مدت میں وہ لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پندرہ روز کے بعد یہ لوتھڑا گوشت کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ بارہ دن کی مدت میں تینوں اعضا متمیز ہونے لگتے ہیں اور مغز کو گودا پھیلنے لگتا ہے۔ ستائیس دن کے بعد پانچواں مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ سر کندھوں سے الگ ہونے لگتا ہے۔ پسلیاں، ہاتھ اور پیٹ اپنی ابتدائی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس تبدیلی میں نو دن لگتے ہیں۔ چھٹا مرحلہ چار دن کا ہوتا ہے اس میں مختلف اعضا اپنی مخصوص شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح چالیس دن کے عرصہ میں حضرت انسان کا ابتدائی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ عرصہ پینتالیس دن کا ہوتا ہے اور اس کی کم از کم مدت تیس دن ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ان طبی تحقیقات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی تصدیق کر دی۔ یجمع خلق احدکم فی بطن امہ اربعین یوما یعنی ماں کے شکم میں تمہاری آفرینش چالیس دن میں پوری ہوتی ہے۔ باقی عرصہ اس ڈھانچہ کو کامل و مکمل کرنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں صرف ہوتا ہے۔

سبحان من یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ یقیناً ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو رحموں میں تصویر بناتی ہے جیسی چاہتی ہے۔

۲۱ اس آیت سے اہل علم نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ کیونکہ یہ تیس مہینے حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت ہے۔ دودھ پلانے کی مدت دوسری آیت میں دو سال متعین ہے۔ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین یعنی مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اس کے بعد چھ ماہ بچتے ہیں اور یہ حمل کی اقل مدت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پیش کی گئی جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا۔ آپ نے اس کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر کوئی رجم نہیں۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا۔ اس کے حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے۔ پھر فصال کی مدت کے متعلق فرمایا وفصالہ فی عامین دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد حمل کے لیے صرف چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (مظہری)

قدیم اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حکیم جالینوس سے منقول ہے کہ میں اس امر کی کھوج میں لگا رہا کہ حمل کی کم سے کم مدت کتنی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک ایسی عورت دیکھی جس نے ۱۸۲ دن (چھ ماہ چار دن) میں بچہ جنا۔ جدید تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے یعنی ۱۹۶ دن رحم میں رہنا پڑتا ہے۔ یہ چھ ماہ اور سولہ دن بنتے ہیں۔ ان دنوں کا یہ شمار اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب عورت حیض سے فارغ ہوتی ہے اور اس طہر کا آغاز ہوتا ہے جس میں حمل قرار پاتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ طہر کے پہلے

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ

ہو گیا ۲۱؎ تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کروں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور

وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ

میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح ارزانی فرما میرے لیے میری اولاد

دنوں میں ہی حمل قرار پاتے بلکہ جدید تحقیقات سے تو یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ حیض سے ۱۴ دن پہلے دو چار روز کے عرصہ میں عمل تلقیح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سولہ دن کا فرق بھی نہیں رہتا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے؟ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔ البتہ بوعلی سینا نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" کے نویں مقالہ میں لکھا ہے کہ مجھے نہایت باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت کے ہاں حمل کے چوتھے سال بچہ پیدا ہوا اس کے منہ میں دانت اُگ آئے تھے۔ پھر وہ زندہ سلامت رہا۔ ارسطاطالیس نے کہا ہے کہ دیگر حیوانات کے لیے تو حمل کی مدت مقرر ہے لیکن انسان کے بارے میں یقینی تحدید مشکل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم نے دودھ پلانے کی تو زیادہ سے زیادہ مدت بیان کی اور حمل کی کم سے کم مدت۔ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ان المقصود من تقدیر اقل الحمل ستة اشهر و تقدیر اکثر الرضاع حولین کاملین السعی فی دفع المضار والفواحش وانواع التهمة عن المرأة فسبحان من له تحت کل کلمة من هذا الكتاب اسرار عجيبة ونفائس لطيفة تعجز العقول عن الاحاطة بكمالها۔ (تفسیر کبیر)

ترجمہ: یعنی اس میں حکمت یہ ہے تاکہ عورت سے ہر قسم کی تہمت کا سدباب کیا جائے اور رسوائی اور فحاشی کا قلع قمع ہو سکے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں ہزاروں حکمتیں اور لطیفے ودیعت فرمائے ہیں جن کے احاطہ سے عقل عاجز ہے۔

۲۱؎ جب انسان کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے تو اس کی جسمانی اور ذہنی قوتیں اپنے شباب پر ہوتی ہیں۔ اس وقت نہ تو شباب کا وہ اندھا جوش باقی رہتا ہے نہ بڑھاپے کی کمزوریاں ابھی نمایاں ہوتی ہیں۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے یہ وقت بڑا معتدل ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان الشیطان یجر یده علی وجه من زاد علی الاربعین ولم یتب ویقول بابی وجه لا یفلح یعنی وہ آدمی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو اور پھر بھی وہ تائب نہ ہو تو شیطان اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے (تیغہ مارتا ہے) اور کہتا ہے کہ یہ ایسا چہرہ ہے جو کبھی سرخرو نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے من اتی علیه الاربعون سنة فلم یغلب خیره شره فلیتجهز الی النار (روح المعانی)

ترجمہ: جس کے چالیس سال گزر جائیں پھر بھی اس کی نیکی اس کی برائی پر غالب نہ ہو تو ایسے شخص کو دوزخ کی تیاری کر لینی چاہیے۔

ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ

میں رائج فرمادے۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں ۲۲ یہی وہ

الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ

(خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے ۔

۲۲ بندہ مومن کے عقائد و نظریات، اس کے افکار اور سوچ کا انداز، اس کی آرزوؤں اور امنگوں اور اس کی منزل مراد کا عکس جمیل اس آیت کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے وہ ان انعامات و احسانات کا اعتراف کرتا ہے جو اس پر کیے گئے ہیں، جن سے نہ صرف اس کو بلکہ اس کے والدین کو بھی نوازا گیا ہے۔ اعتراف نعمت پر بس نہیں کرتا بلکہ ان کا کما حقہ شکر ادا کرنے کی توفیق مانگ رہا ہے اور یہ توفیق وفقنی کے لفظ سے نہیں بلکہ اَوْزِعْنِیْ کے کلمہ سے طلب کی جا رہی ہے کیونکہ اس لفظ سے طلب توفیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی توفیق مانگی جا رہی ہے اس کے دل میں اس کی شدید لگن اور والہانہ شیفتگی بھی پائی جاتی ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: رغبنی ووفقنی من اوزعته بکذا ای جعلته مولعا به راغبا فی تحصیله (روح المعانی)

علامہ ابن منظور فرماتے ہیں اس آیت میں اوزعنی کا معنی یہ ہے کہ میرے دل میں شکر کا جذبہ القا کر اور مجھے اس کا شوق دے۔

ومعنی اوزعنی: الهمنی واولعنی (لسان العرب)

اس لفظ نے اس دعا کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

اس کے بعد عمل صالح کے لیے التجا کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ عمل صالح نہیں جس کو لوگ تو صالح کہیں، لوگ تو تحسین و آفرین کے پھول برسائیں لیکن ریا یا کسی دوسری خرابی کے باعث بارگاہ الٰہی میں اسے مسترد کر دیا جائے۔ اس لیے عرض کی کہ ایسے نیک اعمال کی توفیق مرحمت فرما جو تجھے بھی پسند ہوں۔ پھر عرض کرتا ہے کہ الٰہی ایسا نہ ہو کہ جب تک میری شمع حیات روشن ہے نیکی اور تقویٰ کا اجالا پھیلتا رہے، ادھر یہ شمع گل ہو اور ادھر غفلت کا اندھیرا پھر چھا جائے۔ میرے اللہ! اولاد جو تو نے اپنے اس بندے کو عطا فرمائی ہے میرے سفید بالوں کی لاج رکھنا۔ ان کو شیطان کے نرغہ میں پھنسنے سے بچانا، ان کی جبینیں تیرے حضور میں جھکتی رہیں، ان کے دلوں پر تیرے انوار رحمت کی برکھا ہوتی رہے۔ ان کے سینوں کو اپنے محبوب کریم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی اور زندہ عشق کی دولت سے مالا مال فرما۔ جب تک زندہ رہیں تیرے بندے بن کر، تیرے پیارے رسول کے غلام بن کر اور تیرے دین حنیف کے سچے مخلص اور بلند اقبال خادم بن کر زندہ رہیں۔

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ میں "لِیْ" اور "فِیْ" کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔

دعا کے آخری جملے کیا ہیں، اظہار بندگی کی انتہا، تسلیم و رضا کا مظہر اتم، بندہ عرض کرتا ہے میرے رب! سب سے منہ

فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَنَّةِۖ وَعۡدَ ٱلصِّدۡقِ ٱلَّذِي كَانُواْ يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾ وَٱلَّذِي

یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے۔ ۲۳ اور جس نے

قَالَ لِوَٰلِدَيۡهِ أُفّٖ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنۡ أُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ ٱلۡقُرُونُ

کہا اپنے والدین کو ۲۴ اف ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گزر چکی ہیں کئی صدیاں

مِن قَبۡلِي وَهُمَا يَسۡتَغِيثَانِ ٱللَّهَ وَيۡلَكَ ءَامِنۡ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ

مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک نہ لوٹا) اور اس کے والدین بارگاہ الٰہی میں فریاد کر رہے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا ستیاناس ہو! ایمان لے آ۔

حَقّٞ فَيَقُولُ مَا هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ (جواباً) کہتا ہے نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں ۲۵ یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر

حَقَّ عَلَيۡهِمُ ٱلۡقَوۡلُ فِيٓ أُمَمٖ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِهِم مِّنَ

ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں

مولا کریم میں تیری طرف، صرف تیری طرف رجوع کرتا ہوں، میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جنہوں نے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے قولاً، عملاً، حالاً اسلمت لرب العالمین کا نعرہ مستانہ لگایا اور اپنی گردنیں جھکا دیں۔

مومن کو چاہیے کہ اس دعا کو یاد کرے اور ورد رکھے اور ہر وقت ان پاکیزہ کلمات سے صدا دیتا رہے۔

۲۳ پہلے شان بندگی کا اظہار تھا، یہاں شان بندہ نوازی پورے آب و تاب سے جلوہ نما ہے۔ انسان کو یہ مقام نصیب ہو جائے تو اسے اور کیا چاہیے۔

۲۴ سابقہ آیات میں بندۂ مومن کا کردار بیان کیا گیا کہ وہ اپنے رب کا اطاعت گزار اور اپنے والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے جو گراں قدر فضائل سے سرفراز کیا جاتا ہے ان کی تشکیل اس کے نمک سے ہے اب ایسے شخص کا کردار بیان کیا جا رہا ہے جسے آخرت پر ایمان نہیں۔ وہ اپنے خالق سے روگرداں ہے اپنے ماں باپ کا گستاخ ہے انہیں بات بات پر جھڑکتا ہے اگر وہ اس کی اصلاح کے لیے کوشش کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتا ہے ان کو احمق اور بیوقوف سمجھتا ہے کہنا ہے بڑے آئے لوگوں کے گمراہ تھے ان دونوں کرداروں کا بنظر غائر مطالعہ کیجیے آپ کو از خود پتہ چل جائے گا کہ آخرت پر ایمان لانے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے میں کتنا اور کیا فرق ہوتا ہے۔

۲۵ ماں باپ کی شفقت ملاحظہ ہو بارگاہ الٰہی میں بھی اس کے ہدایت یافتہ ہونے کی عاجزانہ دعائیں کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

اور انسانوں میں سے ۲۵ بے شک وہ سب زیاں کار تھے۔ اور ہر ایک کے لیے درجے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق ۲۶

وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس روز لا کھڑا کر دیا جائے گا

كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

کفار کو آگ کے سامنے (انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے

بِهَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی

ان سے ۲۸ آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم

اسے بھی سمجھا دیتے ہیں۔

۲۶ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر کے بیٹے عبدالرحمٰن یا عبداللہ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرتے تھے۔ اس آیت سے اس رائے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے بارے میں عذاب کا فیصلہ قطعی ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ان کا شمار اکابر اسلام میں ہوتا ہے۔

۲۷ اہل زیغ و ضلال کو بھی دوزخ میں ان کے اعمال کے مطابق جگہ ملے گی۔

۲۸ کفار کو روز حشر جہنم کے کنارے لا کھڑا کیا جائے گا۔ انہیں اپنی دنیوی شان و شوکت یاد آئے گی۔ دنیا میں جو اچھے کام انہوں نے کیے تھے وہ انہیں یاد کریں گے۔ انہیں بتایا جائے گا کہ جو تم نے اچھے کام کیے تھے ان کا معاوضہ تمہیں دنیا ہی میں دے دیا گیا تھا تمہیں دولت دی عزت دی شہرت دی اور تمہارا سارا حساب چکا دیا گیا۔ آج تو تمہیں اس کفر و شرک کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے رہے اور اپنے بڑا سمجھنے کے باعث دعوت حق کو نہیں مانتے۔

حضور فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمداً زندگی کی آسائشوں، لذیذ کھانوں اور شاندار مکانات سے اجتناب فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ایک چٹائی پر آرام فرما ہے جو ریت پر بچھی ہوئی ہے اور ریت ایک پہلو کو لگی ہوئی ہے۔ چمڑے کا ایک گدا ہے جس میں کھجور کے پتے بھرے ہیں۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو یوں آرام و عیش کی زندگی بسر کریں اور اللہ تعالیٰ کا حبیب یوں ریت پر لیٹے۔ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو وسیع رزق عطا فرمائے۔ سرور کائنات نے فرمایا اما ترضیٰ ان تکون لہم الدنیا ولنا الآخرۃ۔

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝٢٠ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ

زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے۔ اور ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی

اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ

(ہود) کا۔ جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ۲۹ اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور

اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔

اس حسن تربیت اور نگاہ شفقت کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم ہمیشہ لذت و عشرت سے کنارہ کش رہے۔ اپنے عہد خلافت میں بھی سادگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ فتح بیت المقدس کے سلسلہ میں آپ شام تشریف لے گئے۔ آپ کے اعزاز میں بڑی پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ دسترخوان پر چنے ہوئے رنگ برنگ کھانوں کو دیکھ کر فرمایا یہ تو ہمارے لیے ہے ان فقیر مسلمانوں کو کیا ملا جنہوں نے عمر بھر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔ حضرت خالد نے عرض کی "لهم الجنة" انہیں تو جنت مل گئی۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا کہ اگر ہمارے لیے دنیا کا یہ لیندھن ہے اور انہیں جنت مل گئی ہے تو وہ ہم سے بہت آگے نکل گئے۔

۲۹۔ قریش مکہ کو ایک ایسی قوم کی تباہی کا حال سنایا جا رہا ہے جو ان سے جسمانی قوت، مال و دولت کے اعتبار سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے باعث سارے عرب میں معروف تھے لیکن جب انہوں نے راہ حق سے انحراف کر لیا اور اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو ان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔

الاحقاف: مشہور جغرافیہ دان یاقوت حموی اس عنوان کے ضمن میں لکھتے ہیں:

الاحقاف جمع حقف من الرمل والعرب تسمى الرمل المعوج حقافًا واحقافا والاحقاف المذكور فى الكتاب العزيز الاحقاف رمل فيما بين عمان الى حضرموت۔ (معجم البلدان جلد دوم)

ترجمہ: احقاف، حقف کی جمع ہے اور عرب ریت کے ان کہاتے ہوئے ٹیلے کو حقاف یا احقاف کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں احقاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے۔ اسے الربع الخالی بھی کہتے ہیں۔ بعض مقامات پر ریت اتنی باریک ہے کہ جو چیز وہاں پہنچے اندر دھنستی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے مہم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور، زبردست اور متمول قوم آباد تھی جس کی دولت و ثروت کے افسانے دور دور تک زبان زد خاص و عام تھے۔ جب انہوں نے اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو عذاب الٰہی نے ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہنے دیا۔ آج اس علاقہ کی ویرانی اور بربادی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ علاقہ قوم عاد کا مسکن تھا، یہاں

صحرائے الاحقاف ۔ متعلقہ آیت ۲۱ سورہ الاحقاف

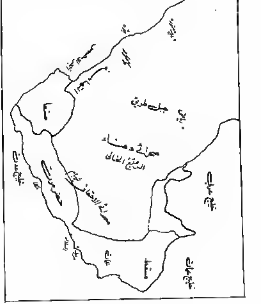

مِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ

ان کے بعد بھی ۲۹ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ

عَظِیْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

آجائے۔ وہ (برگشتہ ہو کر) بولنے لگے کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو ۳۱ لے آؤ وہ عذاب جس

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّآ

کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے ۳۲ اور میں پہنچا رہا ہوں

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا

تمہیں وہ پیغام جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو

مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا

بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آرہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے ۳۳ (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ

کبھی گنجان شہر اور بارونق بستیاں آباد تھیں، یہاں کبھی پھول کھلتے اور بلبلیں چہچہاتی تھیں، یہاں کبھی میٹھے پانی کے چشمے ابلتے اور نہریں بہتی تھیں۔ لے کر کے سرگشتو! غور کرو کیا تم ایسے عبرت ناک انجام کے لیے تیار ہو؟

۳۰ یہ جملہ معترضہ ہے۔ بتلایا حضرت ہود ان میں آنے والے پہلے نبی نہ تھے بلکہ ان سے پیشتر کئی نبی تشریف لا چکے تھے اور بعثت انبیاء کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا۔

۳۱ انہوں نے ہود علیہ السلام کی دعوت کو سنا تو غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔ کہنے لگے اچھا تم اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اپنے خداؤں سے برگشتہ کر دو، ہمیں اپنے آباء و اجداد کے مذہب سے بہکا دو۔ جاؤ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ جس عذاب سے تم ہمیں ہر وقت ڈراتے رہتے ہو اسے لے آؤ۔

۳۲ آپ نے فرمایا عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ جب موعودہ گھڑی آئے گی تو عذاب خود بخود آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس نے تمہاری تباہی کے لیے کون سی تاریخ مقرر فرمائی ہے۔ میرا کام تمہیں ہر وقت خبردار کرنا ہے اور تم ہو کہ جاہل اور اجڈ لوگوں کی سی باتیں بنا رہے ہو۔

۳۳ جب مقررہ وقت آپہنچا تو افق پر انہیں کالی گھٹا نظر آئی جو ان کی وادی کی طرف مستانہ وار بڑھتی چلی آرہی تھی اسے دیکھ

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۴ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ

عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے، ریح ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۳۳ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے

رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

رب کے حکم سے پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے ویران مکانوں کے اسی طرح ہم سزا دیتے

الْمُجْرِمِيْنَ ۝۲۵ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا

ہیں مجرموں کو۔ اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے

لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ

انہیں کان، آنکھیں اور دل ۳۴ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ

اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ

ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں

کر رہا تھا خوش ہو گئے، لو بادل آیا، ابھی برسے گا، کرہ و دمن سیراب ہو جائیں گے، ندیاں، نالے اور وادیاں پانی سے لبریز ہو جائیں گی۔

۳۳ ۔ نادانو! یہ بارش نہیں، الناک عذاب ہے جو تند و تیز آندھی کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔ چنانچہ سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جھکڑ چلتا رہا۔ وہ لاکھوں ٹن ریت کے نیچے دفن ہو گئے۔ ان کے باغات کا نام و نشان اڑا دیا۔ مستحکم محلات کی بنیادیں لرز گئیں۔

۳۴ ۔ قوت و مال میں وہ تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل دیئے گئے تھے لیکن انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور آیات الٰہی کا پیہم انکار کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ساری صلاحیتیں بانجھ ہو کر رہ گئیں اور ان کا انجام تباہ و دردناک ہوا۔

ان آیات کو پڑھ کر یوں ہی آگے نہ بڑھ جائیے بلکہ لمحہ دو لمحہ کے لیے توقف فرمائیے۔ ان آیات میں آپ کے لیے جو درس عبرت ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

قرآن حکیم نے ان واقعات کو کہانی اور داستان کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اپنے قارئین کے شعور کو جھنجھوڑنے کے لیے، ان کو اپنا محاسبہ کرنے پر مائل کرنے کے لیے ان کے احوال کے آئینہ میں انہیں ان کا چہرہ دکھانے کے لیے ان واقعات کو پیش کیا ہے۔ غور کیجیے اور بتائیے کیا ہم اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور فہم و فراست کی قوتوں کو صحیح استعمال کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے قدرت کے قوانین اٹل ہیں۔ یہ

ٱللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا

کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیے وہ گاؤں

حَوْلَكُم مِّنَ ٱلْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا ٱلْـَٔايَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا

جو تمہارے ارد گرد آباد تھے ۳۴ اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔ پس کیوں

نَصَرَهُمُ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ قُرْبَانًا ءَالِهَةًۢ ۖ بَلْ ضَلُّوا۟

مدد نہ کی ان کی ۳۵ ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے قرب کے لیے اپنے خدا بنا رکھا تھا ۳۶ بلکہ وہ تو ان سے

عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿٢٨﴾ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ

نو دو گیارہ ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے۔ اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی

ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ کسی کی خاطر ان میں رد و بدل نہیں کیا جاتا۔

۳۴ اے اہل مکہ! تمہارے قریب و جوار میں بھی حجر ثمود، قوم لوط کے کئی اجڑے ہوئے شہروں اور ویران بستیوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ تمہارے تجارتی قافلے ان کے پاس سے گزرتے ہیں۔ ان کے در اور دیوار سے تو پوچھو کہ ان پر کیا بیتی۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے ہر حال بستے والوں کو سمجھایا طرح طرح کے معجزات دکھلائے لیکن بدبختی نے ان پر ایسا تسلط جما رکھا تھا کہ انہوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطل کی بندگی کا دم بھرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گئے۔

۳۵ انہیں اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی قوت پر بڑا ناز تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ یوں غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس آڑے وقت میں انہوں نے اپنے پجاریوں کی خبر تک نہ لی۔ ان بتوں کی خدائی کا دعویٰ ان بے جان معبودوں کی مدد پر بھروسہ اور ان کی شفاعت پر یقین یہ سراسر فریب ہے۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ اس آیت سے یہی کفار کے عقیدہ کی حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اپنے بتوں کو الٰہۃ یعنی خدا اور معبود یقین کرتے تھے۔ جو بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا اور معبود خیال کرتا ہے اس کا یہی حال اور انجام ہو گا۔

۳۶ علامہ قرطبی الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا الٰہۃ کی ترکیب کرتے ہوئے لکھتے ہیں اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جس کا مرجع الذین ہے اور الٰہۃ مفعول ثانی ہے اور قربانا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قربانا کو مفعول ثانی اور الٰہۃ کو اس کا بدل بنانا درست نہیں۔

نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ

طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنتے تھے تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے (جاکر) کہا اے ہماری قوم!

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ

رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کرلو اللہ کی طرف

۳۱؎ جنات بھی حضور کی اُمتِ دعوت میں شامل ہیں۔ اس آیت میں بارگاہِ رسالت میں جنات کی پہلی حاضری کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ واقعہ وادی نخلہ میں پیش آیا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء کی نماز یا صبح کی نماز میں تلاوت فرمارہے تھے۔ جنوں کے ایک گروہ کا گزر اس وادی سے ہوا۔ یہ دلآویز کلام سن کر وہ رک گئے اور ایک دوسرے کو تاکید کی کہ خاموشی سے سنیں۔ جب انہوں نے قرآن کریم کی آیات کو سنا تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ خود اسلام قبول کیا اور اسلام کے داعی اور مبلغ بن کر اپنی قوم کے پاس پہنچے۔ انہیں بتایا کہ کس طرح انہیں کلام الٰہی سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ وہ ایسا کلام ہے جو گزشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، راہ حق کو واضح کرتا ہے۔ ان جنوں نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ ایک [illegible] اس پر ایمان لائیں۔ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ انہیں عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔

اس کے علاوہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد جنات کی حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ حضور کی زبان اقدس سے کلام الٰہی سنتے، شریعت کے مسائل دریافت کرتے اور اپنی قوم میں جاکر ان کی تبلیغ کرتے۔ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے چھ بار جنات حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اس طرح وہ احادیث جن میں اس واقعہ کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے ان میں بھی تطبیق ہو جائے گی۔

جنات کی تبلیغ کا ایک عجیب واقعہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم میں سواد بن قارب ہے؟ خاموشی طاری رہی۔ آئندہ سال پھر آپ نے یہی سوال دہرایا۔ میں نے عرض کی یہ سواد کون صاحب ہیں؟ فرمایا ان

نقشہ متعلقہ سورہ الاحقاف
آیت نمبر ۲۹

اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچا لے گا تمہیں دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ

سے ۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ) کر

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ

بھاگ نکلے، اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (سرکش لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں ۔ کیا انہوں نے

کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ اسی اثنا میں حضرت سواد بھی آپہنچے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے سواد! اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرو۔ سواد بولے اے امیر المومنین! میں ہند میں تھا اور ایک جن میرا تابع تھا۔ ایک شب میں سویا ہوا تھا اور اس نے آکر مجھے خواب میں کہا اٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ لؤی بن غالب سے ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔ دوڑو اور اس پر ایمان لاؤ۔ تین رات یونہی ہوتا رہا۔ اس کے بار بار کہنے سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں اونٹنی پر سوار ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ حضورؐ کے آس پاس حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ جب حضورؐ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا مرحبا بک یا سواد بن قارب! قد علمنا ما جاء بک۔ اے سواد! خوش آمدید جو تجھے لے آیا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے چند شعر موزوں کیے ہیں، اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضورؐ نے اجازت دی۔ انہوں نے قصیدہ پیش کیا۔ ابتدا میں اپنے خواب کا واقعہ بیان کیا۔ پھر بڑے محبت بھرے انداز میں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ چند شعر آپ بھی سنئیے:

۱ فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ — وَاَنَّكَ مَاْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبِ
۲ وَاَنَّكَ اَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً — اِلَى اللّٰهِ يَا ابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ الْاَطَائِبِ
۳ فَمُرْنَا بِمَا يَاْتِيْكَ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ — وَاِنْ كَانَ فِيْمَا جَاءَ شَيْبُ الذَّوَائِبِ
۴ وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ — سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

ترجمہ ۱ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی رب نہیں ہے اور آپ کو ہر قسم کے غیبوں کا امین بنایا گیا ہے۔
۲ اے بزرگوں اور پاکباز لوگوں کے فرزند تمام رسولوں سے آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت قریب ہے۔
۳ جو حکم آپ کے پاس آتا ہے آپ ہمیں اس کا حکم دیجیے ہم حضور کے ارشاد کی تعمیل کریں گے خواہ تعمیل حکم میں ہمارے بال ہی سفید ہو جائیں۔
۴ یا رسول اللہ! اس روز سواد بن قارب کی شفاعت فرمائیے جبکہ حضور کے بغیر کسی کی شفاعت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ

نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں

بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾

وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے ۳۱ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ

اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔

قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہیں گے ہاں اپنے رب کی قسم یہ حق ہے ۳۲ اللہ فرمائے گا اچھا اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

عشق و محبت، ایمان و یقین سے لبریز یہ اشعار کہہ کر حضور کی خدمت میں پیش کیے جب وہ ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ اور پڑھا (یا الملائکہ)
یا سواد، اے سواد! تم دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا
امیر المومنین نے پوچھا کیا وہ جن اب بھی تمہارے پاس آتا ہے؟ عرض کی جب سے میں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا پھر نہیں آیا ہے۔
خوش ہوں کہ اس جن کے عوض مجھے قرآن کریم جیسا صحیفہ ہدایت مل گیا۔
اس آیت میں جن لفظ موسیٰ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔
۳۱ روئے سخن کفار مکہ کی طرف ہے جو قیامت کے منکر تھے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کارخانۂ حیات کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تھک نہیں
گیا کہ اب وہ تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ نہ کر سکے۔ اس کی قدرت اور اس کی طاقت کے سامنے نہ اس کارخانۂ حیات کو پہلی مرتبہ پیدا فرمانا کوئی کٹھن
کام تھا اور نہ اس کو درہم برہم کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کچھ دشوار ہے۔ تم مر کر خاک میں مل جاؤ تمہارے ذرات آفاق عالم میں بکھر جائیں
جب وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا چاہے گا تو صرف کن کہے گا اور تم زندہ ہو جاؤ گے۔ اس کے برعکس تورات میں متعدد جگہ مرقوم ہے کہ چھ دن میں اللہ تعالیٰ
نے زمین و آسمان وغیرہ کو پیدا کیا اور ساتویں دن اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو تازہ دم کرنے کے لیے آرام کیا۔ ملاحظہ ہو آپ
بھی ملاحظہ فرمائیے۔ چنانچہ تورات کی کتاب خروج باب ۳۱ کی آیت ۱۷ یہ ہے:
"اس لیے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا"
ذات باری کے متعلق قرآن کریم نے جو تصور پیش کیا ہے اس کی روشنی میں تورات کی اس آیت کا مطالعہ فرمائیے۔
۳۲ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ضلالت و گمراہی سے اب باز آ جاؤ اور دین اسلام کو قبول کر لو۔ قیامت کے دن جب انہیں

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ

پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجیے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا تھا ۳۲ اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے) میں جلدی نہ کیجیے۔

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ

جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر دن کی فقط ایک گھڑی۔

ع ۴

بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

یہ پیغام حق ہے۔ پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا ۳۳

دوزخ کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا یہ دوزخ ہے جس کا تم برملا انکار کیا کرتے تھے، بتاؤ یہ ایک حقیقت ہے یا نہیں۔ اس وقت انہیں تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا لیکن اب بخشش کہاں۔ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۳۲ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محبوب! کفار کی شرانگیزیوں، تکذیب، دل آزاریوں اور اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ آپ سے پہلے بھی جو انبیاء و رسل ہم نے مبعوث فرمائے تھے ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں کا سلوک بڑا ظالمانہ اور گستاخانہ تھا۔ انہوں نے ہمیشہ عزیمت و حوصلہ سے کام لیا۔ ان کی مخالفتوں کی پروا نہ کی اور اپنا فریضۂ دعوت انجام دیتے رہے۔ آپ بھی انہی کی سنت پر عمل کرتے رہیں۔ بڑی اولو العزمی اور پامردی سے اسلام کی دعوت دیتے رہیں۔ فریضۂ تبلیغ پوری قوت سے انجام دیں۔ اگر یہ کفر و عصیان سے باز نہیں آتے تو خود ہی پچھتائیں گے۔ آیت میں بلاغ کا لفظ مرفوع ہے اور اس کا مبتدا، ھذا محذوف ہے۔

۳۳ وہی لوگ ہلاک ہوتے ہیں جو نافرمانی کی راہ پر گامزن رہتے ہیں اور فسق و فجور میں اپنی قیمتی زندگی اور گراں بہا صلاحیتیں برباد کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اطاعت و انابت کو اپنا شعار بناتے ہیں اللہ تعالیٰ خود ان کا محافظ و نگران ہوتا ہے۔ دشمن کی شرانگیزیوں سے خود ان کو بچاتا ہے۔ نفس و شیطان کے مکر و فریب سے خود ان کی نگہداشت کرتا ہے۔

اللھم لک الحمد ولک الشکر

وعلی حبیبک المصطفیٰ وصفیک المجتبیٰ التحیۃ والثناء

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نام: اس سورۂ مبارکہ کے دو مشہور نام ہیں۔ سورۃ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور سورۃ القتال۔ اس سورت میں چار رکوع، اڑتیس آیتیں، پانچ سو اٹھاون کلمات اور دو ہزار چار سو پچھتر حروف ہیں۔ دوسری آیت میں یہ نام نامی مذکور ہے۔ یہی اس سورت کا نام بھی مقرر کیا گیا۔ کیونکہ انسانیت کو جن دو حصوں مومن اور کافر میں تقسیم کیا جا رہا ہے اس کا دار و مدار اس کتاب پر ایمان لانے اور ایمان نہ لانے پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ نیز اس سورت کی آیت نمبر ۲۰ میں قتال کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس کو اس سورت کا عنوان بنایا گیا۔ اس سورت میں اسلام اور کفر کے مابین جنگ کا ذکر ہے اور اس کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

زمانۂ نزول: جب مکہ کی سرزمین کفار کے ظلم و ستم کے باعث اہل اسلام کے لیے تنگ ہو گئی تو وہ اپنی دولت ایمان کو ان کی دست برد سے بچانے کے لیے اپنے گھر بار، زمینیں اور کاروبار سب چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ آ پہنچے۔ سب کچھ ان سے چھن گیا تھا لیکن وہ خوش تھے کہ دامن مصطفیٰ ان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹا۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ یہاں پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے رب کے ذکر اور اس کی عبادت میں اپنے شب و روز بسر کریں گے۔ دعوت دین کا جو کام مکہ میں پوری طرح نہیں ہو سکا یثرب کے پر امن ماحول میں بآسانی تکمیل پذیر ہو گا۔ لیکن اہل مکہ نے انہیں یہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ ان کی مختلف ٹولیاں آتیں، مدینہ کے گرد و نواح میں لوٹ مار مچاتیں، اونٹ، بھیڑ بکریاں ہانک کر لے جاتیں۔ اگر کوئی مسلمان ہتھے چڑھ جاتا تو اس کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کرتیں۔

غریب الوطن مسلمانوں کے لیے انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یا تو مسلمان بے بسی کا مظاہرہ کریں، یہاں تک کہ کفر سے اٹھنے والی آندھیاں شمع اسلام کو گل کر دیں اور ان کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور اگر وہ اس دین کو جو فرزند و زن، جان و تن سے بھی زیادہ عزیز ہے اس کے چراغ کو بجھتا نہیں دیکھ سکتے اور اپنی اہمیت کا بھی احساس ہے کہ یہ عالم کو نور ہدایت سے منور کرنے کے لیے ان کا زندہ رہنا بلکہ شان و شوکت اور قوت و سطوت کے ساتھ زندہ رہنا ضروری ہے تو پھر انہیں معرکۂ میدان جنگ میں آنا ہو گا۔ انہوں نے تیرہ سال صبر کیا، بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ مظالم برداشت کیے۔ اس بارے میں اب مزید صبر خودکشی کے مترادف ہے۔ لیکن وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول کے حکم کے پابند تھے از خود تو کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آیت ۳۹ میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰ سے جہاد کا حکم دیا۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک

اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حالات بے شک اس امر کا تقاضا کر رہے تھے کہ کفار کے ساتھ پنجہ آزمائی کی جائے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ وہ کفار کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔

افرادی طاقت بہت قلیل تھی پہلے معرکے میں صرف تین سو تیرہ مجاہد شریک ہو سکے تھے۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی جس کے وسائل بڑے محدود تھے کیا جنگ کی ضروریات، اسلحہ، خوراک، سواری کے جانور مہیا کر سکتی تھی؟ مکہ مدینہ کے مقابلے میں کئی گنا بڑا شہر تھا وہاں کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ مال و دولت کی وہاں کمی تھی نہ وسائل کی قلت۔ افرادی تعداد بھی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن ان ناسازگار حالات کے باوجود مسلمانوں کے لیے فیصلہ کن گھڑی آپہنچی تھی۔ یہ حالات تھے جب یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔

مضامین: اس سورت کے نزول سے تذبذب کی کیفیت ختم ہوگئی کفار کی تعداد کی کثرت، وسائل کی فراوانی کے باعث مسلمانوں کو جو خدشہ تھا وہ دور ہو گیا۔ ابتدائی آیتوں ہی میں واضح طور پر بتا دیا کہ کفار جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو حق کو پھیلنے سے بھی روک رہے ہیں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ان کی جدوجہد کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی ساری محنت اور کوشش خاک میں مل جائے گی۔ اہل ایمان کی کمزوریوں کو دور کر دیا جائے گا اور کامیابی کا تاج ان کے سر پر سجایا جائے گا۔

یہ فرمانے کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ میدان جنگ میں وہ کفار کے پرخچے اڑا دیں۔ اسیران جنگ کے ساتھ جو برتاؤ کیا جانا ہے اس کے اصول بتا دیے۔ ساتھ ہی واضح کر دیا کہ میدان جہاد میں جو مسلمان قتل ہوگا اسے شہادت کی خلعت فاخرہ سے نوازا جائے گا۔ اسلام کے جس گلشن کی آبیاری وہ اپنے خون سے کریں گے وہ سدا شاداب و سرسبز رہے گا اور ان کی قربانیوں کے طفیل آنے والی نسلیں بھی نور حق سے اپنے دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔

اہل ایمان کو صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اگر تم نے سچے دل سے اپنی پوری قوت اور توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دین اسلام کی مدد کی تو کفر کے تند و تیز ریلے کے سامنے اللہ تعالیٰ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی نصرت تمہاری پشت پناہی کرے گی آسمان کے فرشتے تمہارے دوش بدوش کفار سے نبرد آزما ہوں گے اور اس کی تائید تمہیں نازک حالات میں بھی ثابت قدم رکھے گی کفار کی ظاہری دھج دیکھ کر مت گھبراؤ۔ کفر کا انجام تباہی اور نامرادی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اگرچہ کمزور ہو تو کیا ہوا تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی قوت و طاقت کا مالک ہے۔ کفار کو تائید الٰہی نصیب نہیں اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کامیاب وہی ہوتا ہے جس کی مدد خدا کرتا ہے۔

اس ضمن میں منافقین کے ایمان کا حال بھی آشکارا کر دیا جو جہاد کے حکم کے نزول سے پہلے بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے اپنی بہادری اور جاں نثاری کے لیے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ کہتے ہم بڑی بے تابی سے اس گھڑی کا انتظار کر رہے ہیں جب ہمیں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا اذن ملے گا۔ اس کے بعد دنیا دیکھے گی کہ ہم کس طرح شمع اسلام پر پروانوں کی طرح جان قربان کرتے ہیں۔ اب جب کہ جہاد کے نقارے پر چوٹ لگ گئی ہے تو ان کی حالت قابل دید ہے۔ یوں پتہ چلتا ہے جیسے موت کی غشی طاری ہو گئی ہو۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں، چہرے کی رنگت زرد ہو گئی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کی آزمائش کی گھڑی میں یہ حالت ہوا کرتی ہے؟

اسلام کے جانباز اور غیور سپاہیوں کو آیت ۳۵ میں ایک خصوصی حکم دیا کہ جنگ میں حالات کتنے ہی زور آزما کیوں نہ ہوں کمزوری مت دکھاؤ، صلح کی درخواست مت کرو۔ اگر تم نے کمزوری کا مظاہرہ کیا یا صلح کے لیے اپنی بے تابی کا اظہار کیا تو دشمن جری ہو جائے گا۔ تمہاری اس پیشکش کو کمزوری اور بزدلی پر محمول کرے گا۔ تم خوب جانتے ہو کہ اس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ تم ہی اعلیٰ، تم ہی سربلند ہو گے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہاری محنت اور کوشش کو وہ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

آخر میں مالی جہاد کی طرف متوجہ کیا۔ اگر اسلام کو تمہارے مال کی ضرورت پڑے تو فراخ دلی سے اس کو پیش کرو۔ اگر تم نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا البتہ تمہارا ستیاناس ہو جائے گا اور تمہاری جگہ یہ عزت کسی اور کو بخش دی جائے گی۔ پھر تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم تو لہراتا ہی رہے گا۔ اگر کوئی قوم اس کا اٹھانا بوجھ سمجھے گی تو دوسری قوم شوق سے یہ خدمت بجا لانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے گی۔

اہلسنت کے علماء و مشائخ اس پرجلال آیت کو بار بار پڑھیں۔ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَثَلٰثُونَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ محمد مدنی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۳۸ آیات رکوع ۴

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾

جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) روکتے رہے اللہ کی راہ سے، اللہ نے ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔ ۱؎

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا (رسول مکرم) محمد پر اور وہی

۱؎ جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور باطل سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے ہیں وہ دو گونہ تباہیوں کا باعث بنتے ہیں۔ پہلی خرابی تو یہ کہ ان کی اپنی زندگی نور ہدایت سے محروم رہتی ہے۔ وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ ان کی ساری عمر ٹھوکریں کھاتے گزر جاتی ہے۔ جو بیش بہا صلاحیتیں قدرت نے انہیں ودیعت کی ہیں وہ پرورش نہیں پاتیں۔ ان کا وجود گم گشتہ ہو جاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ ان کا وجود دوسرے لوگوں کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔ سادہ لوح عوام جو خود غور و فکر کرنے کے عادی نہیں ہوتے وہ انہیں دیکھ کر ان کی گمراہی کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ نیز حق سے انہیں جو عناد اور بغض ہوتا ہے وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ حق اور اہل حق کی ترقی میں روڑے اٹکاتے رہیں اور لوگوں کو لطائف الحیل سے حق سے متنفر کرتے رہیں۔ خود بھی اندھے بنے رہے اور لوگوں کی آنکھوں میں بھی دھول ڈالتے رہے۔ خود بھی حق کو قبول کرنے سے گریزاں رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی حق سے دور کرنے کے لیے جتن کرتے رہے۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال ضائع اور رائیگاں چلے گئے ہیں۔ انہیں کامیابی اور کامرانی نصیب نہیں ہوتی۔ بظاہر جو نیک کام وہ کرتے ہیں آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ انہوں نے رضائے الٰہی کے لیے کوئی قدم اٹھایا اور نہ انہیں رضائے الٰہی کی سعادت سے نوازا گیا۔ دنیا میں شہرت، نیک نامی، کاروباری ترقی وغیرہ جو چیزیں انہیں مطلوب تھیں وہ ان کو دے دی گئیں۔

وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے جو جتن انہوں نے کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں انہوں نے کیں، شمع اسلام کو گل کرنے کے لیے جو منصوبے انہوں نے بنائے وہ سب ناکام ہو کر رہ گئے۔ ان کی ساری کوششوں کے باوجود اسلام کا آفتاب اقبال بلند ہوتا گیا۔ قدم قدم پر انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی ہر تدبیر الٹی ہو گئی۔ المعنى أبطل ما عملوا من الكيد لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والصد عن سبيله بنصره عليهم وإظهار دينه على الدين كله ... لما بعده۔ (روح المعانی)

الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿٢﴾ ذَٰلِكَ

حق ہے ان کے رب کی طرف سے ۱؎ اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو ۳؎ یہ (جزا) اس

بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا

لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو

الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿٣﴾ فَإِذَا لَقِيتُمُ

ان کے رب کی طرف سے تھا ۴؎ اسی طرح اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے ان کے حالات۔ پس جب (میدان جنگ میں)

الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا

تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو ۵؎ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر چکو تو پھر کس کر باندھو

۱؎ لغت میں بال دل اور حال دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مناسب دوسرا معنی ہے کیونکہ پہلا مفہوم کفر (سیئات) میں آگیا۔

۲؎ ان کے برعکس جو خوش نصیب دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، گروہی کو چھوڑ کر انہوں نے راست روی اختیار کی اپنے اعمال کو رضائے الٰہی اور اتباعِ مصطفوی کے سانچے میں ڈھال لیا، قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کیا اس کو تسلیم کر لیا۔ ان کے ساتھ ہمارا وعدہ یہ ہو گا کہ جو گناہ وہ آج تک کرتے چلے آتے ہیں وہ سب معاف کر دیے جائیں گے عادات و شمائل کی طرح طرح کی جو خرابیاں ان میں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور کر دی جائیں گی۔ اب وہ اسوہ میں ڈھل گئے تو صحیح منہج پر قدم اٹھائیں گے تو سیدھی راہ پہ۔

۳؎ لفظ بال کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مجاہد نے اس کا معنی شان، قتادہ نے اس کا معنی حال اور ابن عباس نے اس کا معنی امور کیا ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو درست کر دیا ہے۔ پہلے وہ مفلس اور کمزور تھے، اب وہ توانگر اور طاقتور ہیں۔ پہلے وہ کفار کے جبر و تشدد کا نشانہ بنے رہتے تھے۔ اب کفار ان کے دامن رحمت میں پناہ تلاش کرتے ہیں۔ پہلے وہ آزادی سے عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے اب ان کی عظمت کا پرچم سارے جزیرۂ عرب میں لہرا رہا ہے۔

۴؎ دونوں گروہوں کے ساتھ جو الگ الگ برتاؤ کیا جا رہا ہے اس کی وجہ بتا دی۔ چونکہ وہ باطل کا پرستار ہے۔ جو شخص جھوٹ اور گناہ کا پیروکار ہو گا اسے نقصان اٹھانا پڑے گا اور جو شخص نورِ حق کی پیروی کرے گا منزل خود کھنچ کر اس کے قریب آجائے گی۔ فوز و کامرانی بے تحاشا اس کی طرف بڑھے گی۔

۵؎ پہلے کفار کے معاندانہ اور جاہلانہ طرزِ عمل کے بارے میں بتایا گیا اور ان کے مقابلہ میں فرزندانِ اسلام کی حق پرستی اور راست (بقیہ)

الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ

رسیاں سے۔ پھر ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

کا ذکر کیا گیا۔ ان حالات میں ان دو متضاد قوتوں کا ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر جنگ کے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو پھر کسل مندی، سستی، کم ہمتی، اندیشی اور بزدلی کا مظاہرہ مت کرنا بلکہ بڑی جرأت اور بہادری سے باطل کے ساتھ ٹکرا جانا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ اس وقت رحم و شفقت کا اظہار کمزوری اور ضعف کی علامت ہے۔ جو کافر سامنے آئے اس کی گردن اڑا کر رکھ دو تا کہ باطل کا کوئی سرغنہ تمہاری ضرب سے جان بچا کر بھاگ نہ جائے۔ ایسے مواقع بار بار میسر نہیں آتے کہ تم دشمن کی طاقت کو کچل کر رکھ دو تا کہ وہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ یہاں حضرت ب مصدر یا فعل مقدر کا قائم مقام ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ جز ضرب اور جلال ضرب الرقاب میں ہے وہ قاتلوهم کے الفاظ میں نہیں۔

ع۔ وہ کپڑا جس کی پٹائی گئی اور مضبوط ہو اسے ثوب ثخین کہتے ہیں۔ ابو العباس نے اس کا معنی غلبتموهم وکثر فیهم الجراح کیا ہے۔ یعنی جب تم ان پر غالب آجاؤ اور ان کی اکثریت زخمی ہو جائے۔ ابن الاعرابی نے اس کا معنی کیا ہے الاثخان فی الشی المبالغة فیه والاکثار منه۔ یعنی کسی چیز میں مبالغہ کرنا اور اس میں کثرت کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم ان کے کشتوں کے پشتے لگا دو انہیں زخموں سے چور چور کر دو حتیٰ کہ وہ بالکل مقہور و مغلوب ہو کر رہ جائیں تو اس وقت جنگ بند کر دو اور بقیۃ السیف کو اسیر کر لو تاکہ ان کی مشکیں خوب کس کر باندھ لو۔ ایسا نہ ہو کر وہ بھاگ جائیں اور تمہارے لیے نئی مصیبت کھڑی کر دیں۔

ع۔ اسیران جنگ کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جانا چاہیے؟ اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔ بعض علماء ابن جریج، سدی اور قتادہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں اور اسیر کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسیر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جا سکتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ چنانچہ استدلال کے طور پر وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حجاج نے حضرت ابن عمر کو کہا کہ فلاں اسیر جنگ کو قتل کر دو۔ آپ نے فرمایا لیس بهذا امرنا کہ ہمیں قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی اسیران جنگ کو قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن جریر یہ اقوال لکھنے کے بعد اپنی تحقیق کا یوں اظہار کرتے ہیں:

والصواب من القول عندنا ان هذه الاٰیة محکمة لیست منسوخة کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی کہ نسخ کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ یہاں ایسی صورت نہیں۔ وغیر مستنکر ان یکون جعل الخیار فی المن والفداء والقتل الی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی القائمین بعده بامر الامة۔ یعنی یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ مذکورہ صورتوں میں برتاؤ کرنے کا حق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلفاء کو تفویض فرما دیا ہو کہ جسے وہ چاہیں اختیار کریں اور یہاں قتل کو اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

احادیث میں جہاں کسی اسیر کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں خصوصی حالات کی بنا پر دیا گیا ہے۔ اس آیت کی وضاحت امام ابو عبید القاسم ابن سلام (ولادت ۱۵۴ھ وفات ۲۲۴ھ) نے اپنی تصنیف کتاب الاموال میں کی ہے جو بہت عمدہ ہے۔ قارئین کرام کی خدمت میں اس کا خلاصہ پیش ہے:

ابو عبید فرماتے ہیں، حدیث نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ مشرک اسیران جنگ کے ساتھ تین طرح کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ من، فدا، قتل۔ قرآن حکیم میں بھی یہ ارشاد ہے فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً۔ اس میں پہلی اور دوسری صورت کا بیان ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ الخ اس میں تیسری صورت کا ذکر ہے۔ احسان و مروت کی مثال اہل مکہ سے حضور کا سلوک ہے۔ اس روز حضور کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا أَلَا لَا يُجْهَزَنَّ عَلَى جَرِيحٍ وَلَا يُتْبَعَنَّ مُدْبِرٌ وَلَا يُقْتَلَنَّ أَسِيرٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ۔ یعنی زخمی کا کام تمام نہ کرنا، پیٹھ پھیرنے والے کا تعاقب نہ کرنا، کسی قیدی کو قتل نہ کرنا، اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اسے امن۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار آدمیوں کے سوا سب کو امان دے دی اور معاف فرما دیا اور جن چار کو مستثنیٰ فرمایا ان کی خاص وجوہات تھیں۔ خیبر فتح ہوا تو وہاں کے یہودیوں کو بھی حضور نے امان دی اور معاف فرما دیا۔ بدر کے اسیران جنگ کے بارے میں جبیر بن مطعم نے بتایا کہ میں جنگی قیدیوں کی سفارش کرنے کے لیے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور مغرب یا عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضور نے یہ آیت تلاوت کی إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ یعنی تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا اور اسے کوئی روک نہیں سکتا تو دہشت کے مارے میرا دل بیٹھنے لگا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنی حاضری کی وجہ بیان کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا شیخ لو کان اتانا فیهم شفعناه یعنی ابا (مطعم بن عدی) جو مکہ کا سردار تھا، اگر وہ ہمارے پاس ان لوگوں کی شفاعت کرنے آتا تو ہم ان کی شفاعت قبول کرتے۔

یہ واقعات نقل کرنے کے بعد امام ابو عبید لکھتے ہیں فهذه السنن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في المن وقد عملت بها الائمة بعده۔ (کتاب الاموال صفحہ ۱۱۲)

یعنی قیدیوں کے ساتھ احسان کرنے کا یہ طریقہ ہے جو حضور نے ہمارے لیے سنت بنایا۔ بعد ازاں ائمہ نے خلافت راشدہ کے عہد کے ایسے واقعات لکھے ہیں جہاں حضرت صدیق و فاروق نے جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

فدیہ کے متعلق علامہ آلوسی نے تفصیلاً لکھا ہے کہ امام صاحب کا ایک قول تو یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ غیر مسلم قیدیوں کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا تبادلہ جائز ہے۔ امام محمد، امام ابو یوسف، امام شافعی، مالک اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں الامام ان يختار احد اربعة امور هي القتل والاسترقاق والمن وهو الاطلاق من غير عوض والفداء بالاسرى المسلمين او بمال (نیشاپوری)۔ یعنی امام قیدیوں کے ساتھ ان چار امور سے کوئی ایک اختیار کر سکتا ہے۔ مناسب سمجھے تو قتل کر دے، چاہے قیدی بنا لے، یا بلا عوض آزاد کر دے یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں هذه هي رواية السير الكبير قيل هو اظهر الروايتين عن الامام ابي حنيفة یعنی السیر الکبیر میں امام محمد سے مروی ہے اور حضرت امام کا یہی قول اظہر اور راجح ہے۔

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ

یہی حکم ہے ۛ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو

بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

بعض سے ۛ اور جو مارے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا ۛ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ قیدیوں کی تقسیم سے پہلے تو یہ تبادلہ جائز ہے لیکن تقسیم کے بعد ناجائز۔ اور امام محمد کے نزدیک ہر وقت جائز ہے۔ اس کی دلیل میں انہوں نے یہ حدیث پیش کی ہے۔ حضرت سلمہ سے مروی ہے کہ حضور نے حضرت ابو بکر کی قیادت میں ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ غنیمت میں ایک کنیز مجھے ملی۔ دوسرے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بازار میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ حضور نے فرمایا سلمہ وہ کنیز مجھے دے دو جو تجھے غنیمت میں ملی ہے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے بہت پسند ہے۔ دوسرے روز پھر ملاقات ہوئی۔ حضور نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کی یہ حاضر ہے یا رسول اللہ! میں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پس حضور نے اسے مکہ بھیجا اور انہوں نے اس کے بدلے میں مسلمان قیدی چھڑا لیے۔

کیا مال لے کر اسیرانِ جنگ کو رہا کرنا درست ہے؟ اس کے متعلق آلوسی لکھتے ہیں کہ احناف کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ قیدی رہا ہو کر پھر ہمارے خلاف نبرد آزما ہوں گے لیکن السیر الکبیر میں ہے انہ لا باس بہ اذا کان بالمسلمین حاجۃ (روح المعانی) اگر انہیں آزاد کرنا مصلحت ملکی کے خلاف ہو اور مشرکین فدیہ ادا کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوں اور مسلمان بھی قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کی صورت بھی نہ ہو تو پھر انہیں ہمیشہ کے لیے قیدی بنا کر نہیں رکھا جائے گا بلکہ غازیوں میں انہیں تقسیم کر دیا جائے گا ان کو ملکی زندگی میں بھرپور حصہ لینے کی اجازت ہوگی۔ اپنے مالک کی اجازت سے وہ کاروبار وغیرہ میں بھی حصہ لے سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسیرانِ جنگ کا معاملہ حکومت وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ مندرجہ بالا طریقوں میں سے جو طریقہ مناسب حال پائیں اور ملکی مفاد سے ہم آہنگ پائیں اس کو اختیار کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ۛ ذٰلِكَ مبتدا محذوف ہے اور افعلوا مقدر ہے یعنی ایسا کیا کرو۔ یا مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے اور اس کی خبر ذٰلک حکم الکفار یعنی کفار کو یہی حکم ہے۔ بعض اہل فن نے فرمایا ہے کہ ذٰلک ایسا کلمہ ہے کہ جب کوئی فصیح ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف انتقال کرنا چاہتا ہے تو اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

ۛ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں زحمتِ جہاد دیتا اور نہ خود بخود ان سرکشوں کا غرور خاک میں ملا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ میدانِ کارزار گرم ہو۔ اہل حق، حق کو سربلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور منکرین باطل کا جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیں تاکہ سب دنیا کو پتہ چل جائے کہ مومن و کافر میں کتنا فرق ہے۔ مومن کا مقصدِ حیات کتنا بلند اور پاکیزہ ہے اور کافر کا مدعا کتنا خسیس اور ذلیل ہے۔

ۛ غزوۂ اُحد کے روز کئی مسلمان کثرت سے شہید اور زخمی ہوئے۔ ابو سفیان نے خوشی سے دیوانہ ہو کر نعرہ لگایا اُعْلُ هُبَل۔ ہبل زندہ باد۔ مسلمانوں نے جوابی نعرہ لگایا اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ۔ اللہ تعالیٰ بلند اور بزرگ ہے۔ ابو سفیان نے کہا کہ یہ دن بدر کا بدلہ ہوا۔ اور

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾

وہ پہنچائے گا انہیں بلند منازل تک اور سنوار دے گا ان کے حالات کو ۱۱ اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی ۱۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا ۱۳

لڑائی کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے فرزندان اسلام! اس سے کہو تم ہم سے برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو۔ ہمارے مقتول اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ کا ایندھن۔ مشرکین نے کہا اِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ فقال المسلمون اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ مسلمانوں نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

فلن یضل اعمالھم کا جملہ بڑا معنی خیز ہے یعنی ان شہیدان حق کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی بلکہ ان پر بڑے خوش آئند نتائج مرتب ہوں گے۔ اس قربانی کا صلہ انہیں تو یہ ملے گا کہ جنت میں رفیع الشان محلات میں وہ تشریف فرما ہوں گے اور ان کی ملت کو ان کی جانفشانیوں کے صدقے عزت و سربلندی نصیب ہوگی اور جس مقصد کے لیے انہوں نے اپنی جانیں نثار کی تھیں وہ مقصد حاصل ہوگا۔ حق کی روشنی سے کوہ و دمن میں اجالا ہو جائے گا۔ ان پاکبازوں نے جان دیکر اتنے عظیم مقاصد حاصل کر لیے ان سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہو سکتا ہے۔

۱۱ یعنی جنت اور رضائے الٰہی کی ذی شان منزل تک انہیں رسائی حاصل ہو جائے گی۔ راہ کی رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی۔ فاصلے سمٹ کر رہ جائیں گے اور ان کے حالات سنور جائیں گے یعنی جو لغزشیں ان سے ہوئی تھیں، جن گناہوں کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا وہ سب معاف کر دیے جائیں گے۔ مقربین اور متقین کے زمرہ میں ان کا شمار ہوگا۔

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی برکت سے دوسرے لوگ راہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں گے۔ ان کی قوم کی بگڑی ہوئی حالت سنور جائے گی۔ شکست و نامرادی کے جو داغ ان کی قوم کے چہرے کو بدنما بنا رہے تھے وہ دور ہو جائیں گے تو دوبارہ کامرانی پر ضوفشانی کرنے لگے گا۔

۱۲ جب جنت میں قدم رنجہ فرمائیں گے تو اپنے محلات کی طرف اس طرح جائیں گے جیسے وہ مدت سے یہاں آباد تھے اور سارے راستے ان کے جانے پہچانے ہیں، کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

۱۳ دین اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد کو اللہ تعالیٰ کی امداد فرمایا گیا ہے۔ جان کی بازی لگانے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہ مجاہد حضرت الوہیت کی پشت پناہی کر رہے ہیں ہر نازک مرحلہ پر تائید ایزدی ان کے دلوں کی ڈھارس ہے۔ دشمن کا کوئی طوفانی حملہ ان کے قدموں میں لغزش نہ پیدا کر سکے گا۔ ایسے جانباز مجاہدوں کو دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝٨ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا

اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا تو ان کے لیے ٹھوکریں ہیں اور منہ کے بل گرنا ہے اور برباد کردے گا ان کے اعمال کو ۱۴ یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا

مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝٩ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا

جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کردیے ان کے اعمال ۱۵ تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ

کہ کیسا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لیے اسی قسم

أَمْثَالُهَا ۝١٠ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ

کی سزائیں ہیں ۱۶ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے ۱۷ اور کفار کا کوئی

شکست نہیں دے سکتی۔ شرط یہ ہے کہ یہ جنگ دنیاوی مفادات کے لیے نہ کی گئی ہو، نہ یہ خونریزی کسی حقیر مقصد کے لیے ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہو اور دین حق کو غالب کرنے کے لیے ہو۔

۱۴ اب کفار کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ تعس کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور کہتے ہیں التعس۔ الانحطاط والعثور۔ گرنا، ٹھوکر کھانا۔ پھسلنا۔ فرا کہتے ہیں کہ یہاں فتعسا مصدر منصوب ہے اور بطور بددعا ذکر ہوا ہے۔ قال الفراء نصب علی المصدر علی سبیل الدعاء۔ ابن منظور کہتے ہیں یہاں یکبتہ اللہ للمنخرین یعنی خدا انہیں منہ کے بل گرائے۔ نیز سے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

۱۵ اضل اعمالھم سے ان کی جن قربانیوں کا ذکر کیا کہ انہوں نے حق کو نیچا دکھانے کے لیے مال و دولت بھی خرچ کی، دشمنوں سے پنجہ آزمائی ہوئے اس لیے اپنے سر بھی کٹائے اور جانیں بھی دیں لیکن نتیجہ؟ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذاب الیم۔

۱۵ ایسے زیرک اور تجربہ کار ہو کر کیوں منہ کے بل گر کر رسوا ہوئے؟ کیوں ان کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟ اس کی وجہ بتا دی کہ انہوں نے احکام الٰہی کو ناپسند کیا تھا۔ جن اعمال سیئہ کے وہ خوگر ہو چکے تھے انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی ساری زندگی ضائع ہو گئی۔

۱۶ وہ متعدد ممالک کی سیاحت پر گئے۔ انہوں نے پہلی بدکار قوموں کے اجڑے ہوئے کھنڈرات دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو نیست و نابود کیا تھا اس سے یہ بے خبر نہیں۔ لیکن انہوں نے خود سیر و سیاحت سے کوئی عبرت حاصل نہ کی اور ان پر وہی عذاب نازل ہوا جو ان جیسے کفار پر پہلے نازل ہو چکا تھا۔

۱۷ اعمال اور جد و جہد اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے تو یکساں تھے۔ اہل ایمان نے بھی مال خرچ کیا اور انہوں نے بھی

لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مددگار نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ

(سدابہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں شلہ اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور

يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

کھانے پینے میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ (آتشِ) جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں

هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ

جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا

مال خرچ کیے، وہ بھی میدانِ جہاد میں زخمی ہوئے، یہ بھی زخمی ہوئے۔ انہوں نے بھی شمعِ حق پر جانیں قربان کیں، انہوں نے بھی ہر کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نتائج بالکل مختلف رونما ہوئے؟ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا حامی و ناصر تھا۔ اس کی رضا جوئی کرنے کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ سو اس نے اپنے مخلص بندوں کی تائید و حمایت کی اور ان کفار کو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا نہ اس لیے اس کی دستگیری کی۔ جن چیزوں کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ ان کے کسی کام نہ آئے اس لیے نتائج کا اختلاف ایک طبعی امر ہے۔

شلہ اہلِ ایمان تو خلوصِ نیت اور حسنِ عمل کی برکت سے جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہوں گے اور کفار کا ٹھکانہ دوزخ کا بھڑکتا ہوا آتش کدہ ہوگا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی نہ پہچانا۔ ساری عمر عیش و عشرت میں گزار دی۔ ڈنگروں کی طرح محض انتہائی اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں کھانا کھانا ہی ان کا محبوب مشغلہ بنا رہا۔ نہ انہوں نے اپنے انجام کے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا کی نہ اپنے خالق کو پہچانا۔ نہ اس کو راضی کرنے کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوا۔ ان کے طرزِ عمل کا انجام وہی ہونا چاہیے تھا جس سے وہ اب دوچار ہیں۔

ثلہ اہلِ مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے اپنے نبی کریم کو بڑی سنگدلی سے اپنا پیارا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ سنو! یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اس پر تمہیں کوئی سزا نہ ملے گی۔ بلکہ تم سے پہلے جن قوموں نے اپنے نبیوں کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا وہ اگرچہ تم سے زیادہ طاقت ور، زور آور اور خوشحال تھیں لیکن ہم نے ان کو ملیامیٹ کر دیا اور کسی کو جرأت نہ پڑی کہ ان کی مدد کرے۔ سن لو! اگر تم باز نہ آئے اور توبہ نہ کی تو تمہارے ساتھ بھی ایسا سلوک ہی کیا جائے گا۔

لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔ کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کی طرف سے٢٠ اس (بدبخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیے گئے جس

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ

کے لیے اس کے بُرے عمل اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے٢١ اس میں نہریں ہیں ایسے

مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ

پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب

خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا

کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لیے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لیے اس میں

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور مغفرت ہوگی ان کے لیے اپنے رب کی طرف سے (بھلا کیا یہ) ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں

وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو٢٢ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف

٢٠۔ بتاؤ بھلا کہ جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلائل ہیں اور وہ ان کی روشنی میں زندگی کی مسافت طے کر کے منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا انجام اس بدبخت کے انجام سے بالکل مختلف ہوگا جس کے بُرے اعمال اس کی نگاہوں میں خوشنما بنا دیے گئے ہیں اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں ہمہ تن مگن ہے۔

٢١۔ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو جو جنت مرحمت ہوگی اس کا قدرے تفصیلی بیان ہو رہا ہے۔ غیر آسن کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای غیر متغیر الرائحة وقد اسن الماء یاسن اسنا واسونا اذا تغیرت رائحته۔ وہ چیز جس کی بو خراب ہو اسے آسن کہتے ہیں۔ اس کا مادہ اَسَنَ یا اَسِنَ الخ ہے جس کا معنی ہے بو کا بدل جانا۔

٢٢۔ اس جنت میں فرحت و سرور کی زندگی بسر کرنے والے خوش نصیب کے ساتھ اس بدنصیب کو کیا نسبت جو اپنے کرتوتوں کی پاداش میں جہنم رسید کر دیا گیا۔ اس کی رہائی پانے کی امید بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ انہیں ایسا گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی آنتوں

حَتّٰىٓ اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟

حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے کہ ذرا فرمائیے یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے ۲۳

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ

یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے ۲۴ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ

قیامت کا کہ آ جائے ان پر اچانک ۲۵ بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں ۲۶ تو جب قیامت ان پر آ گئی تو اس وقت ان

کو کیونکر نصیحت کرے گا۔

۲۳۔ جمعہ کے خطبوں اور دیگر اجتماعات میں اہل ایمان کے ساتھ منافقین بھی شریک ہوا کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات طیبات، اہل ایمان تو ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور اپنے دل میں انہیں محفوظ کر لیتے، لیکن منافقین حضور کے فرامین تو سنتے مگر ان کی طبیعت پر یہ بڑے گراں گزرتے۔ جب محفل برخاست ہوتی تو صحابہ کرام سے پوچھتے کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا فرمایا ہے؟ ذرا بتائیے تو انہوں نے کیا فرمایا ہے؟ ہمیں تو یاد نہ رہا یا ہم سمجھ نہیں سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں اور وہ صرف اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں، اس لیے انہیں سرور عالم کے ارشادات کیسے یاد رہ سکتے ہیں۔

۲۴۔ جو نیک بخت حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات اور کلام بلاغت نظام سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان پر مزید کرم یہ کیا جاتا ہے کہ انہیں علم و بصیرت اور شرح صدر کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے اور انہیں احکام الٰہیہ پر عمل کی توفیق بھی بخشی جاتی ہے۔ یا ان چیزوں سے بچا لیا جاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے کا باعث ہوتی ہیں۔ تقویٰ کے یہ دونوں مفہوم درست ہیں۔

۲۵۔ حق واضح ہو گیا، دلائل و براہین سے شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا، اس کے باوجود یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت برپا ہو جائے تب وہ ایمان لے آئیں گے۔

۲۶۔ قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث نبوی میں واضح ارشادات ہیں۔ مندرجہ ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمائیے۔ (مظہری)

(۱) عن ابی ھریرة قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث اذ جاء اعرابی فقال متی الساعة قال اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اھله فانتظر الساعة (رواہ البخاری)

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ ارشاد فرمایا جب امانت کو ضائع کیا جانے لگے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرنا۔ اس نے عرض کی امانت ضائع کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ فرمایا جب کام نااہلوں کے سپرد کیے جائیں گے تو پھر قیامت کا انتظار کرنا۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور جامع فرمان ہے جس میں ہم سب کے لیے عبرت کے ہزاروں سامان ہیں۔ ذرا غور سے سنیے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا اتخذ الفیء دولا والامانة مغنما والزکاة مغرما وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امراته وعق امه وادنی صدیقه واقصی اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وساد القوم فاسقهم وکان زعیم القوم ارذلهم واکرم الرجل مخافة شره وظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا الخ (ترمذی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مالِ غنیمت کو باہم بانٹ دیا جانے لگا اور امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جانے لگا اور زکوٰۃ کو تاوان خیال کیا جانے لگا اور دنیوی مقاصد کے لیے دینی تعلیم حاصل کی جانے لگی، جب مرد اپنی بیوی کا فرمانبردار اور اپنی ماں کا نافرمان ہو جائے گا، جب وہ اپنے دوست کو قریب کرے گا اور اپنے باپ کو دور دھکیلے گا، جب مسجدوں میں طرح طرح کی آوازیں بلند ہونے لگیں گی، جب فاسق قوم کا سردار بن جائے گا، جب رذیل شخص قوم کا قائد ہوگا، جب کسی شخص کی عزت اس کی نیکیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے گی، جب گانے والیاں اور گانا بجانا عام ہو جائے گا، جب کھلے بندوں شراب پی جائے گی، جب بعد میں آنے والے امت کے پہلے حضرات پر لعنت بھیجیں گے۔ اس وقت سرخ آندھی کا، زلزلہ کا، خسف اور مسخ کا انتظار کرو۔

علامہ آلوسی نے اس موضوع پر کھل کر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے قیامت کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ کسی نے پندرہ صدیاں، کسی نے کم و بیش مدت مقرر کی ہے۔ بعض پرانے فلاسفۂ یونان سے دنیا کی عمر انچاس ہزار سال نقل کی ہے۔ بعض نے چھتیس ہزار برس۔ کل ذالک خبط لا تعلیل علیہ۔ یہ سب تک بندیاں ہیں، اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات وہ ہے جو بعض اسلامیوں سے منقول ہے کہ قیامت پندرہ سو سات ہجری میں قائم ہوگی۔ علامہ موصوف آخر میں لکھتے ہیں: والنصف انا نعلم ان مثل ذلک مما لا ینبغی لعاقل ان یعول علیه او یلتفت الیه والمعول والجزم بانه لا یعلم ذلک الا اللطیف الخبیر۔ (روح المعانی)

یعنی انصاف یہ ہے کہ عقل مند آدمی ایسے اقوال کی طرف التفات ہی نہیں کرتا۔ احتیاط اور یقین کا فیصلہ یہ ہے کہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لطیف و خبیر ہے۔"

ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

تو کیسے کام آئے گا انہیں نصیحت کرنا۔ پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے ٢٤ اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گزند سے محفوظ رکھے ٢٥ نیز مغفرت طلب کریں

٢٤ اہل ایمان کی سعادت اور کفار کی شقاوت کا حال بیان کرنے کے بعد اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ توحید کا عرفان کامل جو آپ کو بخشا گیا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھیے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس بات میں تو اونی شائبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم حضور کو ان آیات سے حاصل نہیں ہوا بلکہ روز الست سے حاصل ہے۔ اس لیے یہاں فَاعْلَمْ بمعنی اُثْبُتْ ہے۔ یعنی آپ اسی پر ثابت قدم اور ہمیشہ رہیے۔ لیکن بعض اکابر نے فرمایا کہ حضور کو اس عقیدہ پر ثبات اور ہمیشگی بھی پہلے سے حاصل ہے اس لیے فاعلم بمعنی تَذَكَّرْ ہے یعنی اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھیے۔

٢٥ علامہ قرطبی نے اس کے دو معنی ذکر کیے ہیں یعنی ① اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اَنْ يَّقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

② اِسْتَغْفِرْ لِيَعْصِمَكَ مِنَ الذُّنُوْبِ یعنی استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچاتے رہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اوپر والے درجے پر پہنچ کر جب نیچے والے درجے پر نگاہ پڑتی تو موجودہ رفعت کے مقابلہ میں وہ قصور محسوس ہوتا اس لیے حضور کثرت سے استغفار کیا کرتے۔ وقد ذکروا ان لذنبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کل لحظۃ عروجا الی مقام اعلیٰ مما کان فیہ۔ فیکون ما عرج منہ فی نظرہ الشریف ذنبا بالنسبۃ الی ما عرج الیہ فیستغفر منہ (روح المعانی)

عارف باللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: اس حکم میں دو حکمتیں ہیں ① اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی بجا آوری میں خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے انسان پر لازم ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے اور سمجھے کہ جیسا کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا مجھ سے نہیں ہوسکا۔ منعم حقیقی نے جو بے پایاں احسانات مجھ پر فرمائے ہیں ان کا حق شکر ادا نہیں کرسکا۔ یہ تصور انسان کا کمال ہے نقص نہیں۔ ھضما للنفس واظہارا للتقصیر فی العبادۃ بالنسبۃ الی جلال ربہ وعظمتہ یعنی آپ ازراہ تواضع یہ کہیے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر اپنی تقصیر کا اعتراف کیجیے۔

② دوسری حکمت یہ ہے کہ استغفار امت کے لیے سنت بن جائے۔

امام فخرالدین رازی نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس آیت کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ مطلب اگرچہ حضور سے ہے لیکن مراد امت ہے۔ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ مومنین کے لیے استغفار کا علیحدہ حکم ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں ذنب سے مراد گناہ یا نافرمانی نہیں بلکہ ترک افضل ہے۔ امام لکھتے ہیں وحاشاہ من ذالک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والاصفات اس سے منزہ ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کریں۔ اس لیے امام رازی نے اپنی توجیہ پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں: ان المراد توفیق العمل الحسن واجتناب العمل القبیح۔ اچھے کام کی توفیق اور برے کاموں سے اجتناب۔ کیونکہ استغفار کا معنی طلب غفران

وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو۔ اور اہل ایمان کہتے ہیں

اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ

ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف

ہے اور غفران کا معنی کسی قبیح چیز کو ڈھانپ دینا۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قبیح چیز کے ارتکاب سے ہی محفوظ رکھے جس طرح حضور کی شان ہے۔ یا گناہ کے ارتکاب کے بعد اس کو ڈھانپ دے جس طرح کہ مومنین اور مومنات کا حال ہے۔

آپ کے سامنے علمائے ربانیین کے ارشادات پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا ماحصل یہ ہے جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔

۲۹ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کے لیے مغفرت مانگنے کا حکم اپنے محبوب کو دیا۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں هذا اكرام من الله تعالى لهذه الامة حيث امر نبيهم صلى الله تعالى عليه وسلم ان يستغفر لذنوبهم وهو الشفيع المجاب فيهم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی یہ عزت افزائی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ امت کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں اور حضور کی ذات پاک وہ شفیع ہے جس کی شفاعت اور دعا مقبول ہے۔

۳۰ مسلمان ہجرت سے پہلے بڑے صبر و سکون کے ساتھ کفار کے مظالم برداشت کرتے رہے اور زیادتیاں سہتے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں ہجرت کی اجازت مل گئی۔ ان کا خیال تھا کہ مکہ سے اڑھائی سو میل دور مدینہ طیبہ میں آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا لیکن کفار مکہ کی دست درازیوں نے نیند حرام کر دی کوئی مسلمان اکیلا دکیلا آتا تو اسے قتل کر دیتے۔ مدینہ کے نواح میں جو چراگاہیں تھیں ان پر دھاوا بول دیتے اور جو مویشی چرتے نظر آتے لے کر بھاگ جاتے۔ مسلمان اس صورت حال سے تنگ آگئے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے اذن جہاد کے منتظر تھے۔ منافقین بھی بڑی ڈینگیں مارتے تھے کہ اگر جہاد کا اذن مل گیا تو ہم کافروں کو عبرت انگیز سزائیں دیں گے اور میدان جہاد میں اپنی شجاعت کے ایسے کارنامے دکھائیں گے کہ دنیا عش عش کرا اٹھے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن دے دیا تو اہل ایمان نے شکر الٰہی ادا کیا لیکن اس وقت منافقین کی حالت دیدنی تھی۔ حواس باختہ ہو گئے تھے اوسان خطا ہو گئے۔ یوں محسوس ہوتا کہ نزع کا عالم ہے۔ موت کی غشی ان پر طاری ہو گئی ہے۔ اب مرے کہ اب مرے۔ بے شک امتحان کے وقت ہی مومن اور منافق کی پہچان ہوتی ہے۔ باتیں بنانے میں تو منافقین بڑے چرب زبان ہوتے ہیں۔

الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ

جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لیے بہتر یہ تھا ۳۱ کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ

پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ پھر تم سے یہی توقع ہے کہ

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ

اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کرو گے اپنی قرابتوں کو ۳۲ یہی وہ لوگ ہیں جن پر

۳۱ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور جب جہاد کے بارے میں قطعی حکم نازل ہو گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے کے جو وعدے اور دعوے انہوں نے کیے تھے انہیں پورا کر دکھاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے دونوں جہان سنور جاتے۔ لیکن ان کے دل ایمان کے نور سے محروم ہیں۔ ان سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اہل ایمان کی طرح اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے۔

لفظ اَوْلٰی کی تحقیق کرتے ہوئے علماء سے دو قول منقول ہیں ① اَوْلٰی بمعنی اَلْیَق واحق یعنی زیادہ مناسب، زیادہ موزوں۔ اس صورت میں طاعۃ مبتدا مؤخر ہو گا اور یہ خبر مقدم۔ ای الطاعۃ اولٰی والیق بھم۔ ② وَیْل سے اَفْعَل کے وزن پر بنایا گیا ہے۔ پہلے وَیْل میں قلب کیا گیا یعنی عین کلمہ کو لام کلمہ اور لام کلمہ کو عین کلمہ بنایا گیا پھر افعل کے وزن پر اَوْلٰی بنایا گیا۔ اس صورت میں اس کا معنی ہلاکت و بربادی ہو گا۔ اصمعی نے اَوْلٰی لہم کا یہ معنی کیا ہے قاربہ ما یہلکہ۔ یعنی اس کو ہلاک کرنے والی چیز قریب ہو گئی۔ ثعلب کہتے ہیں لم یقل احد فی اولٰی احسن مما قال الاصمعی (قرطبی)۔ یعنی اولٰی کی تحقیق میں اصمعی کا قول نہایت پسندیدہ ہے۔

۳۲ اس آیت میں خطاب ان منافقین سے ہے جو جہاد کا حکم سن کر بے حال ہو رہے تھے۔ آیت میں تَوَلَّیْتُمْ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اوّل: تَوَلَّیْتُمْ ای اعرضتم عن الاسلام (بحر محیط) یعنی اگر تم اسلام سے منہ پھیر لو تو پھر تم زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ آؤ گے۔ زمین میں فتنہ و فساد برپا کرو گے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔ تمہیں عدل و انصاف سے کوئی سروکار نہیں رہے گا اور نہ تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان و مروت کا سلوک کرو گے۔ سابقہ وحشت و بربریت کا دور پھر آ جائے گا۔

دوم: تَوَلَّیْتُمْ ولایت سے ہے یعنی اگر زمام اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے تو تم سے کسی بھلائی کی توقع عبث ہے۔ تم جیسے بزدل جو راہ حق میں جہاد کرنے سے ہی جی چراتے ہیں ان سے یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مسند اقتدار پر بیٹھ کر عدل و انصاف قائم کریں گے یا اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں گے۔ ان نااہلوں کو اگر حکومت مل جائے تو وہ جور و ستم کی آگ بھڑکائیں گے، ملک کے امن و سکون کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ بزدل ہمیشہ ظالم اور ستم گر ہوا کرتا ہے۔

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ

اللہ نے لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ٣٣ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے

الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم

قرآن میں یا ان کے دلوں پر قفل لگا دیے گئے ہیں۔ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر پیچھے ہٹ گئے

مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

باوجودیکہ ان پہ ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی ٣٤

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ

یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت

الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ

کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے ٣٥ پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور پیٹ رہے

٣٣ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ ان کی بدعملی اور ان کے ظلم و عدوان کے باعث ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ وہ حق کی صدائے دلنواز سن ہی نہیں سکتے۔ ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ نورِ ہدایت انہیں نظر ہی نہیں آتا۔

٣٤ حق جب نکھر کر سامنے آجاتا ہے تو اس کی کشش خود بخود دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے لگتی ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ حق کو قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں اور باطل سے چمٹے رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان باطل عقائد اور برے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کرتا ہے۔ ان کو جھوٹی امنگوں سے بہلاتا ہے۔ ان کے دل میں ڈالتا ہے کہ ابھی تو عنفوانِ شباب ہے، موت تو بڑی دیر کے بعد آئے گی۔ ان لمحوں کو ضائع مت کرو اور جی بھر کر عیش و نشاط کرو۔ سول لهم زين لهم خطاياهم یعنی ان کے گناہوں کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ املى لهم اى مدّ لهم الشيطان فى الامل و وعدهم طول العمر۔ یعنی شیطان انہیں طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ تمہاری عمر بڑی لمبی ہوگی۔ توبہ کرنے کی اتنی جلدی کیا ہے جب بڑھاپا آجائے گا اس وقت توبہ کر لینا۔

٣٥ منافقین، در پردہ مشرکوں سے ساز باز کرنے میں مصروف رہتے تھے اور انہیں یقین دلاتے تھے کہ اگرچہ ہم بظاہر مسلمان

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا

مارتے ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ یہ درگت اس لیے بنے گی کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس

رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

کی خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے ۳۶ کیا خیال کر رکھا ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ

أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم

ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو ۳۷ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ ۳۸ سو آپ پہچان لیتے انہیں

بنے بیٹھے ہیں لیکن اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں نہیں آئیں گے۔ تم ہماری طرف سے مطمئن رہو۔ منافقین کی یہ خفیہ ریشہ دوانیاں اگرچہ بڑی مخفی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی سازشوں سے آگاہ کر دیا۔

قالوا کا فاعل منافق و یہودی ہیں۔ الذین کرھوا سے مراد مشرکین کو ہیں۔ بعض الامر سے مراد جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔

۳۶ ان کی موت اتنی اندوہناک کیوں ہو گی اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۳۷ منافقین تصنع اور ریاکاری کے پردے ڈال کر اپنے دلوں کے بغض کو چھپانے کی بڑی کوشش کر رہے ہیں لیکن کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفاق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں کسی کو ان کی خبر نہ ہو گی یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ چاک کر دے گا اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے داغ آشکارا ہو جائیں گے۔ اضغان جمع ہے۔ اس کا واحد ضغن ہے بمعنی بغض اور کینہ۔ الضغن والضغينة . الحقد (جوہری)

۳۸ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ما خفی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد هذه الآیة احد من المنافقین۔ یعنی اس آیت کے نزول کے بعد کوئی منافق حضور پر مخفی نہ رہا۔ علامہ ابو بکر ابن عربی نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو منافقین کا علم عطا فرما دیا تھا۔

مندرجہ ذیل آیات کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب حضور کو منافقین کے بارے میں پورا پورا علم ہو۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۔ یعنی آپ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور کسی کی قبر پر تشریف نہ لے جائیے۔ قُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۔ اے محبوب! آپ منافقین کو فرما دیجئے کہ اس کے بعد تم کبھی میرے ساتھ جہاد کے لیے روانہ نہ ہو گے اور نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن کے ساتھ جنگ کرو گے۔

بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾

ان کو ان کے چہروں سے ٣٩ اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے ٤٠ مصروف جہاد رہنے والوں اور صبر کرنے والوں کو اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ

بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول اکرم کی باوجودیکہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز

فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ ﴿٣٥﴾

نہیں بخشے گا۔ (پس) اے فرزندان اسلام! ہمت مت ہارو اور کفار کو صلح کی دعوت مت دو ٤١ تم ہی غالب آؤ گے۔

٣٩ اس جملہ کا یہی ترجمہ کیا ہے جو مولانا محمود الحسن صاحب نے کیا ہے۔

٤٠ اسلام کے خلاف ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ ان کی ہر سازش ناکام ہو گی یا جو نیکیاں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کی ہیں ان کا انہیں کوئی اجر نہ ملے گا۔

٤١ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان مٹھی بھر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرما رہی ہے جنہیں چاروں طرف سے کفار نے نرغہ میں لے رکھا ہے جن کی تعداد کم ہے جن کے وسائل محدود ہیں اور سارا ماحول جن کے خلاف نبرد آزما ہے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت مت ہارو۔

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دیگا ۳۵ یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہیں کرے گا تم سے تمہارے مال ۳۶

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ

اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ یوں ظاہر کر دیگا تمہاری ناگواریوں کو ۳۷ ہاں تم ہی

دشمن کی کثرت و قوت سے ڈر کر صلح کی خواہش مت کرو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ تم سربلند اور غالب رہو گے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کر رہے ہو گلشن توحید کو سیراب کرنے کے لیے جس طرح تم اپنے خون کے دریا بہا رہے ہو وہ ضائع نہیں جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو صلح کی درخواست میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔ اس طرح دشمن دلیر ہو جائے گا اور اپنے لوگ اپنے آپ کو کمزور اور بے بس محسوس کرنے لگیں گے۔ دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ اس کا بے جگری سے مقابلہ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے تصریح کی ہے۔ فَلَا يَجُوْزُ مُهَادَنَةُ الْكُفَّارِ اِلَّا عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ (قرطبی) یعنی کفار کے ساتھ جنگ بندی شدید ضرورت کے بغیر جائز نہیں۔

۳۷ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم اپنا سارا سرمایہ اس کی راہ میں خرچ کر دو اس کو تمہاری ضرورتوں اور کمزوریوں کا بخوبی علم ہے۔ اگر وہ تمہیں اپنی ساری دولت خرچ کرنے کا حکم دے تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہارے دلوں میں مال و دولت کی محبت جو مخفی ہے وہ آشکارا ہو جائے گی۔

صاحب تاج العروس اضغان کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں قد ضغن الیہ مال واشتاق وحقد۔ اس لفظ کے تین معنے ہیں کسی چیز کی طرف مائل ہونا، کسی چیز کا شوق دل میں پیدا ہونا اور کینہ و بغض۔ اس آیت میں اگر روئے سخن منافقین کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمہارے دلوں میں اسلام کے بارے میں جو بغض و عناد ہے جسے تم بڑی مہارت سے چھپائے ہوئے ہو وہ ظاہر ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس سے مراد اہل ایمان ہوں تو پھر اس سے مراد دولت کی محبت ہوگی کیونکہ ہر شخص صدیق اکبر نہیں ہوتا کہ اپنے محبوب کریم کے اشارہ ابرو پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے آئے اور اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ بعض لوگوں کو دنیا سے محبت ہوتی ہے وہ کسی حد تک تو قربانی کے لیے آمادہ ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو بعض لوگ دولت سے اپنے دلی لگاؤ کو چھپا نہیں سکتے۔ اضغن کے یہ متعدد معانی ہیں محل اور موقع کی مناسبت سے اس کا معنی

هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ

وہ لوگ ہو تم جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں ۳۳ تو تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو

مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیے جاؤ گے) اور (اللہ) بدل دے گا تمہارے عوض دوسری قوم کو پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۳۴

متعین کیا جائے گا۔

۳۳ ھا حرف تنبیہ ہے۔ انتم مبتدا اور ھؤلاء خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرو۔ اس میں سراسر تمہارا ہی بھلا ہے۔ زکوٰۃ نکالو گے اور اپنے معاشرہ کے غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات بہم پہنچاؤ گے تو تمہیں معاشی سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔ اگر جہاد کے موقع پر مجاہدین کی ضروریات کا انتظام کرو گے اور وہ میدان جنگ میں دشمن کو شکست دیں گے تو تمہاری دولت میں اضافہ ہوگا۔ تمہاری مالی حالت میں خوش آئند تبدیلی ہوگی۔ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اپنے لیے تو تم سے کچھ طلب نہیں کرتے۔ اس کے باوجود تم میں ایسے کوتاہ اندیش لوگ بھی ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ در حقیقت وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ اپنے آپ کو ثواب سے محروم کر رہے ہیں نیز قوم کے ضرورت مند طبقہ میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات پرورش پائیں گے اور ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔ اس کو تمہاری دولت کی ضرورت نہیں۔ تم محتاج ہو تمہیں اس کی عنایت و رحمت کی ہر لحظہ حاجت ہے۔ تم کم نگاہ ہو اس کے احسان اور معیت کی رہنمائی کے بغیر تم منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا تم میں سے کون شخص ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ عزیز ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ کہ انسان کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے راہ خدا میں خرچ کر دیا اور جو پیچھے چھوڑ گیا وہ اس کا مال نہیں وہ اس کے وارث کا مال ہے۔

۳۴ اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنے دین کا علمبردار بننے کی سعادت بخشتا ہے اور اصلاح عالم کا اہم اور عظیم فریضہ تفویض کرتا ہے جب تک وہ قوم اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے شامل حال رہتی ہے اس

کی سربلندیوں کا ہم آہنگ تقدیر ثابت ہوتی ہے۔ اس کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھتا ہے اور ہر قسم کی عزتیں اور سرفرازیاں اس پر نچھاور کی جاتی ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتی ہے اور مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے لگتی ہے، اس کی قوت عمل میں کاہلی اور سستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو اس کو مناسب انداز سے اس کی کوتاہیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے۔ اگر پھر بھی وہ اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اسے اس منصب جلیل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کسی دوسری قوم کو وہ منصب جلیلہ کی عزت بخشی جاتی ہے۔ وہ نئی قوم جان کی بازی لگانے میں پیش پیش رہتی ہے اور مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ جو قومیں بلکہ جو افراد اس منصب پر فائز ہیں انہیں اپنے اس منصب کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے اور ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے کہ ادائے فرض میں ان سے کوئی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔

الحمد لله رب العالمين الذي جعلنا من امة حبيبه سيد المرسلين
ومن حملة كتابه القرآن العظيم.
اللهم صل عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم
نسألك التوفيق للمشي على آثار سلفنا الصالحين
الذين بذلوا ارواحهم واموالهم ووضعوا كل ما يملكون من قوة وعلم ونباهة
فكر ليكون كلمة الله هي العليا وكلمة الذين كفروا السفلى.
لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

تعارف
سُورۃ الفتح

نام : یہ سورہ مبارکہ الفتح کے نام سے موسوم ہے۔ جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ اس کا نام بھی ہے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین و مطالب کا عنوان بھی۔ یہ چار رکوع اور انتیس آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد پانچ صد ترسٹھ اور حروف کی تعداد دو ہزار پانچ صد انسٹھ ہے۔

زمانۂ نزول : اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ یہ سورت ماہ ذی القعدہ ۶ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد مدینہ طیبہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔

تاریخی پس منظر : مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مسلمان مکہ کو چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں جا کر آباد ہوئے لیکن یہاں بھی کفار نے انہیں آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ اکا دکا جھڑپوں کے علاوہ یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ جنگ و جدال کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے لیے مکہ کے دروازے بند کر دیے۔ خانہ کعبہ کے طواف و زیارت کے لیے سرزمین عرب کا ہر شخص آ سکتا تھا لیکن مسلمانوں پر یہ قدغن تھی کہ وہ حرم شریف کی زیارت کا قصد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ناروا اقدام کی متعدد مقامات پر مذمت کی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: وما لھم الا یعذبھم اللہ وھم یصدون عن المسجد الحرام یعنی اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو کیوں عذاب نہ دے حالانکہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیا ہے۔

مدینہ طیبہ میں مہاجرین و انصار کو بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے۔ حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آزادی سے حج و عمرہ کے ارکان ادا کر سکو گے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جانفزا سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انہوں نے اللہ کریم کی حمد و شکر کے نعرے بلند کیے اور یہ خبر آن واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب محض خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے اور اس میں ان کی دیرینہ آرزو کے بر آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اتنا تو انہیں یقین تھا کہ

ایسا ضرور ہوگا لیکن کس طرح ہوگا اس کے بارے میں مختلف وسوسے ان کو پریشان کرنے لگے کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور وہ انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے ؟ کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے ؟ کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں گے بہرحال سفر کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوگئیں۔ مدینہ طیبہ سے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں۔

یکم ذیقعدہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں عشاق کا یہ قافلہ سوئے حرم روانہ ہوا۔ اس کی تعداد چودہ صد اور پندرہ صد کے درمیان تھی۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ ستر اونٹ قربانی کے لیے ساتھ تھے ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیے گئے تھے تاکہ پہچان ہوسکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالحلیفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا۔ ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی جو میان میں بند تھی اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

قریش کو جب نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان اٹھنے لگے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ محض بہانہ ہے۔ اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضور جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے تو بنی کعب قبیلہ کا ایک آدمی ملا۔ حضور نے اس سے قریش مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ انہیں آپ کی روانگی کی خبر پہنچ گئی ہے۔ وہ مکہ سے نکل کر ذوطویٰ کے مقام پر خیمہ زن ہوگئے ہیں۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے نیز انہوں نے آپ کی پیشقدمی کو روکنے کے لیے دو صد شہسواروں کا دستہ دے کر خالد بن ولید کو کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

یہ سن کر حضور نے فرمایا صد حیف ! قریش کو جنگوں نے کھوکھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ کیا حرج تھا اگر وہ میرے درمیان اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی عددی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تو پھر مجھ سے جنگ کرتے۔ اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔ آخر میں حضور نے فرمایا فما تظن قریش ! فواللہ لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ حتی یظھرہ اللہ او تنفرد ھذہ السالفۃ۔ ترجمہ : قریش کیا سوچ رہے ہیں ! بخدا میں اس وقت تک اس دین کے لیے جہاد کرتا رہوں گا ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

حضور نے جنگ و قتال سے بچنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ اس مشہور راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچیں حضور نے پوچھا : تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستہ سے ہمیں مکہ لے جائے۔ ایک شخص نے حامی بھری :

چنانچہ ایک نہایت ہی کٹھن اور دشوار گزار راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے۔ اس طرح خالد کے گھوڑ سوار دستے سے ٹکراؤ ٹل گیا اور قریش کی یہ تدبیر ناکام ہو گئی کہ مسلمانوں کو راستہ میں ہی الجھا دیا جائے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حبیب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے۔ نبی کریم نے فرمایا: انما حبسها حابس الفیل عن مکۃ "اسے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔" حضور نے حکم دیا کہ یہیں فروکش ہو جاؤ۔ لوگوں نے عرض کی، "یا رسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں، سارے کنوئیں خشک پڑے ہیں، یہاں لشکر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔" حبیب کبریا نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنوئیں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابلنا شروع ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر حضور کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو تمام جھگڑے اور سارے معاملات حسن و خوبی سے طے پا جائیں۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقاء جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں آیا اور حضور سے یہاں آنے کا مقصد پوچھا۔ حضور نے اسے بتایا کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے ہیں، بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے آیا ہے۔ جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی بہانے سے تصادم کرنا چاہتے ہیں۔ احرام کی دو چادریں ہمارے زیب تن ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کر کیسے ممکن ہے کہ ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ بدیل کو اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے آئے ہیں۔ جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں، تم ان کا راستہ نہ روکو۔ قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

چند قبائل جنہیں احابیش کہا جاتا تھا مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگجو تھے۔ اہل مکہ نے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برافروختہ ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کرے گا۔ حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزارو۔ حلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ حضور سے گفتگو کیے بغیر قریش کے پاس واپس آ گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آ کر بیان کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان نہ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ اس کی بات سن کر قریش کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا او بدو! بیٹھ جاؤ تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے۔ حلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تم کو

ساتھ اس لیے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لیے تمہاری امداد کریں۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو ہمیں سوچنے کا موقع دو۔ اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔ اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا، وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو گے اس لیے میں یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کی دانائی اور فراست پر انہیں کلی اعتماد ہے۔ چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور بڑی سلیقہ مندی سے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا کہ آپ کی قوم کا مرکز ہے اگر آپ ان آوارہ منش لوگوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو ویران کر دیں گے اور یہاں کے باشندوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے تو یہ داغ کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا اور لات کے [illegible] کو چومتے رہتے ہو، تم نے کیا کہا کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو جھنجھلا کر رہ گیا۔

عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو چھو لیتا۔ حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے۔ اگرچہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا ادا کیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔

عروہ پر حضور کے برتاؤ سے خیال گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ حج بیت اللہ کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی کیمپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب وہ واپس گیا تو اس نے اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجہ سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں۔ انہیں حج و زیارت بیت اللہ سے نہ روکیں۔ وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کی جو جھلک اس نے غلامان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دلوں میں موجزن دیکھی ہے ان کی نظیر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں۔ اگر وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور اپنے سینوں پر مل لیتے ہیں۔ اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجا لانے میں ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو تم مناسب سمجھو کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ حرمت عرب کے طول و عرض

میں اس کارروائی کا ردِ عمل ان کے خلاف ہوگا۔ لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں۔ انہیں یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں۔ قریش کی کوشش تھی کہ اہلِ مکہ کے اذہان میں ان کے متعلق یہ تاثر پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ مسلمانوں پر برملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کریں۔ چنانچہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے۔ ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چالیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لے کر جنگ کو پھیلنے نہیں دیا۔ بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو آزاد کر دیا۔ اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔ ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے تنعیم[1] کی طرف سے ۸۰ آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان سب کو بھی گرفتار کر لیا لیکن سرورِ عالم نے ان کے لیے بھی عفوِ عام کا اعلان کر دیا۔ یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنا دی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے۔ اہلِ مکہ نے جتنے سفیر بھیجے مسلمانوں کی حسنِ نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر گئے لیکن اہلِ مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہلِ مکہ کی طرف بھیجا تاکہ یہ اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر و رسوخ کے باعث اہلِ مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو زیارت و طوافِ کعبہ سے نہ روکیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت ہو کر مکہ گئے۔ روسائے قریش سے ملاقات کی صحیح صورتِ حال سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا اے عثمان، تمہیں کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت ہے۔ آپ نے جواب دیا: مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ يَطُفْ۔

ترجمہ: جب تک اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا، میں طواف نہیں کروں گا۔

آپ نے انہیں بتایا کہ ہم جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے۔ ہم نے احرام باندھا ہوا ہے، قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہمارا ارادہ مکہ پر قبضہ کرنے یا تم سے جنگ آزمائی کا ہوتا تو کیا ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آتے۔ آپ نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں چند روز قیام کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ آپ اس وقت واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان کو اپنے پاس روک لیا تاکہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہے۔

[1] یہ مکہ کے قریب حرم کی حدود سے باہر ایک مقام ہے۔ مکہ کے لوگ بالعموم عمرہ کرنے کی خاطر اسی مقام پر جا کر احرام باندھتے ہیں اور پھر واپس آ کر عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اسی اثناء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کر دیا کہ جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگا دینے کے لیے بیعت کریں۔ سرورِ عالم ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرام پروانوں کی طرح شوقِ شہادت سے سرشار بیعت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مرکز سے اڑھائی سو میل دور ہیں۔ ان کی تعداد صرف چودہ پندرہ سو ہے۔ جنگ کے لیے جس قسم کے اسلحہ اور سامان کی ضرورت ہوتی ہے اس کا فقدان ہے۔ بادیہ نشین قبائل میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دشمن اپنے علاقہ میں ہے۔ وہ مکہ کے سارے جنگجوؤں کو میدان میں لا سکتا ہے۔ ضرورت کے وقت دوست قبائل بھی ان کی کمک کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان حالات کو سمجھتے ہوئے بھی وہ عشق اور ایمان کے تقاضوں سے باخبر ہیں اور ان کو زندگی سے کھلواڑ کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے ہادی و مرشد کے دستِ مبارک پر سر کٹانے اور جان دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ سرفروشی اور جاں نثاری کا یہ روح پرور منظر چشمِ فلکِ پیر نے کب دیکھا ہوگا۔ ان پاکبازوں اور نیک نہاد عشاق کے جذبۂ ایثار پر عالم بالا کے مکینوں کو بھی وجد آگیا ہوگا۔ اسی حالت میں جبریل امین آئے اور خداوند کریم کا یہ پیغام سنا کر شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کو یوں مژدہ جانفزا سنایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

ترجمہ: "بیشک راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے دستِ حق پرست پر سر کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے۔"

یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی اس کے تذکرہ سے ایمان کو جلا اور عشق کو نئی توانائیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اس بیعت کی اطلاع جب اہل مکہ کو ملی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ جس ہٹ دھرمی کا وہ اب تک مظاہرہ کرتے رہے تھے، اس کی تندی کافور ہو گئی۔ انہوں نے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے سہیل بن عمرو کو حضرت عثمان کے ہمراہ حضور نبی کریم کی خدمت اقدس میں بھیجا۔

گفت و شنید کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ آخر کار ایک معاہدہ صلح طے پایا جس کی اہم شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ اور کوئی فریق خفیہ یا علانیہ ایسی حرکت نہ کرے گا جو امن و آشتی کو درہم برہم کر دے۔

۲۔ اس عرصہ میں اگر کوئی قریشی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مکہ سے بھاگ کر حضور کے پاس چلا جائیگا تو حضور اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے مرتد ہو کر مکہ چلا جائیگا تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۳۔ عرب کے بادیہ نشین قبائل آزاد ہیں مسلمانوں یا کفار جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کیے بغیر امسال واپس چلے جائیں گے البتہ آئندہ سال آکر وہ عمرہ ادا

کر سکیں گے۔ انہیں تین دن تک مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔ تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوگا اور تلوار بھی میان میں رہے گی۔

۵۔ اہل مکہ ان تین دنوں میں مکہ سے باہر چلے جائیں گے لیکن مسلمان جب واپس جائیں گے تو مکہ کے کسی شخص کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

مسلمانوں نے معاہدہ کی جب یہ شرائط سنیں تو ان پر رنج و اندوہ کا گویا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ حق و صداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دب کر صلح کریں۔ راہ حق میں جان دے دینا اور سر کٹا دینا انہیں ہرگز گراں نہ تھا لیکن یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صلح کر لیں۔ ہر شخص رنجیدہ تھا۔ سروں میں سے جیسے ادھیڑ تو بی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت فاروق اعظم جیسا بالغ نظر بھی مضطربانہ حالت میں اپنے قلبی اضطراب کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک اللہ تعالیٰ کا نبی تھا جس کی نگاہ نبوت ان خوش آئند نتائج اور عواقب کو دیکھ رہی تھی جو مستقبل قریب میں اس معاہدہ پر مرتب ہونے والے تھے اور ایک اس کے یار غار صدیق اکبر کی شخصیت تھی جس کے دل میں اطمینان اور سکون تھا۔ وہ سے یقین تھا کہ اللہ کا رسول جو کرتا ہے اپنے رب کے حکم سے کرتا ہے اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں بندوں کی بھلائی اور سرفرازی ہے۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سہیل بن عمرو کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، زنجیروں کو گھسیٹتا ہوا حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گیا اور دادرسی کے لیے فریاد کی۔ حضور نے فرمایا ہم معاہدہ کر چکے ہیں، اب معاہدہ کو نہیں توڑ سکتے۔ تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ اس چیز نے صحابہ کے زخمی جذبات پر نمک پاشی کا کام کیا، لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہیں احرام کھول دیا، اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ حضور کے سارے ساتھیوں نے اپنے آقا کے عمل کی اقتدا کرتے ہوئے احرام کھول دیے اور اپنے جانوروں کو ذبح کر دیا۔ اور یہیں سے یہ پیکران تسلیم و رضا مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ راستہ میں جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے، یا بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے، یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی جس کی پہلی آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ جس صلح سے تم کبیدہ خاطر ہو، جن شرائط کے باعث تمہارے دل افسردہ ہو گئے ہیں، یہ حقیقت میں فتح مبین ہے۔ چنانچہ چند سال میں ہی جب اس معاہدہ میں مضمر برکات کا ظہور ہوا تو ہر ایک کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی یہ صلح اسلام کے لیے اور ہادی اسلام کے مشن کی تکمیل کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم الشان فتح تھی۔ کفار نے ان شرائط کو مان کر مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو گویا تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اب اپنی قوم سے بھٹکے ہوئے چند افراد کی ٹولی نہیں رہے بلکہ ایک آزاد قوم تھے جن کی آزاد مملکت تھی جس کے اپنے مساویانہ حقوق تھے اور وہ لوگ جو اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، انہوں نے بھی آج اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا نیز صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت جنگ کی کیفیت اختتام پذیر ہو گئی۔ آنے جانے پر پابندیاں اٹھ گئی تھیں، چنانچہ تبلیغ اسلام کا کام اس

زور شور سے ہوا اور ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گزشتہ انیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج مدینہ طیبہ کا رخ کر رہے تھے اور حضور کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لیے حضور روانہ ہوئے تو دس ہزار کا لشکر جرار ہمراہ تھا۔

نیز امن قائم ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ موقع مل گیا کہ جو علاقے اسلام کے زیر نگیں ہو چکے ہیں انہیں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور اسلامی قانون کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کو ایک نئی تہذیب اور تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

اس صلح کا یہ فائدہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قریش کی جانب سے جب اطمینان ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شمالی عرب اور وسط عرب کی مخالف طاقتوں کو مسخر کرنے کے لیے حسان توجہ مبذول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کے اہم مرکز خیبر فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور وسط عرب میں پھیلے ہوئے بادیہ نشین قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے ایک ایک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے یا حضور کی اطاعت قبول کر لی۔

صلح نامہ کی جو شرط مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بنی تھی وہ شرط یہ تھی جس کی رو سے اگر اہل مکہ کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ طیبہ میں چلا جاتا تو اس کو واپس کرنا ضروری تھا اس کے برعکس اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی بھاگ کر مکہ چلا جاتا تو مسلمان اسے واپس نہیں لے سکتے تھے لیکن قلیل عرصہ کے بعد خود اہل مکہ کی درخواست پر یہ شرط معاہدہ سے خارج کر دی گئی۔ ہوا یوں کہ ابو بصیر جو اسلام لا چکا تھا اور جسے اہل مکہ نے اس جرم کی پاداش میں قید کر دیا تھا۔ قید سے بھاگ نکلا اور مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ کفار نے اسے واپس لانے کے لیے آدمی بھیجے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے اسے واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ راستہ میں وہ پھر ان لوگوں کے قبضہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور بحر احمر کے ساحل پر اس جگہ ڈیرا لگا لیا جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ جب دوسرے مسلمانوں کو پتہ چلا جو مکہ میں قید بند کی سختیاں جھیل رہے تھے تو وہ قید سے جان چھڑا کر ابو بصیر کے پاس جمع ہونے لگے یہاں تک کہ ستر آدمی وہاں جمع ہو گئے قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا وہ اسے لوٹ لیتے۔ اور اگر کوئی جوکا فر پکڑا جاتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ اس صورت حال سے اہل مکہ بہت پریشان ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں اور اس شرط کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس طرح انا فتحنا لک فتحا مبینا کی عملی تصویر اپنوں اور بیگانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اس سورت کے اس تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو مفید ہوگا۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفتح مدنی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ انتیس آیات اور چار رکوع

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ

یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے [1] تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ [2] جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے

[1] اگرچہ بعض روایات میں اس فتح مبین سے مراد فتح مکہ بیان کی گئی ہے اور بعض حضرات نے اس سے مراد فتح خیبر لی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے چنانچہ امام زہری کہتے ہیں لقد کان الحدیبیۃ اعظم الفتوح وذالک ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم جاء الیہا فی الف واربعمائۃ فلما وقعت الصلح مشی الناس بعضہم فی بعض وعلموا وسمعوا عن اللّٰہ تعالیٰ فما اراد احد الاسلام الا تمکن منہ فما مضت تلک السنتان الا والمسلمون قد جاءوا الی مکۃ فی عشرۃ آلاف۔ (قرطبی)

ترجمہ: صلح حدیبیہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر صرف چودہ سو صحابہ حضورؐ کے ہمرکاب تھے صلح کے بعد لوگوں نے آنا جانا شروع کر دیا۔ اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں جاننے اور سننے کے مواقع میسر آئے اور جس نے اسلام لانے کا ارادہ کیا وہ بآسانی اسلام لے آیا۔ صرف دو سال کے عرصہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ فتح کرنے کے لیے جب تشریف لائے تو دس ہزار جانباز حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔

[2] بظاہر اس آیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ عفو و غفران کا مژدہ بجا، لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضورؐ سے گناہوں کا صدور پہلے بھی ہوتا رہا اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا والعیاذ باللہ۔ حالانکہ اس عقیدہ پر امت کا اجماع ہے کہ ہر نبی معصوم ہے اور سید الانبیاء سید المرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ حضورؐ کے دامن عصمت پر گناہ کا کوئی داغ نہیں ہے۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لیے علمائے تفسیر نے متعدد جواب دیے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے۔

۲۔ یہاں گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے قاعدہ کے مطابق خلاف اولیٰ کو گناہ کہا گیا ہے۔

۳۔ وہ فعل اگرچہ گناہ صغیرہ ہے، نہ خلاف اولیٰ، لیکن حضورؐ کی نگاہ عالی میں وہ چونکہ بہت معمولی تھا اس لیے حضورؐ کے مقام رفیع کے باعث اسے ذنب (گناہ) کہہ دیا گیا ہے۔

۴۔ بعض علماء نے مغفرت کا معنی بچا لینا اور محفوظ کر لینا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ

اور معصوم رکھا ہے۔ اس حفاظت ربانی کے باعث نہ پہلے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ آئندہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگا۔

۵۔ بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ مغفرت عامہ کی بشارت دے کر حضورؐ کے قلب مبارک کو مطمئن کر دیا جائے۔ یعنی پہلے تو آپ سے کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی' بالفرض اگر کوئی سہواً سرزد ہوگئی ہو تو بھی اس سے عفو و درگزر کا مژدہ سنا دیا جاتا ہے تاکہ کسی قسم کی خلش یا مواخذے کا اندیشہ نہ رہے۔

یہ سارے جوابات اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں' لیکن کلام کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھا جائے تو ان میں سے کوئی مفہوم یہاں چسپاں نہیں ہوتا۔ فتح مبین کی غرض و غایت یا اس کا نتیجہ اور انجام مغفرت بتایا گیا ہے' لیکن فتح اور مغفرت میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس لیے اس آیت میں مزید غور و خوض کی ضرورت ہے تاکہ آیات کا باہمی ربط بھی واضح ہو جائے اور عصمت نبوت پر بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔

ذنب کے لفظ پر غور کیا جائے تو یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو' لیکن اہل لغت لفظ ذنب کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو' بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اسی مادہ کے دو اور لفظ ہیں ذَنَبٌ اور ذَنُوْبٌ۔ ذَنَبٌ کا معنی دُم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں لٹکی ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں' بلکہ باہر سے اس کے ساتھ چپکا دی گئی ہے۔ اور پانی نکالنے والے ڈول کو ذَنُوْبٌ کہتے ہیں جو رسی کے ایک سرے سے بندھا ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے ذَنْبٌ کا اطلاق الزام پر بھی ہو سکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے' خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

قرآن کریم میں بھی ذَنْبٌ کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا' قبطی اسرائیلی کو زد و کوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مکا دے مارا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زیردست ساتھی کی مدد کرنا' اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لیے حملہ آور کو مکا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرف میں یہ فعل قبیح ہے' لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا' اس نے آپ پر قتل کا الزام رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتل عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوت حق دو' تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ۔ (۲۶:۱۴)

ترجمہ: انہوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے' پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس آیت میں ذَنْبٌ سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے اُمتی کے بچاؤ کے لیے اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مُکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔
ان آیات کے سیاق و سباق کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔
غَفَرَ کا معنی "چھپا دینا" "دُور کر دینا"۔ مَا تَقَدَّمَ سے مراد ہجرت سے پہلے اور مَا تَاَخَّرَ سے مراد ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں، اس فتحِ مبین سے وہ سارے کے سارے نیست و نابود ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

پہلے ہم قرآنِ حکیم اور کتبِ حدیث سے ان الزامات کی چھان بین کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ وضاحت کریں گے کہ وہ الزامات اس فتحِ مبین سے کس طرح دُور ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عائد کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں: یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ اَوروں سے سُن سُن کر فسانے بنا لیتا ہے، اسے کوئی اور پڑھاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے۔

وہ کہتے یہ قوم میں اختلاف، انتشار پیدا کرنے والا ہے، اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اجاڑ ڈالا ہے، بھائی کو بھائی سے، اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہمارے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے، ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس صلح سے پہلے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان حالتِ جنگ تھی۔ ایک دوسرے کے ہاں "آنا جانا" مل بیٹھنا تبادلۂ خیال کرنا ناممکن تھا حضور کے خلاف جو بہتان اہلِ غرض تراشتے، سادہ لوح عوام انہیں سچ تسلیم کر لیتے اور اسلام سے کچھے کچھے رہتے مسلمان صرف مدینہ طیبہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے ہجرت کے بعد مکہ میں ان کی آمد و رفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ مکہ کے سردار اپنے آدمی بھیج کر بادیہ نشین قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اور عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے۔ یوں عرصہ تک بدو قبائل میں تبلیغِ اسلام کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

حدیبیہ کے مقام پر جو صلح ہوئی، اس کی مشہور دفعات آپ سورت کے تعارف میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اس معاہدے پر سرسری نظر ڈالنے سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے اور کفار اپنی من مانی شرائط منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے لشکرِ اسلام کو ان شرائط کا جب علم ہوا تو انہیں بہت گراں گزرا حضرت

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝۲ وَ

اور جو کوتاہی ہوئی بعد میں اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر (ث) اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر (ت) اور

يَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝۳ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے (ث) وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے

فاروق اعظم جیسی ہستی بھی بے تاب ہو گئی۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی بے چینی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب نے ارشاد فرمایا: انا عبد اللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔

اور ایسا ہی ہوا کہ اس صلح کی وجہ سے فریقین میں جنگ بند ہو گئی۔ امن قائم ہو گیا۔ آمدورفت کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ مسلمانوں کو ان الزامات کی تردید کا سنہری موقع مل گیا۔ شکوک و شبہات کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ حقیقت اپنے رخ زیبا کے ساتھ آشکارا ہو گئی۔ غلط پراپیگنڈے کے باعث دلوں پر جما ہوا غبار دور ہو گیا اور لوگ دھڑا دھڑ دین اسلام کو قبول کرنے لگے۔ چنانچہ اس واقعہ کے صرف دو سال بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے تو دس ہزار جانباز اور سرفروش غلاموں کا لشکر جرار ہمرکاب تھا۔

آپ ان آیات کو اب پھر پڑھیے حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

ث اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فتح مبین سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ اپنے پے در پے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے اپنی نعمتوں کی انتہا کر دی۔ دین کو مکمل کر دیا۔ اسلام کی عظمت کا ڈنکا آفاق عالم میں بج رہا ہے۔ اس کے غلبہ کو دشمنوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ باعلاء الدین وانتشاره فی البلاد وغیره مما افاضه تعالیٰ علیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من النعم الدینیة والدنیویة

یعنی یہ تکمیل نعمت عبارت ہے دین کی سربلندی اور دور دراز ممالک میں اس کے پھیل جانے سے۔ اس کے علاوہ جو دینی اور دنیوی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر فرمائی ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔

ت فرائض رسالت کی انجام دہی اور احکام شریعت کی تنفیذ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس میں سر مو کوتاہی بھی ناقابل برداشت ہے اور سنگین نتائج کا باعث بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو ان کٹھن، دشوار اور دشوار گزار راہوں سے بسلامت گزرنے کے لیے خود راہ راست تک رہنمائی فرما دی ہے کہ کوئی مشکل راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ کوئی اشکال باعث اضطراب نہیں ہو سکتا۔ علامہ آلوسی نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ ای فی تبلیغ الرسالة واقامة الحدود (روح المعانی)

ث ان انعامات خصوصی کے آخر میں فرمایا وینصرک اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی نصرت فرمائے گا کہ حضور ہمیشہ

الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوٓا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ

دلوں میں سکینہ تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں

غالب رہیں گے اور کسی قسم کی کمزوری رونما نہ ہوگی۔

یہاں ایک نکتہ قابل توجہ ہے۔ ان آیات میں مذکورہ تمام افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن لیغفر اور وینصرک کے بعد اللہ کا اسم کو ظاہراً ذکر کیا۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مغفرت کا تعلق عالم آخرت کے ساتھ ہے اور نصرت وغلبہ کا تعلق دنیا کے ساتھ گویا فرما دیا اے محبوب! تیری دنیا اور تیری آخرت کے تمام امور ہمارے سپرد ہیں۔ نہ اس دنیا میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے اور نہ عقبیٰ کے بارے میں کسی اندیشہ کی ضرورت ہے۔ ان اللہ عز وجل ھو الذی یتولی امرک فی الدنیا والاخرۃ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے دنیوی اور اخروی تمام امور کا ذمہ دار ہے۔

سلہ صلح حدیبیہ کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی معیت میں مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو راستہ میں اس سورت کی پہلی آیتیں نازل ہوئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے محبوب تر اور عزیز تر ہے۔ حضور نے وہ ہی آیت پڑھ کر سنائی۔ جب زبان پاک سے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کے کلمات طیبات ادا ہوئے تو صحابہ خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ مبارکیں پیش کرنے لگے۔ عرض کی ھنیئاً لک یا رسول اللہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! مبارک صد مبارک اللہ تعالیٰ نے حضور کو تو بتا دیا جو معاملہ وہ آپ سے فرمانے والا ہے۔ وما ذا لنا یا رسول اللہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

سکینہ اس اطمینان اور تسلی کو کہتے ہیں جس سے دل کو قرار آجائے اور ہر قسم کے قلق اور تشویش کا قلع قمع ہو جائے صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ سے جو پریشانی اور تشویش تھی اور جس کے باعث ان کے دل بے چین اور بے قرار تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے مضطرب اور بے چین دلوں میں سکون و طمانیت کا نور انڈیل دیا۔ وہ اضطراب جس میں وہ شب و روز گرفتار تھے وہ اطمینان سے بدل گیا۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ مہم جس مرحلہ سے گزری ہر مرحلہ بڑا صبر آزما اور بہت کٹھن تھا۔ حالات کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ کوئی قوم بھی ہوتی اس پر بھی نظم وضبط کے بندھن ٹوٹ سکتے تھے۔ جب ذوالحلیفہ سے احرام کا یہ قافلہ روانہ ہوا تو منافقوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں کودنے کو جا رہے ہیں۔ تھوڑی سی تعداد اور وہ بھی غیر مسلح ان کا بچ کر واپس آنا ممکن نہیں۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شمع جمال کے پروانوں نے اس کی قطعاً پروا نہ کی۔ راستہ میں جب یہ اطلاع ملی کہ کفار ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور وہ جنگ کی مکمل تیاری کر چکے ہیں پھر بھی مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا نہ ہوا۔ بلکہ بڑی شیر دلی سے آگے بڑھتے گئے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ گرم ہوئی اور بیعت رضوان کی دعوت دی گئی اس وقت بھی ان کا جذبہ جاں فروشی دیدنی تھا۔ آگے بڑھ بڑھ کر بیعت کر رہے تھے اور اس عہد کو نبھانے کا عزم کیے ہوئے تھے اور جب صلح کی

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ تاکہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ان

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ

باغوں میں۔ رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرمادے ان سے ان کی

سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

برائیوں کو۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور تاکہ عذاب میں مبتلا کرے منافق مردوں

شرائط طے پاگئیں جو بظاہر کفار کی فتح اور مسلمانوں کی ہار دکھائی دیتی تھیں تو اس وقت بھی حضور کی قیادت پر انہیں اس قدر اعتماد اور بھروسہ تھا کہ سر تسلیم خم کردیا۔ ان تمام مرحلوں میں نظم و ضبط کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ بیک وقت خوف و ہراس، اشتعال و انتقام، مایوسی اور بددلی کے تھپیڑوں کے سامنے ثابت قدم۔ یہ صرف اسی گروہ سے متوقع ہوسکتا ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تسکین و اطمینان کی دولت سے مالا مال کردیا ہو۔

۲؎ اسی تسلیم و رضا، جرأت و دلیری اور ہمت و استقامت جس کا مظاہرہ انہوں نے قدم قدم پر کیا اس کا اجر انہیں یہ دیا گیا کہ ان کی قوت ایمان دوچند ہوگئی اور ان کے یقین کو پختگی نصیب ہوئی۔

۳؎ زمین و آسمان کے سارے لشکر اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں۔ اس کا اشارہ ملے تو چشم زدن میں ساری طاغوتی قوتیں تہس نہس کرکے رکھ دی جائیں۔ ان کو وہم و گمان کی بھی مہلت نہ ملے۔ لیکن اس کو محض اپنی قوت کا اظہار مطلوب نہیں۔ وہ تمام حالات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل سب اس کے سامنے عیاں ہیں اور اس کے سارے کام حکمت کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ صلح اس لیے نہیں کی گئی کہ کفار طاقتور تھے اور مسلمان کمزور اور ان کی ٹکر نہیں لے سکتے تھے بلکہ اس صلح میں گوناگوں حکمتیں ہیں جو اپنے اپنے موقع پر نمایاں ہوں گی۔

۴؎ اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے۔ یعنی مسلمانوں پر سکینہ کا نزول اس لیے ہوا کہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ان انعامات سے نوازا جائے جن کا بیان اس آیت میں کیا گیا ہے۔

۵؎ یکفر کا معنی ہے تغطیہ، کسی چیز کو ڈھانپ دینا، کسی چیز پر اس طرح پردہ ڈال دینا کہ کسی کو اس کے وجود کا پتہ ہی نہ چلے۔ علامہ آلوسی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای یغطیھا ولا یظھرھا والمراد یمحوھا ولا یؤاخذھم بھا۔ (روح المعانی) مقصد یہ ہے کہ اس سفر میں جو غلامان مصطفیٰ ہمرکاب تھے ان کے اعمال نامہ سے ان کی کوتاہیوں، ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو محو کردیا جائے گا۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ کمال مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور لغزشوں پر قلم عفو پھیر دے اور قیامت کے روز جب انسان بارگاہ خداوند ذوالجلال میں پیش ہو تو فرشتے اس کے نامہ اعمال

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ

اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

انہی پر ہے بری گردش ۱۲؎ اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ

ان کے لیے جہنم۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸

اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر ۱۳؎ اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔

سے ایک جزم ہے بطور ثبوت پیش کر سکیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فوز عظیم فرمایا ہے اور اس فوز عظیم کے اولین مستحق اسلام کے وہ جوانمرد جانباز اور سرفروش ہیں جو اس سفر مبارک میں اپنے محبوب آقا کے ہمراہ تھے۔

۱۲؎ مدینہ میں منافق اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ اب مسلمان زندہ بچ کر واپس نہیں آئیں گے۔ کفار مکہ ان کا کچومر نکال کر رکھ دیں گے۔ کفار مکہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنی من مانی شرائط پر صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں گروہوں کی یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی۔ پیغمبر اسلام کا قدم عزت و غلبہ کی منزل کی طرف اٹھ چکا ہے۔ اسلام کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکے گا۔ جزیرہ عرب کے قبائل جوق در جوق اسلام کو قبول کر لیں گے۔ مکہ کے قابل فخر سردار خود چل کر آئیں گے اور حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر طوق غلامی زیب گلو کریں گے۔ اور اس غلامی پر فخر و ناز کریں گے۔ اسلام کی ترقی اور پیغمبر اسلام کی بے مثال کامیابی کو دیکھ کر منافقین رشک و حسد سے پیچ و تاب کھا کر رہ جائیں گے۔ ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ جائے گی۔ ان کے دلوں سے غم و الم کا دھواں اٹھے گا۔ تباہی اور بربادی کا جو چکر چلا کر وہ مسلمانوں کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتے تھے خود ان کو پیس کر رکھ دے گا۔

۱۳؎ شاہد کا معنی گواہ ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے نیک اعمال اور برے اعمال پر گواہ ہیں۔ شاهداً عليهم بما جاء اليهم من طاعة ومعصية شاهداً عليهم يوم القيامة فهو شاهد اليهم اليوم والشهيد عليهم يوم القيامة (قرطبی) یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں اپنی امت کے نیک و بد اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔ تشهد على امتك كقوله تعالى ويكون الرسول عليكم

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ

تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو ۱۲ اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور

اَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ

شام ۔ بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں ۱۳ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے

شہیدا (کشاف) یعنی حضور اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے جس طرح ارشاد ہے۔ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ علامہ مظہری لکھتے ہیں۔ ای شاهدا علی اعمال امته۔ (اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ علامہ آلوسی رقمطراز ہیں۔ اخرج عبد بن حمید و ابن جریر عن قتادۃ ای شاهدا علی امتك وشاهدا علی الانبیاء علیهم السلام انهم قد بلغوا (روح المعانی) عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اپنی امت پر گواہ ہیں اور سابقہ انبیاء کے بارے میں بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اس کی مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳، سورۃ النساء آیت ۴۱، الاحزاب آیت ۴۵۔

۱۲ علامہ راغب اصفہانی اس کلمہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ التعزیر: النصرة مع التعظیم کہ کسی کی نصرت و اعانت کرنا اور اس کے ساتھ اس کی تعظیم و تکریم کو بھی ملحوظ رکھنا (المفردات) علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ التعزیر النصر باللسان والسیف زبان اور تلوار سے کسی کی مدد کرنا (لسان العرب) تعزروہ ای تعظموه۔ کسی کی تعظیم و توقیر کرنا۔ توقیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وقر الرجل بجله والتوقیر التعظیم والترزین یعنی کسی کی تعظیم و احترام کرنا۔ یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان بھی لاؤ اس کی نصرت و اعانت میں اپنا سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے تمام مادی اور ذہنی وسائل کو پیش کر دو اور اس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم دین کی خدمت تو کرو لیکن بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت اور اسی طرح حضور کی تعظیم و تکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ تعزروہ اور توقروہ میں ضمیر مفعول کا مرجع حضور کی ذات والا صفات ہے۔ یہاں وقفہ تام ہے اور تسبحوہ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو۔ بعض علماء نے تمام افعال میں مفعول کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا ہے مگر قرین صواب وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ امام بغوی کا قول ہے کہ پہلے دو فعلوں میں ضمیر مفعول کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تسبحوہ میں ضمیر کا مرجع اللہ عزوجل ہے۔ کہتے ہیں یہ استعمال بکثرت ہے۔ القرینة وعدم اللبس زمخشری نے اس قول کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس طرح انتشار ضمائر لازم آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جب قرینہ موجود ہو اور التباس کا احتمال معدوم ہو تو اس وقت انتشار ضمائر میں کوئی قباحت نہیں۔

۱۳ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہیں۔ کفار مکہ بضد ہیں کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے ہیں۔ اسی اثنا میں

أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا

ہاتھوں پر ہے۔ ۱۲ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے

یہ افواہ پھیلتی ہے کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے ساتھی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ احرام کی دو چادریں اور قربانی کے جانور یہی ان کا زاد سفر تھا۔ لیکن یکایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ اعداء کی قلت اور اسلحہ کے فقدان کی پروا کیے بغیر محض قوت ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل سے ٹکرانا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں یہ بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے ہم میدان جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہل مکہ کو اس خیانت اور سرکشی کی عبرت ناک سزا دیں گے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ غلامان حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پروانہ وار دوڑ دوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور اپنے آقا و مولا کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر جان بازی اور سرفروشی کی بیعت کر رہے ہیں بالغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا اس نے بیعت نہ کی۔ بخدا مجھے اب بھی وہ منظر نظر آرہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

حضور سرور عالمیان نے اپنے ان چودہ سو جاں نثاروں اور سرفروش مجاہدوں کے بارے میں اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا انتم خیر اھل الارض الیوم اے اسلام کے تجاہد مجاہدو! آج روئے زمین پر تم سب سے بہتر لوگ ہو۔ حضرت جابرؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے۔ لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ۔ جنہوں نے اس درخت کے نیچے میرے ساتھ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ (ابن کثیر)

ملا فتح اللہ کاشانی شیعہ اپنی تفسیر منہج الصادقین میں لکھتے ہیں "آنحضرت اصحاب را در تحت شجرہ جمع کرد و ایشان را بتجدید بیعت امر نمود و اصحاب برغبت تمام و جدی لاکلام دست بدست پیغمبر نہادہ بیعت کردند کہ تا بمیرند موت طریق متابعت با آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرعی دارند و در ہیچ زمان طریق فرار سلوک ننمایند و بجہت کمال رغبت ایشان بود کہ این بیعت مسمی شد بہ بیعت رضوان و در اثنائے آں ایں آیہ نازل شدہ" (منہج الصادقین جلد ۸ صفحہ ۳۶۴)

ترجمہ: آنحضرت نے اصحاب کو درخت کے نیچے جمع کیا اور انہیں از سر نو بیعت کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام انتہائی شوق و رغبت اور بڑی سنجیدگی سے آگے بڑھے اور حضور کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر اس بات پر بیعت کی کہ تا دم واپسیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت کے راستہ پر گامزن رہیں گے اور کسی وقت بھی راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام کے بے پناہ اشتیاق اور کمال رغبت کے باعث اس بیعت کا نام بیعت رضوان رکھا گیا اور اسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۲ یہ بیعت بظاہر اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست حق پرست پر ہو رہی ہے لیکن درحقیقت یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تھی۔ اگرچہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا لیکن درحقیقت یہ دست خداوندی تھا۔ جس طرح حضور کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضور سے بیعت، اللہ سے بیعت اور حضور کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق اس آیت کی یہ تشریح کرتے ہیں۔ وقال اهل الحقيقة هذه الآية كقوله تعالى من يطع الرسول فقد اطاع الله فالنبي عليه السلام كان فانيا عن وجوده بالكلية متحققا بالله في ذاته وصفاته وافعاله وكل ما صدر عنه صدر من الله (روح البيان)۔

یعنی اہل حقیقت کہتے ہیں کہ یہ آیت بعینہٖ اس فرمان خداوندی کی طرح ہے کہ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات وصفات سے فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو چکے تھے اس لیے جو فعل حضور سے صادر ہوتا وہ حقیقت اللہ سے صادر ہوتا۔

آج کل جو ہم کسی ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اسی سنت کا اتباع ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں: يقول الفقير ثبتت بهذه الآية سنة المبايعة وتلقين الذكر من المشايخ الكبار وهم الذين جعلهم الله قطب الارشاد بان اوصلهم الى التجلي العيني بعد التجلي العلمي (روح البيان) یعنی فقیر کہتا ہے کہ اس آیت سے بیعت کی سنت اور مشائخ کبار سے اکتساب فیض ثابت ہوتا ہے۔ وہ مشائخ جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطب ارشاد کے مقام پر فائز کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ علمی تجلی سے ترقی دے کر انہیں مشاہدہ کی تجلی تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

قالا كنا عند رسول الله عليه السلام فقال هل فيكم غريب يعني اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله فامر بغلق الباب فقال ارفعوا ايديكم فقولوا لا اله الا الله فرفعنا ايدينا ساعة ثم وضع رسول الله يده ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتني بهذه الكلمة وامرتني بها ووعدتني عليها الجنة انك لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله تعالى غفر لكم۔

ترجمہ: ان دونوں نے کہا کہ ایک دفعہ ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا تم میں کوئی بیگانہ (اہل کتاب) تو نہیں۔ ہم نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد ہوا دروازہ بند کر دو اور اپنے ہاتھ بلند کرو اور کہو لا الہ الا اللہ۔ ایک گھڑی ہم نے اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک نیچے کیا اور فرمایا الحمد للہ۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کلمہ کا حکم دیا اور میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ پر ثابت رہے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور تو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر فرمایا اے فرزندان اسلام! تمہیں مژدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو معاف فرما دیا ہے۔

اس قسم کی متعدد صحیح روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے غلاموں سے بیعت لی۔ کئی دفعہ مستورات کو بھی اس شرف سے مشرف فرمایا۔ لیکن ان کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ پانی کے ایک پیالہ میں پہلے حضور اپنا دست مبارک رکھتے۔ اس کے بعد ان کو اس پیالہ میں ہاتھ ڈالنے کا حکم دیتے۔ حضور نے کبھی کسی اجنبیہ کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ

اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا ۱۸ عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے

مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ

چھوڑ دیئے گئے تھے ۱۹ ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے پس آپ ہمارے لیے معافی طلب کریں۔ وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو

۱۸ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم کے ساتھ بیعت کر کے جس نے بیعت کو توڑ دیا اس نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور جس نے اس بیعت کو پورا کیا اور اس عہد کو ایفا کیا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ وہ جنت میں اقامت گزیں ہوں گے اور اس میں انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا جائے گا جن کو کسی آنکھ نے آج تک دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں وہ کھٹکیں۔ هو الجنة وما يكون فيها مما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر۔

جن نفوس قدسیہ نے اس درخت کے نیچے بیعت کی سعادت حاصل کی ان میں سے کسی نے اس بیعت کو نہیں توڑا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت الشجرة على الموت وعلى ان لا نفر فما نكث احد منا البيعة الا جد بن قيس وكان منافقا اختبأ تحت ابط بعيره ولم يسر مع القوم (کشاف) یعنی ہم نے اس درخت کے نیچے اس بات پر اللہ کے رسول سے بیعت کی کہ ہم جانیں دے دیں گے لیکن راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ ہم میں سے کسی نے اس بیعت کو نہیں توڑا بجز جد بن قیس کے۔ وہ درحقیقت منافق تھا اور جب مسلمان بیعت کر رہے تھے تو وہ اپنے اونٹ کی بغل میں چھپا ہوا تھا۔

۱۹ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب سفر مکہ کی تیاری شروع کی تو مدینہ طیبہ کے قرب میں جو قبائل جہینہ، مزینہ، غفار، اشجع، دیل اور اسلم آباد تھے جو اکثر اسلام سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے رہتے تھے ان کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں ہمراہ چلیں۔ یہ توی اندیشہ تھا کہ کفار کو شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ اگر مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہوگی تو وہ ہر قسم کی نا شائستہ حرکت سے باز رہیں گے۔ قبائل نے سوچا کہ اس سفر میں شرکت تو موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف ہے۔ اہل مکہ جن کی جنگی مہارت اور شجاعت مسلّم ہے ان کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہو چکے ہیں اور مسلمان خندق کھود کر صرف دفاعی جنگ لڑ سکے ہیں۔ اگر مسلمان احرام کی حالت میں ان کے گھر میں جائیں گے تو وہ ان کی تکہ بوٹی کر ڈالیں گے۔ صرف قریش سے ہی مقابلہ نہ ہوگا بلکہ ثقیف، کنانہ اور دیگر قبائل جو مکہ کے اردگرد آباد ہیں وہ بھی قریش کی امداد کے لیے نکل آئیں گے۔ ان حالات میں یہ لوگ مخبر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے لیت و لعل میں وقت گزار دیا۔ صرف یہی وہ سوچا تھا کہ آپ آقا علیہ السلام کی اہمیت اور نتائج سے بے پروا ہو کر عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔

منافقین کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہیں یقین تھا کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر واپس نہیں آئے گا۔ مکہ کے مشرک ان سب کو تہ تیغ کر دیں گے۔ اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا۔ لیکن جب ان کی توقعات کے برعکس اور اندازوں کے بالکل برعکس حضور علیہ السلام کا کاروان ایک حلیم صلح کر کے مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوا تو اب ان پر کپکپی طاری ہو گئی۔ جن کی تباہی کی خبر سننے کے لیے وہ ہر لمحہ گوش بر آواز

بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ

باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ۔ آپ (انہیں) فرمائیے کون ہے جو اختیار رکھتا ہو تمہارے لیے اللہ کے مقابلے میں

شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا

کسی چیز کا اگر ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی نفع کا بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے

تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ

پوری طرح باخبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے پیغمبر اور ایمان والے

تھے وہ تو عافیت واپس آ رہے ہیں۔ انہوں نے اب طرح طرح کے بہانے سوچنے شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی مطلع فرما دیا کہ اے محبوب! جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو بادیہ نشین قبائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنی عدم شمولیت کے لیے طرح طرح کے عذر بیان کریں گے۔ وہ کہیں گے یا رسول اللہ ہم کو دل و جان سے آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار تھے لیکن ہمارے مال اور اہل و عیال کی حفاظت کا اہم کوئی انتظام نہ کر سکے۔ انہیں یونہی چھوڑ کر چلے جانا قرین دانشمندی نہیں تھا۔ ہمارے دشمن اس تاک میں بیٹھے تھے کہ ہم کہیں سفر پر جائیں تو وہ جل بول کر ہمارے مال مویشی ہانک کر لے جائیں اور ہمارے بچوں اور عورتوں کی بے حرمتی کریں۔ اگر یہ جیسا کہ خطرہ در پیش نہ ہوتا تو ہم سو جان سے آپ کے ہمرکاب رہتے۔ پھر بھی ہم اس فروگذاشت پر بڑے نادم ہیں۔ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔

۲۳ اگر ان کی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ ہوتی یا انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا اس پر انہیں پشیمانی اور قلق ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ وہ تو محض بہانہ سازی کر رہے تھے۔ نہ ان کی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ تھی نہ ہی ان کو اپنی اس نازیبا حرکت پر کوئی ندامت تھی اور نہ ہی وہ حضور کی استغفار کو کوئی اہمیت دیتے تھے۔ وہ تو محض منافقت سے کام لے رہے تھے اور اپنی منافقت کو ایک دوسرے روپ میں ظاہر کر رہے تھے۔ ایسے ناہنجاروں کے لیے نہ استغفار کی ضرورت ہے اور نہ اب مزید پردہ پوشی کی ضرورت ہے۔

۲۴ اے محبوب! آپ انہیں فرمائیے کہ تم مال و عیال کی حفاظت کا بہانہ بنا رہے ہو۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہاری موجودگی میں کسی کو پیام اجل آ جاتا تو کیا تم اس کو بچا سکتے۔ تمہاری موجودگی میں اگر کوئی وبا تمہارے ڈنگروں میں پھوٹ پڑتی تو تم کیا کر لیتے۔ تمہارے کھیتوں پر اگر اولے برسنے لگ جاتے تو کیا تم ان پر چھتری تان کر ان کو بچا لیتے۔ نیز اگر تم سفر میں حضور کے ہمرکاب ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم کا دروازہ بند ہو جاتا۔ یہ سب تمہارے نفاق کی نحوست ہے کہ تم ان گوناگوں سعادتوں سے محروم ہو گئے جو حضور کے ساتھیوں کو ارزانی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ اس قسم کے حیلے بنا کر تم اپنے کفر و نفاق کو چھپا نہیں سکتے۔

إِلَىٰٓ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ

اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی ۱۹ اور یہ خیال خوشنما بنا دیا گیا تھا تمہارے دلوں کو ۲۰ اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے

وَكُنتُمْ قَوْمًۢا بُورًا ۝١٢ وَمَن لَّمْ يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ فَإِنَّآ أَعْتَدْنَا

اس وجہ سے تم ہلاک ہونے والے بن گئے ۲۱ اور جو شخص ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں

لِلْكَٰفِرِينَ سَعِيرًا ۝١٣ وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ

کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝١٤ سَيَقُولُ ٱلْمُخَلَّفُونَ

اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ کہیں گے پیچھے چھوڑے جانے

إِذَا ٱنطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ

والے جب تم روانہ ہوگے اموال غنیمت کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کرو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بدل دیں

۱۹ اس سفر میں ان کی عدم شمولیت کی اصل وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۲۰ وہ اسے اپنی دور بینی اور عاقبت اندیشی قرار دے رہے تھے اور اس پر پھولے نہ سماتے تھے کہ انہوں نے ہوا کا رخ پہچان لیا اور اپنے آپ کو ان خطرات سے بچا لیا ہے جن میں مسلمان پھنسنے والے تھے۔ یہ سوچ انہیں بڑی حسین اور صحیح معلوم ہوتی تھی اور اس سے وہ دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے اور خوش ہوتے تھے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں اسلام اور فرزندان اسلام کے لیے خیر سگالی کا ذرا بھی جذبہ ہوتا تو تمہیں مسلمانوں کی اس متوقع تباہی پر کم از کم رنج اور افسوس تو ہوتا کہ بیچارے یونہی اپنی جانیں گنوانے جا رہے ہیں، لیکن تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم یہ خیال کر کے پھولے نہیں سماتے۔ تمہارے نزدیک اسلام اور اہل اسلام کی بربادی کا تصور بھی بڑا دلکش اور از حد پسندیدہ تھا۔

۲۱ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو برباد کرنے والے وہ نہیں جنہوں نے حق کو قبول کیا اور اس کی سربلندی کے لیے معرکہ میدان میں جانے کے لیے بے قرار ہیں بلکہ تم وہ بدبخت ہو جنہوں نے نور حق کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ "بُور" مصدر ہے اس لیے یہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔

علامہ جوہری لفظ "بُور" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ ۚ

اللہ کے حکم کو بدل دیں ۳۲ فرمائیے تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے یونہی فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے

فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۞

پھر وہ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو ۳۳ (ان کا یہ غلط خیال ہے) درحقیقت وہ (احکام الٰہی کے اسرار کو) بہت کم سمجھتے ہیں ۳۴

البور ۔ الرجل الفاسد الهالك الذي لا خير فيه۔ یعنی بُور اس شخص کو کہتے ہیں جو فاسد اور تباہ حال ہو جس میں نیکی اور بھلائی کا شائبہ تک نہ ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن الزبعری جب مشرف باسلام ہوا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا

یا رسول الملیک ان لسانی راتق ما فتقت اذ انا بور

یعنی اے مالک کے رسول! اب میری زبان اس چاک کو سی رہی ہے جو اس نے اس وقت کیا جب میں گمراہ اور تباہ حال تھا۔ اب میں ان کو سینا اور رفو کرنا چاہتا ہوں۔

یہ مؤنث کی صفت بھی واقع ہوتا ہے۔ کہتے ہیں امرأۃ بور۔ تباہ حال عورت۔ جمع کے لیے بھی قوم بور (ای ھلکیٰ یعنی ہلاک ہونے والی) قوم۔ اس کے بعد جوہری کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ بور جمع ہے۔ اس کا واحد بائر ہے۔ مثل حائل وحول۔ لیکن اخفش نے اس کی تردید کی ہے۔

۳۲ جہینہ، مزینہ اور دیگر قبائل جنہوں نے سفر حدیبیہ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تھا گزشتہ آیت میں اس کی اصل وجہ بتائی گئی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک اور ہونے والے واقعہ سے اپنے رسول کریم کو مطلع فرماتا ہے۔ اے حبیب! عنقریب جب آپ ایک دوسرے غزوہ پر روانہ ہونے لگیں گے جہاں کامیابی کے امکانات بالکل روشن ہیں، خطرات کم اور مال غنیمت کے حصول کی توقع بہت زیادہ ہے، یہ مرتبہ پرست لوگ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنے ایمانی جوش اور جذبۂ جہاد کا اظہار بڑے زور شور سے کریں گے اور اس جہاد میں شمولیت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ ان کا مقصد تلافی مافات نہیں ہوگا بلکہ محض اموال غنیمت کے حصول کے لیے اپنے جذبۂ جاں نثاری کا اظہار کریں گے۔ آپ انہیں دو ٹوک بتا دیجیے کہ اس سفر جہاد میں تمہیں شرکت کی اجازت نہیں مل سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس جہاد میں صرف وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے رب کے فیصلے کو بدل ڈالیں۔

۳۳ بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور خوشی سے اسے مان لیں۔ ان کے دلوں میں چھپا ہوا نفاق نمودار ہو کر رہے گا اور شوخ نظری سے کام لیتے ہوئے کہیں گے کہ ہمیں اللہ نے منع نہیں کیا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان ہم سے حسد کرتے ہیں ہم سے جلتے ہیں۔ انہیں یہ گوارا نہیں کہ مال غنیمت میں سے ہمیں بھی کچھ حصہ ملے۔ سارا مال خود ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔

۳۴ بڑے احمق ہیں۔ جس طرح خود لالچی اور حریص ہیں یہ خیال کر لیے ہیں کہ مسلمان بھی دولت کے پرستار ہیں اور ان کا ہادی و مرشد بھی (معاذ اللہ) مال و دولت سمیٹنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ کتنے نادان اور نا سمجھ ہیں۔ جس کی سیرت کا دامن آفتاب سے زیادہ درخشندہ ہے اس کے

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ

فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے

شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا

تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے ۲۶ پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا

حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

اجر دے گا اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نابینا پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے ۲۷ (اگر یہ جہاد میں

جانے میں انہیں بدگمانی کا شکار ہیں۔

۲۶ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بسنے والے قبائل غزوہ خیبر میں شریک ہونے کے لیے بڑے بے تاب تھے۔ ان کی یہ بے تابی اور بے قراری اس لیے نہ تھی کہ وہ اپنی گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ خیبر میں انہیں اموال غنیمت ملنے کی توقع تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب کفار مکہ ان مسلمانوں کی تاب نہیں لا سکے تو بے چارے یہودیوں میں یہ ہمت کہاں کہ وہ مسلمانوں کو مغلوب کر سکیں۔ مسلمان اس مہم میں یقیناً فتح یاب ہوں گے۔ یہودیوں کے باغات، زرخیز زمینیں اور کئی پشتوں سے جمع کیا ہوا مال انہیں مفت ہاتھ آئے گا علاوہ ازیں ان کا شمار بھی فاتحین اسلام میں ہونے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ ان بدوی عربوں کو فرمائیے کہ گھبراؤ نہیں، کفر و اسلام کا یہ آخری معرکہ نہیں کہ اگر تم اس میں شریک نہ ہو سکے تو پھر تمہیں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ اس سینہ گیتی پر جہاد کا یہ سلسلہ تاحشر جاری رہے گا۔ ایک طاقتور اور بہادر قوم سے عنقریب تمہیں نبرد آزما ہونے والا ہے۔ اس وقت تمہیں دعوت جہاد دی جائے گی۔ اگر اس وقت تم نے اس دعوت پر لبیک کہی، میدان جہاد میں دلیری و شجاعت دکھائی اور اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر اس وقت بھی تم نے اپنی روایتی بزدلی اور منافقت کے باعث ٹال مٹول کی اور جہاد میں شرکت سے گریز کیا تو یاد رکھو تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دعوت جہاد ان قبائل کو کب دی گئی اور وہ قوم جس کو قرآن نے اُولِی بَأْسٍ شَدِیدٍ یعنی طاقتور اور جنگجو قوم کا خطاب دیا ہے وہ کون سی قوم ہے۔ تفسیری روایات میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ انسان ان کے مطالعہ سے پریشان ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سی روایت واقعہ کے مطابق ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم کے الفاظ میں غور کیا جائے تو حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور کسی

شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ارشاد خداوندی ہے کہ تمہیں ایسی قوم کے ساتھ لڑنے کی دعوت دی جائے گی جو بڑی طاقتور جنگجو اور بہادر ہو گی۔ اس جنگ کا انجام بھی قرآن نے بتا دیا کہ تقاتلونھم او یسلمون یعنی تم ان سے جنگ کر کے انہیں خاک و خون میں ملا دو گے یا وہ اسلام قبول کریں گے یا تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے۔ ان تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب آپ روایات کا غیر جانبداری سے مطالعہ کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صحیح قول کون سا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد عہد رسالت میں کفر و اسلام کے درمیان چند ہی قابل ذکر معرکے ہوئے۔ غزوۂ موتہ، فتح مکہ، جنگ حنین و طائف، غزوۂ تبوک۔ ان میں سے کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ساتھ ٹکر ہوئی مسلمانوں کی تعداد فقط تین ہزار تھی۔ رومیوں کی تعداد باختلاف روایات ایک لاکھ یا دو لاکھ تھی لیکن اس جنگ کا نتیجہ یقیناً تقاتلونھم او یسلمون نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے تین جرنیل شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے لشکر کی قیادت سنبھالی۔ آپ کی جنگی مہارت، حکمت اور بے مثال شجاعت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر جو ٹڈی دل رومیوں کے محاصرہ میں پھنس گیا تھا اور جس کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہ تھی، حضرت خالدؓ اسے دشمن کے محاصرے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ جنگ فیصلہ کن نہ تھی اسی لیے جب یہ لشکر مدینہ طیبہ واپس آیا تو صحابہ کرامؓ نے ان کا استقبال اس طرح نہ کیا جس طرح ایک فاتح لشکر کا کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض نے تو انہیں بھگوڑا (فرارون) بھی کہا۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "بل انتم کرارون"۔

اس کے بعد فتح مکہ کے لیے روانگی کا وقت آیا۔ ایک لشکر جرار ہمرکاب تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں پہلے ہی خوشخبری دے دی تھی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون۔ یعنی آپ انشاء اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں داخل ہوں گے امن کے ساتھ اور آپ کو قطعاً کوئی خوف نہ ہو گا۔ اس مژدہ کے بعد یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضور جنگ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کو ساتھ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ کفار یکایک مرعوب ہو جائیں کہ اگر کسی کے دل میں شرارت اور فتنہ انگیزی کا خیال ہو بھی تو وہ اس کی ہمت نہ کر سکے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب اسلام کی فوج ظفر موج اپنے ہادی و مرشد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیر قیادت مکہ میں داخل ہوئی تو اکا دکا واقعات کے سوا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا اور جنگ کا اہل مکہ نے ارادہ تک نہ کیا۔ قریش مکہ اگر پہلے اولی باس شدید کا مصداق ہوں تو ہوں لیکن بدر، احد اور خصوصاً غزوۂ احزاب کے بعد تو ان میں یہ دم خم ہی نہ رہا تھا کہ وہ اسلام کے خلاف سینہ سپر ہو سکیں۔ اب تو وہ اپنی دیرینہ ہٹ اور عداوت کو نباہ رہے تھے ورنہ ان کی قوت کھوکھلی ہو چکی تھی۔ جب قریش کے حریف بنی بکر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیف بنی خزاعہ پر شب خون مار کر عہد شکنی کی تو اہل مکہ کی نیندیں اڑ گئیں۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا رہتا کہ اب مسلمان ہم سے انتقام لینے کے لیے چڑھائی کر دیں گے۔ چنانچہ ابو سفیان مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ بڑی الحاح اور خوشامد سے اس صلح نامہ کو برقرار رکھنے کی درخواستیں کرتا رہا۔ کئی صحابہ کرامؓ کی بھی بڑی منت سماجت کی کہ بارگاہ رسالت میں اس کی سفارش کریں لیکن بے نیل مرام وہ مکہ واپس آیا۔ اس لیے فتح مکہ کے وقت قریش اور ان کے حلیف قطعاً اس قابل نہ تھے کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں اولی باس شدید کے الفاظ استعمال ہوتے۔

ہوازن اور ثقیف نے بے شک اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا لیکن اسلام کے بارہ ہزار بہادروں کے سامنے ان دو قبیلوں کے چند ہزار آدمیوں کی کیا حقیقت تھی۔ جنگ حنین کی ابتدا میں جو واقعات رونما ہوئے جن کے باعث ہوازن کا پلہ بھاری نظر آتا ہے وہ میدان جنگ میں پیش نہیں آئے تھے بلکہ مسلمانوں کا لشکر بے توجہی سے ان کی وادی "اوطاس" کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دشمنوں نے کمین گاہوں میں چھپ کر تیر انداز بٹھا رکھے تھے۔ بے خبری اور بے احتیاطی کی حالت میں جب لشکر اسلام کی چند ٹکڑیاں اس تنگ درہ سے گزرنے لگیں تو انہوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی جس سے بھگدڑ مچ گئی۔ لیکن فوراً ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حضرت عباسؓ نے اپنی گرجدار آواز سے مسلمانوں کو للکارا یا معشر الانصار الذین آووا ونصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا تحت الشجرۃ ان محمدا حی فہلموا۔ وادی کے کونے کونے سے لبیک لبیک کی صدائیں گونجنے لگیں سب پروانہ وار دوڑتے چلے آئے اور تھوڑی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ ہوازن و ثقیف اپنی عورتوں، بچوں اور مال مویشی کو پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ علامہ ابن خلدون کے قول کے مطابق صرف چار مسلمان شہید ہوئے۔

واستشہد من المسلمین یوم حنین اربعۃ ایمن ابن ام ایمن اخو اسامۃ لامہ و یزید بن زمعۃ ابن الاسود و سراقۃ بن حرث من بنی العجلان و ابو عامر الاشعری۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲، صفحہ ۴۸)

ان حقائق کو سامنے رکھ کر آپ غزوۂ حنین کا جائزہ لیں، آپ کا دل مان جائے گا کہ اس آیت میں جس جنگ کا ذکر ہے وہ یہ معمولی جھڑپ نہیں ہو سکتی۔

رہا غزوۂ تبوک تو اس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہاں رومیوں کو ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہو سکیں۔ تقاتلونھم او یسلمون کا مفہوم وہاں بھی نہیں پایا جاتا۔

ہاں غزوۂ تبوک کے بعد سب سے پہلے اسلام اور باطل کی جو خونریز لڑائی ہوئی وہی اس آیت کا مصداق ہو سکتی ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ لڑی تھی۔ جن لوگوں نے اس جنگ کے حالات پڑھے ہیں وہی اس کی شدت کا کچھ احساس کر سکتے ہیں۔ بڑے اختصار کے ساتھ اس خونریز معرکہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ کو پورا اطمینان ہو جائے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلت کے بعد عرب کے نومسلم قبائل میں قبائلی عصبیت کا فتنہ جاگ اٹھا اور ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، کوئی خلافت اسلامیہ کی حاکمیت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، بعض طالع آزما ایسے بھی تھے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ سب سے زیادہ خطرناک یہی فتنہ تھا۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسیلمہ کی قوت اور اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لیے موثر اقدامات شروع کر دیے۔ مسیلمہ کذاب کی روز افزوں قوت اسلام اور اسلامی مملکت کے لیے شدید ترین خطرہ بن کر ابھر رہی تھی۔ دو سالوں میں مسیلمہ کے گرد اس کا کثیر التعداد قبیلہ بنو حنیفہ جمع ہو گیا جو اپنی جنگی مہارت اور شجاعت کے باعث عرب بھر میں مشہور تھا اور گرد و نواح کے دوسرے قبائل بھی ان کے ساتھ آکر مل گئے۔ قبائلی عصبیت نے ان کو اس قدر اندھا کر دیا تھا کہ وہ مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے ہوئے بھی اس کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ طلیحہ النمری جو بنو قبیلہ کا سردار تھا یمامہ میں آیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ مسیلمہ کہاں ہے؟ مسیلمہ کے عقیدت مندوں نے جواب دیا کہ تم نام

لے کر مسیلمہ کا ذکر نہ کرو گے اس کو رسول اللہ نہ کہو۔ طلیحہ نے جواب دیا جب تک میں اس کو دیکھ نہ لوں میں اس کو رسول نہیں کہوں گا جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو طلیحہ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کون آتا ہے؟ مسیلمہ نے کہا رحمان۔ پھر اس سے دریافت کیا اَفِیْ نُوْرٍ اَمْ فِیْ ظُلْمَۃٍ روشنی میں آتا ہے یا تاریکی میں۔ مسیلمہ نے کہا تاریکی میں۔ طلیحہ نے جواب دیا اَشْھَدُ اَنَّکَ کَذَّابٌ وَاَنَّ مُحَمَّدًا علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق لکن کذاب ربیعۃ احب الینا من صادق مضر۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں لیکن ربیعہ قبیلہ کا جھوٹا ہمیں مضر قبیلہ کے سچے سے زیادہ محبوب ہے۔

اس ایک واقعہ سے آپ قبائلی عصبیت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے مسیلمہ کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ سارے علاقہ پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ پہلے مسلمانوں کا لشکر عکرمہ ابن ابی جہل کی قیادت میں آیا لیکن ان کے شدید حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت شرحبیل ابن حسنہ نے مسیلمہ پر دھاوا بولا لیکن نتیجہ یہی رہا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضرت خالد کو جنہیں حضور نے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف من سیوف اللہ) فرمایا تھا اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر میں اکابر مہاجرین اور اہل انصار کی کثیر تعداد تھی۔ حفاظ قرآن بھی کافی تعداد میں تھے۔ چنانچہ عقربا کے گاؤں کے کھلے میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ مسیلمہ کے جاں فروش سپاہیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ اتنا بڑا لشکر اہل عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سارے سپاہی فولادی زرہوں میں ملبوس تھے۔ اسلحہ کی فراوانی تھی۔ تلوار کی کمی نہ تھی۔ جب یہ جنگ شروع ہوئی جس کے نتیجہ پر اسلام کے مستقبل کا انحصار تھا تو مرتدین نے پہلا حملہ اس شدت سے کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ دشمن بڑھتے بڑھتے اس خیمہ تک چلا آیا جو کمانڈر انچیف کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ حضرت خالد کی جنگی مہارت اور بے نظیر شجاعت کام آئی۔ حضرت خالد خود گھوڑے پر سوار ہوئے۔ یا محمداہ کا نعرہ لگایا اور مسیلمہ پر حملہ کر دیا۔ چند گھنٹوں کی خونریز لڑائی میں دشمن کے سات ہزار سے زیادہ سپاہی ہلاک ہو گئے۔ حضرت خالد نے حکم دیا اور مسیلمہ کے گرد حلقہ بنا کر کٹنے مرنے والے سپاہیوں پر بجلی بن کر گرے اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ اس اچانک اور بے پناہ حملہ سے ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہوں نے مسیلمہ سے پوچھنا شروع کیا۔ این ما کنت تعدنا۔ جس نصرت کا تم ہم سے وعدہ کیا کرتے تھے وہ کہاں ہے؟ مسیلمہ نے کہا قاتلوا علی احسابکم۔ میری امداد و مدد کا انتظار نہ کرو۔ اب اپنی خاندانی عزت و حمیت کے لیے جنگ کرو۔ یہ کہا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ محکم ابن طفیل نے جب اپنی قوم کی یہ رسوائی دیکھی اور افراتفری کے عالم میں سپاہیوں کو شکست کھا کر بھاگتے دیکھا تو پکارا۔ یا بنی حنیفۃ الحدیقۃ الحدیقۃ۔ اے بنی حنیفہ باغ میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں قریب ہی ایک وسیع باغ تھا جس کی چار دیواری بڑی مضبوط اور اونچی تھی اور آہنی دروازے بڑے پختہ تھے۔ وہاں جا کر انہوں نے پناہ لی۔ حضرت براء ابن مالک نے جب یہ دیکھا کہ دشمن قلعہ نما باغ میں پناہ گزیں ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ مجھے اوپر اٹھا کر کسی طرح باغ کی دیوار پر چڑھا دو۔ انہوں نے منع کیا لیکن ان کا اصرار برقرار رہا چنانچہ آپ کو دیوار پر پہنچا دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بڑی پھرتی سے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور راستہ میں جو مرتد ملا اس کو تہ تیغ کر دیا یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچے اور اسے کھول دیا۔ مسلمان مجاہدین اندر داخل ہو گئے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی یہاں تک کہ وحشی (قاتل سیدنا حمزہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ جب اس کے لشکریوں کو

حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

(ہو سکیں) تنگی اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٧ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ

نہریں۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔ یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ۱۷ (ان)

معلوم ہوا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ سات ہزار کفار وہاں مارے گئے۔ دشمن کے مقتولوں کی مجموعی تعداد اکیس ہزار بتائی ہے۔ مسلمانوں کا بھی شدید جانی نقصان ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں جلیل القدر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظیم قیادت، حضرت خالدؓ کی بے نظیر عبقریت اور صحابہ کرامؓ کی بے مثل شجاعت و بہادری نے فتنہ انکار ختم نبوت کو ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔

یہ وہ پہلا معرکہ ہے جو اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں اور ایک ایسی قوم کے درمیان ہوا جس پر اولی باس شدید کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی تقاتلونھم او یسلمون کے عین مطابق ہوا۔ حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واللہ لقد کنا نقرأ ھذہ الآیۃ فیما مضی ستدعون الی قوم اولی باس شدید فلا نعلم من ھم حتی دعانا ابوبکر الی قتال بنی حنیفۃ فعلمنا انھم ھم

بخدا پہلے ہم یہ آیت پڑھا کرتے تھے لیکن ہمیں یہ علم نہ تھا کہ وہ جنگجو قوم کون سی ہے جس کے ساتھ ہمیں جنگ کی دعوت دی جائے گی جب صدیق اکبرؓ نے ہمیں بنی حنیفہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ہم جان گئے کہ یہی وہ قوم ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

۲۶؎ مدینہ طیبہ میں کئی مخلص مسلمان جو نابینا یا لنگڑے یا بیمار تھے وہ بھی اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ انہوں نے جب مخلفین کے بارے میں یہ آیت سنی تو بے چین ہو گئے کہ مبادا ان کا شمار بھی کہیں ان کے زمرہ میں ہو۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ بندہ نواز! یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول! ہمارا کیا بنے گا؟ ہم بھی تو اس سفر میں شریک نہ تھے۔ ان کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۷؎ آیت نمبر ۱۰ میں حضور سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا کہ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا کوئی معمولی بیعت نہیں ہے یہ ہاتھ اللہ کا ہے۔ رسول کے ساتھ بیعت رسول کے خدا ذوالجلال کے ساتھ بیعت ہے۔ گویا تم براہ راست اپنے رب کے ساتھ معاہدہ کر رہے ہو کہ اسے بھی بیعت سے بہت کرنے والے والے بھی اپنے گونا گوں انعامات و احسانات سے سرفراز فرمائے گا۔ اس میں [illegible] ایمان کو نور عشق سے فروزاں کرنے والے تمہارا بندہ وعدہ کر رہا ہے کہ تیری رضا میرا اصل مطلوب ہے اور اس کے حصول میں سر کٹا دینا میری معراج ہے۔

وعدہ کرنے والے تو بہت ہوتے ہیں لیکن اس کو نبھانے والے کم ہوتے ہیں۔ یہاں اس بات کی بھی تصریح کر دی کہ جو وعدہ کرکے

تنے گا وہ اپنی ہی رسوائی اور زبوں حالی کا باعث بنے گا لیکن جس نے پیمانِ وفا باندھا اور پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ جس اجر کو قرآن عظیم کہہ رہا ہے اس کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

ان آیات میں ان مردانِ پاکباز، عاشقانِ وفا کیش، منزلِ مہر و وفا کے خستہ احوال مسافروں کا ذکر تحسین کے ساتھ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور پھر اس کا حق ادا کر دیا۔ ساتھ ہی اس جاں سپاری اور وفاشعاری کا جو صلہ بارگاہِ رب جلیل سے انہیں ارزانی ہوا اس کو بیان کر دیا تاکہ زمانہ دیکھ لے کہ اللہ کے حبیب کے غلام اس کے لطف و کرم کے پروردہ، اسلام کے لشکر کے یہ جیالے شاہسوار کس قسم کے لوگ تھے۔

سنہ ۶ھ ذی القعدہ کے مہینہ میں حضور سرورِ کائنات علیہ اطیب الصلوٰۃ واجمل التحیات اپنے چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے احرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ ذاتی حفاظت کے لیے ایک تلوار کے علاوہ کسی قسم کا سامانِ جنگ ان کے پاس نہ تھا۔ اللہ کے بندوں کا یہ گروہ اللہ کے گھر کی زیارت کے شوق سے سرشار ہو کر مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اہلِ مکہ کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مناسب سمجھا کہ ان کے پاس اپنا سفیر بھیج کر انہیں اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کریں اور ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیں کہ مسلمان مکہ پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔ اس نازک اور اہم مقصد کی تکمیل کے لیے نگاہِ رسالت نے چودہ سو صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا۔ آپ کے وہاں جانے کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار مکہ نے آپ کو شہید کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نازک صورتِ حال میں ایک ایسا اقدام کیا جس سے دنیا بھر کے جرنیل سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ قوم کے جوش و خروش کو کس طرح تعمیری مقصد کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ حضورؐ ایک درخت (ببول) کے نیچے تشریف فرما ہو گئے اور فرزندانِ اسلام کو دعوت دی کہ وہ اس بات پر بیعت کریں کہ جب تک خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لیں گے میدانِ جنگ سے نہ ہٹیں گے۔ اس بیعت کی برکت سے مسلمانوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور جاں بازی کا وہ بے پناہ جذبہ بیدار ہو گیا جس کو دنیائے کفر کے لشکرِ قاہرہ بھی شکست نہیں دے سکتے تھے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے صلح کر لینے میں ہی اپنی خیریت دیکھی۔ اس بیعت کی دوسری برکت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز بندوں اور اپنے محبوب کی شمعِ جمال کے پروانوں کے سروں پر اپنی رضا کا تاج سجا دیا۔

مبارک صد مبارک اے اسلام کے سر بکف مجاہدو! تمہارا رب تم پر راضی ہو گیا۔ مبارک صد مبارک! اے مکتبِ محمدی کے شاگردو! تم اپنی زندگی کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ مبارک صد مبارک! اے دامنِ عشق کو اپنے حسنِ عمل اور خلوصِ نیت کے رنگین پھولوں سے آراستہ کرنے والو! قیامت تک آنے والے اربابِ وفا کی راہ میں تم نے ایسے چراغ روشن کر دیے ہیں جن کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے گی۔ تمہاری جاں فروشی کے طفیل محبت کی دنیا آباد رہے گی۔ جادۂ حق کے مسافر تمہارے کارناموں سے تا ابد اکتسابِ فیض کرتے رہیں گے۔

آیت کے ان نورانی کلمات میں غور کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے۔ کس انداز سے فرما رہا ہے اور کن کے بارے میں فرما رہا ہے۔ لام تاکید قسم برائے تاکید۔ رضی ماضی کا صیغہ جو تحقق اور قطعیت پر دلالت کرتا ہے۔ اسم جلالت کو ظاہر ذکر کر کے واضح فرما دیا کہ بلاشک و شبہ

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا ۳۲

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر ۳۳ اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی ۳۴ اور بہت سی غنیمتیں بھی عطا کیں

اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے کن سے؟ المؤمنین سے۔ اہل ایمان سے اور کب راضی ہوا؟ جس وقت اس کے حبیب آپ اس درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور یہ غلام وفادار حاضر ہو کر آپ کے دست پاک پر سرفروشی، جان بازی اور وفا شعاری کی بیعت کر رہے تھے۔

اہل علم آیت کی بلاغت پر غور فرمائیں کہ رضی ماضی کا صیغہ استعمال کیا، اور یہ یقین دلا دیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا، اور خوشنودی کی دولت سے انہیں مالا مال کر دیا، اور یہاں مضارع ذکر نہیں کیا۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی یہ ادا اتنی پسند آئی ہے کہ اسے ماضی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ بیعت کا وہ حال افروز منظر اب بھی نگاہوں میں ہے کہ آپ بیٹھے ہیں، آپ کے پاس شمع رسالت کے پروانے ذوق و شوق سے چلے آ رہے ہیں اور بیعت کر رہے ہیں، یہ منظر اس کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوگا، ہمیشہ حاضر رہے گا، ماضی کی داستان نہیں بنے گی۔

۳۲ یعنی ہم جانتے ہیں کہ ان کے دلوں کی کیفیت خلوص اور محبت کو خوب جانتے ہیں اور اسی بنا پر ہم نے ان کو اپنی رضا مندی کی سند عطا فرمائی ہے۔ ایک شیعہ مفسر طبرسی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فعلم ما فی قلوبهم من الیقین والصبر والوفاء۔ (مجمع البیان جلد ۹ صفحہ ۱۱۷) یعنی ان کے دلوں میں یقین، صبر اور وفا کے پاکیزہ جذبات تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں جان لیا۔ ایک دوسرے شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں: فعلم ما فی قلوبهم آنچہ در دلہائے ایشاں است از خلوص نیت و صدق عزیمت در بیعت و وفا و صداقت نیت۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۸ صفحہ ۳۷۹) یعنی ان کے دلوں میں جو عقیدت، اخلاص، صداقت اور وفا کے جذبات تھے ان کو جان لیا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کا خلوص اور ایمان ثابت ہو گیا، ان کی تصدیق ہو گئی۔ اب ان خوش نصیبوں کو برا کہنا، جن کے دلوں کے نور ایمان سے منور ہونے کی گواہی خود علیم بذات الصدور دے رہا ہے، کسی کور باطن کی شقاوت کی علامت ہو سکتی ہے۔

۳۳ اللہ تعالیٰ نے ان مخلص بندوں کو جن انعامات اور نوازشات سے نوازا، ان کا بالترتیب یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ پہلا احسان تو یہ فرمایا کہ ان کے دلوں کو سکون اور طمانینت سے معمور کر دیا۔ شاید کسی کو شعور نہ ہو کہ اس انعام کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کی نظر میں اس کی قدر و قیمت اہم ہو۔ چودہ سو افراد ہیں، دشمن کے نرغے میں ہیں، دشمن سے نبرد آزمائی کے لیے ان کے پاس ہتھیار نہیں، وطن سے سینکڑوں میل دور ہیں، ایسی حالت میں اگر وہ قوی دل ہو کر بیعت کرتے ہیں اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہیں، تو یہ اللہ کا احسان ہے۔ ان کے حوصلے بلند ہیں اور اندیشہ کی بجائے وہ عزم کی قوت سے سرشار ہیں، اس سے پتہ چلا کہ فانزل السکینة علیهم کی نعمت کتنا بڑا احسان ہے۔ یہ انعام کن لوگوں کو دیا گیا؟ فرمایا: علیہم، یعنی جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر اس درخت کے نیچے میرے محبوب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ علامہ طبرسی اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وهی اللطف المقوی لقلوبهم والطمانینة یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قوی کر دیا اور طمانینت سے لبریز کر دیا۔ (مجمع البیان جلد ۹ صفحہ ۱۱۷)

۳۴ یہ دوسرا انعام ہے جس سے مخلصین کی اس جماعت کو سرفراز کیا گیا یعنی عنقریب ہم تمہیں دشمن کے مقابلہ میں فتح عطا فرمائیں گے اور عمرو

يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً

جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے ۳۱ اور اللہ تعالیٰ سب پر زبردست بڑا دانا ہے۔ اے غلامانِ مصطفیٰ! اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم لے گے

ذکر ہے کہ جو صدمہ تمہیں پہنچا ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ جب کفر سرنگوں ہوگا اور اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو تمہارے رنجیدہ دل فرحت اور انبساط سے بے تاب ہو جائیں گے۔

یہاں بھی اثابہم میں ضمیر کا مرجع وہی لوگ ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان کا شرف حاصل کیا تھا۔

اس خوش خبری کا مصداق فتح خیبر ہے کیونکہ سفر حدیبیہ کے بعد قریب میں جو واقعہ پیش آیا وہ یہودیوں کے مضبوط قلعے اور تمام گڑھیاں فتح ہوئیں اور لشکر اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو حکم دیا کہ اس سفر میں صرف وہی لوگ ہم رکابی کا شرف حاصل کریں گے جو حدیبیہ کے سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے بھی فاثابہم کی ضمیر کا مرجع متعین ہو گیا۔

۳۱؎ یہ تیسرا انعام ہے جس سے جاں نثاروں کے اس گروہ کو سرفراز فرمایا جا رہا ہے یعنی ہم انہیں مالِ غنیمت دیں گے اور کثرت دیں گے جس سے ان کے افلاس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں اموالِ غنیمت جنہیں مغانم کثیرہ کہا گیا ہے خیبر سے حاصل ہونے والے منقولہ و غیر منقولہ اموال و املاک ہیں۔

حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ جس صلح نامہ پر دستخط ہوئے اس کی مدت دس سال تھی۔ اس صلح سے اہل مکہ اور ان کے حلیف قبائل جو مکہ کے گرد و نواح اور جنوبی حجاز میں پھیلے ہوئے تھے ان کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ختم ہو گیا۔ اس طرح مدینہ طیبہ جو مسلسل کئی سال سے دشمن سے برسر پیکار تھا، شب و روز ان کی یلغار کا کھٹکا لگا رہتا تھا اس سے سکون ملا تو فوراً آپ نے ایک دوسرے محاذ کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ علاقہ خیبر مکہ جو سو میل کا تھا۔ اسلام اور اہل خیبر کے سلسلہ جنگ سے عداوت میں یہ لوگ کفار مکہ سے دو قدم آگے تھے۔ ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ خیبر کی زرخیز وادی ان کی ملکیت تھی۔ وہاں انہوں نے اونچی چٹانوں پر متعدد قلعے اور گڑھیاں بنائی ہوئی تھیں جو دفاعی نقطۂ نظر سے بڑی مستحکم تھیں۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جلاوطنی نے ان کی عداوت کو اور بھڑکا دیا تھا۔ ان کے پاس افرادی طاقت کی بھی کمی نہ تھی۔ خیبر کے قلعوں میں جنگجو بہادر مردوں کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ انہوں نے اسلحہ کے انبار اکٹھے کر رکھے تھے۔ ان کے پاس خوراک کے اتنے ذخائر تھے جو محاصرہ کی صورت میں کافی مدت تک ان کے کام آ سکتے تھے۔ عرب کے مشرک قبائل پر ان کا اثر و رسوخ تھا۔ شمالی حجاز میں مختلف مقامات پر وادی القریٰ، تیماء میں جو یہودی قبائل آباد تھے وہ ان کو ساتھ ملا کر مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ قبیلہ غطفان سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے۔

ایسے خطرناک اور کینہ توز دشمن کی طرف سے صرف نظر کیا انہیں حملہ کی تیاری کے لیے مزید مہلت دینا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے خلاف تھا۔ حضور نے خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی اور اس مہم میں شرکت کے لیے ان جاں باز مردوں کو دعوت دی گئی جو حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان سے مشرف ہوئے تھے۔ یہ سفر بڑی راز داری اور بڑی تیزی سے کیا گیا۔ ایک رات لشکر اسلام خیبر کی طرف رواں دواں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عامر بن اکوع کو یاد فرمایا۔ انزل یا ابن الاکوع فخذ لنا من ہناتک

اے اکوع کے فرزند! اترو اور اپنا کلام سناؤ، وہ اترے اور انہوں نے بڑی خوش الحانی سے یہ اشعار پڑھے

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا   ولا تصدقنا ولا صلینا

بخدا اگر اللہ تعالیٰ مہربانی نہ فرماتا تو ہم کو ہدایت نصیب نہ ہوتی اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھنے کی توفیق میسر آتی۔

انا اذا قوم بغوا علینا   وان ارادوا فتنۃ ابینا

ہم وہ جانباز ہیں کہ اگر کوئی قوم ہم پر سرکشی کرتی ہے اور ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتی ہے تو ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

فانزلن سکینۃ علینا   وثبت الاقدام ان لاقینا

الٰہی! ہم پر سکینہ نازل فرما اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

ان کے یہ شعر سن کر حضور بڑے خوش ہوئے اور فرمایا۔ یرحمک ربک اے عامر! تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمر فوراً بول اٹھے۔ وجبت یا رسول اللہ لو امتعتنا بہ۔ مقتول یوم خیبر۔ اے اللہ کے پیارے رسول! آپ کے اس غلام پر شہادت واجب ہو گئی۔ کاش حضور کچھ دیر اور ہمیں ان سے مستفید ہونے دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے غزوۂ خیبر میں شہادت پائی۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خیبر ایک شہر کا نام ہے۔ وہاں ایک ہی قلعہ تھا۔ جب وہ فتح ہوا تو خیبر پر سلطان اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح صحابہ کرام نے خیبر کو سر کرنے میں جن جانبازیوں کا مظاہرہ کیا اور جس طرح داد شجاعت دی ان کا صحیح علم نہیں ہو سکتا۔ میں قارئین کرام کی اجازت سے حقیقت حال ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔

خیبر ایک علاقہ کا نام ہے جس میں کئی آبادیاں، متعدد قلعے اور گڑھیاں تھیں۔ یہ علاقہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک کا نام "نطاۃ" ہے۔ یہ پہاڑی حصہ ہے۔ اس میں چٹانیں، اونچے نیچے ٹیلے اور پتھریلی زمین ہے۔ دوسرے کا نام "شق" ہے۔ یہ نرم زمین میں واقع ہے اس کی آب و ہوا صحت کے لیے مضر ہے۔ "نطاۃ" کے مشہور قلعوں کے نام یہ ہیں: حصن ناعم، حصن الصعب بن معاذ، حصن قلۂ زبیر۔ اور شق کے مشہور قلعوں کے نام یہ ہیں۔ سموان، نزار، قموص، وطیح اور سلالم۔

جب حضور خیبر کی وادی میں داخل ہونے لگے تو سب کو حکم دیا۔ "قفوا" رک جاؤ۔ پھر یہ دعا مانگی:

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما اذرین فانا نسألک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا۔ اے اللہ! اے آسمانوں کے رب اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں اور اے زمینوں کے رب اور جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اے شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے۔ اے ہواؤں کے رب اور جنہیں وہ اڑاتی ہیں ہم تجھ سے اس گاؤں اور اس میں رہنے والوں کی بھلائی کی التجا کرتے ہیں اور ہم اس گاؤں، اس میں رہنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ (ہر بستی میں داخل ہوتے وقت یہی دعا مانگا کرتے)۔

پھر وادیٔ خیبر میں داخل ہو گئے۔ صبح کا وقت تھا۔ یہودی حسب معمول روزمرہ کے کام کے لیے کدالیں، کستیاں اور ٹوکرے اٹھائے

ہوئے اپنے قلعوں سے باہر نکل کر کام کاج کے لیے جا رہے تھے لشکرِ اسلام کو وہاں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ واللہ محمد والخمیس خدا کی قسم یہ محمد ہیں اور ان کا لشکر۔ یہ کہتے ہوئے وہ واپس بھاگے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک بلند کرتے ہوئے نعرہ لگایا۔ اللہ اکبر خربت خیبر۔ انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر اجڑ گیا۔ ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان کی صبح بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا۔ (ابن کثیر، ابن ہشام، ابن خلدون)

بڑی شدید جنگ ہوئی۔ یہودیوں نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا۔ یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی اور قلعہ پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا۔ طبرانی نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ حضور نے اس روز ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی مانگا کرو۔ لیکن جب جنگ کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے فقولوا اللّٰھم ربنا وربھم نواصینا ونواصیھم بیدک انما تقتلھم انت ثم الزموا الارض جلوسا فاذا غشوکم فانھضوا وکبروا یعنی دشمن جب حملہ بول دے اس وقت کہو اے اللہ! تو ہمارا اور ان کا رب ہے۔ ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ان کو قتل کرتا ہے پھر کہ کر زمین پر بیٹھ جاؤ پھر جب دشمن تم پر حملہ بول دیں تو کھڑے ہو جاؤ اور زور سے نعرۂ تکبیر بلند کرو۔

قلعہ ناعم سر کرنے کے بعد قلعہ صعب کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط تھا اس میں ان کے خوراک کے ذخائر تھے۔ اس کی حفاظت کا انہوں نے بڑا اہتمام کیا ہوا تھا۔ تین روز تک جنگ ہوتی رہی۔ دونوں فریق داد شجاعت دیتے رہے۔ مسلمانوں کے پاس خوراک کی شدید قلت تھی۔ حضرت حباب بن منذر کو حضور نے یاد فرمایا۔ ان کو علم دیا اور اپنے دعاؤں کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف روانہ کیا۔ یہود کی طرف سے یوشع نامی پہلوان میدان میں آیا اور دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت حباب نے ایک ہی وار میں اس کو ڈھیر کر دیا۔ پھر زبال نامی یہودی اپنی تلوار لہراتا ہوا آیا۔ عمارہ بن عقبہ الغفاری نے اس کو واصل جہنم کیا۔ آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا۔ اس میں جو، کھجوریں، گھی، شہد، زیتون، چربی وغیرہ کے اتنے ذخائر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی فاقہ کشی کا خاتمہ ہوا۔

لیکن علامہ ابن اثیر اور ابن خلدون کے قول کے مطابق قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ یہودیوں کے سردار ابی الحقیق کے بیٹوں کا قلعہ تھا۔ اس میں یہودیوں کی عورتیں، بچے تھے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ قلعہ کتنا مضبوط ہوگا لیکن چند دن کی شدید جنگ کے بعد اس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

علامہ پانی پتی کے قول کے مطابق قلعہ صعب کے بعد صحابہ نے قلعہ زبیر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ تین دن گزر گئے یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ اس اثنا میں غزال نامی ایک یہودی حضور کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے ابو القاسم! اگر آپ مجھے امان دیں تو میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں گا جس سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ ویسے اگر آپ ایک مہینہ تک بھی اس کا محاصرہ کیے رہیں تو یہودیوں کو پرواہ تک نہ ہوگی۔ قلعہ میں سرنگیں ہیں۔ رات کے وقت وہ ان سرنگوں سے نکل کر پانی بھر لاتے ہیں۔ اگر ان سرنگوں کو تباہ کر دیا جائے تو یہودی فوراً ہتھیار ڈال دیں گے۔ چنانچہ حضور نے ایسا ہی کیا۔ یہودی اب کھلے میدان میں نکل کر لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ سخت جنگ ہوئی۔ بہت سے صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش کیا اور یہودیوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حضور کو فتح ہوئی۔

نطاۃ کے علاقہ کا یہ آخری قلعہ تھا۔ اس علاقہ سے فراغت ہوئی تو شق کے علاقہ میں یہودیوں کے قلعوں کو سر کرنے کی طرف حضور متوجہ ہوئے سب سے پہلے قلعہ سموان کا محاصرہ کیا گیا فریقین نے اپنی اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھلائے۔ عزول نامی یہودی دعوت مبارزت دیتا ہوا میدان میں آیا حضرت حباب بن منذر آگے بڑھے اس کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد ایک اور یہودی بہادر نے مسلمانوں کو للکارا حضرت ابودجانہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا قلعہ پر دھاوا بول دیا اس کے آہنی دروازے کو توڑ کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے حضرت ابودجانہ پیش پیش تھے۔ ان کی تلوار یہودیوں پر بجلی بن کر گر رہی تھی۔ یہاں بھی مسلمانوں کو بہت سا قیمتی سامان، زیور اور خوراک کے ذخائر دستیاب ہوئے۔ یہاں شکست کھانے کے بعد یہودی بھاگ کر اسی علاقہ کے دوسرے قلعہ حصن نزار میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ ایک کثیر جمعیت قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ ان لوگوں نے لشکر اسلام پر سنگ باری اور تیر اندازی کی حد کر دی۔ کئی تیر حضور کے لباس کے ساتھ آ کر پیوست ہو گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور انہیں اس قلعہ کی طرف پھینکا۔ قلعہ کی فصیلیں لرز گئیں۔ ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

ابن کثیر، ابن اثیر اور اہل مغازی کی روایات کے مطابق آخری قلعے جن پر مسلمانوں نے حملہ کیا وہ وطیح اور سلالم کے قلعے تھے انہیں میں سے ایک قلعہ میں مرحب نامی ایک پہلوان تھا جس کی قوت، بہادری اور فنی مہارت کی دھوم سارے جزیرہ عرب میں مچی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامور صحابہ نے جب یہودیوں کے ان آخری مورچوں پر حملہ کیا تو انہوں نے بھی جان کی بازی لگا دی کئی دن لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن حضور نے حضرت صدیق اکبر کو لشکر کے ساتھ بھیجا۔ دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ شام کو یہ لشکر اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ دوسرے روز حضرت فاروق اعظم کی قیادت میں لشکر نے اس قلعہ پر حملہ کیا۔ شدید لڑائی ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اما واللہ لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یاخذہا عنوۃ "بخدا کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے۔ وہ اس قلعہ کو زبردستی یہودیوں سے چھین لے گا۔" صبح ہوئی۔ حضور نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یاد فرمایا۔ عرض کی گئی ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ فرمایا انہیں لے آؤ۔ سلمہ کہتے ہیں میں آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر بارگاہ رسالت میں لے گیا۔ حضور نے پوچھا علی! کیا ہوا؟ عرض کی آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔ سخت درد ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ فرمایا میرے نزدیک آؤ۔ میں قریب گیا تو حضور نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا اپنا لعاب دہن اپنی مبارک ہتھیلیوں پر ڈالا اور میری آنکھوں پر لگا دیا پھر کیا تھا درد غائب آشوب چشم کافور۔ ایسے معلوم ہوا جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اسلام کا پرچم شیر خدا کو مرحمت فرمایا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف رخصت کیا اور ہدایت فرمائی کہ ان کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اگر ایک شخص کو بھی تیری وجہ سے ہدایت نصیب ہو گئی تو یہ بے شمار سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ آپ نے قلعہ کے قریب جا کر ایک میدان میں جھنڈا گاڑ دیا۔ اس روز آپ نے سرخ لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ قلعہ کی دیوار سے ایک یہودی نے جھانکا اور پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا علی ابن ابی طالب۔ اس نے قلعہ بند یہودیوں کو کہا اب تمہاری شکست یقینی ہے۔ "غلبتم یا معشر الیہود" تو مرحب مست ہاتھی کی طرح دندناتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا۔ اس کے سر پر آہنی خود تھا۔ اس کے جسم

پھر چمکدار اس کی زرہ تھی وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

یعنی خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ پوری طرح مسلح ہوں، بہادر ہوں، ماہر اور تجربہ کار ہوں۔
اس کی اس بڑ کو سن کر علی المرتضیٰ شیر خدا شیر کی طرح گرجے اور فرمایا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ   اکیلکم بالسیف کیل السندرہ

لیث بغابات شدید قسورہ   (ابن اثیر)

میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے۔ میں اپنی شمشیر خارہ گداز کے ساتھ خوب ناپ تاپ کر دوں گا۔ میں جنگلوں کا شیر ہوں، بہت سخت، بہت نڈر۔

دونوں پہلوان ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ میدان ان کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ بجلی کی تیزی سے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کر رہے تھے۔ آخر ذوالفقار حیدری کا صاعقہ موت بن کر اس پر گری۔ ڈھال پارہ پارہ ہو گئی۔ خود کو کاٹتی ہوئی سر کو چیرتی اس کے جسم میں اتر آئی اور اس کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی پار نکل گئی۔ مرحب کا لاشہ زمین پر خون میں تڑپ رہا تھا۔ لشکر اسلام میں نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند ہوئیں اور یہود کا یہ آخری حصار بھی ضرب حیدری سے مسمار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں باز اور بہادر مجاہدوں کو ایسی فتح و ظفر عطا فرمائی تھی جنہوں نے خیبر کے ان مضبوط قلعوں کو ایک ایک کر کے فتح کیا اور ان پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ ان قلعوں کے فتح ہو جانے سے بے شمار اموال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ نہ اجناس خورد و نوش کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور نہ دیگر قیمتی ساز و سامان کا۔ جو سامان جنگ دستیاب ہوا وہ بھی بے اندازہ تھا۔ خیبر کی زرخیز وادی جس میں کھجوروں کے سرسبز و شاداب باغات تھے اور لہلہاتے ہوئے کھیت تھے، سب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرما دیے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو اس آیت میں کیا گیا تھا۔ "وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا"۔

اب آپ اس آیت کو دوبارہ پڑھیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان صحابہ کرام کا کتنا بلند مقام ہے جنہوں نے حدیبیہ کے میدان میں اپنے آقا و مولیٰ کے دست مبارک پر سرفروشی کی بیعت کی تھی۔ ان خوش نصیبوں کو چند ماہ کے اندر اندر ایک خطرناک دشمن پر فتح عطا فرمائی۔ مال غنیمت اتنا دیا جس کا انہوں نے کبھی تصور تک بھی نہ کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے خلوص اور ایمان کی خود گواہی دی اور ان کو اپنی خوشنودی کے مژدہ سے سرفراز فرمایا اور اپنی رضا کا ایسا تاج ان کے سروں پر سجایا جس کی آب و تاب چشم دہر و ماہ کو قیامت تک خیرہ کرتی رہے گی۔ جس کی چمک دمک میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا رہے گا۔ جنہوں نے اپنے رب کو راضی کر لیا، جن پر ان کا رب راضی ہو گیا۔ اگر کوئی بدباطن یا کم فہم ان سے برہم یا ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ ان کی شان رفیع میں گستاخی کرتا ہے تو کرتا رہے۔ اس طرح وہ اپنا نامہ اعمال ہی سیاہ کرے گا۔ ان نفوس قدسیہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا کنت عنی یا منی القلب راضیا   اری کل من فی الکون لی یتبسم

اے میرے دل کی مراد! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میرے لیے مسکرا رہی ہے۔

تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ

اپنے وقت پر) حاصل کرو گے پس جلدی دے دی تمہیں یہ (صلح) اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ہو جائے یہ

آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا

(ہماری نصرت کی) نشانی اہل ایمان کے لیے اور (تاکہ) ثابت قدم رکھے تمہیں صراط مستقیم پر اور کئی دیگر فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں

سابقہ آیت میں اس فتح اور ان غنائم کا ذکر کیا جو علیحدہ میں بخشی جانے والی تھیں۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ نوازشات کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو گا بلکہ جب تک تم اطاعت و خلوص کا مظاہرہ کرتے رہو گے ہمارا ابر رحمت تم پر برستا رہے گا۔ ہم آئے روز تمہیں بے شمار نعمتوں سے مالا مال کرتے رہیں گے اور اس سے مقصد یہ کہ نوازشات کا یہ سلسلہ شروع ہوا ہم نے تمہیں صلح حدیبیہ سے نوازا ہے جو تمہاری مستقبل کی کامیابیوں اور فتوحات کی تمہید ہے۔ اس آیت میں مغانم کثیرہ کا ذکر ہے حضرت ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد قیامت تک حاصل ہونے والی غنیمتیں ہیں۔ قال ابن عباس و مجاهد انها المغانم التي تكون الى يوم القيامة (القرطبي)

اس جملہ میں هٰذه کا مشار الیہ صلح حدیبیہ ہے۔ قال ابن عباس عجل لكم صلح الحديبية۔ اور بعض نے هٰذه کا مشار الیہ غنائم خیبر کو بتایا ہے۔

یہاں ایک اور احسان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھے ہوئے اور قربانی کے جانور ہانکتے ہوئے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حدیبیہ میں پہنچے تو کفار نے مزاحمت کا پکا ارادہ کر لیا۔ تم اپنے وطن سے اڑھائی تین سو میل دور تھے۔ فوری طور پر کمک یا رسد پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کفار صرف تیرہ میل کی مسافت پر تھے۔ وہ جس قدر چاہتے آسانی سے انہیں رسد، سامان جنگ اور مزید کمک مہیا ہو سکتی تھی اور گرد کے قبائل بھی ان کے حلیف تھے۔ بظاہر حالات بڑے تشویشناک تھے۔ لیکن ہم نے تم پر کرم فرمایا کہ ان کے دل ٹوٹ گئے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان پر ایسی دہشت اور رعب طاری ہوا کہ انہوں نے صلح کو غنیمت جانا اور انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ تم سے جنگ کریں۔

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے اپنے جاں نثار صحابہ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو پیچھے مدینہ میں یہودی مسلمانوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دیتے اور خون ریزی کا بازار گرم کر دیتے۔ ان کے مال مویشی لوٹ لیتے اگر ایسا ہوتا تو تمہاری پریشانی کی حد نہ رہتی لیکن تمہارے خداوند ذوالجلال نے یہودیوں کو یہ ہمت نہ دی کہ وہ ایسی حرکت کر سکیں اور تمہارے لیے پریشانی کا باعث بنیں۔

اس سفر میں جو واقعات رونما ہوئے قدم قدم پر نصرت خداوندی نے جس انداز سے تمہاری یاوری فرمائی اور تمہیں ہر طرح کے گزند سے سلامت رکھا اور تمہارے دشمنوں پر خوف اور رعب مسلط کر دیا۔ یہ تمام باتیں بافتلاف الفاظ یہی اعلان کر رہی ہیں کہ تم خدا کے بندے اور خدا تمہارا ہے اور تمہارا دین اللہ کا دین ہے جس کی حفاظت اور کامیابی کا وہ ذمہ دار ہے اور تمہارا نبی کریم اس کا محبوب بندہ ہے جس کے ساتھ اس نے وعدہ فرمایا تھا کہ وعدہ فرمایا ہوا ہے وہ تک انجام پذیر ہو گا اس وعدے کا ایفا اس کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے بندوں کا مددگار ہے۔

قرار دیا کہ یہ معرائیاں ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں ان نوازشات سے وہ تمہیں صراط مستقیم پر

عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

رکھتے تھے ۳۵ لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں ۳۶ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ

اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے کسی کو (نہ) اپنا دوست

لَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

اور مددگار ۳۷ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے ۳۸ اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز

طمانیت قلبی سے سرشار منزل بڑھتے چلے جانے کا عزم عطا فرمایا جاتا ہے۔

۳۵ اس آیت سے ان فتوحات کا مژدہ اور اموال غنیمت کے حصول کی بشارت ہے جن کا مسلمان ان دنوں تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ مغرب میں شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ، سپین اور مشرق میں عراق، ایران، افغانستان، برصغیر وغیرہ ممالک کی فتوحات مراد ہیں۔ قال ابن عباس ہی الفتوح التی فتحت علی المسلمین کارض فارس والروم وجمیع ما فتحہ المسلمون (القرطبی)

اس آیت میں فتح مکہ کی خبر بھی دی گئی ہے۔ اس وقت پیشین گوئی کون کر سکتا تھا کہ عنقریب مکہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا۔ کس کی عقل یہ سوچ سکتی تھی کہ عرب کے یہ بادیہ نشین چند سالوں میں مشرق و مغرب کی دو عظیم طاقتوں کو بیک وقت یوں پچھاڑ دیں گے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکیں گی اور ایک صدی کے اختتام سے پہلے معلوم دنیا کے تین چوتھائی حصوں میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعرے دلنواز گونجنے لگیں گے۔

۳۶ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسا کرنا تمہارے بس کی بات تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ باہر نہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے وقیل حفظھا اللہ علیکم لیکون فتحھا لکم یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ملکوں اور مالوں کو محفوظ رکھا ہوا ہے تاکہ تم آ کر انہیں فتح کرو۔ ان کے قلعے اور شہر تمہارے استقبال کے لیے اپنے دروازے کھول دیں۔ قیصر و کسریٰ کے جو زر و سیم اور جواہرات کے انبار ہیں وہ تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیے جائیں۔

۳۷ آیت کا یہ فقرہ کتنا برمحل، اثر انگیز اور حوصلہ افزا ہے۔

۳۸ یعنی اگر کفار مکہ تمہارے ساتھ جنگ آزما ہوتے تو انہیں ایسی رسوا کن شکست دی جاتی کہ میدان جنگ سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے اور اس شکستہ حالی میں کوئی بھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔

۳۹ اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ آخر کار اپنے رسول اور اس کے فرمانبردار امتیوں کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے۔ کفر و باطل کو شرمناک شکست ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے دستور ہے۔ ابد تک ایسا ہی رہے گا۔ کوئی طاقت سنت الٰہی کو بدل نہیں سکتی۔

اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے ۲۲

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

وادئ مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

تھے خوب دیکھ رہا تھا ۲۳ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے)

الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد

وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔــوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے

۲۲ ۔ اگرچہ حدیبیہ کے مقام پر باقاعدہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی لیکن کفار کے کئی جتھے بغض باطن سے مجبور ہو کر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مکہ کے اسی مسلح سپاہی جبل تنعیم سے اترے تاکہ بے خبری میں لشکر اسلام پر دھاوا بول دیں لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ہم پر حملہ کرتے ہم نے ان کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور گرفتار کر لیا لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ عکرمہ بن ابی جہل نے پانچ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور نے اپنے صحابہ کا ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا لیکن وہ دم دبا کر بھاگ نکلے اور مکہ کی گلیوں میں جا کر پناہ لی۔ اس قسم کے کئی واقعات رونما ہوتے جن سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے اور صلح کی کوششیں ناکام ہو سکتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت حال نہ پیدا ہونے دی کہ کفار کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ تم پر حملہ کر دیں اور تمہیں بھی یہ حوصلہ بخشا کہ تم ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہو کر ان پر حملہ نہ کر دو۔

۲۳ ۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم کفار کی کارستانیوں اور تمہارے اعمال کو دیکھ رہے تھے بلکہ فرمایا جو کچھ تم کر رہے تھے۔ کمال بردباری اور اشتعال انگیز احوال میں صبر و ضبط سے کام لے رہے تھے۔ یعنی اعمال حسنہ بھی تھے اور ہم انہیں بھی دیکھ رہے تھے تمہارے کارنامے ہی اس قابل ہیں کہ چشم رحمت اور عنایات فرمائے۔ باقی رہے کفار کی کرتوت اور ان کی کارستانیاں تو وہ ایسی گھٹیا تھیں کہ نہ قابل توجہ تھیں اور نہ قابل ذکر۔

مَعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا

عار بے علمی کے باعث۔ ۳۲ (نہیں) تاکہ داخل کردے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ ۳۳ اگر وہ (مومن و کافر) الگ الگ ہوجاتے

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تو اس وقت جنہوں نے کفر کیا ان میں سے ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردیتے۔ ۳۴ جب جگہ دی کفار نے

۳۲۔ یہ ایک مسلّم اصول تھا کہ جو شخص حج و عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ میں آتا اس کو روکا نہ جاتا۔ خواہ آنے والا شخص یا قبیلہ اہل مکہ کی کتنی ہی عداوت ہوتی۔ اس اصول پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہیں اتنی عداوت تھی کہ اس مسلّمہ اصول کو بھی اسی نے پس پشت ڈال دیا اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور قربانی کے جو جانور مسلمان اپنے ہمراہ لائے تھے ان کے متعلق بھی اجازت نہ دی گئی کہ منیٰ میں لیجا کر انہیں ذبح کیا جائے۔ ان کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور شرمناک تھی۔ ان سنگین جرائم کی پاداش میں چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا جاتا اور وہ کفر و شرک کا مرکز ان کے علمبرداروں کو پیس کر رکھ دیتے لیکن مکہ کی اس اندھیر نگری میں چند ایسے مرد اور خواتین بھی تھیں جو مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے۔ اپنی بے بسی کے باعث وہ اسلام ظاہر نہ کرسکتے تھے اور نہ وہاں سے ہجرت کرسکتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی ان کی پوری پہچان نہ تھی۔ اگر جنگ چھڑ جاتی تو وہ بھی روندے جاتے۔ جب تمہیں اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے یوں پس جانے کا علم ہوتا تو تحریر کو دیکھ کر تمہاری فتح کی خوشی غم میں بدل جاتی۔ کفار بھی تم پر زبان طعن دراز کرتے کہ دیکھو یہ اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس طرح تمہارے خلاف پراپیگنڈے کا طوفان برپا کردیا جاتا۔ کفار کے خلاف جنگ کا اذن نہ دینے میں یہ ایک حکمت تھی۔

۳۳۔ جنگ سے باز رکھنے کی دوسری مصلحت یہ تھی کہ اہل مکہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اگرچہ ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن ان میں حق پذیری کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ انہیں بہرہ ور کرنے کے لیے خوشگوار ماحول اور مناسب حالات کی ضرورت تھی۔ اگر اس وقت جنگ چھڑ جاتی تو ان کفار کے ساتھ جن کے دلوں پر مہریں لگ چکی تھیں یہ لوگ بھی موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کا ایندھن بن جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ نہ چاہا کہ ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں برباد ہوجائیں۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آنے دی تاکہ ان لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار ہونے کا مزید موقع مل جائے اور وہ کفر سے اپنا ناطہ توڑ کر اپنے رب کریم سے عبودیت کا رشتہ جوڑ سکیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس صلح کے بعد ہی حضرت خالد جیسا نابغۂ روزگار جرنیل، حضرت عمرو بن العاص جیسا ماہر سیاست دان، عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ اور مکہ کی جلیل القدر فرزند گھرانوں کے افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔

۳۴۔ اگر یہ مسلمان مرد اور یہ مسلمان عورتیں کفار سے الگ کی جاسکتیں اور ان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کفار کو اسی وقت ایسے المناک عذاب میں مبتلا کردیتے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آجاتا اور ان کے سارے نشے ہرن ہوجاتے۔ اس آیت سے فقہاء نے

فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی

اپنے دلوں میں ضد کو (یعنی) زمانۂ جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے

ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کفار کسی قلعہ میں مورچہ لگا کر بیٹھ گئے ہوں اور ان کے ساتھ اس قلعہ میں چند مسلمان قیدی بھی ہوں تو کیا اسلامی لشکر کے لیے اس پر گولہ باری یا بمباری جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کفار کا لشکر مسلمان قیدیوں کو سامنے کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان سے ڈھال کا کام لینا چاہتا ہے تو کیا اس حالت میں ان پر فائرنگ جائز ہے یا نہیں؟ یا کفار کا کوئی بحری جہاز ہے جس میں کافر فوج کے علاوہ چند مسلمان بھی ہیں۔ کیا ایسے جہاز کو غرق کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

امام مالک اس اقدام صورتوں میں گولہ باری کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ اس میں عامۃ المسلمین کی بقا کا راز مضمر ہے۔ اگر لشکر اسلام چند مسلمان قیدیوں کی موجودگی کے باعث کفار کے ایسے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کفار لشکر اسلام کو پسپا کر دیں گے اور اس کے بعد ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔

علامہ قرطبی جو خود مالکی ہیں، انہوں نے صراحتًہ لکھا ہے کہ ان حالات میں مسلمان اسیروں کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا جنہیں کافر ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اس اجازت کو انہوں نے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ آپ بھی ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وذالك اذا كانت المصلحة ضرورية كلية قطعية (قرطبی) یعنی مسلمان قیدیوں کی موجودگی کے باوجود جنگی کارروائیاں اس وقت جائز ہیں جبکہ تین شرطیں پائی جائیں۔ مسلمان قیدیوں کو گولی کا نشانہ بنائے بغیر دشمن کو شکست دینے کی اور کوئی صورت نہ ہو۔ ایسا کرنے سے جمہور امت کا مفاد وابستہ ہو۔ ایسا کرنے سے اسلام کی فتح قطعی اور یقینی ہو۔

لیکن اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو تو پھر مسلمان قیدیوں کو ہلاک کرنا جائز نہیں۔ اس آیت کے چند کلمات تحقیق طلب ہیں۔

اَلْهَدْیَ وَالْهَدِیُّ۔ اس میں دونوں لغتیں ہیں۔ وہ جانور جو کعبہ میں قربانی کے لیے پیش کیا جائے مَا یُهْدٰی اِلَی الْكَعْبَةِ۔

مَعْكُوْفًا: ای محبوسًا۔ جسے کسی جگہ روک دیا جائے۔

مَحِلَّهٗ: مکانه الذی یحل فیه نحره۔ وہ جگہ جہاں اس کو ذبح کرنا جائز ہے یعنی منیٰ۔

تَطَئُوْهُمْ: الوطی والدوس عبارة عن الایقاع والابادة یعنی روند ڈالنا، پیس دینا، برباد کر دینا۔

الْمَعَرَّةُ: العیب وهی مفعلة من العر۔ عیب، ننگ و عار۔

تَزَیَّلُوْا: تفرقوا وتمیز بعضهم عن بعض۔ جدا جدا ہوتا، الگ الگ ہونا۔

۴۵ آیت میں بڑے بلیغ اور دل نشین انداز سے ان تفاوت کو بیان کیا گیا ہے جو کفار اور اہل ایمان کے طریق کار میں تھا۔ پہلے حمیۃ کی لغوی تحقیق ذہن نشین کر لیجیے۔

علامہ قرطبی حمیۃ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الحمیة فعیلة وهی الانفة یقال حمیت عن كذا حمیة

وحمية: اذا انفت منه وداخلك عار وانفة ان تفعله

الا وبى منهم ومن غيرهم كذى الانف يحمى انفه ان يكشما

یعنی حمیت کا وزن فعیلۃ ہے۔ اس کا معنی خودداری اور کسی چیز سے نفرت ہے۔ کہا جاتا ہے حمیت عن کذا یعنی میں نے اس کام سے اجتناب اختیار کیا کیونکہ اس کام کا کرنا میرے لیے باعث ننگ و عار تھا۔

علامہ ابو حیان لکھتے ہیں۔ کانت حمیة جاهلية لانها بغير حجة وفى غير موضعها وانما ذالك محض تعصب۔

کفار کی حمیت کو حمیت جاہلیت اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی ضد بغیر کسی دلیل کے تھی، بے محل تھی اور اس کی وجہ محض تعصب اور ہٹ دھرمی تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے باز رکھنا ان کے صدیوں سے مروجہ دستور اور مسلمہ اصول کے سراسر خلاف تھا۔ ان کے بڑے بوڑھے بھی انہیں اس قبیح حرکت سے روک رہے تھے۔ انہیں یہ بخوبی علم تھا کہ حضور کا یہ سفر محض عمرہ کرنے کے لیے ہے۔ اس کے باوجود اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ اسی کو قرآن کریم نے حمیت جاہلیت فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ قتلوا ابنائنا واخواننا ثم يدخلون علينا فى منازلنا واللات والعزى لا يدخلون ابدا۔ کہ ان مسلمانوں نے ہمارے بچوں اور بھائیوں کو قتل کیا کیا اب ہم انہیں اپنے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔ لات و عزیٰ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

کفار کی بے جا ضد اور تعصب کا تو یہ حال ہے۔ ان کے برعکس حبیب رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں خواہ کوئی ایسی بات کرنے کا حکم ملے جو ان کے جذبات کے خلاف اور ان کی خودداری کے سراسر منافی ہو، یہ اللہ کا حکم ملتے ہی بیکر تسلیم و رضا بن جاتے ہیں۔ دل میں اضطراب کی جو موجیں سر اٹھا رہی ہوتی ہیں فوراً تھم جاتی ہیں۔ ان کا یہ اضطراب ان کی بے حد اچھی ذات یا اپنے مفاد کے لیے نہیں محض اسلام کے لیے اور اس کی سربلندی کے لیے ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر میدان میں ظاہراً اور باطناً اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ ان کے محبوب کی عظمت کا ڈنکا بجے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت ہے تو وہ سب کا سب قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے بصد خوشی آمادہ ہیں۔ اگر ان کی جانوں کی ضرورت ہے تو وہ اپنے سرکٹانے کے لیے اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لیے آمادہ ہی نہیں بلکہ بے تاب ہیں۔ حکم کے تحت پر مقتولوں کی عادت کی کامیابی اور عزت و شوکت کے لیے سوہان روح بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی اس کیفیت سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے اس کی نگاہوں میں ان کی بڑی قدر ہے۔ جب وہ ان کے دلوں میں ناموس اسلام اور ناموس رسالت کے لیے اضطراب و بے کلی کے طوفان اٹھتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ ان کے دلوں کو سکون و طمانیت سے لبریز کر دیتا ہے۔ ان کی بے تابیاں ان کی بے چینیاں مسرتوں میں بدل جاتی ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ دل جیسے عشق محبوب میں اضطراب و بے قراری کی اذیتیں بخشی جائیں۔ خوش نصیب ہیں وہ جن کا اضطراب جو محبوب کی چشم لطف و کرم کا اپنی طرف متوجہ کرے۔ لیکن وہاں آ کر گی بے چینیاں ہوں گی۔ دل اس سے ڈرتا ہے کہ جو دوری ہے۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہو گو جہاں شرم و حیا کا آئینہ۔ انکسار ہی داں ابدیت ہے تو گیا نہ رہے جہاں مقصد کے لیے تڑپ نہیں وہاں ساتھیوں کو لانے کی کیا ضرورت ہے۔

رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر شکہ اور وہ اس کے حقدار بھی تھے

بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ

اور اس کے اہل بھی تھے شکہ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے شکہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو شرائط طے پائی تھیں، وہ بظاہر کفر کے غلبہ اور اسلام کی کمزوری کی غماز تھیں۔ اس لیے یہ اہل ایمان کے لیے بڑی صبر آزما تھیں۔ [illegible] جسول نے دست مبارک پر جانبازی کی بیعت کی تھی ان کو اپنی ذلت گوارا نہ تھی۔ اس کا اضطراب شدید تھا۔ حضرت فاروق اعظم جب زیادہ مضطرب ہوئے تو [illegible] کی غیرت ایمانی اس ذلت کو برداشت نہ کر سکی۔ لیکن جب اللہ کے رسول نے حکم دیا تو سب نے سر جھکا دیا۔ سکون و اطمینان کے ساتھ سب مطمئن ہو گئے۔

شکہ تو سیدنا کی یہاں اللہ تعالیٰ کے رسول [illegible] ارشاد ہوا وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ ان چند کلمات میں الطاف و عنایات کا جو دریا موجزن ہے کاش آپ اس پر غور کریں۔ الزم کہتے ہیں کسی چیز کو کسی کے ساتھ یوں چسپاں کر دینا کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علماء لغت کہتے ہیں۔ الزم الشیء اثبتہ و ادامہ۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں۔ الزمہ ایاہ فالتزمہ و رجل لزمۃ یلزم الشیء فلا یفارقہ یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ یوں چمٹا دینا کہ وہ اس سے الگ نہ کی جا سکے۔

قاموس میں ہے۔ الزمہ ایاہ فالتزمہ فھو ملزم و لزمۃ ای اذا لزم شیئا لا یفارقہ۔

کلمۃ التقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کلمۃ التقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے۔

اب آپ خود انصاف کیجئے کہ جن لوگوں کے متعلق القدوس العزیز یہ فرمائے کہ ہم نے تقویٰ کو ان کے دلوں میں یوں ثبت کر دیا ہے اور ان کے لوح دل پر یوں نقش کر دیا ہے کہ وہ کبھی مٹ نہیں سکتا۔ [illegible] اللہ تعالیٰ کی بات رد کرنے کی کسی میں جرأت ہے جو اسے رد کر سکے۔

شکہ جو صحابہ کرام کے ایمان پر زبان درازی کرتے ہیں [illegible] انہیں اپنی کوتاہی کا احساس ہو جائے اور یہ الگ بات ہے کہ کوئی ان کی بد نصیبی کے باعث حمیت جاہلیت کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس آیت میں غور کرنے کے بعد بھی اپنی ہٹ پر قائم رہے۔

شکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی پاکیزہ سیرت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔ [illegible] گیری اور انعامات خداوندی ان پاکباز افراد پر نچھاور کئے گئے ہیں وہ بلا وجہ نہیں بلکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔ [illegible] قلوب سے حبیب کے دست پاک پر انہوں نے بیعت کی ہے۔ ایمانی حمیت اور اسلامی غیرت جس کے باعث [illegible] انہیں اس کا حقدار بنا دیا ہے۔ [illegible] کی قدر و منزلت وہ ان کے اہل ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت اور قابلیت ہے کہ وہ ان کی قدر کریں اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کے متعلق جو ارشادات فرمائے ہیں ان کے بعد بھی اگر کوئی ان میں عیب نکالے تو اس کا ایمان کیسے درست ہو سکتا ہے۔

شکہ صحابہ کرام کے یہ ارشادات کسی ایسی ہستی کے ہیں جو ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ [illegible]

رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ۔ بیشک تم ضرور داخل ہوگے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا

لے لیکن تم ان تمام دلی جذبات و احساسات کی زبان سے نا آشنا ہو۔ حالانکہ ہر وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور رونما ہونے والے حالات کو وہ جانتا ہے لیکن مستقبل پر کیا ہوگا کوئی کل کیا کرے گا۔ اس کا انہیں پتہ نہیں۔ یوں اپنی آگاہی کی خامی اور علم کی نارسائی کے باعث اس نے صحابہ کرام کی روشن قربانیوں اور ظاہری وفاداریوں اور زبانی دعووں سے متاثر ہو کر انہیں ان شاندار انعامات اور ان بشارات سے نوازا ہو اور اس کے بعد ان لوگوں نے ایسی حرکتیں کی ہوں اور ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہو کہ وہ ان انعامات و بشارات کے مستحق نہ رہے ہوں اور انہیں ان سعادتوں سے ابد میں محروم کر دیا گیا ہو۔ اس قسم کی الیسی تلبیسات اور شیطانی وساوس کا بھی اس آخری جملہ سے خاتمہ کر دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے کسی شخص کا باطن کیسا ہے اس کا انجام کیسا ہے۔ آئندہ زمانے میں کیسے افعال صادر ہوں گے اور وہ مرنے سے پہلے کیا کیا کریں گے یہ کچھ مخفی نہیں اور اس سب کچھ جانتے ہوئے اس نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفاشعار صحابہ کو ان انعامات، احسانات اور نوازشات سے سرفراز فرمایا ہے۔

قرآن کریم کا یہی حسن بیان ہے جس نے عرب کے فصحاء و بلغاء کو دنگ کر دیا تھا اس کی جامعیت کا یہی عالم ہے جس کے سامنے شعراء اور خطباء نے اپنے سر جھکا لیے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نیرِ اعظم سے اکتساب نور کی توفیق بخشے۔ آمین!

لے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شب خواب دیکھا کہ حضورؐ اپنے صحابہ سمیت مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں، کعبہ شریف کا طواف کیا ہے اور ارکان عمرہ ادا کیے ہیں۔ صبح نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خواب صحابہؓ کو سنایا، ان دلوں جو عرصہ سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تڑپ رہے تھے، یہ خواب سن کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ماہ ذی قعدہ میں اللہ کے پاک بندوں کا کارواں روانہ ہوا۔ لبیک اللھم لبیک کی روح پرور صداؤں سے دشت و جبل گونج گئے۔ صحراؤں کی خاموشیوں میں ایک نور پھیل گیا۔ فرط شوق سے قدم رکتے ہی نہیں۔ آنکھیں بے تابی سے اس لمحہ کی منتظر ہیں جب بیت اللہ نظر آئے گا۔ جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ صلح نامہ پر دستخط ہوئے اور مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کیے بغیر واپس لوٹنا پڑا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے تمام مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ! حضور نے ہمیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ حضور نے جواب میں فرمایا بیشک لیکن کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ تم اسی سال یہ شرف حاصل کرو گے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں۔ حضور نے تو نہیں بتایا تھا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانک آتیہ ومطوف بہ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً تم بیت اللہ کے پاس آنے والے ہو اور اس کا طواف کرنے والے ہو۔ اس ایک جملہ سے وہ خلش دور ہو گئی جس نے دلوں کو پریشان کر رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل فرمائی اور گونا گوں تاکیدات کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو جو خواب دکھایا ہے وہ بالکل سچا ہے اس کے حق ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا کے جملہ میں صدق کا کلمہ کس معنی میں مستعمل ہوا ہے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں عرب جب

اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ

امن وامان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں

تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

جانتے تو اس نے عطا فرما دی (تمہیں) اس سے پہلے ایک فتح جو قریب ہے۔ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو

کہتے ہیں صَدَقَهُ الْحَدِیْثَ تو اس کا معنی ہوتا ہے اَنْبَأَهٗ بِالصِّدْقِ یعنی اس نے اسے صحیح اور سچی بات سے آگاہ کیا۔ اسی طرح صدقت القوم کا معنی ہے قلت لهم صدقا یعنی میں نے ان سے سچی بات کہی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق آیت کا وہی معنی ہوگا جو ہم نے کیا ہے۔ یہ معنی بڑا واضح اور ہر قسم کے تکلف سے پاک ہے۔

بعض حضرات نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اگرچہ لغت میں صدق اس معنی میں بھی مستعمل ہو سکتا ہے لیکن اس مقام پر یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ آیت حدیبیہ سے واپسی پر راستہ میں نازل ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر تو دوسرے سال ہوئی جب عمرۃ القضاء ہوا۔ اس صورت میں یہاں تاویل کا سہارا لینا پڑے گا۔

اللہ یہ فرمانے کے بعد کہ میرے رسول مکرم نے جو خواب دیکھا ہے وہ میں نے خود دکھایا ہے اور میں نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے۔ اس میں اور کسی شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ اب اس خواب کا ذکر ہے جو کہ دیکھا گیا۔ آیت بالکل واضح ہے۔ سادہ ترجمہ سے ہی اس کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ البتہ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کا فقرہ غور طلب ہے۔ اِنْ شک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے اس میں شک کا کیا دخل؟ گزارش ہے کہ یہاں اِنْ کا معنی اِذْ ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تم مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اِنْ بمعنی اِذْ کا استعمال عام ہے۔ صاحب لسان لکھتے ہیں۔ و تجیئ اِنْ بمعنی اِذْ مثل قوله اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین المعنی اذ کنتم مؤمنین۔ یعنی اللہ سے ڈرو۔ باقی سود چھوڑ دو جبکہ تم ایمان لا چکے ہو۔ اس آیت میں بھی اِنْ کا معنی اِذْ ہے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کا فقرہ یہاں ذکر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نبی کریم اور صحابہ کرام کا اس سال عمرہ کیے بغیر جانا اس لیے نہیں کہ کفار بہت طاقتور تھے اور مسلمان ان کی قوت سے خائف ہو کر واپس چلے گئے۔ بلکہ اللہ کی مشیت یہ تھی کہ وہ واپس چلے جائیں کیونکہ اس میں وہ حکمتیں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ تو جانتا تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا سے اسی کی طرف اشارہ ہے جب یہ مصلحتیں پوری ہو جائیں گی اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے حبیب کے قدوم میمنت لزوم سے مکہ کی پیاسی زمین کو مشرف فرمائے گا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اپنے بندوں کو بھی بتا دیا کہ تمہارے یہ نقصانات بھی میرے لطف و کرم کی برکت سے ہیں۔ تم میں تو یہ ہمت نہ تھی کہ تم ان طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کر سکو۔ چنانچہ علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں۔ هو تعريض لهم وتعليم الدخول من مشيئته تعالى لا من جلادتهم وتدبيرهم (روح المعانی)

چنانچہ دوسرے سال سات ہجری ماہ ذی قعدہ میں حضور اپنے صحابہ کو ہمراہ لے کر عمرہ کی قضا کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸

(رسول کو) کتاب ہدایت اور دین حق دے کر ۵۲ تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر ۵۳ اور (اس رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

گئے۔ جب مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے کا وقت آیا تو کفر و باطل کے سرغنے مکہ چھوڑ کر چلے گئے تاکہ وہ اس ایمان افروز منظر کو نہ دیکھیں۔ ان کے علاوہ یہ نورانی منظر دیکھنے کے لیے مکہ کے مرد عورتیں بچے راستوں میں، مکانوں کی چھتوں پر جہاں کسی کو جگہ ملی جم کر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہیں۔ اسلام کے متوالوں کا جمگھٹا ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ تھوڑا عرصہ پہلے کا یہ گروہ ان گلیوں کو روتے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔ جو سالہا سال سے سونی پڑی تھیں، جو اللہ کا نام سننے کے لیے ترس گئی تھیں جن فضاؤں کو کفر کی ظلمتوں نے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا آج وہاں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعرے گونج رہے ہیں۔

حج و عمرہ ادا کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مناسک سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈائیں یا بال ترشوائیں لیکن سر منڈانا افضل ہے۔ حضورؐ نے حلق کرنے والوں کے لیے تین بار دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ۔ اے اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں کو بخش دے۔

۵۲ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کبریائی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام رفیع اور منصب جلیل کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں منصب رسالت پر فائز کرنے والا میں ہوں۔ میں نے ہی اس رسول کریم کو کتاب ہدایت عطا فرمائی ہے جس کے ہر ذرہ میں اس ظلمت کدۂ عالم کو منور کرنے کی تاب ہے۔ میں نے اس کو ایسا جامع نظام حیات اور شریعت دے کر مبعوث فرمایا ہے جو افراط و تفریط کی ناہمواریوں سے پاک ہے اور جو گلشن انسانیت کے لیے پیغام بہار ہے۔ جس کو میں نے اس منصب رفیع پر فائز کیا ہے کوئی طاقت اس کو اس منصب سے محروم نہیں کر سکتی۔ ساری دنیا انکار کر دے اس کی عظمت کا ماہ تمام چمکتا ہی رہے گا۔ اے کفار! تم نے میرے محبوب کے اسم گرامی کے ساتھ "رسول اللہ" کے الفاظ لکھنے پر اعتراض کیا۔ اس دستاویز سے تو تم نے محو کر دیے لیکن لوح محفوظ، عرش و کرسی کے طبقوں، جنت کے ایوانوں اور اہل ایمان و محبت کے الواح قلب پر محمد رسول اللہ کے الفاظ ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہیں گے۔ وہاں سے تو تم نہیں مٹا سکتے۔

"رَسُوْلَہٗ" میں اضافت غور طلب ہے۔ سارے رسول اسی نے بھیجے ہیں لیکن اس رسول کو جو نسبت ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ برق غضب بن کر باطل کو خاکستر کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ابر رحمت بن کر پیاسی دنیا کو سیراب کرنے کے لیے آیا ہے۔ فرمایا اسے ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد قرآن اور دین حق سے مراد شریعت یا ہدایت سے مراد علم اور دین سے مراد عمل۔ دین الحق میں اضافت موصوف الی الصفۃ ہے۔ یعنی الدین الحق۔ ایسا دین جو حق ہے۔

۵۳ بتا دیا کہ جو دین نبی کریم لے کر آئے ہیں وہ باطل سے مغلوب نہیں ہو گا بلکہ میری تائید اور اپنی فطری توانائیوں سے ساری طاغوتی قوتوں کو سرنگوں کر دے گا۔ یہ غاروں میں چھپ کر اور خانقاہوں میں دبک کر رہنے والوں کا دین نہیں۔ یہ کشمکش حیات سے دامن بچا کر کنج عافیت میں زندگی بسر کرنے والوں کا دین نہیں۔ کسی مصلحت کے پیش نظر باطل سے مفاہمت و مصالحت کرنے والوں کا دین نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے جو گرجتے ہیں تو باطل کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ان عقابوں اور شاہینوں کا دین ہے کہ جب وہ پر کشا

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ

رہبرِ عالم (حضرت) محمد اللہ کے رسول ہیں ۷۰ اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بے حد رحم دل ہیں ۷۱

ہوتے ہیں تو فضا کی پہنائیاں سمٹ کر رہ جاتی ہیں۔ یہاں بہادر، دل اور جوانمردوں کا ذکر ہے جو زندگی کی کشتی کو حوادث کے طوفانوں میں کھینا جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس دین کو تمام مروجہ ادیان، مذاہب اور نظام ہائے حیات پر غلبہ بخشے گا۔ اس وعدہ کو پورا کرتے ہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عہد رسالت میں ہی سارا جزیرہ عرب اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور کفر و شرک کا گڑھ تھا۔ خلافت راشدہ میں ایشیا اور افریقہ کے بڑے علاقوں میں اس کی عظمت کے ڈنکے بجنے لگے۔ شرق و غرب میں کلمۂ توحید کی صدائیں گونجنے لگیں۔ غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ یا لوگ اس کو قبول کر لیں گے یا اس کی برتری کو تسلیم کر لیں گے۔ مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں بھی فکر و نظر کے میدانوں میں اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔

آخر میں فرمایا کہ میں اپنے رسول کی رسالت کا بھی گواہ ہوں اور اس حقیقت کا بھی گواہ ہوں کہ وہ کتاب ہدایت اور دینِ رحمت لے کر آیا ہے اور اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ یہ دین سب ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔ اور میری گواہی کے بعد ان سچائیوں کو ثابت کرنے کے لیے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

۷۰ اس کی ترکیب میں دو مشہور قول یہ ہیں: ① مُحَمَّدٌ مبتدا اور رَسُوْلُ اللّٰهِ اس کی خبر۔ ② هُوَ مبتدا محذوف مُحَمَّدٌ موصوف۔ رسول اللہ صفت۔ یا عطف بیان۔ دونوں مل کر خبر۔

یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور رسول اللہ کے الفاظ جلیلہ اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ پر مشتمل ہیں۔ وھو مشتمل علی کل وصف جمیل۔ (راوی کبیر)

۷۱ یہاں سے اختتام سورت تک اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی توصیف فرما رہا ہے۔ فرمایا کہ میرے رسول مکرم پر ایمان لانے والے اور اس کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے کفار کے مقابلے میں بڑے بہادر اور بڑے طاقتور ہیں۔ ہیبت ناک ہیں۔ لیکن ظلم کے سامنے اپنے سر کو جھکا نہیں سکتے۔ یہ بکاؤ مال نہیں کہ دشمنانِ اسلام ان کو خرید لیں۔ وہ بزدل اور ڈرپوک نہیں کہ جبر و ستم سے ان کو اس راہ حمیت سے برگشتہ کیا جائے۔ اَشِدَّاءُ شدید کی جمع ہے اور لفظ شدت کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور نے لسان العرب اور علامہ زبیدی نے تاج العروس میں لکھا ہے۔

الشدۃ: الصدۃ وثبات القلب والشدید الشجاع۔ والقوی من الرجال والجمع اشداء (تاج العروس، لسان العرب)

قوت اور دل کی پختگی کا نام ہے اور الشدید شجاع اور طاقتور مرد کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اشداء ہے۔ اشداء کا جب تک یہ مفہوم ذہن نشین نہ ہو جائے کسی تشکیک کا نہیں ہوتا۔ آتا انسان اس بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اسلام کے یہ ماننے والے بڑے بے رحم اور سخت دل تھے اور کفار پر ظلم و ستم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ حالانکہ آیت کا یہ مفہوم نہیں۔

کفار کے مقابلہ میں تو یہ فولاد کی چٹانیں ہیں کوئی طوفان اپنی جگہ سے سرمو سرکا نہیں سکتا۔ لیکن اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ

ان کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ بڑے نرم، بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔ ان کی باہمی رافت و رحمت کی کیفیت کو جس طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى بَعْضُهُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ۔

ترجمہ: یعنی مسلمانوں کی مثال باہمی محبت اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم۔ اگر اس کا کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند کافور ہو جاتی ہے۔ دوسرا ارشاد گرامی ہے۔

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔

ترجمہ: مومن کا تعلق مومن کے ساتھ ایسا ہے جیسے دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو سہارا دیے ہوتے ہوتا ہے۔ حضور نے یہ فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ملا دیا۔ (بخاری)

ایک عرب شاعر نے بھی اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

حَلِيْمٌ اِذَا مَا الْحِلْمُ زَيَّنَ اَهْلَهٗ   عَلٰى اَنَّهٗ عِنْدَ الْعَدُوِّ مَهِيْبٌ

کہ میرا ممدوح اس وقت تک بڑا حلیم اور بردبار ہے جب تک کہ حلم باعث زینت ہو لیکن دشمن کے مقابلہ میں بڑا خوفناک ہے۔

ترجمانِ حقیقت کا ارشاد بھی سنیے۔

اگر یک ذرّہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ او   بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

[illegible]

اہل ایمان کی باہمی محبت اور دوستی کا یہ عالم ہے کہ جب آپس میں ملتے ہیں تو اجنبیوں کی طرح پہلو بچا کر نکل نہیں جاتے بلکہ مصافحہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا۔ یعنی جب دو مسلمان ملیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کریں، اپنے رب کی تعریف کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بخش دیتا ہے۔

اس موقع پر علامہ آلوسی کی اس عبارت کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ کئی شبہات دور ہو جائیں گے۔

وَلِهٰذَا مَا اعْتَادَهُ النَّاسُ بَعْدَ صَلٰوتَيِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ فَلَا اَصْلَ لَهٗ وَلٰكِنْ لَا بَأْسَ بِهٖ فَاِنَّ اَصْلَ الْمُصَافَحَةِ سُنَّةٌ وَكَوْنُهُمْ مُحَافِظِيْنَ عَلَيْهَا فِيْ بَعْضِ الْاَحْوَالِ وَمُفْرِطِيْنَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْهَا لَا يُخْرِجُ ذٰلِكَ الْبَعْضَ عَنْ كَوْنِهٖ مِنَ الْمُصَافَحَةِ الَّتِيْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِاَصْلِهَا وَجَعَلَ ذٰلِكَ الْعِزُّ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ فِيْ قَوَاعِدِهٖ مِنَ الْبِدَعِ الْمُبَاحَةِ۔ (روح المعانی)

ترجمہ: یعنی ہمارے ہاں لوگوں کی عادت ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے۔ بعض حالات میں اس کی پابندی بلکہ اس میں غلو اس کو مسنون مصافحہ سے خارج نہیں کر دیتا چنانچہ شیخ الاسلام عز بن عبد السلام نے اپنی کتاب "القواعد" میں اسے بدعت مباحہ شمار کیا ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ

تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے کبھی سجدہ کرتے ہوئے ؂ طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے ؂ ان کی پہچان یہ ہے

فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ

کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے ؂ یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں۔ نیز ان کی صفات

اس سے واضح ہو گیا کہ امت میں جو ایسے اعمال ہیں جن کی اصل تو سنت سے ثابت ہے ان کو کسی خاص وقت و مقام پر اپنی طرف سے ادا کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاں اسے بدعت کہہ کر امت میں فساد و انتشار پیدا کرنا قرین دانشمندی ہے۔ اذان کے بعد درود شریف، نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ اسی قسم کے مسائل ہیں۔

؂ اپنے رب کریم کی عبادت میں ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم ہے کہ جب بھی تم انہیں دیکھو گے انہیں اپنے رب کی عبادت میں مصروف پاؤ گے۔ کبھی وہ حالت رکوع میں جھکے سبحان ربی العظیم کا ورد کر رہے ہوں گے کبھی اس کی بارگاہ قدس میں اپنی جبین نیاز رکھے سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اپنی بندگی، اپنی نیازمندی اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اپنے مولا کریم کی قدرت اور کبریائی کی گواہی دے رہے ہوں گے۔

رُكَّعًا، رَاكِعٌ کی جمع ہے۔ سُجَّدًا، سَاجِدٌ کی جمع ہے۔

؂ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ان کا شیر کی طرح گرجنا اور اپنے دینی بھائیوں کے لیے ان کی شفقت اور رحمت، شب و روز رکوع و سجود میں محو رہنا، ان تمام اعمال سے ان کی غرض کیا ہے، وہ چاہتے کیا ہیں؟ بتا دیا کہ دنیا اور دنیا کی وابستگیوں کو تو انہوں نے اپنے دامن سے گرد و غبار کی طرح جھاڑ دیا ہے۔ وہ صرف اپنے خداوند کریم کے فضل کے طلب گار ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کے متمنی۔ اس کے سوا انہیں نہ کسی چیز سے سروکار ہے اور نہ کوئی خواہش و آرزو۔ خود سوچیے جس جماعت کے مقاصد، جس کی تمنائیں اور آرزوئیں سمٹ کر اس ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں، اس جماعت سے پاکیزہ تر، مبارک تر کوئی جماعت ہو سکتی ہے اور کیا ایسے افراد کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

؂ سِيْمَا کا معنی علامت ہے۔ یعنی قدسیوں کی اس جماعت کو پہچاننا مشکل نہیں۔ ان کے چہروں پر انوار ایمان کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھنے والا دیکھتے ہی انہیں پہچان لیتا ہے کہ یہ آغوش نبوت کے پروردہ ہیں۔ یہ نگاہ رسالت کے فیض یافتہ ہیں۔ ان کے حسین اعمال کا نکھار اور ان کے قلوب کی پاکیزگی اور روح کی طہارت دلوں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔

سِيْمَاهُمْ سے مراد وہ گٹا نہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ جِبَاهِهِمْ۔ ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نور باطن ہے جو ان کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو پیشانی پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ بسا اوقات اونٹ کے گھٹنے کے برابر یہ نشان کسی شخص کے ماتھے پر ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے

فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی

انجیل میں بھی مرقوم ہیں۔ جیسے ایک کھیتی کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر اسے مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوگیا پھر سیدھا کھڑا ہوگیا

عبد العزیز کی سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ لاغری اور زردی بھی نہیں بلکہ اس سے وہ نور مراد ہے جو عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں کے باطن سے ان کے چہروں پر جھلکتا ہے خواہ وہ عابد زنگی اور حبشی کیوں نہ ہو۔ لکنہ نور یظہر علی وجوہ العابدین یبدو من باطنہم علی ظاہرہم . . . . ولو کان فی زنجی او حبشی۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے :

قال بعض السلف من کثرت صلوتہ باللیل حسن وجہہ بالنہار کہ بعض بزرگوں نے فرمایا جو رات کے وقت بکثرت نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔ حضرت جابر سے یہی الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں لیکن ابن کثیر کہتے ہیں۔ والصحیح انہ موقوف وقال بعضہم ان الحسنۃ نورا فی القلب وضیاء فی الوجہ وسعۃ فی الرزق ومحبۃ فی قلوب الناس۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے دل میں ایک نور، چہرے میں چمک، رزق میں فراخی اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ ما اسر احد سریرۃ الا ابداہا اللہ تعالیٰ علی صفحات وجہہ وفلتات لسانہ یعنی جو شخص کوئی کام چھپ کر بڑی رازداری سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس کے چہرے اور اس کے کلام میں نمایاں کر دیتا ہے۔

حضرت امام مالک سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب نصاریٰ نے ان صحابہ کرام کو دیکھا جنہوں نے شام کا ملک فتح کیا تو وہ کہہ اٹھے واللہ لھؤلاء خیر من الحواریین۔ خدا کی قسم! یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ثلہ امام لغت جوہری مَثَلٌ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مثل الشیء ایضا صفتہ (صحاح) یعنی مثل کے دوسرے معانی کے علاوہ ایک یہ معنی بھی ہے کہ کسی چیز کی صفت و حالت کو مثل کہتے ہیں۔ قال ابن سیدہ ومنہ قولہ تعالیٰ مثل الجنۃ التی وعد المتقون . . . . وقال ابو اسحاق معناہ صفۃ الجنۃ۔ (تاج العروس، لسان) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مثل کا معنی صفت ہے۔ ابو اسحاق سے بھی یہی معنی منقول ہے۔

اب آیت کا مفہوم ہوگا کہ میرے رسول کے صحابہ کے یہ اوصاف اور صفات ہیں جو تورات اور انجیل میں مذکور ہیں۔ بعض علماء نے التوراۃ پر وقف کیا ہے۔ ان کے نزدیک مثلہم فی الانجیل کا تعلق اگلے جملہ کزرع سے ہے۔ یعنی یہ تو وہ اوصاف ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔ انجیل میں ان کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس کا ذکر کزرع اخرج سے ہو رہا ہے۔

للہ آیت کے اس حصہ میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت ضروری ہے۔

زرع : جو فصل زمین سے اگتی ہے اسے زرع کہتے ہیں۔ الزرع نبات کل شیء یحرث (لسان) یہاں مراد ایک بالی یا

عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اپنے تنے پر اس حال میں کہ خوش کرنے لگتی ہے کاشتکاروں کو تاکہ جلائے ان کے ذریعے کفار کو، وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان

الکرمیں سے جو پہلے نمودار ہوتی ہے۔ قال مقاتل ہو نبت واحد۔ (قرطبی)

شطأہ: فراخہ او ورقہ (قرطبی)۔ والشطأ: فروخ الزرع (معانی) یعنی وہ بالیاں جو کھیتی کی جڑوں سے پھوٹتی ہیں۔

آزرہ: اعانہ وقواہ قال الحسن (روح المعانی) کسی چیز کی اعانت کرنا، اسے مضبوط و مستحکم بنا دینا۔ آزر کا فاعل شطأ اور

ہ ضمیر کا مرجع زرع ہے یعنی وہ بالیاں جو پہلے تنہا اور کمزور تھیں، اس کے پہلو میں اس کی جڑ سے جو اور بالیاں نکل آئی ہیں انہوں نے اسے مضبوط و

مستحکم کر دیا ہے۔ استغلظ: صار غلیظا یعنی وہ بالی جو پہلے اکیلی اور کمزور تھی، کوئی بوجھ سہارنے کے قابل نہ تھی، ہوا کا معمولی جھونکا اسے دوہرا کر دیتا

تھا۔ اب اس کی کمزوری باقی نہیں رہی، وہ دبیز اور موٹی ہو گئی ہے۔ فاستوی: سیدھا کھڑا ہو جاتا۔ سوق: جمع ساق: پنڈلی یعنی تنا۔

یعجب: خوش کرنا۔

اس لغوی تشریح کے بعد آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یعنی ابتداء میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تنہا تھے۔ بعد میں

صحابہ نے حضور کی دعوت کو قبول کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسلام ایک تناور اور مضبوط درخت بن گیا۔

مخالفت کی تند و تیز آندھیاں بھی اسے گزند نہیں پہنچا سکتیں۔

۳۲۔ اسلام کے چمن کو ہرا بھرا دیکھ کر اور کشت ایمان کو سرسبز و شاداب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا رسول خوش ہے کہ اس کی مساعی بار آور

ہو رہی ہیں۔ اس کی کوششیں کامیاب ہو رہی ہیں۔ ہر سمت توحید کا اجالا پھیلتا جا رہا ہے۔ بحر و بر میں لا الٰہ الا اللہ کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ استبداد

اور تشدد کی جن آہنی زنجیروں میں انسان جکڑا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے ٹوٹ رہی ہیں۔ انسان نے اپنی جہالت اور کم فہمی کے باعث جتنے

اور جس قسم کے بت گھڑے بنا رکھے تھے وہ ایک ایک کر کے زمین بوس ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول یہ منظر دیکھ کر اور نوری

فرشتے اس بابرکت انقلاب کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ لیکن کفار کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ جو لوگ جبر و تشدد سے انسانیت کی

تذلیل کیا کرتے تھے اور خوشی سے اس پر تالیاں بجایا کرتے تھے، اسلام کی کامیابی پر وہ آتش حسد میں جل رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں

اڑ رہی ہیں۔ ان کے غیظ و غضب کا عالم قابل دید ہے۔

۳۳۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے خلوص و محبت، جذبہ جانفروشی، جادہ حق پر ان کی استقامت

اور عزیمت دیکھ کر اس کا رسول تو مسرور ہے اور کفار ان کی ایمانی قوت و رفعت کو دیکھ کر جل بھن جاتے ہیں۔ آج بھی صحابہ کرام سے محبت و عقیدت

ایمان کی علامت ہے اور ان سے کینہ و عداوت، ان کی بدگوئی اور غیبت، ان کے غیرت انگیز کارناموں کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن

کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے، جن کو اسلام کی ترقی سے ذہنی اذیت پہنچتی ہے۔ جو حضور کی شان رحمۃ للعالمینی کے فیض عام کی وسعتوں اور گیرائی

کو تسلیم کرنے کی تاب نہیں رکھتے۔ یہی لوگ ان پاکیزہ ہستیوں پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں جن کی تعریف سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے،

جن کے خلوص و ایمان کا عینی شاہد خود اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

لے آئے اور نیک اعمال کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ع

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جن کے دلوں میں صحابہ کرام کا بغض و عناد ہوگا۔ اس لیے حضورؐ نے پہلے ہی اپنی امت کو اس گروہ کی شرانگیزیوں سے آگاہ کر دیا۔ چند احادیث آپ کی سماعت فرمائیے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ (متفق علیہ)

رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک سیر یا نصف کے برابر بھی نہیں ہو سکتا بلکہ نصف سیر یا نصف کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ۔ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ (ترمذی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالٰی سے ڈرو، میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالٰی سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے میرے بارے میں اس کے دل میں جو بغض ہے اس کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ جس نے میرے صحابہ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالٰی کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ تعالٰی کو اذیت پہنچائی تو اللہ تعالٰی اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

شیخ الطائفہ طوسی شیعہ اپنی تفسیر التبیان میں لکھتے ہیں۔ لیغیظ بھم الکفار معناہ لیغیظ بالنبی واصحابہ الکفار والمشرکین۔ کفار اور مشرکین نبی اور اس کے صحابہ کو دیکھ کر غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہیں۔

جو لوگ کسی غلط فہمی کے باعث صحابہ کرام کے بارے میں سوءِ ظن میں مبتلا ہیں انہیں چاہیے کہ لیغیظ بھم الکفار کے جملہ میں غور کریں اور ان ارشادات رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غور سے پڑھیں۔

ع اس سورۂ طیبہ کی بیشتر آیات میں اللہ تعالٰی نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف و توصیف کی ہے۔ آخر میں وعدہ اللہ کے کلمات طیبات سے انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ جانفزا سنایا ہے۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ گروہ جو ان خصوصی انعامات سے بہرہ ور ہوا۔ بڑا ہی بلند اقبال صاحب یقین وکمال ہے وہ نبی جس کی سعی اور توجہ باطنی سے خاک کے ان ذروں کو چمکتا ہوا ستارہ بننا نصیب ہوا لیکن بعض لوگوں کے دلوں میں اسلام سے عداوت کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ وہ حق سننے اور حق قبول کرنے سے گریزاں ہیں۔ چنانچہ اس آیت سے بھی انہوں نے صحابہ کی تنقیص کا پہلو نکال لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "منھم" کا لفظ ہے

اور یہ مِنْ بعضیہ ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میدانِ حدیبیہ میں حاضر سب صحابہ کے ساتھ مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ نہیں بلکہ بعض کے ساتھ ہے۔ ایک حق پسند کے نزدیک یہ قول از قسم خرافات ہے۔ ورنہ اس سورت کی بہت سی آیات پر خطِ تنسیخ کھینچنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دلوں کے خلوص کی گواہی دی ہے۔ ان سب پر اپنی جناب سے تسکین و طمانیت کے نزول کی خبر دی ہے۔ ان سب کو اپنی رضا سے خورسند کیا ہے۔ اس سورت کی آیات ۴۔۵۔۱۸۔۲۶ اور ۲۸ کا دوبارہ مطالعہ کریں۔ ان کی بے ثباتی آپ پر آشکارا ہو جائے گی۔

اگر مِنْ فقط تبعیض کے لیے ہوتا تو ان کا یہ اصرار بجا تھا لیکن یہ لفظ تو وہ مختلف معانی پر دلالت کرتا ہے محل اور موقع کی مناسبت سے اس کا معنی متعین کیا جائے گا۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں۔ ومن بالکسر حرف خفض ياتي على اربعة عشر وجها الاول لابتداء الغاية . . . . والثاني للتبعيض والثالث لبيان الجنس ا ه کہ مِنْ حرفِ جار ہے اس کے استعمال کی چودہ صورتیں ہیں ابتدا، تبعیض اور بیان وغیرہ

اس آیت میں منھم کا مِنْ تبیین کے لیے ہے۔ جس طرح ننزل من القرآن ما ھو شفاء میں مِنْ تبعیض کے لیے نہیں، بیان کے لیے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بعض قرآن تو شفا ہے اور بعض شفا نہیں۔ اسی طرح فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں مِنْ بیان کے لیے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بعض بتوں کی پرستش سے باز آؤ اور بعض کی پوجا کرتے رہو۔

خود شیعہ مفسرین نے بھی اس کو بیانیہ لکھا ہے۔ شیخ الطائفہ طوسی اپنی تفسیر التبیان میں لکھتے ہیں۔ منھم قیل انه بیان یخصھم بالوعد دون غیرھم۔ (جلد ۹ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ نجف الاشرف) یعنی مِنْ بیان کے لیے ہے یہ وعدۂ مغفرت اور اجرِ عظیم صرف اصحاب کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ نہیں۔ ملا فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین جلد ۸ صفحہ ۳۹۹ پر لکھتے ہیں۔ ومِنْ از بہرِ بیان است از قبیل فاجتنبوا الرجس من الاوثان یعنی جس طرح من الاوثان میں مِنْ بیانیہ ہے اسی طرح یہاں بھی بیانیہ ہے

علامہ قرطبی لکھتے ہیں عمرو بن حبیب محدث ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں تشریف فرما تھے ایک مسئلہ پر بحث شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث پیش کی۔ دوسرے فریق نے اس حدیث کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا اور کہا ہم ابوہریرہ کی روایات کو نہیں مانتے کیونکہ وہ متہم ہے۔ عمرو بن حبیب کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہارون بھی انہی کی طرف مائل ہے اور ان کی تائید کرنے لگا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہ روایتِ احادیث میں ثقہ اور سچے ہیں۔ ہارون نے خشمناک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر گھر چلا آیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مجھے بتایا گیا کہ خلیفہ کا خاص ایلچی دروازے پر کھڑا ہے۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا اجب امير المؤمنين اجابة مقتول وتحنط وتكفن۔ فوراً امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو۔ تجھے قتل کیا جائے گا اس لیے کفن بھی پہن لو اور خوشبو بھی لگا لو۔ میں نے یہ سنا تو یاد الٰہی میں عرض کی میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے۔ اس طرح تیرے نبی کریم کی شان کو بلند کیا ہے۔ الٰہی! مجھے ہارون کے شر سے بچا۔ یہ دعا مانگی اور ہارون کی طرف روانہ ہوا۔ وہ زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اس کے سامنے نطع (چمڑے کا ٹکڑا) بچھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔ اے عمرو! میری بات کو آج تک کسی نے ایسی گستاخی سے کسی نے

رد نہیں کیا جس طرح تُو نے کیا۔ میں نے کہا امیر المومنین! انہیں نے صرف اس بات کی تردید کی ہے جس سے شانِ رسالت پر حرف آتا تھا اور حضور کی لائی ہوئی شریعت کی توہین ہوتی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور کے صحابہ جھوٹ بولا کرتے تھے تو شریعت باطل ہو جائے گی۔ نماز، روزہ، طلاق، نکاح اور حدود کے بارے میں جتنے احکام ہیں سب مردود اور غیر مقبول شمار ہوں گے۔ میری یہ بات سن کر خلیفہ معلوم ہوا کہ ہارون کو ہوش آگیا۔ اس کا غصہ کافور ہو گیا اور مجھے کہنے لگا۔ احییتنی یا عبد اللہ احیاک اللہ۔ اے عبد اللہ تُو نے مجھے از سرِ نو زندہ کر دیا۔ اللہ تجھے سلامت رکھے پھر دس ہزار دینار بطور انعام مجھے دینے کا حکم دیا (قرطبی)

آخر میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی پیش کر کے اس سورۂ پاک کا اختتام کرتا ہوں۔

روی عویم بن ساعدة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل اختارنی واختارلی اصحابی فجعل لی منہم وزراء واختانا وانصارا فمن سبہم فعلیہ لعنة اللہ والملٰئکة والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ یوم القیامة صرفا ولا عدلا (قرطبی)

عویم بن ساعدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ نے مجھے چُنا اور پھر میرے لیے اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ ان میں سے میرے لیے وزیر، داماد اور انصار بنائے۔ پس جس نے ان کو برا بھلا کہا پس اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان سے کوئی معاوضہ اور کوئی بدلہ قبول نہ کرے گا۔

اللّٰھم لک الحمد علی جلالک وکبریائک ولک الشکر علی ما اسبغت علیّ من توفیقاتک ونعمائک اسالک بفضلک وبصفاتک واسمائک بصفاتک الجمیلة والجلیلة وباسمائک الحسنٰی ان تصلی وتسلم وتبارک علی سیّد الانبیاء وکہف الوریٰ حبیبک ونبیک وصفیک سیدی ومولائی وقرة عینی ونور قلبی ووسیلتی الی حضرتک محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ ومن تبعہ واحبہ الٰی یوم الدین فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والاٰخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ رب اجعلنی مقیم الصلوٰة ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الحُجرات

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام الحجرات ہے۔ یہ کلمہ آیت ۴ میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع اٹھارہ آیتیں، تین سو تینتالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : حضرت حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور دیگر علماء کے نزدیک یہ ساری سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ باقی آیات مدنی ہیں۔ صرف آیت ۱۳ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

آیت ۴ اس وقت نازل ہوئی جب بنی تمیم کا وفد شرف باریابی حاصل کرنے کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ وفد نے حضور کی آمد کا انتظار نہ کیا۔ حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے کہ باہر آئیے، باہر آئیے۔ ان کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ کتب سیرت کے مطابق یہ وفد ۹ ھ میں آیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ نیز آیت ۶ میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کا تعلق ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے ہے اور وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا تھا۔

مضامین : اس سورۂ مبارکہ کی آیتوں کی تعداد اگرچہ صرف اٹھارہ ہے لیکن اس میں نہایت اہم موضوعات بیان کیے گئے ہیں جن پر اعتقاد، اخلاق، سیرت اور کردار کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جن کی برکت سے معاشرے میں انس، محبت اور ایثار کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

سب سے پہلے بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کے بارے میں حتمی احکام صادر فرمائے۔ صاف صاف بتا دیا کہ کان کھول کر سن لو، اگر تم نے گستاخانہ لہجے میں میرے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اپنی آواز بھی اونچی کی تو عمر بھر کے اعمال صالحہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ میرا پیارا رسول آرام فرما ہو تو باہر کھڑے ہو کر آوازیں مت دو، بلکہ خاموشی سے انتظار کرو۔ جس وقت حضور تشریف لائیں اس وقت اپنی معروضات پیش کرو۔ مختلف طریقوں سے بارگاہ نبوت کے ادب و احترام کا نقش لوح دل پر ثبت فرما دیا تاکہ بھول کر بھی کوئی مومن یہ گستاخی نہ کر بیٹھے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو بتایا کہ اتنے سادہ لوح بھی نہ بن جاؤ کہ جب کسی نے کوئی بات کہہ دی فوراً اسے پلے باندھ لیا اور اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کر دیا۔ جب بھی کوئی غیر معتبر آدمی کوئی بات آکر بتائے تو پہلے خوب چھان بین کر لیا کرو، پھر کوئی قدم اٹھایا

کرو، ورنہ شدید ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضور کے صحابہ کے بارے میں صراحۃً اعلان کر دیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا ہے اور ان کی آنکھوں میں اسے یوں آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کفر و فسوق کی نفرت اور بغض ان کے دل میں یوں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی حالت کلامِ الٰہی میں ان نورانی الفاظ سے بیان کی گئی ہو ان کے ایمان کے بارے میں شک کرنا اور ان کے دامنِ عمل پر کیچڑ اچھالنا بدبختی اور محرومی کی انتہا ہے۔

انسانی معاشرے میں تعلقات کا کشیدہ ہو جانا قطعاً بعید از امکان نہیں۔ اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے اور اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہو جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں بلکہ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے درمیان صلح کرا دیں اور اپنا پورا اثر و رسوخ بھی استعمال کریں۔ پھر بھی اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس کی امداد کریں جو حق پر ہے۔

آیت ۱۰ میں تصریح کر دی کہ مومن خواہ کسی گوشہ میں آباد ہو کوئی زبان بولتا ہو کسی بھی نسل سے متعلق ہو جب وہ اس دین کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اخوتِ اسلامی کے رشتہ میں پرو دیا جاتا ہے۔ بیگانگی اور منافرت کے سارے حجابات یک لخت اٹھ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر کے ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس لیے ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں نفرت، حقارت، حسد اور عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، چغلی کھانا، ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرنا وغیرہ۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے دل ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں سے دور رہیں۔

آیت ۱۳ میں ان تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دیا جو انسانی معاشرے کو رنگ، نسل، زبان، دولت وغیرہ کی بنیادوں پر متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ انہیں بتایا کہ تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو اور تمہاری قدر و منزلت کا معیار دولت، حکومت وغیرہ نہیں بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ جو زیادہ متقی ہوگا اللہ تعالیٰ کی جناب میں اسی کا مقام بلند ہوگا۔

یہ آیت اسلام کے معاشرے کی خشتِ اوّل ہے۔ جو باطل امتیازات آج بھی بڑی بڑی ترقی یافتہ قوموں کو آپس میں دست و گریبان کیے ہیں اسلام نے اس ایک حکم سے ان تمام کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

آخر میں بتا دیا کہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ جو دینِ اسلام کو قبول کرتے ہیں تو وہ اسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے اس دینِ حق کو قبول کرنے کی انہیں توفیق عطا فرمائی۔

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيْ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحجرات مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ' ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا

اے ایمان والو! ۱ آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے ۲ اور ڈرتے رہا کرو

۱۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ اس سے پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام عالی اور شان رفیع بیان فرمائی کہ یہ وہ رسول ہے جس کی رسالت کے ہم گواہ ہیں جس کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا اس کے غلام ان صفات جلیلہ سے موصوف ہیں جن کا ذکر پہلی آسمانی کتب میں بھی موجود ہے۔ اس سورت میں اس رسول ذی شان کی عزت و تکریم کا حکم دیا جارہا ہے۔ ادب و احترام کے انداز سکھائے جارہے ہیں چونکہ ادب ہوگا تو دل میں تعظیم ہوگی تعظیم ہوگی تو اس کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جب تعمیل حکم کی خو پختہ ہوگی تو رحمت کی نعمت مرحمت فرمائی جائے گی اور حبیب محبوب خداوند ذوالجلال کے عشق کی شمع فروزاں ہوگی تو حریم کبریائی تک جانے والا سارا راستہ منور ہو جائے گا۔

۲۔ ادب و احترام کے درس کا آغاز لَا تُقَدِّمُوْا سے فرمایا جارہا ہے۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے پیشوا یا امام کے ارشاد کے بغیر خود ہی امر و نہی کے فیصلوں میں جلد بازی کرے تو عرب کہتے ہیں کہ فلان یتقدم بین یدی امامہ یعنی فلاں شخص اپنے امام کے آگے آگے چلتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملہ کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کی ہے عن ابن عباس لا تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ کہ کتاب و سنت کی خلاف ورزی مت کرو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم پر ایمان لانے کے بعد کسی کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کریم اور اس کے رسول کرم کے ارشاد کے علی الرغم کوئی بات کہے یا کوئی کام کرے۔ جب انسان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اس امر کا بھی اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ آج کے بعد اس کی خواہش، اس کی مرضی، اس کی مصلحت، خدا اور اس کے رسول کے حکم پر بلا تامل قربان کر دی جائے گی۔

یہ ارشاد فقط اہل ایمان کی شخصی اور انفرادی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کو بھی محیط ہے۔ نہ کسی فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو کتاب و سنت سے متصادم ہو اور نہ کسی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکام شرعی کے برعکس کوئی فیصلہ کرے۔

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ

اللہ تعالیٰ سے بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

نبی (کریم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح تم زور سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو

لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ کے مختصر کلمات میں معانی و مطالب کا بحر بیکراں موجزن ہے۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ لا تقدموا متعدی ہے لیکن اس کا مفعول مذکور نہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو ذکر کر دیا جاتا تو صرف اس کے بارے میں حکم کی خلاف ورزی ممنوع ہوتی۔ مفعول کو ذکر نہ کر کے بتا دیا کہ کوئی عمل ہو، کوئی قول ہو، زندگی کے کسی شعبہ سے اس کا تعلق ہو، اس میں اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد سے انحراف ممنوع ہے۔ نیز اگر مفعول ذکر کیا جاتا تو سامع کی توجہ ادھر بھی مبذول ہو جاتی۔ اس کو ذکر نہ کر کے بتا دیا کہ تمہاری تمام تر توجہ لا تقدموا کے فرمان پر مرکوز ہونی چاہیے۔

زمخشری کہتے ہیں: احدهما ان یحذف لیتناول کل ما یقع فی النفس مما یقدم والثانی ان لا یقصد قصد مفعول ولا حذفه ... (کشاف)

۳۔ اس آیت طیبہ میں بھی بارگاہ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سابقہ آیت میں بتایا کہ قول و عمل میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سبقت نہ کرو۔ اب گفتگو کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں وہاں شرف باریابی نصیب ہو اور ہمکلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب و احترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذرا سی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے اعمال حسنہ، ہجرت، جہاد، عبادات وغیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی یا ایها الذین آمنوا سے خطاب ہو چکا تھا۔ یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر دوبارہ اہل ایمان کو یا ایها الذین آمنوا سے خطاب کیا۔ انہیں جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ اسی پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول و نامقبول ہونے کا انحصار ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت فاروق اعظم نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنا لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، میں تا دم واپسیں حضور سے آہستہ آہستہ بات کروں گا۔ جب کوئی وفد حضور سے ملاقات کے لیے مدینہ طیبہ پہنچتا تو حضرت صدیق اکبر ان کی طرف ایک خاص آدمی بھیجتے جو انہیں حاضری کے آداب بتاتا اور ہر طرح ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔ وارسل الیهم ابو بکر من یعلمهم کیف یسلمون ویأمرهم

بالسکینة والوقار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح المعانی)

صحابۂ کرام جو پہلے ہی سراپا ادب و احترام تھے، اس آیت کے نزول کے بعد مزید محتاط ہو گئے۔ حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے، اس آیت کے نزول سے ان پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھر میں بیٹھ رہے۔ دروازہ کو قفل لگا دیا اور دن رات زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ مرشد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب ایک دو روز ثابت کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ عرض کیا گیا کہ انہیں گھر میں دن رات رونے سے کام ہے۔ دروازہ بند کر رکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا بھیجا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ غلام اطاعت شعار نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری آواز اونچی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی۔ اس دلنواز آقا نے تسلی دیتے ہوئے یہ مژدہ جانفزا سنایا: اما ترضی ان تعیش حمیدا وتقتل شہیدا وتدخل الجنة کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عرض کیا رضیت اپنے رب کریم کی اس نوازش بے پایاں پر یہ بندہ راضی ہے۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیر اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا تو مسلمانوں کے قدم ڈگمگانے لگے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے آپس میں کہا کہ عہد رسالت میں ——— تو ہم کفار سے اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے لیے گڑھا کھودا اور اس میں جم کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی حتیٰ کہ دونوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس روز حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک نفیس اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی۔ ایک شخص آپ کی نعش کے پاس سے گزرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی اور جا کر چھپا دی۔ اسی شب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خواب میں فرمایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں، خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ یہ محض خواب ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ سنو! میں کل جب قتل ہوا تو ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ اتار لی۔ اس کی رہائش گاہ پڑاؤ کے آخری کنارہ پر ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خیمے کے نزدیک ایک گھوڑا چر رہا ہے جس کے پاؤں میں ایک لمبی رسی بندھی ہے۔ اس شخص نے میری زرہ پر ایک دیگچہ الٹا کر دیا ہے۔ اس کے اوپر اونٹ کا کجاوہ ہے۔ تم صبح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ پہنچو تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا کہ ثابت پر اتنا قرضہ ہے، وہ ادا کر دیں اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کر دیں۔

جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا۔ حضرت خالد نے وہ زرہ وہاں سے تلاش کر لی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا۔ (کتاب الروح)

جن خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب ہو ان کی رفعت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ

(اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں

أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

کو اللہ کے رسول کے سامنے ، یہی وہ لوگ ہیں خالص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو

ملک یہاں لام "تعلیل" ہے اور یہ لام عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی اگر تم سے آواز اونچا کرنے کی بے ادبی ہو گئی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اولاً اور بالذات یہ خطاب صحابہ کرام کو ہو رہا ہے جن کا ایثار بے نظیر، جن کی قربانیاں بے مثال، جن کی عبادتیں خشوع و خضوع میں ڈوبی ہوئی تھیں، جو سراپا تسلیم و رضا تھے، انہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے میرے پیارے رسول کی جناب میں آواز بھی اونچی کی تو یہ ایسی گستاخی متصور ہوگی کہ تمہاری سب نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ آج جو لوگ حضور کی شان میں منہ سے گستاخانہ باتیں کرتے ہیں، حضور کے علم خداداد پر معترض ہوتے ہیں، ادب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھتے، اپنے علم پر، اپنی نیکیوں پر اور اپنے ایمان سے لمبے لمبے وظیفوں پر مغرور ہیں، وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

یاد رکھو! ؎ ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

ملک اس جملہ میں گستاخوں کی اس محرومی و بدنصیبی کو بیان کیا ہے۔ اس کو سن کر بھی علم و ذہن کا شکار اگر تم نے فضیلت و پارسائی کا طلسم اگر دو تو نہ تو بدبختی کی انتہا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے سب نیکیاں ملیامیٹ ہو جائیں گی اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ تم اس غلط فہمی کا شکار رہو گے کہ تم بڑے نمازی اور غازی ہو، صائم الدہر اور قائم اللیل ہو، جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے اور جب وہاں پہنچو گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اعمال کا جو باغ تم نے لگایا تھا اسے تمہاری بے ادبی اور گستاخی کی باد صرصر نے خاکستر کر دیا ہے۔ اس وقت کف افسوس ملو گے، سر پیٹو گے لیکن بے سود لا حاصل۔

ملک اس کے بعد پشیمان کا پشیمان ہونا

یہ جملہ حال ہے۔ اعمالکم میں ضمیر مخاطب ذوالحال ہے اور تشعرون کا مفعول محذوف ہے۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان جب روضہ مقدسہ پر حاضری دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو وہاں بھی آواز اونچی نہ کرے۔ جہاں حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو وہاں بھی آواز بلند نہ کرے۔ علمائے ربانیین کی خدمت میں حاضر ہو تو اس وقت بھی چلا چلا کر گفتگو نہ کرے اور اپنے پیر و مرشد سے بھی ادب و احترام ملحوظ رکھے۔

بارگاہِ رسالت میں اگر کوئی اس طرح اونچا بولے گا جس سے خاطر عاطر کو اذیت پہنچے تو یہ منع ہے لیکن ضرورت کے وقت

لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ

تقویٰ کے لیے انہی کے لیے بخشش ہے اور اجر عظیم ہے بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو

بلند آواز سے بولنا منع نہیں۔ حضرت بلال حضور کی موجودگی میں بلند آواز سے اذان دیتے تھے۔ جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگائے جاتے۔ جنگ حنین میں حضور نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو بلائیں۔ حضرت حسان حضور کی موجودگی میں بلند آواز سے اپنے قصائد سناتے تھے۔ الغرض نیت پر انحصار ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں۔ لیس المراد مایقع الرفع والجھر فی حرب او مجادلۃ معاند او ارھاب عدو او نحو ذالک فانہ مما لا باس بہ۔ (روح البیان)

اسی پر بلند آواز سے مل کر درود شریف یا کوئی نعت پڑھنے کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ف اب ان لوگوں پر اپنی عنایات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم بیان کرنے سے پہلے اس کے دو لفظوں کی تشریح کرنا ضروری ہے۔

یَغُضُّوْنَ غض البصر۔ آنکھیں نیچی کرنا۔ غض الصوت۔ آواز کو آہستہ کرنا۔

اِمْتَحَنَ ۔ علامہ ابی عبداللہ قرطبی نے علمائے لغت و تفسیر کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

قال الفراء: ای اخلصہا للتقوٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان با ادب حضرات کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے۔

قال الاخفش۔ اختصہا۔ اخفش کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں الامتحان افتعال من محنت الادیم محنا حتی اوسعتہ فمعنی امتحن اللہ قلوبہم للتقوٰی وسعہا وشرحہا للتقوٰی۔ یعنی امتحان باب افتعال ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چمڑے کو کھلا کرنا۔ اس مفہوم کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا کہ ہم نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے۔ وہ تقویٰ کی راہ پر چلتے ہوئے کوئی گھٹن یا بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

علامہ زمخشری اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے۔ کہتے ہیں من قولک امتحن فلان لامر کذا وجرب لہ ودرب للنھوض بہ فھو مضطلع بہ غیر وان عنہ (کشاف) یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کا خوگر اور عادی بن جاتا ہے اور اسے اس کی خوب مشق کرا دی جاتی ہے تو عرب کہتے ہیں امتحن فلان لامر کذا۔ جب کوئی شخص مسلسل ریاضت اور مشق سے کسی چیز کا عادی بن جاتا ہے اس وقت وہ اس بار گراں کو آسانی سے اٹھا لیتا ہے اور اس میں کسی ضعف اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

ان لغوی تحقیقات کے بعد اب اس آیت کو غور سے پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے محبوب کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں ہم ان پر تین خصوصی احسان فرماتے ہیں۔ پہلا احسان تو یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں کو تقویٰ کا عادی بنا دیتے ہیں اس بار گراں کے اٹھانے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

وَرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں ۞ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ

دوسرا احسان یہ ہے کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ہم بخش دیتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ ہم انہیں اجر عظیم سے بہرہ ور کریں گے۔ صفت اس اجر کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے اور اجر کو عظیم سے موصوف کر کے اس کی عظمت میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ اجر ایسا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔ تنکیر مغفرۃ واجر للتعظیم ووصف الاجر بعظیم مبالغۃ فی عظمہ وانہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ (روح المعانی)

ؔ اسلام سے پہلے عرب کا خطہ جہالت و ناشائستگی کا گہوارہ تھا۔ گھر جیسے مرکزی شہر میں گنتی کے چند آدمیوں کے سوا ساری آبادی معمولی نوشت و خواند سے بھی نا آشنا تھی۔ تہذیب و معاشرت کے آداب سے یہ لوگ بالکل کورے تھے۔ صحرانشین بدوؤں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس آیت کریمہ میں بھی وہ آداب سکھلائے جا رہے ہیں جن کا بارگاہ رسالت میں ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

ایک دفعہ بنی تمیم کا وفد جو ستر اسی نفوس پر مشتمل تھا مدینہ طیبہ آیا۔ اس وفد میں زبرقان بن بدر، عطارد بن حاجب اور قیس بن عاصم ان کے سردار بھی تھے۔ دوپہر کا وقت تھا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے حضورؐ کی آمد تک انتظار کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور باہر کھڑے ہو کر صدائیں لگانے لگے یا محمد اخرج علینا۔ حضورؐ کا نام نامی لے کر کہنے لگے کہ ہمارے پاس باہر آئیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا یا محمد ان مدحنا زین وان شتمنا شین ونحن اکرم العرب۔ یعنی ہم جس کی مدح کرتے ہیں اسے مزین کر دیتے ہیں اور جس کی مذمت کرتے ہیں اس کو معیوب بنا دیتے ہیں۔ ہم تمام عربوں سے اشرف ہیں۔ سچے نبی نے فرمایا کذبتم بل مدح اللہ تعالیٰ زین وشتمہ شین واکرم منکم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم۔

اے بنی تمیم تم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدح باعث زینت ہے اور اس کی ہی مذمت باعث تحقیر ہے اور تم سے اشرف حضرت یوسف ہیں۔ پھر انہوں نے کہا ہم مفاخرت کی غرض سے آئے ہیں۔ چنانچہ پہلے ان کا خطیب عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اپنے قبیلے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے اور اپنی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت بن قیس کو اس کا جواب دینے کا حکم دیا۔ مکتب نبوت کا یہ تلمیذ ارشد جب لب کشا ہوا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ سہم کر رہ گئے۔

اس کے بعد ان کا شاعر زبرقان بن بدر کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھ ڈالا۔ حضورؐ نے حضرت حسانؓ کو ارشاد فرمایا۔ حضرت حسانؓ نے فی البدیہہ ان کے مفاخر کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسلام کی صداقت اور حضورؐ کی عظمت کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ ان کا غرور خاک میں مل گیا۔ اقرع کو تسلیم کرنا پڑا کہ ہمارا خطیب حضورؐ کے خطیب کا ہم پلہ ہے اور نہ ہمارا شاعر دربار رسالت کے شاعر سے کوئی نسبت رکھتا ہے۔

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان

اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا خصوصی کرم فرمایا اور ان کے دلوں کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیا سارے کے سارے مشرف با یمان ہوئے۔ رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انعام و اکرام سے انہیں مالا مال کر دیا۔

لفظ وراء کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

الوراء من المواراة والاستتار وما استتر عنك فهو وراءك خلفا كان او قداما یعنی وراء موارات سے ہے۔ اس کا معنی چھپا اور پوشیدہ ہونا ہے۔ جو چیز تیری آنکھوں سے اوجھل ہو گی خواہ وہ پیچھے ہو یا سامنے اس کو وراءک کہیں گے۔ بعض اہل لغت کے نزدیک وراء اضداد سے ہے۔

نیز ان کی اس نازیبا حرکت پر سرزنش کے بجائے انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ حضور کا انتظار کرتے یہاں تک کہ نبی کریم قیلولہ کرنے کے بعد خود باہر تشریف لاتے۔ اس وقت وہ زیارت کی سعادت حاصل کرتے، اپنے احوال بھی بیان کرتے اور اس کے سبب عفو و کرم سے سیراب بھی ہوتے۔

علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ ان آیات میں بارگاہ نبوت میں بے ادبی کی قباحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ محاسن آداب کی بھی تعلیم دی جا رہی ہے۔ علمائے کرام نے ان آیات سے خوب استفادہ کیا ہے۔ حضرت ابو عبید جو بلند پایہ عالم تھے فرمایا کرتے میں نے کبھی کسی استاد کے دروازہ پر دستک نہیں دی۔ بلکہ میں ان کا منتظر رہتا جب وہ از خود تشریف لاتے تو ان سے استفادہ کرتا۔

قاسم ابن سنان کرخی سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ معارف قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت ابیؓ کے گھر جاتے تو ان کا دروازہ نہ کھٹکھٹاتے بلکہ باہر بیٹھے ان کا انتظار کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے معمول کے مطابق باہر آتے۔ حضرت ابیؓ کو یہ بات بڑی گراں گزری، کہا آپ نے دروازہ کیوں نہ کھٹکھٹایا تاکہ میں فوراً باہر آ جاتا اور آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔ آپ نے جواب میں کہا العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم لکان خیرا لہم یعنی عالم اپنی قوم میں اس طرح ہے جس طرح نبی اپنی امت میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے۔ ولو انہم صبروا الخ

اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ بچپن میں پڑھا تھا اور عمر بھر اس کے مطابق اپنے اساتذہ کے ساتھ معاملہ کرتا رہا۔ الحمد للہ علی ذالک (روح المعانی)

مغربی تہذیب کے برے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شاگردوں کے دلوں سے اساتذہ کا احترام ختم ہو گیا ہے ان کے ساتھ گستاخانہ گفتگو کی جاتی ہے۔ ان پر آوازے کسے جاتے ہیں، نقلیں اتاری جاتی ہیں۔ پھر اس پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی جاتی۔ اُلٹا

اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ

والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ

پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو ۹ ۔ اور خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما

فخر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بزرگوں کا احترام، اپنے ماں باپ کی تعظیم و تکریم کا جذبہ بھی دم توڑتا جا رہا ہے۔ آج کل کے ترقی یافتہ لوگوں کا معاشرہ انسانی معاشرہ ہے؟ یا وہ حیوانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتا ہے۔

آئیے! اسلام کے آداب معاشرت کو اپنائیں اور مکارم اخلاق سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کریں جن کی تعلیم ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے۔

حضور کا ارشاد ہے۔ من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ یعنی جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہماری جماعت میں سے نہیں۔

۹ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں اکثر علمائے تفسیر نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ بنو مصطلق کا سردار حارث ابن ابی الضرار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مشرف با سلام ہوا۔ حضور نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو اس نے اسے بھی قبول کر لیا اور عرض کیا کہ میں واپس اپنے قبیلے کے پاس جاتا ہوں انہیں اسلام کی دعوت دوں گا جن لوگوں نے یہ دعوت قبول کی ان سے زکوٰۃ بھی وصول کروں گا آپ فلاں وقت اپنا کوئی آدمی بھیج دیں جو جمع شدہ زکوٰۃ وصول کر لے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت مقررہ پر ولید ابن عقبہ ابن ابی معیط کو بنی مصطلق کی طرف بھیجا تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کرے۔ زمانہ جاہلیت میں ولید کے اور ان کے درمیان ایک قتل تھا اسے خدشہ ہوا کہ مبادا وہ اسے قتل کر دیں۔ وہ راستہ سے لوٹ آیا اور آکر خبر دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس کی یہ بات سنی تو حضرت خالد کو ایک دستہ دے کر ان کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ پہلے حقیقت حال معلوم کرنا پھر کوئی کارروائی کرنا، جلد بازی سے کام نہ لینا۔ امہ جاء یتثبت ولا یعجل۔ (قرطبی)

حسب ارشاد حضرت خالد رات کے وقت وہاں پہنچے۔ خود ان کے علاقہ سے باہر ٹھہر گئے اور اپنے جاسوس بھیجے تاکہ ان کے احوال پر آگاہی حاصل کریں۔ انہوں نے آکر گواہی دی کہ وہ اسلام پر پکے ہیں۔ ہم نے ان کی اذانیں سنی ہیں اور ان کو با جماعت نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ حضرت خالد صبح کے وقت ان کے ہاں گئے اور اپنے جاسوسوں کی فراہم کردہ اطلاعات کو درست پایا حضرت خالد نے واپس آکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حقیقت حال عرض کر دی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم اکثر فرمایا کرتے تھے۔ التأنی من اللہ والعجلة من الشیطان۔ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی انگیخت ہے۔

اللّٰهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ

میں ہے۔ اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک

ہر سوسائٹی میں ایسے مفسد مزاج لوگ ہوتے ہیں جن کا محبوب مشغلہ ہی یہ ہے کہ گپیں اڑانا اور غلط افواہیں پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسی افواہیں خاندانوں، قبیلوں، بسا اوقات قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی سختی سے مسلمانوں کو ہدایت فرما رہا ہے کہ اگر کوئی فاسق اور بدکار تمہارے پاس کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اس کو فوراً قبول نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ بک رہا ہو اور تم اس کی جھوٹی خبر سے مشتعل ہو کر کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھو جس پر خوفناک نتائج مرتب ہوں اور پھر تم ساری عمر فرطِ ندامت سے کفِ افسوس ملتے رہو۔ اس لیے جب کوئی خبر تمہارے کانوں تک پہنچے تو اس کو بے تحقیق تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔ پہلے اچھی طرح اس کی چھان پھٹک کر لو اور پھر مناسب قدم اٹھاؤ۔ خیال رہے کہ یہاں النبأ کا لفظ مستعمل ہے اور عربی میں النبأ ہر خبر کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایسی خبر جس سے دور رس نتائج نکل سکتے ہوں اس کو نبأ کہتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ النبأ خبر ذو فائدة عظيمة (مفردات)

امام ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومقتضى الآية ايجاب التثبت في خبر الفاسق والنهي عن الاقدام على قبوله الا بعد التبيين۔

یعنی اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا واجب ہے۔ جب تک حقیقتِ حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ جن امور کا حقوق کے ساتھ تعلق ہے فاسق کی شہادت مردود ہوگی۔ روایتِ حدیث میں بھی اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کسی قانون، کسی شرعی حکم اور کسی انسان کے حق کے ثبوت کے لیے بھی اس کی خبر غیر معتبر اور غیر مقبول ہوگی۔ (احکام القرآن الجصاص)

نادمین: علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ ندامت ایک خاص قسم کے غم کو کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تو ایسی بات پر غمزدہ ہو جس کا تجھ سے ارتکاب ہوا ہے اور جس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ کاش میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا۔

الندم ضرب من الغم وهو ان تغتم على ما وقع منك تتمنى انه لم يقع۔ (کشاف)

له ولید ابن عقبہ نے جب بنو مصطلق کے بارے میں یہ گمراہ کن اطلاع لا کر سنائی تو بعض صحابہ مشتعل ہو گئے اور فرطِ جوش میں بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کا مطالبہ زور شور سے شروع کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض مصالح کے پیشِ نظر حضرت خالد کو ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا اور ساتھ ہی تنبیہ فرما دی کہ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ تحقیق کے بعد مناسب اقدام کریں جس طرح آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان لوگوں کی اصلاح اور تربیت کا اہتمام فرما دیا بلکہ جملہ اہلِ اسلام کو ایک واضح حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ انہیں بتا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول تمہارے درمیان موجود ہے تو وہ اپنے قرب و صحبت سے

الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَ

ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں ۱۱ اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور

الْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝٧ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً

نافرمانی کو۔ یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں ۱۲ یہ سب کچھ محض اللہ کا فضل اور انعام ہے ۱۳

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٨ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا

اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے ۱۴ اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں

جو حبیب کشتی کو سنبھال سکتا ہے۔ تم سے کہیں زیادہ انجام و عواقب کا علم اور بروقت اندازہ لگا سکتا ہے اور تمہیں چاہیے کہ ان کے اشارۂ ابرو پر عمل پیرا رہو جو حکم دیں اس کی تعمیل کرو۔

اگر تم اپنی بات منوانے پر اصرار کرو گے تو تم مشقت و ہلاکت میں پھنس جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ عجلت سے اٹھا ہوا قدم تمہیں کسی عمیق گڑھے میں گرا دے۔

۱۱ بنو مصطلق کے خلاف ان لوگوں کا یہ غصہ اپنی ذات یا اپنے مفادات کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ محض ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت تھی۔ بنو مصطلق کے خلاف وہ اس لیے بھڑک اٹھے تھے کہ اس قبیلے نے ان کے نبی کریم کے قاصد کے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ آیت کے اس جملہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے پیارے رسول کے جاں نثار صحابہ کے دلوں میں ایمان کی محبت میں نے پیدا کی ہے۔ ان حضرات کو ایمان کے حسن دلربا پر میں نے فریفتہ کر دیا ہے۔ کفر، نافرمانی اور سرکشی سے ان کے دلوں کو میں نے متنفر کر دیا ہے۔ اس لیے شیطان کی کوئی وسوسہ انگیزی انہیں راہِ حق سے منحرف نہیں کر سکتی۔

۱۲ علامہ قرطبی راشدون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الرشد، الاستقامۃ علی طریق الحق مع تصلب فیہ من الرشادۃ وھی الصخرۃ . . . .

یعنی رشد جادۂ حق پر ایسی ثابت قدمی کو کہتے ہیں جس میں تصلب اور پختگی ہو۔ تذبذب کا وہاں نشان تک نہ ہو۔ یہ رشادۃ سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔

۱۳ یہ فضلاً، زین، کرہ کا مفعول لہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے صحابہ کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنایا اس کو ان کی نگاہوں میں حسین و جمیل بنا دیا۔ ان کے دلوں کو کفر اور نافرمانی سے متنفر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا اور ان پر اپنی نعمت و احسان کی انتہا کر دی۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور نعمت ان پر بلاوجہ نہیں بلکہ وہ ان کے دلوں کے خلوص و نیاز کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس بات کے

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ

تو ان کے درمیان صلح کرا دو ۱۱ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی

تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو ان کے درمیان

مستحق ہیں کہ ان پر بیہ غور و کوشش کی جائے نیز وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ قدسیوں کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جائے جو کہ اپنے فرائض ادا کرنے سے طبعاً گریزاں اور متنفر ہو تاکہ اس پاکباز گروہ سے تبلیغ اسلام کا اہم کام لیا جائے اور دنیا کے جس گوشہ میں بھی اسلام کی دعوت لے کر پہنچیں ان کی دعوت کی صداقت کے لیے سب سے بڑی برہان ان کی اپنی سیرت اور کردار ہو۔

جو کم نگاہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہؓ کے بارے میں طرح طرح کے شبہات اور ظنون کا شکار ہیں، وہ قرآن کریم کی ان آیتوں میں بار بار غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

۱۱ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے جزیرہ عرب کی سرزمین فتنوں اور جنگ و جدال کی سرزمین تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرپیکار تھا۔ ہر ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کے در پئے آزار تھا۔ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ اشہر حرام (حرمت والے مہینے) کے علاوہ سفر از حد خطرناک اور دشوار تھا۔ حضورؐ کی آمد سے نقشہ ہی بدل گیا۔ عداوت و مخاصمت کی جگہ محبت و ایثار اور خلوص و مودت نے لے لی۔ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان گنت ارشادات ہیں جن میں مسلمانوں کو متحد رہنے، آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے کا احترام اور حقوق کا پاس رکھنے کے تاکیدی احکامات ہیں اور ایسی باتوں کو ایمان و اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے جن کے باعث آپس میں نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔

چند احادیث پاک ملاحظہ ہوں۔ (۱) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔

(۲) وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی امداد و اعانت میں لگا رہتا ہے۔

(۳) اِذَا دَعَا الْمُسْلِمُ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَ الْمَلَكُ آمِيْنَ وَلَكَ مِثْلُهٗ۔ حضورؐ نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی دعا تیرے حق میں بھی مقبول ہو۔

(۴) مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَوَاصُلِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ۔ مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک

دوسرے سے ہمدردی کرنے میں ایسی ہے جیسا ایک جسم ہو جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔

⑤ المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

باایں ہمہ انسانی معاشرہ میں باہمی شکر رنجی کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ نفسانی خواہشات، ذاتی طمع اور لالچ اور بسا اوقات غلط فہمیوں کے باعث جنگ و جدل کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔ اس آیت میں ان امور کو بڑے مدلل، دلنشین پیرایہ میں سمو دیا گیا ہے۔

آیت کا ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے کلمات میں جو لطیف نکتے اور رموز ہیں ان پر نظر ڈال لیجیے اس کے بعد تفصیلات کا ذکر ہوگا۔

امام رازی لکھتے ہیں: "ان" اشارة الى ندرة القتال یعنی اِنْ کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن و سنت نے مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی جو تعلیم دی ہے اس کے پیش نظر ایسا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے کہ فرزندان اسلام آپس میں لڑ پڑیں۔ طائفتان فرمایا فرقتان نہیں فرمایا کیونکہ طائفہ، فرقہ سے بھی کم افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر جنگ کی نوبت آئی تو ساری امت یا اس کی اکثریت خانہ جنگی میں شریک نہیں ہوگی۔ ایک مختصر سا گروہ ہی مائل بہ قتال ہے جو کسی بات پر اسلام کے واضح احکامات کو پس پشت ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ من المومنین فرمایا منکم نہیں فرمایا۔ اس میں بھی اس بات کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ تم جو لشکر اٹھائے، تلواریں بے نیام کیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو، ذرا دیکھو تو سہی تم کون ہو۔ تم تو مومن ہو، اللہ کے بندے اور اس کے محبوب کے غلام ہو، بھلا یہ ناشائستہ حرکت تمہیں زیب دیتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

نحو کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اِن اپنے فعل کے ساتھ مذکور ہو۔ یہاں اِن اور اس کے فعل اقتتلوا کے درمیان طائفتان من المومنین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ باہمی جنگ و قتال سے پہلے وہ اپنے مومن ہونے کی حیثیت پر غور کریں۔ اقتتلوا ماضی کا صیغہ ذکر کیا۔ یقتتلوا نہیں فرمایا۔ کیونکہ مضارع میں استمرار کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اگر کبھی کبھار جنگ و جدال کی نوبت آ جائے تو یہ سلسلہ جاری نہیں رہتا بلکہ اہل رشد و صلاح فوراً مداخلت کر کے اس فتنہ کو فرو کر دیتے ہیں۔

اقتتلوا میں طائفتان کے معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ بینہما میں لفظ کا لحاظ کر کے تثنیہ کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ (تفسیر کبیر)

بغت، بغی سے ہے۔ اس کا معنی ہے طلب العلو بغیر حق۔ یعنی کسی حق کے بغیر برتری کا خواہاں ہونا۔

اب ذرا آیت کے معانی و مطالب کی طرف توجہ فرمائیے۔

مسلمانوں میں جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بدقسمتی سے ایسا ہو تو پھر اس ناگوار صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں اس ارشاد خداوندی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس باہمی جنگ و جدل کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر صورت کے اپنے اپنے تقاضے

احکام ہیں۔ سب سے پہلے جس امر پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے تو قطع نظر اس کے کہ اٹھنے والے کثیر التعداد ہیں یا مختصر سا گروہ ہے، یہ تصادم حکومت سے ہے یا ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ سے یا ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے، ان تمام صورتوں میں دوسرے مسلمانوں کو محض تماشائی بن کر بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ انہیں اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے اس فتنہ کو فرو کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ نزاع دو خاندانوں یا علاقہ کے دو گروہوں کے درمیان ہے تو ان کے درمیان مصالحت اور اصلاح احوال کی اولین ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اثر و اختیارات سے کام لے کر صورت حال پر قابو پالے اور اگر بالفرض حکومت اس معاملہ میں دلچسپی نہ لے یا معاملہ ان تک نہ پہنچا ہو تو پھر اہل محلہ یا علاقہ کے با اثر لوگوں کا فرض ہے کہ مصالحت کی مخلصانہ کوشش کریں۔

اگر ان کی مساعی صلح کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا بصورت دیگر انہیں یہ چاہیے کہ دیکھیں دونوں میں سے غلطی پر کون ہے، زیادتی اور تعدی کا ارتکاب کس نے کیا ہے۔ جو مظلوم اور ستم رسیدہ ہو اس کی امداد کریں اپنا سارا وزن اس کے پلڑے میں ڈال دیں۔ مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے جو وسائل تمہارے پاس ہیں ان کو بروئے کار لاؤ۔ یہاں تک کہ ظالم گھٹنے ٹیک دے اور حقدار کو اس کا حق مل جائے۔ تمہارا طرز عمل ایسا ہونا چاہیے کہ مظلوم کو پٹتے ہوئے دیکھتے رہنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر تم غیر جانبداری کی روش اختیار کر لوگے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ تم ظلم و ستم کو پھلنے پھولنے کا موقع دے رہے ہو تم اپنے سنگدل اور بے رحم ہو کر مظلوم کی آہ و فغاں سے بھی متاثر نہیں ہوگے۔ اسلام اس قسم کی غیر جانبداری کا قائل نہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو ایسی بزدلی کی اجازت دیتا ہے۔ اس وقت قرآن کا واضح ارشاد ہے وقاتلوا التی تبغی یعنی جو شر و فساد برپا کر رہا ہو اس کی راہ میں چٹان بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی گروہ حکومت سے متصادم ہوتا ہے۔ اگر یہ گروہ محض لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے ہی میدان میں آیا ہے تو یہ لوگ باغی قرار نہیں دیے جائیں گے بلکہ ان کے ساتھ عام مجرموں کا برتاؤ کیا جائے گا اور انہیں ان کے جرائم کے مطابق سزا دی جائے گی اور اگر وہ گروہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے اور ان کے ساتھ اتنی جمعیت اور قوت ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ مل کر ان سے جنگ کریں اور ان کا قلع قمع کر دیں۔ لیکن ان کے ساتھ لڑائی شروع کرنے سے پہلے ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی اگر وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر آمادہ بغاوت ہوئے ہیں تو ان کی غلط فہمی دور کی جائے گی۔ اگر وہ کسی شبہ میں مبتلا ہیں تو ان کے ان شبہات کے ازالہ کی پوری سنجیدگی سے کوشش کی جائے گی جس طرح خارجیوں سے جنگ کرنے سے پہلے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا تھا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے بہت سے لوگ اپنی روش ترک کر کے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ اگر افہام و تفہیم کی کوششیں بار آور نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ جنگ لازمی ہو جائے گی اور جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں اور اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے دست کش نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کے ساتھ جنگ جاری رہے گی۔ ان سے کسی تری کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ ہار مان لیں اور ہتھیار ڈال دیں تو اس کے بعد جو سلوک ان سے کیا جائے گا وہ اس حدیث شریف میں مذکور ہے جو امام ابوبکر الجصاص نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل کی ہے۔

روی کوثر ابن حکیم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن ام عبد کیف

حکم اللہ فی من بغی من ھذہ الامۃ قال اللہ و رسولہ اعلم قال لا یجھز علی جریحھا ولا یقتل اسیرھا ولا یطلب ھاربھا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ اے ام عبد کے فرزند! اس امت میں سے اگر کوئی بغاوت کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا اس باغی گروہ کے زخمی کو جان سے نہیں مارا جائے گا' ان سے جو قید ہو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور میدان جنگ سے جو بھاگ نکلے اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ باغیوں کے احکام کی تفصیل ہمیں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے طریقہ کار سے ملتی ہے اور فقہا نے اکثر احکام کا استنباط آپ ہی کے اسوۂ کریمہ سے کیا ہے۔

جنگ جمل میں جب آپ فتحیاب ہوئے اور مخالف گروہ کو شکست ہوئی تو حضرت نے فوراً اعلان فرمایا لا تتبعوا مولیا ولا تجھزوا علی جریح ومن القی السلاح فھو آمن۔ کسی قیدی کو مت قتل کرو' کسی زخمی کو مت جان سے مارو' جو ہتھیار پھینک دے اس کو امان ہے۔

اگر حاکم فاسق و فاجر ہے' احکام اسلامیہ کی کھلم کھلا نافرمانی کرتا ہے اس کے خلاف صلحائی کوئی جماعت علم بغاوت بلند کرے جس کا مقصد حکومت کے ظلم و ستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف بحال کرنا ہے تو ان کے بارے میں فقہا کی آرا مختلف ہیں۔

اکثر فقہا کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار خلیفہ بن جائے اور اس کی وجہ سے ملک میں امن و امان قائم ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا' خواہ وہ ظالم اور فاسق ہی ہو' جائز نہیں کیونکہ اس بغاوت سے اصلاح کی بجائے فساد کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس بغاوت سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھے گی سارا ملک اس کی لپیٹ میں آ جائے گا' قتل و غارت کا بازار گرم ہو گا' صدہا بے گناہ مارے جائیں گے۔ آباد بستیاں ویران ہو جائیں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ لوگ اس فرمانروا کی امداد کریں تاکہ ملک کا وجود ہی خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

لیکن بہت سے جلیل القدر علما کا یہ فتویٰ ہے اور حضرت امام اعظمؒ اس گروہ کے سرخیل ہیں کہ ظالم حکمران کے خلاف اگر صالحین کا کوئی گروہ اٹھ کھڑا ہو تو ان کی امداد کی جائے گی تاکہ وہ کامیاب ہو کر اس ظالم اور فاسق کو مسند اقتدار سے ہٹا سکیں اور ملک میں پھر از سر نو احکام شرعیہ کا نفاذ کر سکیں۔

باغیوں کے بارے میں چند اہم مسائل ذہن نشین کر لیں۔

ان کے قیدی اگر یقین دلا دیں کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

اثنائے جنگ میں باغیوں نے جو جانی اور مالی نقصان کیا ہو گا' ہتھیار ڈالنے کے بعد ان سے اس کا کوئی قصاص یا تاوان وصول نہیں کیا جائے گا۔

باغیوں نے اگر کسی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ' عشر اور دیگر محصولات کی رقوم وصول کر لیں اگر وہ علاقہ پھر اسلامی حکومت کے تسلط میں آ جائے تو وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ وغیرہ کا دوبارہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

عدل و انصاف سے اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بے شک اہل ایمان بھائی بھائی

اپنے مقبوضہ علاقوں میں باغیوں نے اگر عدالتیں قائم کیں اور وہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے رہے۔ اگر قاضی عادل تھا اور اس نے شرعی قواعد کے مطابق فیصلے صادر کیے تو وہ برقرار رہیں گے اور اگر اس نے دھاندلی کی ہوگی اور احکام شرعیہ کی صریح خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہوگا تو اسلامی عدالت میں وہ مقدمہ دوبارہ دائر کیا جا سکے گا اور پہلا فیصلہ کالعدم قرار پائے گا۔

باہمی جنگ و جدال سے کوئی فریق دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت منبر پر حضرت حسن ؓ بھی موجود تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پھر فرمایا ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ تعالیٰ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ حضور کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور آپ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ ؓ کے ساتھ جو جنگ کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا، وہ ختم ہو گیا اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح ہو گئی۔

حضرت امیر معاویہ ؓ اور ان کی جماعت کو بھی حضور ؐ نے مسلمان قرار دیا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ سے جمل اور صفین کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا من الشرك فرّوا ہرگز نہیں، وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے۔

پھر کہا گیا کیا وہ منافق ہو گئے، فرمایا ہرگز نہیں، منافق تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو ذکرِ الٰہی دن رات کرتے تھے۔ پھر پوچھا گیا اگر وہ مشرک اور منافق نہیں تو کیا ہیں؟ امیر المومنین نے فرمایا اخواننا بغوا علینا یہ ہمارے اسلامی بھائی ہیں، لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

باغیوں کا مال، مالِ غنیمت متصور نہیں ہوگا۔ جنگ کے دوران میں اگر ان کے اسلحہ اور گھوڑوں کے استعمال کی ضرورت ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

یہ چند اہم احکام ہیں جنہیں اختصار سے یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

ملاحظہ ہو یہ جملہ بھی غور طلب ہے۔ یعنی اگر صلح کراتے وقت عدل و انصاف سے کام نہیں لیا جائے گا، ظلم اور بے انصافی کی بنیاد پر صلح کرائی جائے گی تو وہ صلح پائیدار ثابت نہ ہوگی۔ مظلوم فریق مطمئن نہیں ہوگا اور اپنی حق رسی کے لیے موقع کا منتظر رہے گا۔ جب حالات اجازت دیں گے تو پھر فتنہ کی آگ بھڑکائے گا۔ اس لیے اسلام کو ایسی صلح سے کوئی دلچسپی نہیں جس کی بنیاد ظلم پر ہو اور جو ناپائیدار ہو۔

اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

بھائی ہیں پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان ۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے ۔

۲۱ خانہ جنگی، باہمی قتال و جدال اور ان کے بارے میں احکام کا ذکر ہو چکا۔ اب پھر باہمی محبت و پیار اور الفت و ایثار کے جذبات کو بیدار کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان تو سگے بھائی ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان، ان کی خوشی اور غمی، ان کی فتح اور شکست سب ایک ہیں۔ یہ تھوڑی سی رنجش جو پیدا ہو گئی ہے بالکل عارضی نوعیت کی ہے۔ ان کے بہی خواہوں پر فرض ہے کہ مداخلت کر کے ان کے درمیان صلح کرا دیں تاکہ وہ پہلے کی طرح پھر شیر و شکر ہو جائیں۔

اخویکم کے لفظ میں کیا لطف ہے کہ گویا آپس میں لڑنے والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تمہارے بھی بھائی ہیں۔ اجنبی اور بے گانے نہیں کہ ان کا نام و نشان تک نہیں اس لیے تم بے تعلق بنے رہو اور ان کا تماشا دیکھتے رہو۔ فوراً مداخلت کرو اور ان میں صلح صفائی کرا دو۔

جب دو طاقتور گروہوں کے دست و گریبان ہونے کا ذکر تھا اس وقت بھی حکم دیا کہ ان میں صلح کرا دو۔ یہاں جب دو فرد آپس میں گتھم گتھا ہیں تو یہی حکم دیا کہ ان میں صلح کرا دو۔ لیکن وہاں پہلے صلح کے بعد واتقوا اللہ نہیں فرمایا گیا اور یہاں امر صلح کے بعد واتقوا اللہ کا اضافہ کیا گیا کیونکہ جب فتنہ عام ہو تو ہر شخص کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بھی اس کے شعلوں کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔ بہی خواہی کا جذبہ نہ بھی ہو تو انسان اپنی سلامتی کے لیے ہی اس آگ کو بجھانے کے درپے ہو جاتا ہے لیکن جب معاملہ صرف دو آدمیوں تک محدود ہو گا اس کو اپنے لپیٹ میں آنے کا خدشہ نہیں ہوتا اس لیے ان حالات میں لوگ عام طور پر بے پروائی کرتے ہیں اور مصالحت کے لیے کوشش نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح مسلمانوں کا اجتماعی امن و سکون اہم ہے اسی طرح چند افراد کی خوشی اور سلامتی بھی اسے از حد عزیز ہے اس لیے یہاں اصلحوا کے حکم پر واتقوا اللہ کا اضافہ بھی کر دیا یعنی خدا سے ڈرو اور ان دو بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرا دو تاکہ ان کو بھی امن و امان نصیب ہو اور ان کے گھر کے ماحول میں بھی آسودگی حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تم اسی وقت مستحق ہو سکتے ہو جب امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک دوسرے سے محبت و پیار کا مظاہرہ کرے۔

ایسی دل نشینی، ایسی شیرینی، ایسا حسن صرف اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہی پائی جا سکتی ہے۔ قرآن کا یہ وہ اعجاز ہے جس نے فصحائے عرب کو دم بخود کر دیا تھا۔ یہاں صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی سماعت فرمایئے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصلوٰۃ والصدقۃ۔ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین الحالقۃ۔

حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جس کا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

اے ایمان والو! نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا

ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں ۱۸ اور نہ

درجہ روزے، نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ضرور سرفراز فرمائیے۔ فرمایا دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دینا ساتھ ہی بتایا کہ دو آدمیوں کے درمیان فساد کرانا ایمان کو تباہ کر دیتا ہے۔

۱۸۔ پہلے ان احکام کا ذکر ہوا جن کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صفیں آراستہ کرلیں اور جنگ و قتال شروع ہوجائے۔ لیکن اسلام اصلاح احوال کی صرف اسی صورت کا قائل نہیں کہ پہلے حالات کو بگڑنے دیا جائے مختلف عوامل کو کشیدگی پیدا کرنے اور جذبات کو مشتعل کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے جب عداوت کے شعلے بھڑکنے لگیں اور خون کی ندیاں بہنے لگیں تو آگے بڑھ کر اس آگ کو بجھانے کی کامیاب یا ناکام کوشش کی جائے۔ اسلام اس سے بھی زیادہ ان محرکات کی بیخ کنی پر توجہ دیتا ہے اور ان اسباب وعلل کے سامنے بند باندھتا ہے جو اس صورت حال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ان آیات میں مسلمانوں کو تمام ایسی باتوں سے سختی سے روکا جا رہا ہے جن کے باعث اسلامی معاشرہ کا امن و سکون برباد ہوتا ہے محبت و پیار کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور خون خرابہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم دیا کہ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔ مذاق اسی کا اڑایا جاتا ہے جس کی عزت اور احترام دل میں نہ ہو جب آپ کسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو گویا آپ اس چیز کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ اس شخص کی میرے دل میں کوئی عزت نہیں۔ جب آپ اس کی عزت نہیں کرتے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ آپ کا احترام کرے۔ جب دلوں سے ایک دوسرے کے لیے عزت اور احترام کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے تو انسان عداوت و دشمنی کی گہری گھڈ کی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ کوئی رکاوٹ ایسی نہیں رہتی جو اسے اپنے انجام سے دوچار ہونے سے روک سکے۔ استہزاء کی کئی صورتیں ہیں۔

زبان سے مذاق کرنا۔ نقلیں اتار کر اس کا منہ چڑانا۔ اس کے لباس، رفتار و گفتار پر ہنسنا سب ممنوع ہیں۔

یوں تو شریعت کے سارے احکام عموماً مرد و زن سب کے لیے ہوتے ہیں اور بطور تغلیب صیغہ مذکر کا ہی استعمال ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ برائی عورتوں میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے اس کو روکنے کے لیے عورتوں کو الگ مخاطب بنایا گیا ہے۔ یہاں بھی حکمت یہ ہے کہ دوسروں کا مذاق اڑانے اور ان پر پھبتی کسنے میں بڑی تیز رفتار ہوتی ہیں اس لیے یہاں اس نازیبا حرکت سے باز رہنے کا الگ حکم دیا اور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ جن کو تم حقیر سمجھتے ہو اور ان کا مذاق اڑاتے ہو ممکن ہے بارگاہ الٰہی میں ان کی شان تم سے کہیں زیادہ بلند ہو۔

تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ

عیب لگاؤ ایک دوسرے پر ۱۹ اور نہ برے القاب سے کسی کو چڑاؤ ۲۰ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق

۱۹۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ لا تلمزوا انفسکم۔

لفظ لمز کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ اللمز: العیب فی الوجہ، واصلہ الاشارۃ بالعین والرأس والشفۃ مع کلام خفی۔

کسی کے منہ پر اس کی عیب جوئی کرنے کو اللمز کہتے ہیں۔ اصل میں آنکھ، سر کے اشارے یا زیر لب آہستہ سے کسی کی عیب چینی کی جائے تو کہتے ہیں لمز فلان۔ لا تلمزوا فرما کر بتا دیا کہ کسی طرح بھی تمہیں یہ اجازت نہیں کہ اپنے بھائی کے عیب گنواؤ اور اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو اچھالتے رہو۔ علامہ راغب لکھتے ہیں اللمز تتبع المعاب۔ کسی کی کمزوریوں اور عیوب کا کھوج لگاتے رہنا۔ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا عیب ظاہر ہو۔ اگر کوئی شخص اس کی خامیوں کا برملا اظہار کرتا ہے اور اس کے عیوب کے کھوج میں لگا رہتا ہے تو اس کا کبیدہ خاطر ہونا ایک فطری امر ہے۔ اور قرآن حکیم اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کا اسلوب ملاحظہ ہو۔ یہ نہیں کہا کہ تم ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو بلکہ فرمایا لا تلمزوا انفسکم۔ یعنی تم اپنی عیب جوئی نہ کیا کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جس کی برائیاں کرتے تم نہیں تھکتے وہ کوئی غیر تو نہیں، تمہارا بھائی ہے۔ اس کی بدنامی تمہاری بدنامی ہے۔ اس کی فضیحت ہوئی تو تم شرمندہ ہو گے۔ اس سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ جب تم کسی کی پردہ دری کرو گے تو وہ تمہارے عیوب و نقائص کو طشت از بام کرے گا۔ تم اس کی عیب جوئی نہ کرتے تو وہ تمہاری نہ کرتا۔ اب تمہیں جو خجالت ہو رہی ہے یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا ثمرہ ہے۔ اگر اپنی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو کسی کی عزت پر ہاتھ مت ڈالو۔

۲۰۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ لا تنابزوا بالالقاب۔

لفظ تنابزوا کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ النبز: اللقب۔ التنابز: التداعی بالالقاب وھو یکثر فیما کان ذما (لسان العرب)

یعنی کسی کو کسی لقب سے ملقب کرنے کو لغت میں نبز کہتے ہیں، لیکن عموماً اس کا استعمال اس لقب کے لیے ہوتا ہے جس میں کسی کی مذمت ہو اور جسے وہ شخص ناپسند کرے۔ کسی اندھے کو اندھا اور کالے کو کالا کہنا بھی جائز نہیں۔ ہمیشہ ایسے اسماء اور القاب سے ایک دوسرے کو بلاؤ جس سے سننے والا خوش ہوتا ہو۔

بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا

کہلانا ۲۱ اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے (اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں ۲۲ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے ۲۳ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں

۲۱ بڑے پیار سے انداز سے اپنے بندوں کو تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ تم اب میرے ہو چکے ہو۔ تمہیں اب ایسی کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے جس کی وجہ سے تمہیں بدکار اور فاسق کہا جائے۔ اگر تم اسلام قبول نہ کرتے، میرے محبوب رسول پر ایمان نہ لاتے اور شتر بے مہار بنے رہتے تو تم سے کسی کو شکایت نہ ہوتی۔ اب تم مشرف بہ اسلام ہو چکے ہو۔ لوگ بجا طور پر تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم خیر و صلاح کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے رہو گے۔ نیکی اور پارسائی تمہارا شعار ہو گا۔ غلامان مصطفیٰ کہلا کر اگر تم فسق و فجور سے اپنا دامن نہیں بچاتے تو یہ بڑی بے حیائی اور افسوس کی بات ہے۔ حضرت علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو
از زبان خود میالا نام او

یعنی اگر تمہاری سیرت و کردار اپنے محبوب کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں تو تمہیں قطعاً زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے اس کا پاک نام لو۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کا یہی معنی بتایا ہے۔ کہتے ہیں۔ وبئس الاسم الفسوق بعد الایمان فلا تفعلوا شیئا توصفوا فیه باسم الفسوق۔

اس جملہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ یہاں اسم سے تو لقب اور کنیت کا تذکرہ مقصود ہے اور نہ لفظ یا حرف کا، بلکہ یہاں ذکر کرنے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جیسے کہتے ہیں۔ طار اسمه فی الناس بالکرم ای ذکرہ۔ بئس کا فاعل الاسم ہے۔ فسوق مخصوص بالذم ہے۔ یہاں مضاف مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے بئس الذکر ذکر الفسوق بعد الایمان۔ جس کا معنی یہ ہے۔ بئس الذکر المرتفع للمومنین ان یذکروا بالفسوق بعد دخولهم الایمان (روح البیان)

۲۲ آخر میں فرمایا جو شخص ان ناشائستہ حرکات سے تائب نہیں ہوتا وہ ظالم ہے۔ آیت کے اس جملہ سے علمائے کرام نے ہتک عزت کا اسلامی قانون مستنبط کیا ہے۔ کوئی شخص کسی پر ناکردہ تہمت لگائے تو نص قرآنی کے مطابق اس پر حد قذف لگائی جائے گی لیکن اس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کسی کے حق میں برے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف اسلامی عدالت میں ہتک عزت کا دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے اور قاضی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے شخص پر اس کے مناسب حال تعزیر لگائے۔ روح البیان میں وہ الفاظ تفصیل سے مرقوم ہیں جن کے باعث تعزیر لگ سکتی ہے۔ ان میں خبیث، منافق اور یہودی کے الفاظ بھی ہیں جنہیں آج کل ہماں ڈھٹائی سے روا داری سے استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۳ ابھی کامسلم معاشرہ کو ہر قسم کی شکر رنجی سے محفوظ رکھنے کے لیے جو ہدایات دی جا رہی تھیں ان کا سلسلہ اس آیت میں بھی جاری

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ

اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو ۔ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ

ہے۔ فرمایا بکثرت ظن و گمان کرنے سے اجتناب کیا کرو کیونکہ بعض ظن ایسے ہیں جو گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم ظن و گمان کے عادی ہو جاؤ تو ہو سکتا ہے تم ایسے گمان بھی کرنے لگو جو سراسر گناہ ہیں۔ ان کلمات کو دیکھئے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن جائز ہیں۔ اس لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں۔

واجب، مستحب، مباح اور ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشاد نبوی ہے۔ یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔ اب اس کو چاہیے جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔

مستحب کی مثال: مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سوء ظن کرنا مباح ہے لیکن جب تک اسے یقینی دلائل موجود نہ ہوں اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔ اسی کے متعلق حضورؐ کی حدیث ہے۔

اذا ظننتم فلا تحققوا یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن و تخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ قال علماؤنا فالظن ھنا فی الایۃ ھو التھمۃ۔ اور اس قول کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ اس کے بعد ہی ولا تجسسوا فرمایا ہے کیونکہ جب کسی پر تہمت لگتی ہے تو طبیعت چاہتی ہے اس کا سراغ لگایا جائے اور صحیح حالات کا پتا لگا کر آگاہی حاصل کی جائے۔

ﷺ کسی مسلمان کے عیبوں کا سراغ لگانا اور اس کے پوشیدہ حالات کو کریدنا ممنوع ہے۔ اس طرح اس کی پردہ دری ہو گی، حالانکہ ہمیں پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے من ستر مسلما ستر اللہ یوم القیامۃ جو اس دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ابو برزہ الاسلمی فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا معشر من آمن بلسانہ ولم یدخل الایمان قلبہ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم فان من اتبع عوراتھم یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ فی بیتہ۔

یعنی اے وہ گروہ جو زبان سے تو ایمان لایا ہے لیکن ایمان اس کے دل میں ابھی داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو۔ ان کی پوشیدہ باتوں کا سراغ مت لگایا کرو۔ جو مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مخفی باتوں کا پیچھا

يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ

اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو ۝ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بےشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے

کرتا ہے اور دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والوں کا پیچھا کرے تو وہ اس کو اپنے گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ارباب حکومت کو بھی بلاوجہ لوگوں کے مخفی رازوں اور پوشیدہ حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت امیر معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کریم کو فرماتے ہوئے سنا

انک ان اتبعت عورات الناس افسدتهم او كدت ان تفسدهم

یعنی اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتیں جاننے کے درپے ہوگے تو تم انہیں خراب کر کے چھوڑو گے۔ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا اسلام میں جس قدر احترام ہے اس کا اندازہ آپ اس مشہور تاریخی واقعہ سے بآسانی لگا سکتے ہیں جو خرائطی نے ثور کندی کے واسطہ سے مکارم الاخلاق میں نقل کیا ہے۔ ایک رات حضرت فاروق اعظمؓ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے آپ کو ایک شخص کے گانے کی آواز آئی۔ دیوار پھاند کر آپ اندر داخل ہوگئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے۔ اس کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے۔ قریب ہی شراب رکھی ہے۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بےتاب ہوگئے اور فرمایا یا عدو الله اظننت ان الله يسترك وانت على معصية۔ اے اللہ کے دشمن! کیا تجھے یہ گمان تھا کہ تو ایسی نافرمانی بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی بھی کرے گا۔ اس شخص نے کہا اے امیر المومنین! عجلت سے کام نہ لیں۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین نافرمانیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ ولا تجسسوا کسی کی جاسوسی نہ کیا کرو۔ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔ واتوا البيوت من ابوابها گھروں میں دروازے سے داخل ہو۔ آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے۔ لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا۔ داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ سے اجازت لو اور آپ میری اجازت کے بغیر اندر آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں اب تم کو معاف کر دوں تو کیا تم آئندہ ان جرائم کا ارتکاب نہ کرو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ البتہ اگر کسی کی سرگرمیاں ملک و ملت کے خلاف ہوں وہ دشمن سے ساز باز کر رہا ہے یا کسی کو قتل کرنے کے مشورے کر رہا ہے تو ایسے لوگوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔

ولا يغتب بعضكم بعضا

غیبت کی تعریف خود زبان رسالت نے بیان فرمائی ہے۔ ایک دن حضورؐ نے دریافت کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا الله ورسوله اعلم۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ذكرك اخاك بما يكره۔ اپنے بھائی کا ایسا ذکر جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کی گئی اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو تو بھی اس کا ذکر غیبت ہوگی۔ فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے اور تو اس کا ذکر کرے تو تو نے غیبت کی اور اگر ایسی بات کا ذکر کرے جو اس میں نہیں پائی جاتی تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔

ف۵۱ قرآن کریم نے لوگوں کو غیبت سے متنفر کرنے کے لیے ایک ایسی تشبیہ دی جس کو سن کر کوئی سلیم الطبع غیبت کی طرف

راغب نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کیا کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا اور انسان بھی وہ جو مرچکا ہو اور مردہ بھی وہ جو اس کا بھائی ہو۔ اسی چیز کو ایک مرتبہ حضور نے ایک اور انداز سے بیان فرمایا کہ جب ماعز نے اعتراف زنا کیا اور حضور نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا تو حضور نے سنا کہ دو آدمی آپس میں اس طرح کی گفتگو کر رہے ہیں کہ اس شخص کی طرف دیکھو جس کا گناہ اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ دیا تھا مگر اس نے خود انکشاف کیا پھر اسے اس طرح سنگسار کیا گیا جس طرح کتے کو کیا جاتا ہے۔ حضور نے یہ بات سنی اور خاموش رہے پھر کچھ وقت حضور چلتے رہے یہاں تک کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے۔ فرمایا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا اترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ وہ کہنے لگے اے نبی اللہ اس مردار کو کون کھاتا ہے۔ حضور نے فرمایا فما نلتما من عرض اخيكما اشد من الاكل منه والذی نفسی بيده انه الأن لفی انهار الجنة ينغمس فيها یعنی تم مردہ گدھا کھانے سے تو نفرت کرتے ہو لیکن اپنے بھائی کی عزت پر جو تم نے حملہ کیا ہے وہ مردار کھانے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ غیبت کبیرہ گناہوں سے ہے۔ اگر کوئی شخص غیبت کر بیٹھے تو وہ توبہ کرے۔ اگر ہو سکے تو جس کی غیبت اس نے کی ہے اس سے بخشوالے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت تم نے کی ہے اس کے لیے بکثرت مغفرت کی دعا مانگو۔

لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جبکہ غیبت مباح ہو جاتی ہے۔ وہ فاسق جو اعلانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اس کے عیوب کا ذکر غیبت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے من القى جلباب الحياء فلا غيبة له جو شخص حیا کی چادر اتار کر پھینک دے اس کی کوئی غیبت نہیں۔ دوسرا ارشاد ہے اذكروا الفاجر بما فيه كی يحذره الناس۔ فاجر کی خرابیاں بیان کیا کرو تاکہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی غیبت ممنوع ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اسی طرح بدعقیدہ حاکم اور ظالم بادشاہ کے عیوب بیان کرنا بھی غیبت نہیں۔ اگر کوئی شخص قاضی کے پاس دعویٰ کرتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے خصم کے عیوب بیان کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ہندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ ان ابا سفيان رجل شحيح لا يعطينی ما يكفينی انا وولدی فاخذ من غير علمه کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا نہیں دیتا جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزر ہو سکے کیا میں اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہوں۔ حضور نے فرمایا نعم فخذی۔ ہاں لے سکتی ہو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے لصاحب الحق مقال۔ جس کا حق ہو اسے بات کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح رشتہ کے بارے میں اگر کوئی مشورہ کرے تو اسے صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا جائز ہے۔

فاطمہ بنت قیس کو جب اس کے خاوند نے طلاق دے دی تو معاویہ اور ابوجہم نے پیغام نکاح بھیجا۔ وہ مشورہ کرنے کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور نے فرمایا اما معاوية فصعلوك لا مال له واما ابوجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه

رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ

والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ

قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک زیادہ عزت والا اللہ کی بارگاہ میں تم میں سے وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

یعنی معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا نہیں اتارتا۔ اس لیے میں فاطمہ بنت قیس کو دھوکا نہیں دوں گا۔

دور جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر، اشرف اور اعلیٰ خیال کرتے۔ ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان ہی الگ تھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور اس کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضور نے حضرت بلال کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ تعمیل ارشاد میں بلال نے کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینی شروع کی تو حضرات قریش پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ ان کے دلی غم اور ملال کا اندازہ اس مکالمہ سے لگائیے جو آپس میں ہوا۔

عتاب ابن اسید بولا اللہ کا شکر ہے میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ حارث ابن ہشام کہنے لگا کیا اس کالے کوے کے بغیر حضور کو کوئی مؤذن نہیں ملا۔ سہیل ابن عمرو نے کہا جیسے اللہ کی مرضی۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ اس کو آگاہ کر دے۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس زعم باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو متمدن اور شائستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں۔ کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جاتا تھا۔ کہیں ان کے وطن کی سرزمین ان کی بڑائی اور برتری کا باعث تھی۔ کہیں زبان و رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے۔ اس فاسد نظریہ نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر قوم اپنی نسل، شرافت اور اپنے خطہ زمین کی عظمت کے باعث اپنا یہ حق سمجھتی تھی کہ وہ دوسرے ممالک کو تاخت و تاراج کرے، ان کی دولت کو لوٹے، ان کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اس شر انگیز نظریہ کے باعث جنگ و جدال کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا اور شرف انسانی کی قبا تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کے ہاتھوں تار تار ہوتی رہی۔ یہ گمراہیاں صرف اس زمانہ میں ہی موجود نہ تھیں جسے ازمنہ مظلمہ کہا جاتا ہے بلکہ آج بھی ان کی ہلاکت آفرینیوں سے انسانیت کی جبیں شرم کے مارے عرق آلود ہوئی جاتی ہے۔ بھارت جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ ہے وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات بڑی سختی سے قائم ہیں۔ بھارت کے طول و عرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت، اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بے شمار ایسے ہوٹل ہیں جن کے

اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ

بے شک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ (اعراب) بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرمائیے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ

قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا

ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے

دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے: "ریڈ انڈین (وہاں کے اصل باشندے) اور کتے داخل نہیں ہو سکتے۔" سفید فام باشندوں کے سکول اور کالج تک مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وطنیت، قوم، رنگ، نسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اسی زور شور سے ہو رہی ہے۔ اس مختصر سی آیت نے ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا جن پر متکبر قوموں نے اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے۔

فرمایا اے لوگو! تم ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔ تمہاری نسل کا سلسلہ اس ایک اصل سے جا کر ملتا ہے۔ تمہارا خالق بھی ایک ہے۔ تمہارا مادۂ تخلیق بھی یکساں ہے۔ تمہاری پیدائش کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے۔ اتنی بڑی یکسانیتوں کے باوجود تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ سراسر کم فہمی اور نادانی ہے۔ اولادِ آدم کا مختلف شعوب و قبائل میں بٹ جانا اس لیے نہیں کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو اشرف و اعلیٰ خیال کرے بلکہ اس لیے ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔

الشعوب: رؤس القبائل مثل ربيعة ومضر والاوس والخزرج۔

شعوب کا واحد شعب ہے۔ وہ ایسے اصل کو کہتے ہیں جس سے کئی قبیلے نکلتے ہوں۔ ان کی ترتیب یہ ہے:

شعب، قبیلہ، فصیلہ، عمارہ، بطن اور فخذ۔

کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی زمین کا باشندہ ہونا اور چہرے کی کوئی خاص رنگت، اس میں انسان کی اپنی کوشش اور سعی کا کوئی دخل نہ تھا اس لیے قرآن کریم نے اس کو وجہِ افتخار قرار نہ دیا البتہ ایک چیز ہے جس سے انسان کا مرتبہ دوسرے لوگوں سے برتر و اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اس میں انسان کی ذاتی کوشش کا بھی دخل ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

تقویٰ کی بنا پر جو معزز و محترم ہو گا وہ فخر و غرور سے یکسر پاک ہو گا اور ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے لیے باعثِ خیر و برکت ہو گا بلکہ تمام نوعِ انسانی اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر نہایت اثر انگیز انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چند ارشادات نبوی سماعت فرمائیے:

فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے کے لیے بھی جگہ نہ تھی۔ حضور لوگوں کے ہاتھوں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ

اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں ۲۸ بے شک اللہ تعالیٰ غفور

یا ایہا الناس ان اللہ تعالیٰ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بآبائھا فالناس رجلان۔ رجل برتقی کریم علی اللہ تعالیٰ ورجل فاجر۔ شقی ھین علی اللہ تعالیٰ۔ الناس کلھم بنو آدم وخلق اللہ آدم من تراب۔ (بیہقی شعب الایمان ترمذی)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے تم سے جاہلیت کی خامیاں دور کر دیں اور تمہیں تکبر سے پاک کر دیا۔ اے لوگو! انسان کے بس دو ہی گروہ ہیں۔ ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے۔ دوسرا بدکار بدبخت جو اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

یا ایہا الناس، الا ان ربکم واحد، لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الا ھل بلغت؟ قالوا بلی یا رسول اللہ قال فلیبلغ الشاھد الغائب۔ (بیہقی)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی کالے کو سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ فرمایا: کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا: یا رسول اللہ! بے شک آپ نے پہنچا دیا۔ فرمایا: جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

کلکم بنو آدم وآدم خلق من تراب لینتھین قوم یفتخرون بآبائھم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعلان۔ (بزار)

ترجمہ: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آ جائیں ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی حقیر و ذلیل ہوں گے۔

ان اللہ لا یسئلکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیامۃ، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (تفسیر ابن جریر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہو گا جو زیادہ متقی ہو گا۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔ (مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

قرآن کریم کی اس تعلیم اور نبی کریم کے ان ارشادات کا یہ اثر تھا کہ ایک ایسی امت معرض وجود میں آگئی جن کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقویٰ اور پارسائی تھی۔ باقی تمام جھوٹے امتیازات مٹ گئے۔ تفاخر و مباہات کے جملہ اسباب کا قلع قمع ہو گیا۔

۲۸ قبیلہ بنو اسد کے لوگ ایک سال قحط کا شکار ہوئے۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر زبان سے اسلام کا اقرار کیا لیکن ان

رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا

رحیم ہے (کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا

وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ

اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں ۲۹ یہی لوگ

الصَّادِقُونَ ۝ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

راست باز ہیں۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں

کے دل نور ایمان سے محروم تھے۔ انہوں نے مدینہ کے راستوں کو غلاظت سے بھر دیا۔ وہ حضور کی خدمت میں آ کر عرض کرتے کہ ہم اپنے اہل و عیال لے کر آپ کے پاس آ گئے ہیں، دوسرے قبائل کی طرح ہم نے آپ کے ساتھ جنگ نہیں کی اس لیے آپ ہماری ضروریات مہیا فرمائیے۔ اس طرح وہ حضور پر اپنا احسان جتلاتے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قبائل مزینہ، جہینہ اور اسلم تھے جو احسان جتلانے کے لیے ایسی باتیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ انہیں فرمائیں تمہارے دلوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔ تم تو فقط دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لیے اور قتل و اسیری سے بچنے کے لیے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

لاتہ۔ نقصہ۔ کسی چیز میں کمی کرنا۔

۳۱ اعراب بنی اسد اپنے آپ کو زبانی اقرار کے بعد مسلمان خیال کرتے تھے۔ اس آیت میں سچے مومن کی وضاحت کر دی کہ ہر شخص جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے گروہ میں شامل کر لے مومن کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل ہر شک اور شبہ سے پاک ہو اور جب اسلام کی سربلندی کے لیے مال اور جان قربان کرنے کا موقع آئے تو وہ بلا تامل ہر چیز بخوشی قربان کر دے۔

اس آیت سے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ قرآن کی اصطلاح میں ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مومن وہ کہلاتا ہے جس کا دل نور ایمان سے منور ہو اور مسلمان اسے کہتے ہیں جو بظاہر مطیع اور فرمانبردار ہو اگرچہ اس کا دل ایمان سے محروم ہو۔ ایسا سمجھنا کم فہمی کی دلیل ہے۔ قرآن کریم کی بیشتر آیتیں ہیں جو اس کی تردید کرتی ہیں۔

ارشاد ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے۔ ماکان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔ بلکہ ہر کجی سے اللہ کی طرف مائل ہونے والے مسلم تھے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ
اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام

أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ
لے آئے۔ فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ

هَدٰىكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ
تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی ٢٣ اگر تم اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے آسمانوں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق ارشاد ہے:

قل انی امرت ان اکون اول من اسلم۔

آپ فرمائیے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لے آؤں۔

٢٣ عرب کے بعض بادیہ نشین قبائل اسلام قبول کرتے اور پھر احسان جتلاتے کہ دیکھو ہم نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین قبول کر لیا ہے۔ ہم نے غیر مسلم قبائل سے اپنے دیرینہ تعلقات آپ کی خاطر توڑ لیے ہیں۔ ہمیں اناج کی ضرورت ہے وہ دو۔ ہمارے پاس سواری کے لیے جانور نہیں ہیں وہ مہیا کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ تمہارا احسان نہیں کہ تم نے اسلام قبول کیا بلکہ یہ تو تم پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اگر وہ تمہیں قبولِ حق کی توفیق نہ بخشتا تو تم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہی رہتے۔ کفر پہ مرتے اور جہنم رسید ہوتے۔ احسان نہ جتلاؤ بلکہ اپنے رب کے اس فضل و کرم پر سجدہ ہائے شکر بجا لاؤ کہ آج تمہارا شمار غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء میں ہو رہا ہے۔

داناے شیراز علیہ الرحمۃ نے اس کی خوب تفسیر فرمائی ہے۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر | زانعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یعنی خداوند کریم کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھے نیکی کی توفیق دی ہے
اور اس نے تجھے اپنے انعام و احسان سے محروم نہیں رکھا
یہ احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے
بلکہ اس کا احسان سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کا موقع دیا ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾

زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو ۳۱

۳۱۔ اے بندے! تیرا معاملہ اس خدا سے ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کی بیکراں وسعتوں میں کوئی چیز ہو تو ایسی نہیں جو اس سے مخفی ہو۔ فراز عرش سے لے کر قعر زمین تک جب ہر چیز اس کے سامنے عیاں ہے تو تیرے دل کی مختصر سی دنیا کا کوئی گوشہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ ایسے علیم و بصیر کے ساتھ معاملہ کی بنیاد مکر و نفاق پر رکھنا کس درجہ کی حماقت ہے۔ دانا اور خوش بخت وہ ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ جس کی زبان بھی اس کے ذکر میں مشغول اور اس کا دل بھی اس کی یاد سے معمور رہتا ہے۔ جس کا بدن بھی اس کا فرمانبردار اور جس کی روح بھی اس کی بندگی پر نازاں اور شاداں رہتی ہے۔

○

اللّٰهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتي بيدك ماض فيّ حكمك و
عدل فيّ قضاؤك اسئلك بكل اسم هو لك سميت به نفسك وانزلته في كتابك
او علمته احدا من خلقك او استاثرت به في علم عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع
قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي وغمي۔
اللّٰهم مننت على عبدك البائس المسكين فوفقته لخدمة كتابك المبين وتقبل منه
انك انت السميع العليم۔
اللّٰهم صل وسلم وبارك على حبيبك وصفيك ونبيك سيدي ومولاي محمد
وعلى آله واصحابه من الصلوات ازكاها ومن التسليمات اسناها ومن البركات ارفعها
وارزقنا حبه واتباعه وشفاعته واحشرنا تحت قدميه الطيبتين يا رب
المشرقين والمغربين۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۂ قٓ

نام : اس کا نام سورہ قٓ ہے جو پہلی آیت کا پہلا حرف ہے۔ اس کے تین رکوع اور پینتالیس آیات ہیں۔ یہ تین سو ستاون کلمات اور ایک ہزار چار سو چورانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اگرچہ کسی مستند روایت سے اس کا سال نزول متعین نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے درمیانی زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھل کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ سعادتمند روحیں دوڑ کر اس دعوت کو قبول کرنے لگی تھیں۔ مکہ کے کافرانہ معاشرہ میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناکام بنانے کے لیے طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیے تھے۔

مضامین : اہل عرب کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری دعوت ایسی تھی جس نے انہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اس بات کو وہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کر دیا جائے گا ان کے پراگندہ اجزا اور منتشر ذروں کو پھر جوڑ دیا جائے گا۔ یہ چیز ان کے نزدیک ناممکن بھی تھی اور خلاف عقل بھی۔ اس لیے وہ برملا کہتے تھے کہ ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ بے شک یہ کام از حد دشوار اور انہیں مشکل سا ہے اکھرے بھرے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے کہاں کہاں اڑا کر پھینک آتے ہیں ان کو اکٹھا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ تمہارا علم ناتمام اور قدرت محدود ہے۔ لیکن اس ذات کے لیے اس میں ذرا بھی دشواری نہیں جس کا علم کائنات کے ذرے ذرے کو اور یہاں رونما ہونے والی معمولی تبدیلیوں کو بھی جانتا ہے جس نے ان کا مکمل ریکارڈ تیار کر رکھا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کو جاننا چاہتے ہو تو عالم بالا کی بے پایاں اور وسیع پہنائیوں کو دیکھو اور اگر اس کی کمال حکمت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو اس وسیع و عریض اور عجیب و غریب عالم میں جو بے نظیر نظم و ضبط اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس میں غور کرو۔ تمہیں یقین آ جائے گا کہ ایسی ہستی کے لیے انسان کو موت کی نیند سلانا اور پھر اس کو ہوشمند دلانے کے بعد وقت مقررہ پہ زندہ کر دینا قطعاً مشکل نہیں۔

جی چاہتا ہے کہ اختصار کے ساتھ عالم بالا کی بے کراں وسعتوں کا تذکرہ کر دوں تاکہ قدرت خداوندی کی عظمتوں کا قارئین کو کچھ تصور ہو جائے۔

جدید ماہرین فلکیات کی تحقیقات کے مطابق یہ نظام شمسی جس میں ہمارا کرۂ زمین بھی ہے یہ ایک کہکشاں کا (GALAXY) حصہ ہے۔ اس ایک کہکشاں میں ایک لاکھ ملین[1] ستارے موجود ہیں۔ اس کہکشاں کا قطر دس لاکھ نوری سال ہے اس کی موٹائی دس ہزار نوری سال[2] ہے۔ سورج کہکشاں کے مرکز سے تیئس یا تیس ہزار نوری سال دور ہے۔ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی وسعتوں کا اندازہ لگانا ان کے امکان سے خارج ہے۔ ابھی تک انہوں نے کائنات کے ایک حقیر سے حصہ کا مشاہدہ کیا ہے لیکن یہ مختصر حصہ بھی اتنا ہے کہ اگر کوئی شخص روشنی کی رفتار (ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ) سے سفر کرے تو اس کی سرحد تک پہنچنے کے لیے اسے چھ ہزار ملین سال درکار ہوں گے۔

یہ کہکشاں جس سے ہمارا تعلق ہے نسبتاً چھوٹی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں ملین چھوٹی بڑی کہکشائیں ہیں۔ اس چھوٹی کی وسعت کا اندازہ لگائیے کہ زمین سے چاند دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ سورج زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

آسمان اور زمین کی وسعتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۔ کاش امت جو حامل قرآن ہے اور وہ نوجوان جو غلامی مصطفےٰ کا دم بھرتے ہیں، وہ اہل علم طلبہ اور اساتذہ خواب خرگوش سے بیدار ہوں، تحقیق و تجسس کو اپنا شعار بنائیں اسرار قدرت کی نقاب کشائی میں ہمت مردانہ کا ثبوت دیں تو ملت اسلامیہ کا مقدر چمک اٹھے، ادبار و انحطاط کا یکسر خاتمہ ہو جائے۔

منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی کہ جس سرکشی اور ہٹ دھرمی کا تم مظاہرہ کر رہے ہو اس سے پہلے بھی چند قوموں نے یہی طریقہ اپنایا تھا انجام کار وہ تباہ کر دی گئیں۔ کیا تم بھی اپنا یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

اس حقیقت کی وضاحت بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے دور نہیں۔ انسان کی شاہ رگ سے بھی وہ زیادہ ان کے قریب ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے اور نہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قابو سے باہر ہے۔ باایں ہمہ دو فرشتے دائیں بائیں تمہارے ساتھ مقرر کر دیئے گئے ہیں جو تمہارے اقوال و اعمال کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

سورت کے اختتام سے پہلے فرمایا اے حبیب! آپ ان لوگوں کی یاوہ گوئیوں اور بیہودہ سرائیوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں بلکہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ صبح و شام ہر وقت میرا ذکر اور میری تسبیح کرتے رہیں۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

---

[1] ملین: دس لاکھ کو ایک ملین کہتے ہیں۔

[2] نوری سال سمجھنے کے لیے یہ خیال فرمائیے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر طے کرتی ہے۔ اس کو ساٹھ سے ضرب دیجئے پھر حاصل ضرب کو ساٹھ سے اور پھر حاصل ضرب کو چوبیس سے۔ یہ حاصل ضرب ایک نوری دن ہو گا۔ پھر نوری دن کو مہینوں سے سال بنا لیجیے۔ اس عرصہ میں جتنی مسافت طے ہو گی اسے ایک نوری سال کہیں گے۔

۱۸۶۰۰۰ × ۶۰ × ۶۰ × ۲۴ = ۱۶۰۷۰۴۰۰۰۰۰۰ یعنی سولہ ارب سات کروڑ چار لاکھ میل (ایک دن میں)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قٓ مکی ہے اور اس کی پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قاف[1] قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے)[2] مگر یہ (کفار) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈر سنانے والا ان میں

[1] یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس سورت کا نام ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کی کنجی ہے جن کی ابتداء میں ق ہے مثلاً القدیر، القادر، القہار وغیرہ۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں والحق انہ رمز بین اللّٰہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ حق یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے جسے بعض راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں۔

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں قال ابن عطاء اقسم اللّٰہ بقوۃ قلب حبیبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیث حمل الخطاب والمشاہدۃ ولم یؤثر ذالک فیہ لعلو حالہ (روح البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے کہ حضور نے حق کا مشاہدہ بھی کیا اور شرف تکلم بھی حاصل ہوا لیکن کلیم کی طرح ایک تجلی صفت سے غش کھا کر نہیں گرے۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ ق سے مراد ایک پہاڑ (کوہ قاف) ہے جو ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ زبرجد کا بنا ہوا ہے آسمان کی نیلاہٹ اسی زبرجد کا عکس ہے وغیرہ وغیرہ۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ اسرائیلی خرافات ہیں جو مسلمانوں نے علماء اہل کتاب سے بغیر تحقیق اپنی کتب میں لکھ دیں بلکہ ان میں سے بھی جو زندیق تھے انہوں نے ایسی روایتیں گھڑیں تاکہ لوگوں کو دین حق سے بدگمان کیا جائے وعندی ان ھٰذا وامثالہ واشباھہ من اختلاق بعض زنادقتھم۔ اس ضمن میں حضرت ابن عباس سے جو اثر منقول ہے اس کے بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں لا یصح سندہ عن ابن عباس کہ حضرت ابن عباس سے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے بھی اس قول کی تردید کی ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی قسم کھا رہا ہے کہ میرا محبوب میرا سچا رسول ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ جب مجید قرآن کی صفت ہو تو اس کا معنی ہوگا ہے الرفیع العالی، عالی شان، بلند مرتبہ۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ قرآن کریم چونکہ بے شمار دینوی اور

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

سو کہنے لگے کفار کہ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے ۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے

ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

(تو پھر زندہ کیے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بہت بعید ہے ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے ۔ بلکہ انہوں نے جھٹلایا دین حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس

اخروی کو شامل ہے اس لیے اسے مجید کہا گیا۔ خوصف بذالك لكثرة ما يتضمن من المكارم الدنيوية والاخروية (مفردات امام راغب)

۲ ؎ چاہیے تو یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے کہ اس نے ان کی طرف ایک راہبر بھیجا ہے اور مزید کرم یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا ہم قوم اور ہم وطن ہے اور وہ اس کی سیرت و کردار سے پوری طرح آگاہ ہیں لیکن یہ عجیب الٹی کھوپڑی کے لوگ ہیں۔ انہیں اگر اعتراض ہے تو اس پر کہ ان میں سے ایک آدمی کو منصب نبوت پر کیوں فائز کر دیا گیا۔ اگر کسی ہادی کو آنا ہی تھا تو کسی غیر ملک سے آتا بلکہ نوع انسانی کے بجائے جن یا فرشتہ ہوتا تاکہ وہ اس کی عظمت کو پہچان سکتے اور اس پر ایمان لاتے۔

۳ ؎ کفار کہتے کہ پہلے تو یہ بات ہی بڑی حیرت انگیز ہے کہ ایک انسان نبی بن کر آنے کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے جو وہ ہمیں بتا رہا ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا یہ ایسی بات ہے جو بعید از امکان ہے۔ اسے عقل تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ ایسی انہونی اور ناقابل فہم باتیں کرنے والا نبوت کا مدعی ہو بڑی حیرت انگیز بات ہے اور ہم جیسے دانشوروں سے وہ یہ توقع رکھے کہ ہم اس پر ایمان لائیں گے یہ بات تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔

۴ ؎ وقوع قیامت پر انہیں اعتراض یہ تھا کہ جب مردہ کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے تو زمین اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں کو کھا جاتی ہے۔ پھر وہ مٹی غبار بن کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ ان منتشر ذرات کو یکجا کرنا ناممکن ہے۔ ان کے اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ زمین میت کے جس جس جزو کو کھاتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا تفصیلی علم ہے۔ بلکہ اس کے پاس تو ایسی جامع کتاب ہے جس میں کائنات علوی و سفلی میں ہر لحظہ رونما ہونے والی ساری تبدیلیوں کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ تو وہ ذات جس کا علم ہر چیز کو اور اس میں رونما ہونے والے ہر تغیر کو محیط ہے اور جو قدرت علی کل شیء کی صفت سے موصوف ہے۔ اس کے لیے تو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وشبت ان الانبياء والاولياء والشهداء لا تاكل الارض اجسادهم

فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ

(اس وجہ سے) وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں ۵ کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے

زَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا

اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں ۶ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیے اس پر

یعنی یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کے جسموں کو کھائے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب "التذکرہ" میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

۵ وہ نبی کریم کی بعثت پر حیرت اور آپ کی تعلیمات کو فقط بعید از قیاس کہنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انہوں نے تو اس حق کو سراسر جھوٹ کا پلندہ کہنے کی رٹ لگا رکھی ہے۔ کہتے ہیں (معاذ اللہ) یہ جھوٹا ہے، اس کی لائی ہوئی کتاب جھوٹی ہے، اس سے پیشتر کیے ہوئے اعتقاد غلط ہیں۔ لیکن تکذیب حق کے بعد کیا ان کے دلوں کو قرار نصیب ہے۔ کیا ان کے ذہنوں نے ان کی اس بات کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں! اس تکذیب کی وجہ سے ان کا ذہنی سکون برباد ہو گیا ہے۔ ان کے دل مضطرب اور بے چین ہیں۔ انہیں کسی پہلو قرار نہیں۔ کسی ایک بات پر ان کے قدم نہیں ٹکتے۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادوگر ہے۔ کبھی اسے شاعر کہتے ہیں، کبھی اسے دیوانہ بتلاتے ہیں اور کبھی اس پر افترا باندھنے کا الزام لگاتے ہیں۔ واقعی جو حق کا انکار کرتا ہے اس سے سکون و قرار چھین لیا جاتا ہے اور پھر قلق و اضطراب کی موجیں اسے تنکوں کی طرح اٹھا کر ادھر ادھر پٹکتی رہتی ہیں۔ آیت کے آخر میں مریج کا لفظ غور طلب ہے۔ علامہ قرطبی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اصل المرج، الاضطراب والقلق۔

۶ کفار مکہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے اور اس انکار پر انہیں شدید اصرار تھا۔ ان چند آیات میں ان کے اس انکار کی بیخ کنی کی جا رہی ہے۔ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا دعویٰ اگر کسی ایسی ہستی نے کیا ہوتا جو کمزور، بے بس اور ناتواں ہے تو اس دعویٰ کے انکار کا تمہیں حق پہنچتا تھا لیکن یہ دعویٰ جس ہستی نے کیا ہے، بلندیاں اور پستیاں سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو تمہیں کیا نظر آ رہا ہے۔ نیلگوں بے کراں آسمان ہے جس میں مہر و ماہ اور ان گنت ستارے جگمگا رہے ہیں۔ انہیں بنے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں۔ کیا ان میں بوسیدگی اور کہنگی کے کہیں کوئی آثار تمہیں نظر آ رہے ہیں۔ ان کے معمولات میں کبھی ایک لمحہ کا تقدم و تاخر ہوا ہے۔ جدید سائنسی آلات کے ذریعے سے فضا میں جو نئے انکشافات ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے عالم بالا کی وسعتوں کا تصور کر کے ہی انسان اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے۔

رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٧﴾ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ

رکھ دیے بھاری پہاڑ اور اگا دیں اس میں ہر قسم کی بارونق انسزا چیزیں۔ یہ آنکھیں کھولنے اور یاد دلانے والی ہیں

لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿٨﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ

ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے ﴿ اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی ﴿ پس ہم نے اگائے اس سے

جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِزْقًا

باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے تہ بہ تہ ہیں، بندوں کی

لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

روزی کے لیے اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر کو یونہی (روز حشر) ان کا نکلنا ہوگا ﴿ جھٹلایا تھا ان سے پہلے

ف ذرا اس کرۂ زمین کی طرف چشم ہوش سے دیکھو یہ کتنا وسیع اور کشادہ ہے۔ قدرت والے نے کس طرح اس کو دور دور تک پھیلا دیا ہے کس شان سے اس پر اونچے اونچے پہاڑ یہاں نصب کر دیے ہیں۔ زمین کی مٹی میں روئیدگی کی بے پناہ قوت کس حکمت سے ودیعت کر دی ہے۔ ہر قسم کے درخت، پھل، پودے، پھول، انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں اپنی اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ اگر تم کائنات کی گتھیوں پر نگاہ ڈالو تو تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس قادر و قیوم نے یہ جہان بنایا اور اسے سجایا ہے اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر وہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کرنا چاہے تو کیا یہ بعید از قیاس ہے؟ کیا تم اسے عقل کے خلاف کہہ سکتے ہو؟ آیت کے چند الفاظ کی لغوی تحقیق ملاحظہ ہو۔ رواسی: جمع ہے راسیۃ کی بمعنی بھاری پہاڑ۔ زوج کا معنی یہاں جوڑا نہیں بلکہ نوع ہے۔ ای من کل نوع من النبات۔ بھیج: تر و تازہ، سرسبز و شگفتہ، دلوں کو لبھانے والا۔

ف کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر اپنے خالق کی عظمت و کبریائی کی شہادت دے رہی ہے لیکن یہ آواز فقط وہی لوگ سن سکتے ہیں جو آثار قدرت میں غور و تدبر کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔

ف اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ تم وقوع قیامت کو بعید از قیاس کہتے ہو حالانکہ اس کا مشاہدہ تم بار بار اپنی آنکھوں سے کرتے ہو۔ خشک سالی کے دوران میں گھاس، جڑی بوٹیاں، گھاس اور درخت سوکھ جاتے ہیں۔ ان میں بظاہر زندگی کا نشان تک باقی نہیں رہتا لیکن جب بادل گھر کر آتے ہیں اور بارش برساتے ہیں تو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ روئیدگی کی خفتہ صلاحیتیں یک دم بیدار ہو جاتی ہیں۔ ننھی ننھی کونپلیں، تر و تازہ ٹہنیاں، ان پر مسکراتی ہوئی کلیاں اور مہکتے ہوئے پھول دلوں کو لبھانے لگتے ہیں۔ جس ذات نے مینہ برسا کر مردہ زمین سے شاداب مرغزار اور پر بہار کھیت اگا دیے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تمہیں مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے۔

ف یہ فرما کر تمام شکوک و شبہات کا ازالہ فرما دیا۔ ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔

قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ

سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے۔ اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم

لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

لوط نے۔ نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس لازم ہو گیا (ان پر) عذاب

وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ

کا وعدہ ۱۳ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے (ایسا نہیں) ۱۴ بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک

جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ

میں ہیں ۱۵ اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے۔

۱۳۔ ان آیات میں جن قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کے تفصیلی حالات پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہے ہیں کہ پہلے بھی انبیاء کو ان کی امتوں نے جھٹلایا تھا اس کے باوجود وہ اپنی رسالت کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے۔ مشکل ترین حالات میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اے میرے نبی! آپ بھی ان کفار کی تکلیف دہی سے پریشان نہ ہوں، اپنا فرض ادا کرنے میں مصروف رہیں۔

نیز کفار کو بھی ڈرایا جا رہا ہے کہ ان قوموں کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے تجارتی قافلے اکثر ان علاقوں سے گزرتے ہیں۔ کیا ان ویران کھنڈروں کو دیکھ کر تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ تم نے کبھی نہیں سوچا کہ یہ خوبصورت بستیاں کیوں اجڑ گئیں۔ ان عالی شان محلوں میں آج الو کیوں بول رہے ہیں؟ ذرا غور کرو، یہ ویران لوگوں کے ٹھکانے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔ جب انہوں نے اپنی اپنی قوم کو قیامت کے روز جواب دہی کا خوف دلا کر فسق و فجور اور فتنہ و فساد سے باز آنے کی تلقین کی تو انہوں نے بھی قیامت کے تصور کو غلط اور محال قرار دیا اور ہر قسم کے محاسبہ سے بے خوف ہو کر گناہ علی الاعلان کیا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عذاب الٰہی نے ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ اے اہل مکہ! سوچ بچار کے لیے جو مہلت تمہیں دی گئی ہے اگر تم نے اسے ضائع کر دیا تو پھر ایسا عذاب آئے گا جو تمہیں بھی پیس کر رکھ دے گا۔

۱۴۔ اے اہل مکہ! تم سمجھتے ہو کہ ان گنت اور بے شمار انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ کیا ہم آسمان و زمین کا یہ وسیع و عریض اور عجیب و غریب نظام پیدا کرنے کے بعد تھک گئے ہیں؟ اب ہم میں یہ سکت نہیں رہی کہ تمہیں از سر نو زندہ کر سکیں؟ تم بچوں کی طرح کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

۱۵۔ وقوع قیامت پر ناقابل تردید دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔ کفار میں نہ تو یہ سکت ہے کہ وہ ان کی تردید کر سکیں، نہ ان میں

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱٦﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ

اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ۱۵ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (فرشتے) ایک

الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ

دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے ۱٦ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان

یہ جرأت ہے کہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور قیامت پر ایمان لائیں مگر انکا اس طرح ان کی ساری بساطِ عیش و نشاط الٹ کر رہ جائے گی اور گناہ و لذت کی جس زندگی کے وہ خوگر ہو چکے ہیں اس سے دست کش ہونا پڑے گا اور اتنے بڑے انقلاب کے لیے وہ تیار نہیں اس لیے بیچ میں لٹک کر رہ گئے ہیں۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ ہے۔

لبس ۔ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں ۔ لبس علیہ الامر ۔ یہ کام اس پر ملتبس ہو گیا اور اس کے بارے میں آدمی شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا۔

۱۵ ارشاد ہے کہ انسان کو ہم نے پیدا فرمایا ہے۔ اس کی خوبیاں اور کمزوریاں ہم پر عیاں ہیں۔ اس کا کوئی قول اور عمل ہم سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ وہ وسوسے جو اس کے نہاں خانۂ دل میں پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وہ خود اپنے بعض احوال سے بے خبر ہو سکتا ہے۔ اس کے نفس کے کئی گوشے اس کی اپنی نگاہ سے اوجھل ہو سکتے ہیں لیکن ہمارا علم اس کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے۔ صد حیف کہ اتنے قرب کے باوجود وہ ہم سے بے خبر ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

دوست نزدیک تر از من بمن است — وین عجب تر کہ من از وی دورم

چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

یعنی دوست مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔ میں کیا کروں اور کس سے یہ بات کہوں کہ محبوب تو میری آغوش میں ہے اور میں ہجر کی سختیاں برداشت کر رہا ہوں۔

علمائے ظاہر نے تو اس سے قربِ علمی مراد لیا ہے لیکن اولیائے کرام نے اس قرب کی حقیقت کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: یدرک ذٰلک القرب بنور الفراسۃ لا بالنظر والاستدلال یعنی نورِ فراست ہی سے اس قرب کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ حواسِ ظاہری اور قوتِ عقل اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔

مزید تحقیق کے لیے اس مقام پر تفسیر مظہری کا مطالعہ فرمائیے۔

۱٦ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے جمیع احوال سے خود بخود آگاہ ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کے پیش نظر اس انسان کے لیے دو

رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ

(لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔ شلے اور آپہنچی موت کی بے ہوشی سچی بات کے ساتھ۔ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے

مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ

تو دور بھاگا کرتا تھا شلے اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی وعید کا دن ہوگا شلے اور حاضر ہوگا ہر

فرشتے بھی مقرر کر دیے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب بیٹھا رہتا ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ عبارت میں ذرا غور فرمائیے۔ عن الیمین اور عن الشمال جار مجرور ہیں اور قعید کے ساتھ متعلق ہیں اور قعید المتلقیان کا بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی عن الیمین قعید وعن الشمال قعید لیکن آخری قعید پر اکتفا کیا گیا اور عن الیمین کے ساتھ قعید کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔

شلے انسان جس وقت کوئی لفظ بولتا ہے تو دونوں فرشتے فوراً اسے لکھ لیتے ہیں۔

رقیب، نگہداشت کرنے والا۔ عتید، الحاضر المہیا یعنی جو ہر وقت حاضر اور مستعد ہو۔ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ انسان کی کوئی بات اور اس کی کوئی حرکت ایسی نہیں جس پر وہ فرشتے مطلع نہ ہوں۔ اس سے جو قسم کا عمل جس وقت صادر ہو سکتا ہے وہ فرشتے اسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے روز جب انسان پیش اعمال کے لیے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا تو سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ اس شخص کے وفاتر عمل کو بطور دستاویزی ثبوت پیش کیا جائے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اختراع نے ثابت کر دیا کہ انسان کی آواز کو من وعن منضبط کرنے کے لیے قدرت نے ہر جگہ ٹیپ لگا دیے ہیں اور اس کی حرکات وسکنات کو ہمیشہ محفوظ رکھنے کے لیے قدرتی ٹیلی ویژن کیمرے ہر جگہ نصب ہیں۔ جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا انسان کو جو بولا اس کی آواز اور بعینہٖ اس کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کرا دے گا اور اس میں انکار کی ہمت نہ ہوگی۔ یہاں تک تو علم انسانی کی رسائی ہو چکی ہے۔ لیکن فرشتے ہماری زندگی کے لمحات کو جس خوبی اور دقت سے محفوظ کر رہے ہیں اس کا اندازہ کرنا اس دنیا میں ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ البتہ سائنس کے ان انکشافات کے بعد عقل سلیم کو اب انکار کی ہمت نہیں رہی۔

شلے موت کی سختی اور شدت کو سکرۃ الموت کہتے ہیں۔ یعنی جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے اس پر جان کنی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اس وقت حقیقت حال عیاں ہو جاتی ہے۔ جو لوگ آج تک انکار اور نافرمانی کی روش پر گامزن رہے تھے وہ اپنی آنکھوں سے آنے والے جہاں کا مشاہدہ کرنے لگتے ہیں اور دوزخ کے لپکتے ہوئے سرخ شعلے انہیں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ عالم آخرت جس سے تم منہ موڑے رہے اور جس کو تسلیم کرنے سے تم گریز کرتے رہے۔ اب یہ حق اور سچ بن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس وقت کیا تم اس کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔ حق سے مراد یہاں موت ہے۔ الحق ھو الموت۔ حاد یحید حیدا و حیدۃ و حیودۃ: مال عنہ و عدل۔

شلے عرصہ دراز عالم برزخ میں گزرے گا۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ اس کی آواز سے ہر شخص چونک کر اپنی قبر سے نکلے گا اور میدان حشر

نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

شخص اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا ۔ (اے انسان) تو غافل رہا اس دن سے

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ

پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے ۔ ۲۱ اور کہے گا اس کا ہمراہی (فرشتہ)

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ

ساتھی یہ اعمالنامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے ۲۲ جہنم میں جھونک دو ۲۳ ہر کافر سرکش کو ۔ جو نیکی سے روکنے والا تھا

میں کھڑا کر دیا جائے گا ۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے رہتے تھے ۔ انہیں کہا جائے گا یہی وہ عذاب کا دن ہے جس سے ہمارے انبیاء تمہیں ڈرایا کرتے تھے اور تم بے پروائی سے ان کی بات سننے کے روادار ہی نہ تھے ۔ اب بتاؤ قیامت برپا ہوئی ہے یا نہیں ؟ خداوند عالم نے تمہیں قبروں سے زندہ نکال کر میدان حشر میں لا کھڑا کیا ہے یا نہیں ؟ اس روز کون ہوگا جو اس جیتی جاگتی حقیقت کا انکار کر سکے

۲۰ ہر شخص کے لیے دو فرشتے مقرر کیے جائیں گے ۔ ایک اس کو پیچھے سے ہانک کر بارگاہ خداوندی میں پیش کرے گا دوسرا اس کا دفتر عمل لیے ساتھ ہوگا تاکہ اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دے ۔ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دنیوی زندگی میں اس کے ہم نشین رہے تھے اور اس کا دفتر عمل مرتب کرنے پر متعین کیے گئے تھے ۔

۲۱ اسے کہا جائے گا کیوں صاحب دنیوی زندگی میں تو تم غافل بنے رہے ۔ اب بتاؤ چودہ طبق روشن ہوئے ہیں یا نہیں ؟ تمہاری آنکھوں پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے وہ آج اٹھ گئے ہیں ۔ آج تو تمہاری بینائی بڑی تیز ہو گئی ہے ہر حقیقت تمہیں صاف نظر آ رہی ہے

۲۲ حضرت حسن، قتادہ اور ضحاک کے نزدیک قرین سے مراد وہی فرشتہ ہے جو عمر بھر اس کے ساتھ رہا ۔ وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی نگہداشت میرے سپرد کی گئی تھی اور یہ ہے اس کا صحیفہ عمل جو بڑی دیانت سے میں نے تیار کیا ہے جو فیصلہ مناسب ہو صادر فرمایا جائے ۔ وقال مجاهد القول هذا الذي وكلتني به من بني آدم قد احضرته واحضرت ديوان عمله (قرطبی)

بعض علماء کی رائے ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے جو عمر بھر اس پر مسلط رہا

۲۳ ان فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اسے پکڑو اور جہنم رسید کر دو

قرین واحد ہے تو یہاں اَلْقِیَا (صیغہ واحد حاضر) ہونا چاہیے تھا ۔ اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ کیوں ذکر کیا ۔ اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں ۔

خلیل اور اخفش کہتے ہیں کہ فصحاء عرب واحد کے لیے بھی بسا اوقات تثنیہ کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں ۔ جس طرح ایک دوست

لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى

نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ۔ جس نے بنا رکھا تھا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا پس پھینک دو اسے (بڑے) سخت

الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۞ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ

عذاب شدید میں ۔ اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا مگر وہ خود ہی

کے لیے خطاب کی بجائے خطاب تثنیہ عام مروج ہے۔ امرؤ القیس اپنے ایک رفیق سفر کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل

اے میرے دوست ذرا ٹھہر و تاکہ ہم اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کر کے کچھ آنسو بہائیں۔ قف کی بجائے قفا تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ القیا تثنیہ کا صیغہ نہیں بلکہ اصل میں القین تھا نون تاکید خفیفہ تھا (القین)، اب یہ نون بدل کر الف ہو گیا۔ ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قرین سے مراد ایک نہیں بلکہ دو ساتھی ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے اور قرین کا لفظ واحد کی طرح تثنیہ اور جمع کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

کفار ۔ صفت ناشکر گزار یا پہلے درجہ کا منکر۔

العنید ۔ المعرض عن الحق و هو یعرفه ۔ جو حق کو پہچانتا ہو اور اس کے باوجود اسے مسترد کر دے۔ کفار و عنید کی مزید تشریح کی جا رہی ہے۔

مناع ، مانع کا مبالغہ ہے بکثرت روکنے والا اور حق سے روکنے والا۔ خیر کا معنی اگر مال ہو تو مطلب یہ ہو گا بڑا کنجوس۔ خدا کے دیے ہوئے مال سے اس کی رضا کے لیے ایک حبہ تک خرچ نہیں کرتا۔ نہ کسی غریب پیاسے پر ترس آتا ہے اور نہ کسی فاقہ کش کے لیے اس کا دل پسیجتا ہے اور اگر خیر کا معنی نیک اور بھلے کام ہوں تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ خود بھی نیک کام نہیں کرتا اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے سے سختی سے روکتا ہے اور بار بار روکتا ہے۔

معتد ، حد سے تجاوز کرنے والا یعنی اس نے کبھی حق و انصاف کی حدود کا لحاظ نہیں رکھا۔ بلکہ اس کی گفتگو، اس کے کردار اور اس کے احکام میں سرکشی اور سرتابی کی جھلک صاف نمایاں ہے۔

مریب ، جو خود کسی شک میں مبتلا ہو اس کو بھی مریب کہتے ہیں اور جو شخص دوسروں کی متاع یقین کو غارت کرنے کے درپے ہو اور وسوسہ اندازی سے اس کے خرمن ایمان میں آگ لگانے کے لیے کوشاں رہے اسے بھی مریب کہتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔

ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ

گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا ۔ ٢٨ (اللہ) فرمائے گا مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو ڈرا چکا تھا

بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ ع ٢ ١٦

(اپنے) عذاب سے ۔ ٢٩ میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں ۔ (یاد کرو) وہ

نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَاُزْلِفَتِ

دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی ہے وہ (جواب) دے گی کیا کچھ اور بھی ہے ٣١ اور قریب کر دی جائے گی

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ

جنت پرہیزگاروں کے لیے وہ ان سے دور نہیں ہوگی ٣٢ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہر (اس) شخص کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع

٢٥ جب فرشتہ اس کا نامۂ اعمال پیش کریں گے تو وہ کہے گا یہ سب ایسا سب کچھ ان فرشتوں کی کارستانی ہے۔ انہوں نے جو چاہا میرے سر پر دھر دیا۔ میں نے تو کبھی کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کی۔ وہ فرشتہ جواب میں عرض کرے گا۔ اور اگر قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو اس کو ہر وقت گمراہ کرتا رہا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص کہے گا الٰہی! میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب گناہ اس خبیث کا ہے اس نے مجھے راہِ راست پر کبھی چلنے نہیں دیا۔ میں نے اس سے چھٹکارا پانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس بدمعاش نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اس لیے سزا مجھے نہیں اسے ملنی چاہیے۔ شیطان جواب دے گا کہ میں نے اس کو کبھی مجبور نہیں کیا تھا۔ یہ حق کو چھوڑ کر باطل کے ساتھ چمٹا رہا۔ ہر وقت نافرمانی پر کمربستہ رہا۔ میں نے تو اسے فقط اشارہ کیا اور یہ دوڑتا چلا آیا اور گمراہی اختیار کرنے میں بہت دور چلا گیا۔

٢٦ ارشاد ہوگا کہ اس جھگڑے کو بند کرو۔ تمہارے بارے میں کبھی کا فیصلہ ہو چکا۔ اب اس میں رد و بدل ممکن نہیں۔

٢٧ کفار و منافقین کو جہنم سے خوفزدہ کرنے کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ جہنم کوئی محدود اور تنگ سی جگہ نہیں کہ چند کروڑ نفوس سے بھر جائے گی اور اس میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ بتا دیا کہ وہ اتنی کشادہ اور فراخ ہے کہ تم اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ جب اس میں سارے جہنمی پھینک دیے جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ یہ پوچھیں گے کیا تو بھر گئی تو وہ جواب میں عرض کرے گی کچھ اور لائیے۔ میرے گوشے ابھی کئی گوشے خالی پڑے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ جہنم بھر جائے گی۔ جب اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تو بھر گئی تو وہ گھبرا کر کہے گی الٰہی! ابھی اور مجرم باقی ہیں؟ میں تو کبھی کی بھر گئی ہوں۔ یہاں تو تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔

٢٨ جہنمیوں کے ذکر کے بعد اب اپنے دوستوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہم سے ڈرتے ہوئے زندگی

بسر کی اور تمام عمر ہمارے احکام کی بجا آوری میں کوشاں رہے۔ قیامت کے دن ان کی عزت افزائی کا عجیب ہی منظر ہوگا۔ انہیں جب جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا تو جنت تک کا طویل فاصلہ طے کرنے کی انہیں زحمت نہیں دی جائے گی بلکہ جنت ان کے قدموں میں حاضر کر دی جائے گی۔ یہ نہیں فرمایا کہ انہیں جنت کے نزدیک کر دیا جائے گا بلکہ فرمایا جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اطاعت و انقیاد کی راہ پر گامزن رہنے والے جنت کے طالب نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگے جاتے پھریں بلکہ وہ مطلوب ہیں۔ جنت کی بہاریں سمٹ کر ان کے قدموں میں حاضر ہو جائیں گی۔

جس مادی دنیا میں ہم آج آباد ہیں اس میں زمان و مکان، قرب و بُعد اور سرعت و تاخیر کے جو مفہوم ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو چکے ہیں، قیامت کے دن یہ سارے تصورات بدل جائیں گے۔ وہاں ان سارے الفاظ کو نئے مفہوم بخشے جائیں گے۔ اس کا اندازہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ وہاں زمین و آسمان سے بڑی وسعتیں چشم زدن میں طے ہو جائیں گی۔ گویا وہ کتنی دور سے بھی کیوں نہ ہوں معلوم ہوگا بالکل نزدیک سے آ رہی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جو لوگ اس دنیا میں رہتے ہوئے خواہشاتِ نفسانی کے زندان سے رستگاری حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی روح ذکرِ الٰہی سے سرشار ہو جاتی ہے اور ان کی آنکھ نورِ خداوندی سے بینا ہو جاتی ہے تو ان کے لیے بھی زمان و مکان کی یہ قیود باقی نہیں رہتیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے بھی نہاوند کے پہاڑوں میں لڑنے والے سارہ کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

یہ نعمت جن کے لیے مخصوص کی گئی ہے ان کی دو صفتیں اوّاب اور حفیظ بیان کی جا رہی ہیں۔ اوّاب کہتے ہیں بکثرت رجوع کرنے والا۔ یعنی جب بھی اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو فوراً ندامت و خجالت سے پانی پانی ہو جاتا ہے اور آنسو بہاتے ہوئے توبہ کرتا ہے۔ جتنی بار اس کا قدم جادۂ حق سے پھسلے وہ فوراً توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگتا ہے۔ وہ تو سرکشی کی راہ اختیار کر کے وہ گناہ پر مصر رہتا ہے اور نہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے کہ میں نے بار بار توبہ کو توڑا ہے، اب میری توبہ کیسے قبول ہوگی، بلکہ جہاں اسے اپنی لغزش پر ندامت ہے وہاں اسے اپنے رب کریم کی رحمت بے پایاں پر بھی یقین ہے کہ جب بھی کوئی شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے تو اسے معافی دے دی جاتی ہے۔

شعبی اور مجاہد نے اوّاب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے هو الذي يذكر ذنوبه في الخلوة فيستغفر الله منها یعنی جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور استغفار کرے۔

عبید ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم اوّاب اور حفیظ اسے کہا کرتے تھے جو اپنی مجلس سے جب اٹھے تو یہ کہے سبحان الله وبحمده اللّٰهم اني استغفرك مما اصبت من مجلسي هذا۔ الٰہی! اس نشست میں جو غلطی مجھ سے ہوئی ہے اس کے لیے میں مغفرت طلب کرتا ہوں۔

ابوبکر الوراق فرماتے ہیں هو المتوكل على الله في السراء والضراء۔ اوّاب وہ ہے جو خوشحالی اور تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ قاسم کا قول ہے هو الذي لا يشتغل الا بالله عز وجل۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی اور بات میں مشغول نہ ہو۔

حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ﴿٣٣﴾

کرنے والا (اپنے رب کے احکام کی) حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا رہا رحمٰن سے بن دیکھے ۳۳ اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو (یاد الٰہی کی طرف) متوجہ رہتا تھا

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا

داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے، یہ ہمیشگی کا دن ہے ۳۵ انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اور

حفیظ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت قتادہ فرماتے ہیں حفیظ لما استودعه الله تعالیٰ من حقه ونعمته وائتمنه علیه۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا، اس کی گراں قدر نعمتوں کا شکر کرنے والا اور جو قوتیں اور صلاحیتیں اور جو وسائل و اختیارات اسے بطور امانت دیے گئے ہیں ان میں خیانت نہ کرے۔

بے شک یہی لوگ اس قابل ہیں کہ جنت ان کے قدموں میں حاضر کی جائے۔

۳۳؎ یہ جملہ یا تو اَوَّابٍ حَفِيظٍ کا بدل ہے یا اس کی صفت ہے یعنی اواب کون ہے۔ جنا! وہ جو خدائے رحمٰن سے اس وقت بھی ڈرتا ہے جب اسے کوئی آنکھ دیکھ نہ رہی ہو۔ یعنی فی الخلوۃ حیث لا یراہ احد۔

یہاں رحمٰن کا اسم پاک ذکر کرنے میں خاص لطف ہے۔ یعنی وہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا خدا رحمٰن ہے۔ اس کی رحمت کے سامنے اس کے بے شمار گناہوں کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ لیکن وہ اپنے رب کی رحمانیت پر تکیہ کر کے باوجود وہ گناہ اور نافرمانی کی راہ پر قدم تک نہیں رکھتا۔ اسے حیا آتی ہے کہ وہ اپنے کریم مالک کی نافرمانی کرے۔ تنہائی میں بھی شیطان اسے بہکا نہیں سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مغرور ہو کر سرکش نہیں ہو جاتا۔ تخصیص الرحمٰن للاشعار بانهم مع علمهم بصفة رحمته لا يغترون بها۔

۳۴؎ یہ جملہ بھی اس کی صفت ہے کہ اس کے پہلو میں جو دل ہے وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف مائل رہتا ہے۔ حوادث دہر اسے کتنا ہی پریشان کریں، مصائب و آلام کے پہاڑ اس پر کیوں نہ ٹوٹتے رہیں اس کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔ بندگی اور تسلیم و رضا کی جس لذت سے اسے نوازا گیا ہے ہر وقت وہ اسی سے سرشار رہتا ہے۔ منیب، مخلص، مقبل علی الطاعة یعنی جو اخلاص کے ساتھ اطاعت کی طرف متوجہ رہے۔

۳۵؎ اس روز ان خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ جنت میں تشریف لے جائیے۔ وہاں تمہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ یعنی سالمین من العذاب والهموم وزوال النعمة۔

سلٰم کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم جنت میں قدم رکھو گے تو تمہاری پیشوائی کے لیے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے جو تمہیں السلام علیک کے دعائیہ جملے سے خوش آمدید کہیں گے۔ بلکہ تو رب قدیر بھی اپنے ان البیلے عشاق کو سلامت رہو، سلامت رہو کی دعا سے نوازے گا۔ یعنی اے میری آنکھوں کو جمال تجلیات سے اور اپنے دلوں کو خیال غیر سے محفوظ رکھنے والو! آؤ آج تمہیں اپنے محبوب حقیقی کے حریم ناز میں باریابی کا اذن بخشا جا رہا ہے۔ اس کے جلوؤں کو دیکھو اور خوب سیر ہو کر دیکھو اور ہمیشہ دیکھتے رہو۔

مَزِيدٌ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا

ان کے لیے) اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ ۳۴ اور قریش سے پہلے ہم نے برباد کر دیا ہے کئی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں

فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ

پس وہ گھومتے رہے شہروں میں کیا عذاب الٰہی سے انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ ۳۵ بے شک اس میں نصیحت ہے اس

یہ صبح وصال ابدی ہے۔ اب ہجر کی رات نہیں آئے گی۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ تم پر یہ کیفیت طاری ہو۔

کشتگانِ اب بے تجسس کا پھر کو دم وصال خوفِ جستاں سے تنگ ہے جیل ہماری

انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔

۳۴۔ ابرِ رحمت کی ریم جھم ملاحظہ ہو۔ اپنی کرم نوازیوں کا ذکر جاری ہے جن سے وہ اپنے بندوں کو سرفراز فرمائے گا یعنی میری بخشش قلیل اور محدود نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ چاہیں گے ہم انہیں اتنا ہی دیں گے کیونکہ ان کا دامنِ طلب بڑا وسیع کیوں نہ ہو الطافِ خسروانہ کے سامنے وہ بھی تنگ ہے۔ ان کا ظرف دل بڑا ہی کشادہ کیوں نہ ہو بحرِ کرم کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا ہم صرف اتنا ہی نہیں دیں گے جتنا وہ مانگیں گے اور جتنا وہ چاہیں گے وہ بھی دیں گے اور اس کے علاوہ ہمارے پاس ان کے لیے اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔ اب اس لدینا مزید کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضرت انس و جابر سے مروی ہے المزید النظر الی وجہ اللہ سبحانہ کیف۔ یعنی اس مزید سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہے۔ حضرت صدیق اکبر سے مروی ہے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تعالیٰ یبعث یوم القیامۃ منادیا ینادی فیسمع اولھم واٰخرھم یا اھل الجنۃ ان اللہ وعدکم الحسنٰی وزیادۃ۔ الحسنی الجنۃ والزیادۃ النظر الی وجہ الرحمٰن (مظہری) کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک منادی کرنے والا بھیجے گا جو اعلان کرے گا جسے سب سنیں گے۔ اے جنتیو! اللہ نے تم سے الحسنٰی اور زیادۃ کا وعدہ فرمایا ہے۔ الحسنی سے مراد جنت ہے اور الزیادۃ سے مراد رحمٰن کے چہرہ کی طرف نظر کرنا ہے۔

۳۵۔ اہل مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوت اور عسکری طاقت کے بل بوتے پر دوسرے ممالک پر لشکر کشی کی اور ان کو اپنا زیرنگیں بنا لیا۔ وہاں بھی ان کا ڈنکا بجتا تھا اور ان کا سکہ رواں تھا۔ وہ اپنی سرزمین کے معاشی وسائل کے علاوہ مفتوح ممالک کے وسائلِ معیشت سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ ان کی آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا کرتی تھی لیکن یہ ساری قوتیں اور خوش حالیاں انہیں ہماری گرفت سے نہ بچا سکیں۔ اے اہل مکہ! تم کس چیز پر تکبر کر رہے ہو۔ نَقَّبُوا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفسر التنقیب فی البلاد بالتصرف فیھا بالسلکھا ومحو ھا یعنی کسی ملک کا مالک و بادشاہ بن کر اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کو عربی میں تنقیب فی البلاد کہتے ہیں۔ التقلب فی البلاد

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر ۳۴ اور ہم نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں ۳۵ اور ہمیں کسی نے تھکاوٹ نہیں چھوئی ۳۶

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ

پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور

کا یہی معنی ہے۔ سیر و سیاحت کے لیے کسی ملک میں جانا، کاروبار اور تجارت کے لیے کسی ملک میں جگہ جگہ اقامت گزین رہنا یہ بھی اس لفظ کا مدلول ہو سکتا ہے۔

دولت مند لوگ جب کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنے ملک کے معالجین کے علاج سے فائدہ نہیں ہوتا تو وہ صحت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دور دراز ممالک میں جاتے ہیں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں لیکن جب موت کا مقررہ وقت آتا ہے تو کوئی ڈاکٹر اور حکیم انہیں نہیں بچا سکتا۔ لمن کان لہ قلب۔ قلب سے مراد عقل بینا ہے جو حقیقت کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ جو دل دیکھنے اور سمجھنے سے محروم ہو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اس کو دل کہنا بھی صحیح نہیں۔

۳۴ یعنی جو وحی اسے سنائی جا رہی ہے اس کو وہ بڑے غور سے کان لگا کر سنتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ جب وہ شی بیان ہو رہی ہے تو اس کا دل حاضر ہوتا ہے۔ قال الزجاج ای وقلبہ حاضر فیما یسمع۔ سفیان کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا کہ جب آیات الٰہی کی تلاوت کی جا رہی ہو اس وقت اس کا جسم تو موجود ہو لیکن دل غائب ہو۔

۳۵ چھ دنوں سے یہ چوبیس چوبیس گھنٹے کے دن نہیں بلکہ اس سے چھ مختلف ادوار مراد ہیں۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۳۶ اس میں یہود و نصاریٰ کے اس زعم باطل کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں کائنات کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ گویا کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ تھک گیا اور اسے آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ موجودہ تورات میں ہے "خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔" (خروج ۲۰:۱۱) اسی باب میں دوسری جگہ ہے "چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔" (خروج ۳۱:۱۷) انجیل میں ہے "خدا نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا۔" (عبرانیوں ۴:۴)

قَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجیے اور نمازوں کے بعد بھی ۳۸ اور کان لگا کر سنو ۳۹ اس

يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ

دن کے پاس سے جب پکارنے والا القریب سے پکارے گا ۴۰ جس دن سن لیں گے سب لوگ ایک کڑکدار آواز بالیقین۔ وہی دن (قبروں سے)

يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ

نکلنے کا دن ہوگا۔ بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔ جس روز زمین پھٹ جائے گی ۴۱

۳۸ حضرت ابن عباس سے مروی ہے الصلوٰۃ قبل الطلوع الفجر وقبل الغروب الظهر والعصر ومن الليل العشاءان وادبار السجود النوافل بعد الفرائض۔ یعنی طلوع آفتاب سے قبل نماز سے مراد فجر ہے اور غروب سے قبل مراد ظہر اور عصر ہے اور من اللیل سے مغرب اور عشاء۔ ادبار السجود سے وہ نوافل مراد ہیں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ (روح المعانی)

ادبار السجود سے مراد وہ اذکار بھی ہیں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور جو احادیث صحیحہ میں بکثرت موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہے اور آخر میں کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر تو اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (رواہ الشیخان)

۳۹ جو بات اب بتائی جانے والی ہے وہ بڑی اہم ہے اس لیے اس کے ذکر سے پہلے استمع کہہ کر متوجہ کیا کہ کان کھول کر سنو یہ کیا ہونے والا ہے۔

۴۰ اس روز منادی کرنے والا منادی کرے گا اور ہر شخص یوں محسوس کرے گا کہ یہ آواز کہیں دور سے نہیں آ رہی بلکہ بالکل قریب سے آ رہی ہے۔

۴۱ قبروں سے ان کے نکلنے کا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ زمین اوپر سے پھٹ جائے گی اور وہ جھٹ پٹ قبروں سے نکلنا شروع ہو جائیں گے۔

سراعا جمع ہے سریع کی اور یخرجون مقدر ہے ھم ضمیر اس کا حال ہے۔ جمع سریع حال من الضمير المرفوع في الفعل المقدر اي يخرجون سراعا (مظہری)

الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے ۴۴ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں

وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع

اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ۴۲ بس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے ۴۳

۴۱ یہ ہے حشر کی کیفیت۔ یہ نہیں کہا کہ بڑا آسان ہے بلکہ فرمایا یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے کیونکہ ہمارا علم اور ہماری قدرت ہر چیز کو احاطہ میں لیے ہوئے ہیں۔

۴۲ سالہا سال سے اللہ کا محبوب انہیں خواب غفلت سے بیدار کر رہا ہے۔ انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنا رہا ہے لیکن ان کی ہٹ دھرمی میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے جس سے حضور کو گرانی محسوس ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ہم ان کی کارستانیوں سے خوب واقف ہیں۔ ان کی باتوں کو خوب سن رہے ہیں۔ آپ رنجیدہ خاطر کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا کہ سختی اور تشدد سے کام لے کر آپ ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ اس کے بارے میں آپ جواب دہ نہیں۔

۴۳ اے میرے پیارے رسول! آپ قرآن کریم کی آیات سے ان کو یاد دہانی کراتے رہیے جو ہمارے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہی اس کو کان لگا کر سنیں گے، وہی اس کو سمجھیں گے اور انہی خوش نصیبوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

○

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيِّكَ الْمُرْتَضٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سورۃ الذاریات

نام : اس کا نام الذاریات ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع، ساٹھ آیتیں، تین سو ساٹھ کلمے، ایک ہزار دو سو اٹھائیس حروف ہیں۔

نزول : باتفاق علماء اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔

مضامین : عقیدۂ قیامت، اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ زندگی کا جو پیکرِ محترم اسلام پیش کرتا ہے اس پر صحیح طور پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے، اس کے فیوض و برکات سے انسان اسی وقت مستفیض ہو سکتا ہے جب قیامت پر اس کا یقین محکم ہو۔ اس لیے متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر یہ بتایا گیا کہ قیامت کی آمد کا وعدہ سچا ہے اور وہ دن ضرور آنے کا جب نیک کو جزا و بد کو سزا ملے گی۔ کفار جو قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس اس انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے صرف قیاس آرائیاں ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ان قیاس آرائیوں سے اس لیے مطمئن ہیں کہ وہ عیش و عشرت کے نشہ میں مدہوش ہیں۔ جب موت کا تلخ گھونٹ پئیں گے اس وقت خوفناک حقائق سے ان کی آنکھیں چار ہوں گی۔ مگر اس وقت جو حسرت و ندامت کچھ حاصل نہ ہوگا۔

پھر بتایا ان کے برعکس کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ہر وقت اپنے رب کریم سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ اس کے ہر ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کی راتیں اس کے ذکر میں گزرتی ہیں۔ اور سحری کے وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں اور جو مال انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے غریبوں اور محروموں کو دیتے رہتے ہیں۔

دوسرے رکوع میں متقیوں کے سرتاج اور مقبولین کے امام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات بیان فرمائے اور پیرانہ سالی میں انہیں فرزندِ ارجمند کی ولادت کا مژدہ سنایا۔

اس کے بعد چند ایسی قوموں کا تذکرہ کیا جو فسق و فجور کی زندگی میں سرشار رہیں۔ اپنے نبیوں کی دعوت کو ٹھکراتی رہیں۔ اس سرکشی کی پاداش میں ان کا جو انجام ہوا وہ سب کے لیے باعثِ عبرت ہے۔

تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت بیان کرنے کے بعد بتایا کہ اسی کے دامنِ کرم میں پناہ لو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ پہلے بھی لوگوں نے اپنے انبیاء کو ساحر اور مجنوں کہا اور سرکشی کرتے رہے۔ اے محبوب، اگر یہ کفار آپ کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کرتے ہیں تو آپ ان سے رخ موڑ لیں اور نصیحت کرتے رہیں۔ اہلِ ایمان اس نصیحت سے

نفع حاصل کریں گے۔ بجز جن و انس کی تخلیق کی غایت بتا دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے احکام کی پابندی کریں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں۔ نہ وہ ان سے رزق مانگتا ہے نہ خوراک کا طلبگار ہے بلکہ ساری کائنات اُس کے دسترخوان کرم کی ریزہ چین ہے اور جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اُن کے لیے ہلاکت اور خرابی ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲۔۴۔۲۰

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ الذاریات مکی ہے اس کی ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو (گرد و غبار) اڑا کر بکھیر دینے والیاں ہیں پھر بادلوں کی جو بوجھ اٹھانے والے ہیں پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والیاں ہیں پھر فرشتوں کی جو تقسیم کرنے والے ہیں ۔ ۱

۱ عرب کہتے ہیں ذرت الریح التراب ، اطارتہ وفرقتہ ۔ ہوا نے مٹی کو اڑایا اور اسے منتشر کر دیا۔ اسی سے الذاریات ہے یعنی جو اڑا کر بکھیر دینے والیاں ۔ وقر بوجھ ۔ الجاریات چلنے والیاں ۔ یسرا آہستہ آہستہ نرم رفتار ۔ مُقسّمات تقسیم کرنے والیاں ۔

اس سورت کی ابتدا بڑی پرجلال ہے ۔ پے در پے چار قسمیں کھائی گئی ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ وقوع قیامت کی اہمیت کفار کے ذہن نشین کی جائے اور اس کے بارے میں جو شکوک و شبہات ان کو پریشان کرتے رہتے ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے ۔ یعنی جس حقیقت کے وقوع پذیر ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور قسم پر قسم کھا رہا ہے اس کے بارے میں تو کسی کو ادنیٰ سا تردد بھی نہیں ہونا چاہیے ۔

ان آیات کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے منقول ہے ۔ آپ کے ارشاد کے بعد کسی کا قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا ۔ امیر المومنین نے ایک روز برسر منبر یہ اعلان فرمایا کہ مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو ۔ ولن تسئلوا بعدی مثلی پھر میرے جیسا بتانے والا تمہیں کوئی نہیں ملے گا ۔ ابن الکواء نامی ایک شخص اٹھا اس نے ان آیات کا مطلب دریافت کیا آپ نے ارشاد فرمایا فالذاریات ۔ الریاح کہ ذاریات سے مراد ہوائیں ہیں جو چیزوں کو اڑاتی اور بکھیرتی رہتی ہیں ۔ حاملات سے مراد السحاب یعنی بادل ہیں جو پانی کی عظیم مقدار بخارات کی صورت میں اٹھائے پھرتے ہیں ۔ الجاریات سے مراد الفلک یعنی کشتیاں ہیں جو سینکڑوں آدمیوں اور بے شمار سامان کو اٹھائے آہستہ آہستہ سطح آب پر منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتی ہیں ۔ المقسمات سے مراد الملائکۃ یعنی وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رزق اور نعمتوں کی تقسیم پر متعین ہیں ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے ۔

بعض علماء نے ان چاروں صفات کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے ۔ اس میں یکسانیت تو بے شک ہے لیکن متعدد قسموں سے کلام میں جو قوت اور جلال پیدا ہوتا ہے وہ مفقود ہو جاتا ہے اور یہی بیان مختار اور مقصود ہے ۔

اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ

بانٹنے والیوں کی ۔ بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے سے اور یقیناً جزا و سزا کا دن ضرور آنے کا ہے سے قسم ہے آسمان

ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ

کی جس میں راستے ہیں سے بے شک تم مختلف و بے ربط باتوں میں پڑے ہو سے منہ پھیرتا ہے اس (قرآن) سے جس کا مقدر ازل سے

سے تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا ۔ اس دنیوی زندگی کے بارے میں تم سے بازپرس ہوگی اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی ۔ ہم بار بار قسم کھا کر تمہیں بتا رہے ہیں کہ یہ وعدہ سچا ہے ۔ اس میں قطعاً کوئی شک نہیں۔

سے اور بے شک جزا و سزا وقوع پذیر ہو کر رہے گی ۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے پر اس لیے اتنا زور دیا ہے کہ وہ پاکیزہ انسانی معاشرہ جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں ۔ قانون کتنا سخت اور مکمل کیوں نہ ہو انسانی زندگی کے ایک محدود حصہ پر اپنی بالادستی قائم کر سکتا ہے ۔ چہ اس قانون میں بھی کوتاہیاں کے بے شمار امکانات ہیں ۔ انسان کی جلوت و خلوت اسی وقت نفس اور شیطان کی دست درازیوں اور ہنگامہ آرائیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے جب اسے یقین ہو کہ قیامت کے روز اسے اس ہستی کے سامنے جوابدہ ہونا ہے جو اس کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے اور جس سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان جسے عقل و فہم کی نعمت بخشی گئی ہے ۔ جسے بے پناہ وسائل کا مالک بنا دیا گیا ہے ۔ جسے اختیار و حرکت کی پوری آزادی دی گئی ہے ۔ اس سے اس کے تمام اعمال کے بارے میں بازپرس کی جائے ۔ ورنہ ایک حیوان اور انسان میں کوئی تفاوت باقی نہیں رہے گا۔

سے حُبُكْ جمع ہے اس کا واحد حبیک ہے ۔ اس لفظ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں ۔ وہ کپڑا جس کو بنتے وقت بڑی نفاست اور خوبصورتی سے بنا ہو تو عرب کہتے ہیں حبک الثوب یحبک ۔ حبک کا

حسات ۔ ان لہروں کو بھی کہتے ہیں جو ہوا کے چلنے سے ریت یا ساکن پانی میں پیدا ہوتی ہیں ۔ حبک کا معنی طریق ؛ راستے بھی ہے ۔ اور حبک کہکشاں کو بھی کہتے ہیں ۔ تیز گھنگھریالے بالوں میں جو سلوٹیں ہوتی ہیں انہیں بھی حبک کہا جاتا ہے ۔ (قرطبی)

اکثر علماء نے اس سے مراد طرائق یعنی راستے لیے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آسمان کی قسم کھا رہے ہیں ۔ وہ آسمان جس میں ستاروں کی مختلف قسم کی حرکات کے باعث ان گنت راستے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جو مختلف اور متقابل سمتوں میں جا رہے ہیں ۔ کہکشاں کا معنی بھی انسب ہے ۔ اس کے باعث آسمان کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور اس کے بارے میں جدید تحقیقات نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں یعنی کہکشاں والے آسمان کی قسم۔

سے اے کافرو ! راستوں والے آسمان کی قسم تمہاری کوئی رائے قطعی نہیں ۔ تمہاری کوئی بات حتمی نہیں ۔ حضور نبی اکرم کے بارے میں رائے زنی کرتے ہو تو کبھی کہتے ہو یہ جادوگر ہے ۔ کبھی اسے کاہن اور مجنون کہتے ہو ۔ اور کبھی اس پر شاعر ہونے کی تہمت لگاتے ہو ۔ اسی طرح

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿١١﴾

جو پھیر دیا گیا ہے اسے پھیر دیا ماراجائے اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کو جو غفلت (کے نشہ) میں بے خبر پڑے ہیں

قرآن کریم کے بارے میں بھی تمہاری کوئی متفقہ رائے نہیں۔ کبھی اسے سحر کہتے ہو اور کبھی اسے شعر کہتے ہو اور تم میں سے جو زیادہ ثقہ سمجھے جاتے ہیں وہ اس پرازحکمت کتاب کو اساطیر الاولین (جھوٹے افسانے) کہنے سے بھی نہیں شرماتے۔ قیامت کے بارے میں بھی تمہاری آرا کا تضاد حیرت انگیز ہے۔ تم میں اکثر تو اس کا انکار کرتے ہیں بعض تناسخ کے قائل ہیں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہوش و فہم سے کام نہیں لیتے۔ دلائل و براہین سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتے بلکہ محض ظن و تخمین کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہو اور وہم و گمان پر اپنے مفروضات کی بنیادیں رکھتے ہو۔

ملے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ اَفَكَهُ ۔ یَأْفِكُهُ ۔ اِفْكًا ای قَلَبَهٗ وَصَرَفَهٗ عَنِ الشَّیْئِ کسی شے سے کسی کا رخ پھیر دینا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں رجل مأفوک۔ مصروف عن الحق الی الباطل یعنی جو شخص حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف متوجہ ہو جائے اسے مأفوک کہتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص حق قبول کرنے سے منہ موڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی دستگیری نہیں کرتی اور اسے گمراہی کی ٹھوکریں کھانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں ای یصرف عن الایمان محمد والقرآن من صرف یعنی جو رو گردانی کرتا ہے اسے اللہ کے نبی اور قرآن پر ایمان لانے سے روک دیا جاتا ہے۔

ملے قتل کا معنی جان سے مار دینا ہے لیکن یہاں بددعا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی ان پر لعنت اور پھٹکار ہو۔ خرص، بغیر تحقیق کے محض قیاس و گمان سے کوئی بات کہہ دینے کو عربی میں خرص کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں پر لگے ہوئے پھل کے بارے میں صرف اندازہ سے جو مقدار بتائی جاتی ہے اسے خرص کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کفار حضور نبی کریم، قرآن کریم اور قیامت کے بارے میں جو بجانت بجانت کی بولیاں بول رہے ہیں یہ محض ان کی قیاس آرائیاں اور اٹکل پچو باتیں ہیں۔ جو لوگ زندگی کی ان بنیادی حقیقتوں کے بارے میں محض قیاس آرائی پر اکتفا کرتے ہیں انہیں بڑی بھیانک ناکامی اور روح فرسا مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خود سوچو جس دن ان لوگوں کو حشر کے میدان میں لا کھڑا کیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنی دنیوی زندگی کا حساب پیش کرو، تم نے ہماری دی ہوئی قوتوں کو کیسے استعمال کیا۔ ہماری بخشی ہوئی دولت کو کس طرح خرچ کیا۔ ہمارے احکام کی کہاں تک تعمیل کی۔ اس وقت ان لوگوں پر جو گزرے گی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی لیے قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ کے رعب دار الفاظ سے ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی سعی فرمائی گئی ہے۔

ملے علامہ راغب اصفہانی غمرۃ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اصل الغمر۔ ازالۃ اثر الشیئ ومنہ قیل للماء الکثیر الذی یزیل اثر مسیلہ غمر وغامر والغمرۃ معظم الماء الساترۃ لمقرھا وجعل مثلا للجھالۃ التی تغمر صاحبھا یعنی غمر کا اصل معنی کسی چیز کے اثر و نشان کو مٹا دینا ہے۔ کثیر پانی کو بھی غمر کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی اپنے بہنے کی جگہ

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

وہ پوچھتے ہیں روزِ جزا کب آئے گا ۹ جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے ۱۰

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

اپنی سزا کا مزہ چکھو ۱۱ یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ البتہ اللہ سے ڈرنے والے

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

(اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے ۱۲ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا ۱۳ بے شک یہ لوگ

قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ

اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے ۱۴ یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ۱۵ اور

کو چھپا دیتا ہے کیونکہ جہالت بھی جاہل کو بالکل ڈھانپ دیتی ہے اور لوگوں کی آنکھوں سے اسے اوجھل کر دیتی ہے اس لیے اسے بھی خرص کہا گیا ہے۔

۹ ان کا یہ سوال طلبِ علم کے لیے نہ تھا بلکہ بطورِ استہزاء تھا۔

۱۰ اسی قسم کا ایک انہیں جواب بھی دیا گیا عرب کہتے ہیں فتنت الذهب اذا احرقته یعنی جب تو سونے کو پرکھنے کے لیے آگ میں جلائے تو کہا جاتا ہے فتنت الذهب۔ آیت میں یفتنون انہی معنوں میں مستعمل ہے یعنی جس روز انہیں آگ میں تپایا جائے گا۔

۱۱ انہیں کہا جائے گا کہ اپنے کرتوتوں کا عذاب چکھو۔

۱۲ اشرار کے ذکر کے بعد اب اخیار کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا جنت کے سرسبز باغات میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ان کی شاخوں پر رنگ برنگ پھول کھل رہے ہوں گے۔ ان کی شاخیں لذیذ، رسیلے اور خوبصورت پھلوں سے لدی ہوں گی۔ وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے پھوٹ رہے ہوں گے اور اس ماحول کو مزید شگفتہ اور شاداب بنا رہے ہوں گے۔

۱۳ بڑا پرلطف جملہ ہے۔ مولا کریم اپنے دستِ کرم سے خود انہیں نعمتیں عطا فرما رہے ہوں گے اور یہ بصد شکر و ہزار مسرت انہیں وصول کر رہے ہوں گے۔ اے آقا! یہ لطف جو اس میں ہے اس کا اندازہ ہمارے بس میں نہیں۔

۱۴ ان نوازش ہائے بے پایاں کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی دنیوی زندگی میں نیکوکار تھے ان کے دامنِ حیات پر نافرمانی کا کوئی داغ نہیں۔ جب وہ عبادت کرتے تھے اس وقت ان کی محویت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے اور اپنے محبوب کے حسنِ لازوال کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتے۔

۱۵ ان کی دوسری خوبی یہ تھی کہ ان کی راتیں فسق و فجور کی نذر نہیں ہو جایا کرتی تھیں اور نہ یہ شام سے دن چڑھے تک غفلت کی

چادر اوڑھے نیند میں مست پڑے رہتے تھے بلکہ تھوڑی دیر سستانے کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے اور باقی رات ذکر و عبادت میں بسر کر دیتے۔ جب سحری کا وقت ہو جاتا تو اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے احساس سے مضطرب ہو جاتے اور بادیدہ گریاں اپنی تقصیرات کی مغفرت طلب کرتے کیونکہ وہاں دل شکستہ ہی رحمت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

در کوئے عشق شوکتِ شاہی نمی خرند ۔۔۔ اقرار بندگی کن و دعوائے چاکری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو سحری کے وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے کی بڑے دلنشیں انداز میں ترغیب دی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل اللہ الی السماء الدنیا کل لیلۃ حین یمضی ثلث اللیل ویقول انا الملک من الذی یدعونی فاستجیب لہ من الذی یسئلنی فاعطیہ من الذی یستغفرنی فاغفر لہ۔

یعنی جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ میں بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد ادا فرمایا کرتے اور اس کے بعد جو ذکر اور دعا حضور فرمایا کرتے وہ پیشِ خدمت ہے۔ خدا کرے کوئی صاحبِ دل اس کو یاد کر لے اور اسے اپنا وظیفہ بنا لے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ
اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَعْدُكَ
الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ
وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ
وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَيْكَ
الْمَصِيْرُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ
اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

ترجمہ: اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کو قائم رکھنے والا ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کا بادشاہ ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ تو حق ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے تیری ملاقات حق ہے۔ تیرا فرمان حق ہے۔ آگ حق ہے۔ سارے نبی حق ہیں اور تیرا محبوب، محمد (علیہ السلام) حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنا سر تیرے آگے خم کر دیا ہے۔ میں تجھ پر ایمان لے آیا ہوں۔ تجھ پر ہی میرا بھروسہ ہے۔ میں تیری طرف ہی دل سے مائل ہوں۔ میں تیری مدد سے ہی دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں اور تجھے ہی اپنا حکم تسلیم کرتا ہوں۔ تو ہی سب کا رب ہے اور تیری طرف ہی ہم نے لوٹنا ہے۔

اے اللہ! میرے گزشتہ گناہ بھی بخش دے اور آئندہ گناہ بھی معاف کر دے جو میں نے چھپ کر کیے ہیں اور جو میں نے علانیہ

بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

سحری کے وقت اپنی خطاؤں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے ۱۵ اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۱۶

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لیے ۱۷ اور تمہارے وجود میں بھی نشانیاں ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتیں ۱۸

کیے ہیں اے میری وہ خطائیں بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے ہے تو ہی سب سے بعد میں ہے تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

۱۵ سحری کا وقت کس قدر بابرکت ہے اور جو لوگ اللہ کی جناب میں اس وقت حاضر ہو کر دامن طلب پھیلاتے ہیں ان پر کیسی کیسی نوازشات کی جاتی ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں یہ توفیق نصیب ہوتی ہو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

اور حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا ارشاد بھی سنیے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

۱۶ ان کی تیسری خوبی یہ تھی کہ اگر کوئی سائل ان کے در پر آ جاتا تو وہ اسے خالی ہاتھ اور تہی دست واپس نہ کرتے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ فلاں شخص کسب معاش سے معذور ہے، مرض یا قرض نے اس کی کارکردگی کی صلاحیت کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے یا صاحب عیال بیوہ ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں یا کسی گھر میں کوئی یتیم بچہ ہے تو وہ خود وہاں دوڑے ہوئے جاتے اور حسب مقدور ان کی خدمت بجا لاتے اور ایسا کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے نہ کسی پر احسان جتلاتے اور نہ کسی سے شکر گزاری کی تمنا کرتے۔

اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے۔

۱۷ پہلے تو صرف یہ کہا گیا کہ اے کفار! ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ قیامت ضرور برپا ہو گی۔ اب ان کی توجہ تکوینی اور آفاقی دلائل کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے جو زبان حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان برحق ہے۔ فرمایا اس زمین کی ساخت اور اس میں رونما ہونے والے عجیب و غریب تغیرات میں غور کرو، قدم قدم پر تمہیں ایسے آثار و نشانات ملیں گے جن کو اگر تم نے غور سے دیکھا تو حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

۱۸ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر ان کی آفاقی دلائل کو وہ اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کے حکیمانہ نظام کی باریکیوں اور نزاکتوں کو سمجھ سکیں تو وہ اپنی ذات میں ہی غور و فکر کریں کہ کس طرح ایک حقیر قطرہ سے اس کی آفرینش کا آغاز ہوتا ہے، کس طرح وہ پے در پے نازک ترین تغیر کی منزلیں طے کر کے ہوا وہ بے جان لوتھڑا ایک زندہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر وہ ننھا ناتواں بچہ کس طرح آہستہ آہستہ پروان چڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی خوبیاں پرورش پا کر عروج کمال تک پہنچتی ہیں۔ حصول علم کے لیے جو ظاہری اور باطنی وسائل اسے بخشے گئے ہیں،

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ؎ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿۲۳﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ

حق ہے ؎ بالکل اسی طرح جس طرح تم باتیں کرتے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ؎ ابراہیم علیہ السلام کے معزز

الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۴﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿۲۵﴾

مہمانوں کی ؎ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو (دل میں سوچا) یہ انجان لوگ ہیں ؎

عمل اور اختیار کی جس آزادی سے اسے نوازا گیا ہے۔ اس کی رو سے وہ جو خیر و شر کی جو صلاحیتیں اس میں ودیعت کی گئی ہیں اگر ان تمام امور میں غور کیا جائے اور ان حقائق کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور علم محیط پر یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی خلش باقی نہیں رہتی کہ ایسی ہستی اگر مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہے تو اس کا کوئی مشکل نہیں۔

۲۰؎ یہاں رزق سے مراد وہ چیز ہے جس کی انسان کو اپنی بقا، ارتقا، ذہنی، جسمانی اور روحانی نشوونما کے لیے ضرورت ہوتی ہے فرمایا ہر قسم کی نعمتوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں۔ ہم سے مانگو ہم تمہاری جھولیاں بھر دیں گے۔

۲۱؎ پہلے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائیں۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی ذات والا صفات کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ یوم جزا حق ہے اور ضرور آئے گا۔ اس روز تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا یا قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اسے کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا۔ انہ لحق میں ضمیر کا مرجع قرآن اور آخرت دونوں ہو سکتے ہیں۔

۲۲؎ یہاں سے قانون مکافات کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی واقعات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس رکوع میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان متعدد قوموں کا ذکر ہے جو راہ راست سے بھٹک گئیں ان کو ہدایت دینے کے لیے انبیائے کرام تشریف لائے انہوں نے بڑی دلسوزی سے انہیں سمجھایا لیکن جب ان کی مخلصانہ کوششیں بھی رائیگاں ہو گئیں اور وہ لوگ گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے تو انجام کار مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا اور انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا۔ رکوع کی ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں اور ایک فرزند ارجمند کی ولادت کی بشارت کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر بات اصل مقصد کی طرف بڑھتی چلی گئی ہے۔

یہ واقعہ دوسرے مقامات پر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ ہود ضیاء القرآن، سورۂ حجر ضیاء القرآن اور دیگر مقامات پر۔

۲۳؎ آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی تعداد دو یا اس سے زیادہ تھی اور کم سے کم تین بتائی گئی ہے لیکن ضیف (مہمان) کا لفظ واحد کا استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ضیف مصدر ہے اور مصدر ایک، دو یا زیادہ کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

۲۴؎ ان کی شکل و صورت دیکھ کر دل ہی دل میں کہا یہ لوگ غریب الدیار اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگوں سے

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا

پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑا (بھون کر) لے آئے ۲۵ پھر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں

تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ

نہیں ۲۶ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے ڈریئے نہیں ۲۷ اور انہوں نے بشارت دی آپ کو

عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ

ایک صاحب علم بیٹے کی۔ پس آگے آئی آپ کی بیوی حیرت سے چیختی ہوئی ۲۸ پھر اپنا ماتھا پیٹا اور بولی (میں) بوڑھی (اور)

عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

بانجھ (کیا میرے) ہاں بچہ ہوگا! انہوں نے کہا ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے۔ بیشک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان کی وضع قطع بالکل عجیب نظر آتی ہے۔

۲۵ راغ کا معنی ہے اِنْسَلَّ خفیۃ فی سرعۃ تیزی سے چپکے چپکے کھسک جانا یعنی اپنے مہمانوں کو آرام سے بٹھایا، خود چپکے سے اٹھے اور ان کی ضیافت کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ جلدی جلدی ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا، اس کو بھونا اور اٹھا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۲۶ کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا ہے لیکن مہمان ہیں کہ کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ کھانا تناول نہیں کریں گے؟ قبائلی زندگی میں ایک دستور تھا کہ اگر مہمان ضیافت قبول کر لیتا تو سمجھا جاتا کہ اس کا آنا خیر سے ہوا ہے، لیکن اگر وہ کھانا تناول کرنے سے انکار کر دیتا تو سمجھ لیا جاتا کہ یہ کسی بری نیت سے یہاں آیا ہے۔ جب فرشتوں نے ہاتھ آگے نہ بڑھائے تو آپ کو ان سے ایک گونہ خدشہ سا محسوس ہونے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ نے دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں بڑھاتے تو آپ سمجھ گئے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے لباس بشری میں آئے ہیں اور ان کا اس طرح لباس بشری میں آنا خطرے سے خالی نہیں۔ عن ابن عباس انہ علیہ السلام وقع فی نفسہ انہم ملائکۃ ارسلوا للعذاب فخاف۔

۲۷ فرشتوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ ہراساں نہ ہوں، ہم تو آپ کو ایک فرزند ارجمند کی بشارت دینے حاضر ہوئے ہیں۔

۲۸ حضرت سارہ قریب ہی کہیں بیٹھی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال سے متجاوز تھی۔ انہوں نے جب یہ سنا کہ ایک بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے تو اپنے جذبات تحیر کو ضبط نہ کر سکیں اور جہاں حضرت ابراہیم فرشتوں سے مصروف گفتگو تھے وہاں آ پہنچیں اور کہنے لگیں کہ آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں بڑھیا اور بانجھ،

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرستادو! ۲۹ وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو

میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا؟ یہ کیونکر ممکن ہے۔ آیت میں دو لفظ تحقیق طلب ہیں۔ صرۃ اور فصکت

علامہ ابن منظور نے صرۃ کی تحقیق کرتے ہوئے کئی معلومات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے قال الزجاج الصرۃ اشد الصیاح تکون فی الطائر والانسان وغیرھما یعنی زور سے چیخنے کو صرۃ کہتے ہیں خواہ وہ چیخ پرندہ کی ہو یا انسان کی۔ یعنی جب مائی صاحبہ نے بچہ کی ولادت کا مژدہ سنا تو ان کے تحیر کی کوئی حد نہ رہی۔ چیخیں اور شور مچاتی وہاں آئیں۔ صرۃ کا دوسرا معنی ابن منظور نے جماعت لکھا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب آپ نے یہ بات سنی تو جو عورتیں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر تھیں ان کو ساتھ لے کر آپ تشریف لے آئیں۔

آخر میں انہوں نے اس لفظ کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے۔ چونکہ وہی مناسب حال ہے اس لیے میں نے اس کو پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ الصرۃ تقطیب الوجہ من الکراھۃ۔ اظہار ناپسندیدگی کے لیے چہرہ پر بل ڈالنا۔ یعنی جب انسان از حد متحیر ہوتا ہے اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتا ہے اور اس کا چہرہ سمٹ جاتا ہے۔ اور یہ ایک قدرتی امر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصکت، عورتوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ جب وہ حیرت زدہ ہوتی ہیں تو اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہیں۔ شوہر محترم کی عمر سو سال اور اپنی عمر نوے سال، اس پر یہ بشارت کہ تم بچہ جنوگی۔ اس پر مائی صاحبہ جتنا بھی اظہار حیرت کرتیں کم تھا۔

بعض نادان لوگ فصکت وجھھا کے لفظ سے ماتم کرنے اور پیٹنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اسے حضرت سارہ کی سنت کہتے ہیں۔ وہ خود ہی فرمائیں کہ کیا انہیں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ایسی ہی مسرت اور حیرت ہوئی ہے جیسی کہ حضرت سارہ کو فرزند کی بشارت سے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہی ہے تو انہیں زور زور سے منہ پر طمانچے مارنے چاہئیں۔ خاندان نبوت کی پامالی پر جتنا حیرت اور جس طرح مسرت کا اظہار کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے امام پاک کو دھوکہ سے کوفہ بلایا اور بعد ازاں بدلہ کے ساتھ دل کر گلستان نبوت کی کائنات کو تاراج کیا۔ اگر ایسے ہم بارگاہ منصوبہ کی کامیابی پر وہ خوش نہ ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا۔ لیکن وہ ایمان دار جن کے دل سانحہ کربلا سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں، جن کی آنکھیں اس حادثہ فاجعہ سے اشکبار رہتی ہیں وہ کس طرح خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

خوشی اور حیرت کے موقع پر کسی عورت کا اپنے منہ پر ہلکا طمانچہ لگانا اور بات ہے اور کسی کے غم میں اپنا منہ اور سینہ لہولہان کرنا اور بات۔ اسلام جو صبر کا سبق دیتا ہے وہ ان مردان پاکباز کا ماتم کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا جنہوں نے اپنے رب کریم کا نام بلند کرنے کے لیے اپنا سر کٹا دیا ہو، اپنا گھر لٹا دیا ہو اور اپنے بھائی اور بچے ذبح کرائے ہوں۔ اسلام تو ان کو مردہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اپنے ماننے والوں کو بتاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ ان کے بارے میں یہ گمان کرنا ہی سراسر غلط ہے کہ وہ مردہ ہیں۔

۲۹۔ اس گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد ان سے ان کے آنے کا مقصد دریافت کرتے ہیں۔ فرشتوں کا نشرحی لباس میں آنا کوئی معمولی

مُّجۡرِمِيۡنَ ۙ لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ

جرائم پیشہ ہے ۳۰؎ تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب

رَبِّكَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ ۙ فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ

کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو ۳۱؎

فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۚ وَتَرَكۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيَةً

پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے۔ اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک

لِّلَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ؕ وَفِىۡ مُوۡسٰٓى اِذۡ اَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى

نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ۳۲؎ اور داستان موسیٰ میں (بھی) نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا

بات ہوتی اس لیے آپ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی اہم در پیش ہے جس کو سر کرنے کے لیے آپ تشریف لائے۔ الخطب کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب کہتے ہیں۔ الخطب، الامر العظیم یکثر فیہ التخاطب (مفردات) یعنی وہ اہم کام جس کے بارے میں بکثرت تبادلہ خیال کیا جائے۔ منجد میں ہے الخطب الشان، الامر صغر او عظم وغلب استعمالہ للامر العظیم المکروہ۔ یعنی ویسے تو الخطب ہر کام کو کہتے ہیں بڑا ہو یا چھوٹا، لیکن اس کا غالب استعمال کسی اہم لیکن ناخوشگوار کام کے لیے ہوتا ہے۔

۳۰؎ فرشتوں نے بتایا کہ وہ قوم لوط کو فنا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ سکا یہی السموات میں ان کے لیے ایسے پتھر تیار کیے گئے ہیں جن پر خاص نشان لگا دیے گئے ہیں اور ہر پتھر ایک مجرم کی سرکوبی کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ ان نشان زدہ پتھروں کی ان مجرموں پر موسلا دھار بارش کر دیں۔ مسومۃ جن پر نشان لگا دیا گیا ہو۔

۳۱؎ حضرت خلیل کے پوچھنے پر فرشتوں نے از خود بتا دیا کہ آپ فکر نہ کریں حضرت لوط اور ان کے اہل خانہ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس ساری بستی میں یہ ایک ہی خاندان ہے جس نے حق کا پرچم بلند رکھا۔ نہ باطل کو قبول کیا اور نہ اس سے مصالحت کی بلکہ اس کو نیچا دکھانے کے لیے مقدور بھر جدوجہد کرتا رہا۔ سو ہم نے ان کو وہاں سے نکال لینے کا پوری طرح انتظام کر لیا ہے۔

آپ یہ جانتے ہیں کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔

۳۲؎ بحر مردار (DEAD SEA) کا محل وقوع بتا رہا ہے کہ یہاں پہلے بڑے بڑے شہر آباد تھے جو بعد میں کسی زلزلہ کی وجہ سے زمین میں دھنس گئے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو الّلسان (اس بحیرہ کا جنوبی حصہ) پر بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر

فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر ۳۳ پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ۳۴

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ

تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا ۳۵ اور (قوم) عاد میں (بھی) نشان عبرت ہے

ضرور آباد ہوگا مگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں جس کے لئے اتنا بڑا قبرستان ہی سکتا ہو۔ اس سے بھی یہ شبہ تقویت پاتا ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرہ میں غرق ہو چکا ہے۔ (تفہیم القرآن، سورۃ الذاریات)

مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن، سورۃ الاعراف آیات ۸۰ تا ۸۴ کا مطالعہ کیجیے

۳۳۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اے اہل مکہ! جس طرح تمہارے پاس میرا رسول مکرم دلائل و براہین کی روشنی لے کر آیا ہے اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو سلطان مبین (روشن دلیل) دے کر فرعون کی طرف بھیجا تھا تاکہ اس کو قبول حق کی دعوت دے لیکن فرعون نے اپنے لشکر جرار، اپنی بے پایاں طاقت اور اپنی ذاتی قوت کے بل بوتے پر ایک روشن صفت رسول کی بات ماننے سے منہ پھیر لیا جو اس کا انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

۳۴۔ فتولی برکنہ کے الفاظ تحقیق طلب ہیں۔ رکن کا معنی ذاتی قوت بھی کیا گیا ہے اور اس سے مراد اس کا لشکر، اس کی فرمانبردار رعایا بھی لی جا سکتی ہے۔ تب مصاحبۃ کی بھی ہو سکتی ہے اور تعدیہ کی بھی۔ مصاحبۃ کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس نے اپنے لشکر، اپنے اعوان و انصار اور اپنی قوم سمیت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو سننے سے منہ پھیر لیا اور اگر ب تعدیہ کے لیے ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس نے اپنے لشکر جرار، اپنے اعوان و انصار یا اپنی ذاتی طاقت سے مغرور ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔ برکنہ، ای بقوتہ۔ یعنی اس نے اپنی ذاتی قوت کے بل بوتے پر آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا یہ شخص یا تو جادوگر ہے اور یا اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اسے یہ خبر ہی نہیں کہ وہ کس کے دربار میں کھڑا ہے اور کیا بات کر رہا ہے۔

۳۵۔ جب یہ واقعہ ہوا ہوگا تو آنًا فانًا فرعون اور اس کے لشکر جرار کی غرقابی کی خبر ارد گرد کے علاقوں میں پہنچ گئی ہوگی لیکن اس عظیم سانحہ پر کوئی آنکھ نمناک نہ ہوئی کسی نے بھی اظہار افسوس تک نہ کیا۔ بلکہ سب کی زبان پر یہی بات تھی کہ خس کم جہاں پاک، فرعون بڑا ظالم تھا اور اس کا یہی انجام ہونا تھا۔ وھو ملیم میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کو لوگ ملامت کرتے رہے اور برا بھلا کہتے رہے۔ ملیم کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب لسان العرب لکھتے ہیں الام الرجل فھو ملیم، اذا اتی ذنبا یلام علیہ۔ جب کوئی شخص ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جو قابل ملامت ہو تو اس شخص کو ملیم کہتے ہیں۔

جوہری کہتے ہیں الام، صار ذا لائمۃ۔

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ

جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی ۳۶ نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی

إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾

مگر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی۔ اور (دوسرا واقعہ) ثمود کی ہلاکت میں ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک ۳۷

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا

پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے درآں حال کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان

اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن

میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی ۳۸ اور نہ وہ (ہم سے) انتقام لے سکے ۳۹ اور قوم نوح کو اس سے

۳۶ قوم عاد کا انجام بھی بڑا عبرتناک ہوا۔ ان کی سرکشی کی جب حد ہو گئی اور ان کو راہ راست پر لانے کی ساری پیغمبرانہ مساعی ناکام ہو گئیں تو ان پر ایسی ہوا کا جھکڑ مسلط کر دیا گیا جو عقیم تھی۔ عقیم بانجھ عورت کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ ہوا ہے جو خیر و برکت سے یکسر عاری ہو۔ نہ بادلوں کو اٹھا کر لائے نہ درختوں کو بار آور کرے نہ اس میں رحمت کا کوئی شائبہ ہو۔ وھی التی لا تلقح سحابا ولا شجرا ولا رحمۃ فیھا ولا برکۃ ولا منفعۃ (قرطبی)۔ دوسرے مقامات پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ جھکڑ آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتا رہا اور جو چیز بھی اس کی زد میں آئی اس کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا۔

۳۷ قوم ثمود نے جب نافرمانی اور سرکشی کی انتہا کر دی اور اس اونٹنی کی کونچیں بھی کاٹ ڈالیں جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی تو انہیں بتا دیا گیا کہ تمہاری بربادی میں صرف تین دن کی مہلت رہ گئی ہے۔ جی بھر کر داد عیش دے لو اور رنگ رلیاں کر لو۔ لیکن انہیں پھر بھی ہوش نہ آیا۔ تین روز بعد ایک ایسی کڑک والی آواز پیدا ہوئی کہ مارے دہشت کے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور ان میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ بیٹھے ہوئے اٹھ سکیں۔

۳۸ من قیام کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ عذاب الہی کو برداشت نہ کر سکے۔ ای ما اطاقوا ان یستقلوا بعذاب اللہ ولا یتحملوہ وفیہ صواب۔

۳۹ اس کے دو معنے ہیں۔ انتصر من عدوہ ای انتقم وانتصر علی خصمہ استظہر۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ان پر اپنا عذاب مسلط کیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنی طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا ان میں سکت نہ رہی کہ وہ ہم سے انتقام لے سکیں اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ہم پر غالب نہ ہو سکے اور اپنی قوت سے ہمارے بھیجے ہوئے عذاب کو ٹال نہ سکے۔

قَبۡلُ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۝ وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا

پہلے (ہی غرق کر دیا) بے شک وہ لوگ بھی اپنے دور کے نافرمان تھے ۔ اور ہم نے آسمان کو قدرت کے ہاتھوں بنایا اور ہم نے

لَمُوۡسِعُوۡنَ ۝ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ۝ وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ

ہی اس کو وسیع کر دیا ۴۲ ۔ اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا پس ہم کتنا اچھا فرش بچھانے والے ہیں ۴۳ ۔ اور ہر چیز کے

۴۰ قوم نوح علیہ السلام کی قوم کی داستان بھی بڑی عبرت افروز ہے ۔ انہوں نے بھی فسق و فجور کو اپنا شعار بنا لیا تھا چنانچہ پانی کا طوفان آیا اور انہیں تنکوں کی طرح بہا لے گیا ۔

۴۱ اس کا عطف قوم نوح پر ہے ۔ یعنی پہلے ہم نے تمہیں اپنی قدرت کے تاریخی دلائل سنائے ہیں ۔ اب ذرا آفاقی دلائل سماعت فرمایئے ۔ پہلے بنایا آسمان کو اس کی وسعت اور فراخی کے ساتھ ہم نے خود بنایا ۔ نہ تو اس کے بنانے میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کے بنانے میں ہمیں کسی سے کوئی مشورہ یا کوئی امداد لینے کی ضرورت پڑی ۔ ہم نے خود محض اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے اس کی تخلیق کی ہے ۔ بِاَیۡىدٍ ای بقوۃ عن ابن عباس ۔ (بحر)

۴۲ مُوۡسِعُوۡنَ : اوسع سے ہے ۔ یہ متعدی اور لازم دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے ۔ متعدی ہونے کی صورت میں اس جملہ کا یہ مفہوم ہوگا کہ ہم نے اسے بڑا وسیع اور کشادہ بنایا ہے ۔ یہاں تک کہ زمین کا یہ طویل و عریض کرہ اس کے سامنے ایسا ہے جیسا دائرہ کے وسط میں ایک نقطہ اور لازمی ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم بڑی وسعت اور غنا کے مالک ہیں ۔ ہماری قدرت بے کراں ہے ۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں ۔ اوسع ، صیرہ واسعا وقیل اوسع الرجل صار ذا سعۃ و غنی و قولہ انا لموسعون ای اغنیاء قادرون ۔ (لسان العرب) [illegible]

اب وہ توح قیامت کا انکار کرنے والے سوچیں اور انصاف سے بتائیں کیا ایسے قدرت والے پر مردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل امر ہے ۔

۴۳ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ زمین جس پر تم آباد ہو لتنے کس نے ایک آرام دہ فرش کی طرح بچھا دیا ہے جس میں تمہارے رزق اور ضرورت کے تمام اسباب مہیا کر دیئے ہیں ۔ فرمایا یہ بتایا کہ ہم نے صرف اسے بچھایا ہی نہیں بلکہ اس کو تمہارے لیے آرام دہ بنا دیا ہے ۔ اس کے بچھانے میں جو خوبی اور حکمت ہے چشم بینا اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے ۔ زرخیز ہموار اور وسیع میدان ہیں ۔ مناسب مقامات پر دریا بہہ رہے ہیں ۔ جگہ جگہ پہاڑ نصب کر دیئے گئے ہیں ۔ زمین کی تہہ میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے سمندر رواں ہیں ۔ میدانی علاقوں میں زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے ۔ لیکن پہاڑوں کی بلندیوں پر بغیر کسی کے کھودے چشمے بہہ رہے ہیں ۔ ہر قسم کی اجناس ، پھل اور سبزیاں اگ رہی ہیں ۔ موسم میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں ۔ لیل و نہار کی گردش کا سلسلہ جاری ہے ۔ زمین کو سورج سے اتنی دوری اور اس ہیئت پر رکھ دیا گیا ہے کہ زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ محو خرام نازہے ۔

آپ اس فرش زمین کو کسی ناقدانہ نظر سے دیکھیں آپ کو اس کے بنانے والے کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اعتراف کرنا

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ

جوڑے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لو) بیشک میں تمہیں اس

مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾

کے غضب سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود۔ بیشک میں تمہیں اس کے غضب سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

پڑے گا ایسی ہستی اگر کہے کہ میں روز حشر زندہ کروں گا تو کون کمبخت اس کا انکار کر سکتا ہے۔

حاشیہ ۴۸ قدرت و حکمت کا ایک اور نشان پیش کیا جا رہا ہے کہ ہم نے ہر چیز بنائی ہے اسے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ باہم اختلاط سے افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہے۔ انسان اور حیوانات میں زوج زوج کا ہونا سب کو ہمیشہ سے معلوم ہے۔ نباتات کی دنیا میں بھی زوجیت کا یہ اصول جس وقت اور خوبی سے کارفرما ہے اس کا پوری طرح اب انکشاف ہوا ہے۔ علمی تحقیقات کے قدم جب آگے بڑھیں گے تو جمادات وغیرہ میں بھی یہ اصول زوجیت کارفرما نظر آئے گا۔

ان کے علاوہ بھی تضادات اور تقابلات کی ایک دنیا آباد ہے۔ رات اور دن، شقاوت و سعادت، ہدایت و ضلالت، آسمان و زمین، سیاہی و سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان۔ انسان کہاں تک گنتا جائے۔ قال مجاهد اشارة الى المتضادات والمتقابلات كالليل والنهار والشقاوة والسعادة والهدى والضلال والسماء والارض والسواد والبياض والصحة والمرض والكفر والايمان۔ (بحر المحيط)

حاشیہ ۴۹ مقصد تو یہ ہے کہ انہیں ایمان قبول کرنے کی دعوت دی جائے لیکن یہاں ففروا کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا بتایا جا رہا ہے کہ شیطان تمہارے پیچھے ہے۔ نہ معلوم کس وقت آکر تمہیں دبوچ لے اس لیے جلدی کرو دیر نہ کرو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ جیسے وہاں پناہ مل جائے اسے شیطان کی وسوسہ اندازیاں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ ففروا من كل شيء الى الله بالتوبة والطاعة والتفريق واستثال الاوامر۔ یعنی ہر چیز سے وہاں غیر اللہ اس کی طرف بھاگو۔ اس راہ میں جو چیز حائل ہو اسے ٹھوکر سے پرے ہٹا دو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تمہاری توجہ اور محبت کا مرکز بن جائے۔ اس کے ذکر اور اس کے انوار کے مشاہدہ میں ہی تم محو ہو اور اس کے ہر حکم کی تعمیل بڑے ذوق و شوق سے کرو۔

حاشیہ ۵۰ اکثر علماء نے منہ کی ضمیر کا مرجع عذاب اور غضب بنایا۔ یعنی میں تمہیں عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ لیکن علامہ حقی نے منہ کا مرجع ذات باری کو بنایا ہے۔ (روح البیان) یعنی میں خود تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ اور نہ کیسے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔ اس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے کہ تمہیں خواب غفلت سے بروقت بیدار کروں۔ مجھے یہ قول بہت پسند ہے۔

حاشیہ ۵۱ یہ آفاقی اور انفسی دلائل جن کا تمہارے سامنے انبار لگا دیا گیا ہے ان سے جس طرح روز قیامت کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح یہ

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا

مَجْنُوْنٌ ٥٢ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ٥٣ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی؟ نہیں بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں۔ پس آپ ان سے رُخِ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی

بِمَلُوْمٍ ٥٤ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥٥ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ

الزام نہیں۔ اور آپ سمجھاتے رہیے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے۔ اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن

حقیقت بھی عیاں ہوگئی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ جب اس عزیز المتعال کارخانۂ کائنات کا خالق اور مالک وہی ہے تو پھر اور کون ہے جس کو اس کا کسی جہت سے بھی دوسرا بنایا جائے یا اس کی عبادت کی جائے۔ اس لیے یہاں واضح طور پر تنبیہ کر دی کہ خبردار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو خدا اور معبود مت بنانا، ورنہ ابدی عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ مجھے اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ تمہیں بروقت خبردار کر دوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! یہ اہل عرب آپ کو کبھی ساحر کہتے ہیں اور کبھی دیوانہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی نرالی بات نہیں آپ سے پہلے بھی جو انبیاء تشریف لائے ان کی قدرناشناس قوموں نے ایسے ہی القابات سے انہیں نوازا ہے۔

زمان و مکان کے واضح بُعد اور تفاوت کے باوجود ان کے فکر اور قول میں یہ یکسانیت کہاں سے آگئی۔ ہر داعی حق کو ہر زمانہ میں ان الفاظ سے کیوں یاد کیا گیا ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہوا کہ اگلے پچھلوں کو وصیت کرتے گئے ہوں کہ ہم نے اپنے نبیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور ان کے ایسے ایسے نام رکھے ہیں۔ یاد رکھنا اگر تمہارے پاس بھی کوئی نبی آئے تو تم بھی ہماری طرح اس کو ساحر اور مجنون کہنا۔

پہلی بات کی تردید کر دی۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی سرکش لوگ ہیں اور پہلے بھی سرکش اور نافرمان لوگ تھے۔ اسی سرکشی نے ان میں فکر و خیال کی یہ یکسانیت پیدا کر دی ہے۔ جب بھی کوئی خیرخواہ کسی سرکش کو اس کی سرکشی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تو وہ اسے اپنی توہین تصور کرتا ہے اور اسے یہ نصیحت جس میں اس کی بھلائی مقصود ہے، اسے ذاتی معاملات میں مداخلت بے جا محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنے ناصح و مشفق کو دیوانہ یا ساحر کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ان سرکشوں کی سرکشی سے آپ کو کیا خوف؟ اے محبوب! آپ ان کے لیے جواب دہ نہیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے آپ اپنے محنت بھرے انداز سے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ یہ جو لوگ اگر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو ان کی قسمت۔ اہل ایمان آپ کے اس چشمۂ فیض سے اپنی کشتِ ایمان کو سیراب کر رہے ہیں اور تا قیامت سیراب کرتے رہیں گے۔ سورج کا کام چمکنا اور ہر سو نور افشانی کرنا ہے اگر اندھے

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ

وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں ۵۶ نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ

يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ

مجھے کھلائیں ۵۷ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دینے والا قوت والا اور زبردست ہے ۵۸ پس ان ظالموں کے لیے

ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ

عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں ۵۹ پس تباہی ہے

اس کی روشنی سے مستفیض نہیں ہو رہے تو کیا ہوا۔ آنکھوں والے تو فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اندھوں کی وجہ سے سورج چمکنا چھوڑ دے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۵۶ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی تشریح یوں بیان فرمائی ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لآمرهم بالعبادة۔ یعنی میں نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں انہیں حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں۔ انسان کو عقل و فہم اور قوت اختیار کی جو نعمتیں ارزانی کی گئی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی جبین نیاز اسی ذات کے سامنے جھکائے جس نے اسے پیدا فرمایا اور اپنے گوناگوں احسانات سے اسے مالا مال فرمایا۔ اب اگر وہ کسی اور کی عبادت کرنے لگے جو نہ اس کا خالق ہے اور نہ اس کا پروردگار ہے یا بالکل الحاد و دہریت کا راستہ اختیار کرنے تو گویا وہ اپنی فطرت سے جنگ آزما ہے اور اپنی طبع سلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۵۷ میں ان سے رزق کا طالب کار نہیں اور نہ اس لیے ان کو اپنی عبادت کا حکم دے رہا ہوں کہ مجھے ان کے سہارے اور ان کی طاقتوں کی حاجت ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! اس میں انہی کا فائدہ ہے۔ میرے حضور میں جب وہ سر نیاز جھکائیں گے تو ان کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں گی حیوانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے ان کو چھٹکارا مل جائے گا۔ ان کا عقاب ہمت ایسی بلندیوں پر پرکشا ہو گا جہاں فرشتوں کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم رہتے ہیں، ساری عمر ان کا قدم حیوانی زندگی کے دائرہ سے ہی باہر نہیں نکلتا۔ انہیں انسانی عظمتوں اور اس کی صلاحیتوں کی بیکرانیوں کا علم ہی نہیں ہوتا۔ حیوانی زندگی کی لذتوں میں ہی وہ مگن رہتے ہیں اور اپنی اصلاح کے زرین مواقع کو ضائع کر دیتے ہیں۔

۵۸ رزق دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی قوت والا اور مضبوط ہے۔ وہ کسی کا دست نگر نہیں۔ ہر چیز اپنے وجود اور اپنی بقا میں اسی کے جود و کرم کی محتاج ہے۔

۵۹ ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں جس سے کنوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ ڈول میں جتنا پانی آتا ہے وہ ڈول کھینچنے والے کا ہی حصہ ہوتا ہے اس لیے ذنوب کا لفظ حصہ اور نصیب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کو

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اُس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۳۳

کے لیے بھی عذاب کا ایک حصہ مقرر ہے۔ جس طرح اپنے اپنے وقت پر پہلی قوموں کے فاسقین کو اپنا اپنا حصہ ملا۔ ان لوگوں کو بھی مل کر رہے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیش نظر ان پر نزول عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ یہ لوگ جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کی جو مہلت انہیں دی گئی ہے اسے بھی بحث و تکرار میں ضائع کر رہے ہیں۔ آپ انہیں فرما دیجئے کہ نزول عذاب کے لیے جلدی مت مچاؤ، عذاب آئے گا اور ضرور آئے گا لیکن اپنے مقررہ وقت پر۔ جب یہ عذاب آئے گا تو یہ ہزار بھاگیں گے لیکن وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔

۳۳ منکرین حق جو آفتاب ہدایت کی ضیاء پاشیوں کے باوجود اندھے بنے ہوئے ہیں اور کفر و الحاد کی راہ پر بھاگے چلے جا رہے ہیں، جب وہ دن طلوع ہوگا جو ان کی تباہی کے لیے متعین ہے تو اس روز ان بدبختوں کی حالت بڑی خوفناک ہوگی۔

○

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَشْهَدُ بِقَلْبِیْ وَاُقِرُّ بِلِسَانِیْ بِاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَكَ الْمُلْكُ وَلَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ وَاَشْهَدُ بِقَلْبِیْ وَاُقِرُّ بِلِسَانِیْ بِاَنَّ سَيِّدِیْ وَمَوْلَایَ فِیْ وُجُوْدِیْ وَقُرَّةَ عَيْنِیْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَصَفِيُّكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَطْيَبَهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَزْكَاهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَسْنَاهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَنْمَاهَا كُلَّمَا ذَكَرَكَ وَذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيِّیْ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ اٰمِيْن بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ۔

○

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف
سُورۃ الطُّور

نام: اس سورت کا نام الطور ہے اور یہ اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں دو رکوع انچاس آیتیں، تین سو بارہ کلمات اور ایک ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس سورۂ مبارکہ کے مضامین، طرز استدلال اور انداز بیان سابقہ سورتوں سے بہت یکسانیت رکھتے ہیں جس سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے زمانۂ نزول میں کوئی زیادہ بُعد نہیں۔

مضامین: کفار یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ قیامت آئے گی اور انہیں صدہا ہزار سال بعد زندہ کر کے داور محشر کے سامنے پیش کیا جائے گا جہاں ان سے ان کی دنیوی زندگی کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ کفار اسے ناممکن اور خلاف عقل کہنے کی رٹ لگا رہے ہیں اور اعلانیہ کہہ رہے ہیں کہ وہ قیامت پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ آغاز سورت میں کئی اہم چیزوں کی قسمیں کھا کر اعلان کیا جا رہا ہے کہ قیامت آئے گی ضرور آئے گی۔ دنیا میں کوئی ایسی قوت نہیں جو قیامت کو برپا ہونے سے روک سکے۔ اگر ایک حقیقت کو نہ مانا جائے تو وہ حقیقت مٹ نہیں سکتی۔ تم اگر ایک سچائی کو تسلیم نہ کرو تو وہ سچائی جھوٹ میں تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ تمہاری ناپسندیدگی، تمہارا شور و غل خداوندی فیصلوں کو بدلنے کی قوت نہیں رکھتا۔ ذرا غور کرو، اگر تم انکار ہی کرتے رہو اور یہاں سے چل دو، پھر الٰہی فیصلہ کے مطابق تمہیں میدان حشر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا تو بتاؤ تمہارا کیا حال ہو گا؟ جس چیز سے مفر نہ ہو اس کو شرح صدر سے تسلیم کر لینا ہی دانائی ہے۔

منکرین اور متقین کے ساتھ قیامت کے روز جو برتاؤ ہو گا اس کی تفصیل بڑے دلنشین انداز میں بیان کی گئی ہے تاکہ انسان خود فیصلہ کر لے کہ وہ کس گروہ میں اپنا حشر پسند کرتا ہے۔

حاصل امر یہ ہے کہ ان میں (آیت ۴۵) فرما کر ایک ابدی صداقت کو آشکارا کر دیا گیا کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور سیرت پاک اسلام کی صداقت کی ایسی روشن دلیل تھی جس کا ان کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ وہ اس کی اثر انگیزی اور جلال کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے اس لیے کسی ایک موقف پر ٹھہرے نہ رہتے۔ کبھی کاہن کہتے، کبھی مجنون، کبھی شاعر ہونے کا الزام لگاتے اور کبھی کہتے یہ کتاب خدا کا کلام نہیں، بلکہ ان کی اختراع ہے۔ ان الزامات کا بڑی خوبی سے رد کر دیا۔

کفار کو جب اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی جاتی تو سخت برہم ہو جاتے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ اس اکڑفوں کی وجہ کیا ہے؟ کیا تمہارا کوئی خالق نہیں یا تم خود اپنے خالق ہو یا زمین و آسمان کی آفرینش میں تمہارا کچھ حصہ ہے؟ جب ان سوالات

کا مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سر نیاز خم کرنے میں کبھی بھی ہرگز تامل نہیں ہونا چاہیے۔

آخر میں اپنے حبیب پاک کو بتایا کہ یہ لوگ لاعلاج مریض ہیں۔ ان کے دل کی آنکھ اندھی ہو چکی ہے۔ انہیں صداقت کا کتنا ہی بڑا معجزہ آپ ان کو دکھائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں ہم آپ سے بے خبر نہیں ہیں۔ آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے آپ سے لاتعلق نہیں ہو گئے۔ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ آپ ہماری آنکھوں میں بس رہے ہیں، کس کی مجال ہے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچائے۔ البتہ دو چیزیں آپ اپنے اوپر لازم کر لیں (۱) اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ صبر سے کریں (۲) ہماری تسبیح و تحمید کو اپنا وظیفہ بنا لیں۔ اس سے آپ کے دل کو تقویت ملے گی اور کسی قسم کا خوف و ہراس آپ کو پریشان نہ کر سکے گا۔

اپنے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں دعوت و ارشاد کی راہ پر چلنے والے ہر رہبر کا فرض ہے کہ وہ ان دو باتوں کا خوب خیال رکھے۔

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰیاتها ۴۹ ركوعاتها ۲

سورۃ طور مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | اس میں انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾

قسم ہے کوہِ طور کی۔ اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔ کھلے ورق پر۔ اور قسم ہے بیت معمور کی۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾

اور بلند چھت کی۔ اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا لے

لے ابتدائی آیات میں جو تشریح طلب الفاظ ہیں پہلے ان کی تشریح کی جائے گی۔ اس کے بعد ان آیات کے مطالب اور معانی بیان کیے جائیں گے۔ بیدہ العصمۃ والتوفیق۔

طور سریانی لغت کا لفظ ہے۔ اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب ہو۔ خشک پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔ بعض نے اسے عربی لغت کا لفظ کہا ہے۔ لیکن اب الطور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کے شرف سے نوازا۔ انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ید بیضاء اور عصا کے معجزات سے مؤید کر کے اس وقت کی دنیا کے سب سے طاقتور اور ظالم حکمران کو دعوت حق دینے کے لیے بھیجا جو خدائی کا دعویدار تھا جس نے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا جس کی سطوت و ہیبت کے سامنے کوئی شخص دم مارنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

مسطور: لکھی ہوئی مرتب کتاب۔

الرق: اس کا معنی ہے کھال، چمڑا۔ قدیم زمانہ میں جبکہ کاغذ سازی کی صنعت ابھی اپنے ابتدائی دور میں تھی حسب ضرورت پائدار کاغذ نایاب تھا اس لیے دستور یہ تھا کہ کھال کو رگڑ رگڑ کر خوب باریک اور مصفیٰ بنا لیا جاتا۔ اس میں چمک سی پیدا ہو جایا کرتی اور ایسی تیار شدہ کھال پر آسمانی صحائف، قیمتی دستاویزات اور شاہی فرامین لکھے جاتے۔

منشور: کھلی ہوئی، جس کا جی چاہے آئے اور مطالعہ کرے۔

البیت المعمور: اس کا لغوی معنی آباد گھر ہے جس میں خوب چہل پہل ہو۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک یہاں اس سے مراد کعبہ شریف ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہر وقت آباد رہتا ہے۔ کوئی طواف کر رہا ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی دعا مانگ رہا ہے، کوئی ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ رات دن میں کوئی ایسی گھڑی نہیں آتی جبکہ وہ عبادت کرنے والوں سے خالی ہو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جس طرح زمین میں کعبہ شریف ہے اسی طرح ہر آسمان میں وہاں کے مکینوں کے لیے ایک قبلہ گاہ موجود ہے جو وہاں کے ذاکرین اور عابدین کا مرکز توجہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر جو قبلہ ہے وہ کعبہ شریف کے عین اوپر ہے۔ یہاں اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے کیونکہ [illegible]

میں اسی کو البیت المعمور فرمایا گیا ہے۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی السماء السابعۃ ... فاذا انا بابراہیم مسند ظہرہ الی البیت المعمور واذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك لا يعودون اليه۔ یعنی جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو وہاں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی جو بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے بیٹھے تھے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ دوبارہ انہیں موقع نہیں ملتا۔ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آسمانی مخلوق کے قبلہ کا نام بیت المعمور فرمادیا تو اس کے بعد کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

السقف المرفوع: اونچی بلند بالا چھت۔ اس سے مراد آسمان ہے۔

والبحر المسجور عربی زبان میں مسجور کے کئی معنی ہیں:

(۱) المسجور الذی ذہب ماؤہ۔ وہ چشمہ یا تالاب جس کا پانی خشک ہو جائے اور زمین میں جذب ہو جائے اسے مسجور کہتے ہیں۔
(۲) وہ تنور جسے ایندھن سے بھر دیا گیا ہو اور وہ خوب بھڑک رہا ہو اسے بھی التنور المسجور کہتے ہیں۔
(۳) مسجور جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور متحرک نہ ہو بلکہ ساکن ہو۔
(۴) حضرت ابن عباس سے مسجور کا معنی محبوس منقول ہے یعنی جس کا پانی ایک جگہ رکا ہے وہاں سے بہہ کر کہیں چلا نہ جائے۔

بے شک وقوع قیامت کے وقت سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا اور قیامت کے روز وہ بھڑکنے لگے گا۔ لیکن یہاں تمام سمندروں کی موجودہ حالت کی اشیاء جاری ہے۔ اس لیے یہاں اس کا تیسرا معنی مراد ہوگا یعنی قسم ہے اس سمندر کی جو پانی سے لبریز ہے یا جس کے پانی کو مقررہ حدود میں بند کر دیا گیا ہے۔

دافع، دور کرنے والا، ٹالنے والا۔

پہلے پانچ قسمیں اٹھائی گئیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ان پانچ عظیم الشان چیزوں کی قسم! مجرمین و منکرین پر عذاب آکر رہے گا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس عذاب کو ٹال سکے یا روک سکے۔

کفار مکہ کو اپنی بہادری، اپنی قوت اور کثرت تعداد پر بڑا گھمنڈ تھا۔ کعبہ شریف کے باعث سارا جزیرہ عرب ان کا عقیدت مند تھا اور ان کا دل سے احترام کرتا تھا۔ اس بات نے ان کے نشہ پندار کو مزید تیز کر دیا تھا۔ وہ دل میں یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ پہلے تو عذاب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد کوئی دوبارہ زندہ ہوگا۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی گیا اور عذاب آ بھی گیا تو ہم اپنی طاقت و شوکت اور اپنے حلیف قبائل کی اعانت سے اسے بآسانی روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خام خیالی کا قلع قمع کر دیا کہ جو خدا طور پر اپنے ایک بندے کو بھیج کر فرعون جیسے متکبر فرمانروا کی سرکوبی کر سکتا ہے، جس خدا نے اپنے انبیاء و رسل پر جو کتابیں نازل کی ہیں ان سب میں یہ لکھا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال بد کی سزا مل کر رہے گی، جس خدا کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرنے کے لیے اس کے سجدوں میں سر نیاز جھکانے کے لیے بیت المعمور میں فرشتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، جس نے آسمان کی یہ اونچی اور پائیدار چھت بنائی ہے اور وہ خدا جس کے امر کن سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر معرض وجود میں آ گئے ہیں۔ ظالمو! تم کہتے ہو کہ ہم ایسے جبار و قہار کے عذاب کو روک دیں گے۔ ذرا عقل کے ناخن لو۔ تم کس کھیت کی مولی ہو۔ جب اس نے تمہیں تباہ کرنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کی آتش غضب سے کوئی چیز تمہیں نہیں بچا سکے گی۔

مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝

اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس روز آسمان بُری طرح تھرتھرا رہا ہوگا۔ اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝

پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ جو محض تفریح طبع کے لیے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم

وقوع قیامت کے وقت کائنات میں جو اضطراب اور توڑ پھوڑ کا عالم ہوگا اس کو بڑے پُرجلال انداز میں بیان فرمایا ہے۔ لفظ تمور کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قال اهل اللغة مار الشیء یمور مورا ای تحرک وجاء وذهب کما تتکفأ النخلة العیدانة ای الطویلة۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز آگے پیچھے ہو اور اس طرح جھومے جس طرح لمبی کھجور کا درخت ہوا سے جھومتا ہے تو اس حالت کو بیان کرنے کے لیے مار یمور کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ بلند و وسیع آسمان جس کو اپنے مقام سے کبھی بال برابر سرکتے نہیں دیکھا گیا کبھی اضطرابی حرکت اس میں رونما نہیں ہوئی وہ اس روز ایک معمولی ہلکی چیز کی مانند ڈول رہا ہوگا۔

پہاڑ جو بڑے گہرے زمین میں گڑے ہوئے ہیں جنہیں آج تک اپنی جگہ سے کوئی ہلا نہیں سکا وقوع قیامت کے وقت وہ ہوا میں اڑتے پھرنے لگیں گے۔ یوں معلوم ہوگا کہ کسی نے جڑ سے انہیں اکھیڑ پھینکا ہے اور ہوا کے جھونکے انہیں تنکوں کی طرح اڑائے پھرتے ہیں۔ اس وقت جب اس زمین کی بے بسی کا یہ عالم ہوگا تو دوسری اشیاء کی حالت کا آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جو لوگ آج اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلا رہے ہیں وہ دن ان کی تباہی اور بربادی کا دن ہوگا۔

علامہ راغب خوض کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الخوض هو الشروع فی الماء والمرور فیه ویستعار فی الامور واکثر ما ورد فی القرآن ورد فیما یذم الشروع فیه (مفردات)

یعنی خوض کا اصل معنی تو پانی میں گھسنا اور اس میں سے گزرنا ہے بطور استعارہ کسی کام شروع کرنے کو بھی کہتے ہیں لیکن قرآن کریم میں عموماً ایسے کام میں شروع ہونے کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسلام کے دوسرے نظریات کے بارے میں یہ لوگ باتیں کرتے ہیں لیکن سنجیدگی اور متانت سے نہیں محض دل بہلانے کے لیے اور اپنا وقت گزارنے کے لیے۔ تحقیق حق ان کے پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصد اس کا استہزاء کرنا اور پھبتیاں کسنا ہوتا ہے۔

یعنی انہیں دھکے دے کر زبردستی جہنم میں پھینکا جائے گا۔ دع یدع دعا۔ معناه یدفعون الی جهنم بشدة وعنف۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا

جھٹلایا کرتے تھے ۵ کیا یہ (آگ) جادو کا کرشمہ ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی ۶ اس میں (آخر) لیٹ جاؤ ۷ اب چاہے

اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے لیے۔ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے ۸

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ وَ

بے شک پرہیزگار (اس روز) باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ان (نعمتوں) سے جو ان کے رب نے انہیں دی ہوں گی ۹ اور

وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿١٨﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ

بچا لیا انہیں ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے ۱۰ (انہیں حکم ملے گا) کھاؤ پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم

۵ اور ان کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینکا جا رہا ہوگا اور ساتھ ہی انہیں یہ بھی کہا جا رہا ہوگا کہ یہ ہے وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کو جھٹلایا کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۶ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آگ دہک رہی ہے۔ سرخ سرخ شعلے اٹھ رہے ہیں کیا کوئی جادو کا کرشمہ ہے کہ اس کی حقیقت کچھ نہ ہو صرف دکھائی دے رہی ہو۔ ذرا آگے تشریف لے چلو تو خود ہی حقیقت آشکارا ہو جائے گی اور ہمارے نبیوں نے اس کے بارے میں جو کچھ تمہیں بتایا تھا اس کی تصدیق تم خود کر لو گے۔ اے کفار! جہنم کے یہ دہکتے انگارے اور بھڑکتے شعلے تمہیں نظر ہی نہیں آرہے یا تم اسے جادو کی نظر بندی قرار دے رہے ہو۔

۷ یہ صَلِیَ یَصْلٰی صَلْیًا کا امر ہے۔ یہ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آگ میں کسی چیز کو بھوننا اور گرم کرنا یا آگ میں کسی چیز کو جھونک دینا، داخل کر دینا۔ وقیل صلی النار دخل فیہا واصلاہا غیرہ (المفردات) آیت میں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔

۸ اب جو چیخو چلاؤ بے سود ہے۔ اب تو تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا ہر حالت میں بھگتنی ہوگی۔

۹ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور پرہیزگار بندوں پر جو فضل و احسان فرمائے گا ان آیات میں اس کا بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا جن لوگوں نے ہماری رضا کے لیے نفس کی خواہشات اور دنیاوی حقیر لذات سے مرتے دم تک کنارہ کشی اختیار کی ہم انہیں اعلیٰ باغات میں ٹھہرائیں گے۔ ان پر اپنی گوناگوں نعمتوں کی برسات کریں گے اور ان کے دلوں کی دنیا میں مسرت و شادمانی کے چراغ روشن کر دیں گے۔ ہر لفظ کی معنویت آپ طلب ہے۔ النعیم: النعمۃ الکثیرۃ۔ بہت زیادہ نعمتیں۔ (المفردات)

۱۰ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بھی داخل فرمائے گا اور انہیں عذاب جہنم سے بھی بچائے گا۔ اس کو علیحدہ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿۲۰﴾

کیا کرتے تھے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے تختوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے ۱۳

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ۱۴

کہ مطلب۔ وہ تو سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے ورنہ انسان کے اعمال تو اس قابل نہیں کہ وہ دوزخ سے بچنے کی ضمانت بن سکیں۔ ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں ان میں بھی ایسی ایسی خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے قبول نہ فرمائے تو ان کی حیثیت کھوٹے سکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف اس کی مہربانی ہے کہ وہ ہماری ناقص عبادتوں کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں جہنم سے بچالے۔

۱۳ اپنے انعامات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔ ان دو آیتوں کے چند کلمات کے معانی ملاحظہ فرمائیے۔ ھنیئا: کل مالا یلحق فیہ مشقۃ ولا یعقب وخامۃ (المفردات) جس کے حصول میں تکلیف اور مشقت نہ ہو اور جس کو کھا لینے کے بعد بدہضمی وغیرہ کی شکایت نہ ہو یعنی لذیذ و خوشگوار پر لطف۔ متکئین: تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا اس آرام کی نشست ہے جو اطمینان اور خوشی کے وقت ہوتی ہے۔ سُرُر: سریر کی جمع ہے اس کا معنی ہے پلنگ، تخت۔ مصفوفۃ: صفوں کی صورت میں بچھے ہوئے۔ حُور: حوراء کی جمع ہے جو احور کی تانیث ہے۔ سفید گوری رنگت والے کو کہتے ہیں اور اس کو بھی جس کی آنکھوں کا سفید حصہ خوب سفید ہو اور سیاہ حصہ خوب سیاہ ہو۔ یہ آنکھوں کی خوبصورتی کی علامت ہے۔ اسی طرح عِین: عیناء کی جمع ہے جو اعین کی تانیث ہے اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں نیل گائے کی آنکھوں کی طرح بڑی بڑی ہوں اور سیاہ ہوں۔

۱۴ ایک مزید انعام کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ اگر ان کی اولاد باایمان اس دنیا سے رخصت ہوئی ہے تو جنت میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ملا دی جائے گی اگرچہ ان کے اعمال زیادہ اچھے نہ ہوں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۳ اور سورۃ المومن آیت نمبر ۸ میں بھی گزر چکا ہے کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کے والدین، ان کی بیویاں اور ان کی اولاد کو ان کے طفیل مقامات رفیعہ پر فائز کر دیا جائے گا لیکن وہاں ماں باپ کے نیک اور صالح ہونے کی قید ہے اور یہاں صرف ایمان کی شرط ذکر کی گئی ہے۔ نیز پہلی دو آیتوں میں جنت عدن میں داخل ہونے کا ذکر تھا یہاں فرمایا کہ ہم ان کو ان کے حقیقی والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔ وہ انہیں کے پاس ان کے مقامات رفیعہ میں ہمارے لطف و احسان سے مقیم ہو جائیں گے۔ اپنے بچوں کو اپنے پاس یوں خوش و خرم دیکھ کر ہمارے پیارے بندوں کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوں گے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عز وجل لیرفع ذریۃ المومن معہ فی درجتہ فی الجنۃ وان کان لم یبلغھا بعملہ لتقربھم عینہ ثم قرء والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الآیۃ (قرطبی)

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ امْرِیًٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿۲۱﴾

اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر ۱۵؎ ہر شخص اپنے اعمال میں اسیر ہوگا ۱۶؎

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا

اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں (ایسے) میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے ۱۷؎ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ وہاں رہنے کا مستحق نہ ہوں۔ اس لیے تاکہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (قرطبی)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں فیجمع اللہ لھم انواع السرور بسعادتھم فی انفسھم وبمزاوجة الحور العین وبمؤانسة الاخوان المؤمنین وباجتماع اولادھم ونسلھم بھم (کشاف) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے گوناگوں مسرتیں فراہم کردے گا۔ وہ بذات خود جنت کی نعمتوں سے سعادت اندوز ہوں گے۔ حور عین کے ساتھ نکاح ہوگا۔ اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ وہ دل بہلائیں گے۔ ان کی اولاد اور ان کی نسل کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

۱۵؎ والدین کو ان کم مرتبہ اولاد کے ساتھ ملانے کی ایک یہ صورت بھی تھی کہ انہیں اپنی بلند منازل سے نیچے بھیج دیا جاتا۔ ان الفاظ سے اس احتمال کی تردید کر دی گئی ہے کہ ان کے درجات میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کے ثواب میں کوئی نقصان ہوگا۔ ان نیکوکار والدین کو تو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان کے دلوں کو مسرور کرنے کے لیے ان کی اولاد کو بلند درجات پر فائز فرمائے گا۔ لات، یلات، شمالاً یعنی کم کرنا۔ الالت، اللیت والالات مترادف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ نقص، ہے۔ حق، یعنی (لغات) کسی کے حق میں کمی کرنا۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں ما التہ من عملہ شیئا ای ما نقصہ۔ (الصحاح)

۱۶؎ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عمل کی جو قوتیں اور عقل و فہم کی جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ بطور قرض ہیں اور ان کے بدلہ میں بندے کا نفس اللہ تعالیٰ کے پاس بطور رہن ہے۔ اگر وہ قرض ادا کرے گا تو وہ رہن شدہ نفس اسے واپس دے دیا جائے گا ورنہ یہ بحق قرض خواہ ضبط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قرض کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ انسان ان قوتوں اور نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ نفس اسے واپس مل جائے گا بصورت دیگر وہ گروی رکھا رہے گا اور اس کو رہائی نصیب نہیں ہوگی۔

اس جملہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی جو اولاد نعمت ایمان سے محروم ہوگی اور جن کی موت کفر و شرک پر ہوئی ہو وہ دوسرے کفار کی طرح دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ مغفرت، شفاعت اور اپنے پاکباز بزرگوں کے ساتھ الحاق کی شرط اول یہ ہے کہ انسان مومن ہو۔ اگر ایمان ہی نصیب نہیں تو اس کی مغفرت ہوگی نہ شفاعت ہوگی اور نہ اس کے بزرگوں کی اطاعت اس کے کسی کام آئے گی۔

۱۷؎ اہل جنت کی خوشیوں اور لطف اندوزیوں کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ پہلے بتایا کہ ان کے دستر خوان پر ان کے

لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

(لیکن) اس کے باعث نہ کوئی بیہودگی ہو گی اور نہ گناہ۔ مثلہ اور خدمت بجا لانے کے لیے چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (ایسے حسین) گویا وہ پوشیدہ

مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

موتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے مثلہ کہیں گے ہم بھی اس سے

قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾

پہلے اپنے اہل خانہ میں اپنے انجام کے بارے میں سہمے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔

پسندیدہ پھل اور مرغوب گوشت پیش کیے جائیں گے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ صرف ختم ہوتے جائیں گے اور ساتھ ہی پھلوں سے بھری ہوئی طشتریاں اور لذیذ گوشت سے پر قابیں آتی جائیں گی جب تک ان کی مرضی ہو گی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

مثلہ جنت میں منعقد ہونے والی مجلس نشاط و سرور کی کتنی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ اہل جنت جب اپنی مجلس نشاط سجائیں گے، مہوش ساقی بلوریں جاموں میں شراب طہور ڈال کر پیش کریں گے اور چھلکتے ہوئے جام جب گردش میں آئیں گے تو انس و محبت اور بے تکلفی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی بھی کریں گے، یہ اس کے ہاتھوں سے جام چھینے گا اور وہ اس سے اچکنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سب کچھ ازراہ ملاعبت و ملاطفت ہو گا لیکن کیف و سرور کے اس عالم میں بھی وہ بے ہودہ گوئی اور مہوش ساقی کے قریب تک نہیں جائیں گے۔ کوئی ناشائستہ حرکت اور گناہ اس وقت بھی ان سے سرزد نہیں ہو گا۔ علامہ آلوسی نے بڑے پیارے انداز سے یتنازعون کی تفسیر لکھی ہے۔ ای یتجاذبونہا فی الجنۃ ہم وجلساءہم تجاذب ملاعبۃ کما یفعل ذلک الندامیٰ بینہم فی الدنیا لشدۃ سرورہم وفرحہم المعانی یعنی وہ لوگ اپنے ہمنشینوں سے ازراہ ملاعبت و ملاطفت پیالے چھینیں گے جس طرح اس دنیا میں مے خواری کے وقت مے خوار کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: المراد بالتنازع ہذا التعاطی والتداول ای یتعاطون بینہم تعاطی الملاعبۃ لفرط السرور والمحبۃ وہو نوع لذۃ (روح البیان) کاس اس پیالہ کو کہتے ہیں جو شراب سے بھرا ہوا ہو، خالی پیالہ کو کاس نہیں کہتے۔ لغو: بیہودہ گوئی فضول گفتگو۔ تاثیم: جس کے ارتکاب سے گناہ لازم آئے۔

مثلہ دیگر ساتھیوں کے علاوہ اہل جنت کی خدمت کے لیے لڑکے مقرر کیے جائیں گے جو ہر وقت ان کے ارد گرد گھومتے رہیں گے تاکہ ان کے ہر ارشاد و امر کی فوراً تعمیل کر سکیں۔ وہ خدمت گزار دنیا کے غلاموں کی طرح بدوضع، غلیظ اور اکھڑ مزاج نہیں ہوں گے بلکہ بہت خوبصورت اور صاف ستھرے ہوں گے، یوں محسوس ہو گا کہ وہ آبدار موتی ہیں جو اب تک اپنی صدف میں مستور رہے اور ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔

مثلہ جب بے تکلف دوست کسی دعوت میں شرکت کرتے ہیں تو کھانا کھا کر چلے نہیں جاتے بلکہ اس کے بعد مل بیٹھتے ہیں اور ناز و نیاز، محبت و پیار کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک اپنے دل کی بات کہتا ہے اور دوسرے کی سنتا ہے۔ جنت میں بھی کھانے پینے سے

إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ

بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے ۲۱ بیشک وہی بہت احسان کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ

کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ۲۲ کیا یہ (کفار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں اور ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق

فارغ ہو کر اس طرح مل بیٹھیں گے سلسلۂ گفتگو شروع ہوگا۔ طبعی طور پر جنت اور جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا۔ اس وقت وہ کہیں گے ہم تو اپنی دنیوی زندگی بہت ڈر ڈر کر گزارا کرتے تھے۔ ہمیں یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی قصور ہو جائے اور ہم اپنے رب کو ناراض کر بیٹھیں۔ گھر میں بھی جب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مل بیٹھتے تو موضوع گفتگو اکثر و بیشتر ہماری گفتگو کا موضوع یہی ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ہر وقت بے چین کیے رکھتا۔ دیکھو ہمارے کریم و رحیم پروردگار نے ہم پر کتنا احسان فرمایا ہے کہ دنیا میں ہمیں شیطان کے فریب سے محفوظ رکھا اور یہاں ہمیں نعیم جنت میں پہنچا دیا اور ہمیں دوزخ کے لپکتے ہوئے شعلوں اور اس کی گرم لو سے بھی بچا لیا۔

۲۱ ہم دنیا میں ہمیشہ اس سے دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی ہمیں ہمیشہ راہِ ہدایت پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا۔ دیکھو اس رحیم و کریم نے ہم عاجز بندوں کی دعاؤں کو قبول فرما لیا اور ہمیں اپنے انعامات و احسانات سے سرفراز فرمایا۔ بے شک وہ بہت ہی احسان کرنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

۲۲ اس رکوع میں کفار و مشرکین کے اقوال، ان کے اعمال اور ان کے نظریات پر اس طرح سخت تنقید کی جا رہی ہے اور ان کا محاسبہ کیا جا رہا ہے جس کے بعد انہیں اپنی لغویت اور گمراہی کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور اندھے تعصب اور بے جا ہٹ دھرمی کے بغیر ان کے لیے گوشۂ عافیت باقی نہ رہا۔ وہ تمام احتمالات، امکانات اور غلط یا صحیح توجیہات جن کا آسرا لے کر وہ حضور کی نبوت اور حضور کی تعلیمات کا انکار کرتے تھے ان تمام کا بودا پن روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں لیکن کفار کے فکر اور نظریات پر بجلیاں بن کر گر رہے ہیں اور ان کو خاکستر بناتے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے اسیروں کی رہائی کے متعلق بات چیت کرنے کے لیے میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا اس وقت حضور مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب میں نے اس سورت کو سنا تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا میرا دل پھٹ گیا ہے۔ فکانما صدع قلبی۔ بعد میں یہی واقعہ میرے ایمان لانے کا باعث بنا۔ اب آپ بھی انتہائی توجہ کے ساتھ ان آیات کو پڑھیے اور ان کے مطالب کو سمجھنے کی صدقِ دل سے کوشش کیجیے۔ پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کو دعوتِ حق دینے کا جو فریضہ آپ کو سونپا گیا ہے آپ اس کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں۔

اس کے فوراً بعد کفار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بہتان لگاتے تھے ان کی تردید کر دی اور اس کی لغویت کو فاش کر دیا۔ یہ لوگ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی مجنون۔ ان کا یہ قول خود اپنی تردید کر رہا ہے۔ ایک ہی شخص کاہن اور مجنوں نہیں ہو سکتا۔ کاہن تو وہ

الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ

گردشِ زمانہ کا ۲۳ فرمائیے (بہاں تک) انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں ۲۴ کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان

شخص ہے جو اپنے اندر مافوق الفطرت بصیرت اور فراست کا مدعی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو غیب کی خبریں بتاتا ہے اور ان کے سربستہ رازوں کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کا کلام مقفیٰ اور مسجع ہوتا ہے۔ اس کا اسلوب اور اس کا لہجہ عام لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ جو غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہو جائے۔ اس کی باتیں بے ربط اور اس کے کام بے ہودہ ہوتے ہیں تمہارے ان الزام کے ابطال کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ وہ از خود اپنے ابطال کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ یہ اپنی زبان سے بکتے ہیں تو بکتے رہیں۔

۲۳ کفار جب یہ سوچتے کہ ہم کیسے بے سود الزامات لگا رہے ہیں، کوئی نہیں مانے گا تو کیا کہیں گے، چنانچہ پھر یہ کہو بدلتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شاعر ہے۔ حالانکہ ان سے بڑھ کر اس حقیقت سے اور کون واقف ہے کہ جو کلام بلاغت نظام یہ پیش کرتے ہیں اس کا شاعری کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ بہرحال وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے یہ کہا کرتے یہ شاعر ہے۔ بہت جلد اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور اس کے بعد دنیا اسے اور اس کے اقوال کو فراموش کر دے گی جس طرح دوسرے نامی گرامی شعراء کا حال ہوا ہے اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔ بس انتظار کی چند گھڑیاں ہیں، انہیں گزار لو۔ معاملہ خود بخود رفع دفع ہو جائے گا۔ اس آیت میں ریب المنون کا لفظ ہے۔ منون سے مراد زمانہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے شب و روز زندگی کو کاٹتے رہتے ہیں۔ ریب مصدر ہے۔ یہ کسی کو بے چین کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد حوادثات ہیں۔

والریب مصدر رابہ اذا اقلقہ والمراد بہ حوادث الدھر وصروفہ لانہا تقلق النفوس۔ یعنی ریب اقلاق کا مصدر ہے۔ معنی ہے قلق و اضطراب میں مبتلا کر دینا۔ اس سے مراد زمانہ کے حادثات اور لیل و نہار کی گردش ہے جو انسان کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

۲۴ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے نبی! ان بے سود امیدیں باندھنے والوں سے کہو بڑی اچھی بات ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔ وقت خود ہی فیصلہ کر دے گا کون حق پر تھا کون گمراہ تھا، کامیابیاں کس کے قدم چومتی ہیں اور عذاب الٰہی کس پر نازل ہوتا ہے۔

أَحْلَامُهُم بِهَٰذَآ ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُۥ ۚ بَل

کی تعلیم ان (عقل) کو یہ باتیں سکھاتی ہے ٢٥ یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش ٢٦ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن) خود ہی گھڑ لیا ہے ٢٧

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا۟ بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِۦٓ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ

دراصل یہ بے ایمان ہیں ٢٨ پس اگر یہ اپنے (اس قول میں) سچے ہیں تو اس جیسی کوئی (ایک) بات بنا لائیں ٢٩ کیا

٢٥ حضور کے بارے میں یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں تھے کبھی کاہن کہتے کبھی مجنون کہتے اور کبھی شاعری کا الزام لگاتے۔ ان کی تردید تو پہلے کر دی گئی ہے لیکن اب ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم جو کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ یہ بتاؤ کیا تمہاری عقل اور یہ تمہیں باہم متضاد باتیں کہنے کا حکم دیتی ہے۔

٢٦ اس جملہ سے اس کی نفی کر دی گئی کہ ان کی عقل تو ایسی لغو باتوں کا انہیں حکم نہیں دیتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ عقل کا تقاضا تو انہوں نے پہلے دن ہی ختم کر دیا ہے۔ عقل و فہم سے تو انہوں نے کبھی کا رشتہ توڑ لیا ہے۔ یہ سرکش لوگ ہیں اور ان کی سرکشی ان کو باطل سے چمٹے رہنے پر مجبور کر رہی ہے اور یہ واضح حقیقتوں کو سمجھ لینے کے باوجود ان کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔

ان الفاظ میں ان کی گفتگو یکسر جھوٹ ہے۔

٢٧ اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں بھی ان کی آراء مختلف تھیں۔ ان کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ خود مسلسل کئی رات سوچتے رہتے ہیں اور خود تصنیف کر کر لوگوں کے سامنے آ کر پڑھتے ہیں اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ تقوّلہ، ایسی بات کو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لینا۔

٢٨ اس سے اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے اس قول کی صحت پر انہیں خود یقین نہیں۔ وہ خود جانتے ہیں کہ وہ غلط بات کہہ رہے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کوئی نہ کوئی عذر اپنے انکار کا تلاش کر لیتے ہیں۔ اس طرح اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا رویہ بے جا ضد پر موقوف نہیں بلکہ ان کے پاس دلائل ہیں جن پر اسلام کے بارے میں ان کے طرز عمل کا دارومدار ہے۔

٢٩ اور اگر وہ اپنے اس قول میں پختہ ہیں اور انہیں یقین ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں کہ یہ کلام ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اس جیسا کوئی کلام پیش کر دیں اور بات ہی ختم ہو جائے۔ ان میں بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر اور خطیب ہیں۔ وہ کوشش کریں، باہمی مشورہ کریں اور چند سطریں اس جیسی بنا کر پیش کر دیں۔ لیکن اگر جزیرہ عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اپنی انتہائی خواہش اور کوشش کے باوجود ایسا کلام پیش کرنے سے قاصر رہیں تو پھر انہیں اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جانا چاہیے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ

وہ پیدا ہو گئے ہیں بغیر کسی خالق کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں ؟ ۳۰ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں

وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ

اور زمین کو ؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں ۳۱ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز

الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم

پر تسلط جما لیا ہے ۳۲ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ (عالم بالا کی باتیں) سن لیا کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان کا سننے والا

۳۰۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی تلقین فرمایا کرتے لیکن وہ ازراہ غرور اس فرمان کو پس پشت ڈال دیا کرتے۔ ان کے اس طرز عمل کے بارے میں ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا انہوں نے اپنے آپ کی خود تخلیق کی ہے۔ کیا آسمانوں اور زمین کو ان کے ہاتھوں نے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ ساری باتیں غلط ہیں اور انہیں بھی اعتراف ہے کہ نہ وہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں نہ انہوں نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے اور نہ زمین و آسمان کی آفرینش میں ان کا کوئی دخل ہے تو پھر ان کا اپنے خالق کی عبادت نہ کرنا اور اس کے حضور میں جبین نیاز نہ رکھنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

۳۱۔ اس سے اس حقیقی علت سے پردہ اٹھایا جس کی وجہ سے وہ عبادت نہیں کرتے یعنی اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو جواب دیتے ہیں اللہ نے۔ اس زمین اور آسمان کا خالق کون ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں تو پھر اس کی عبادت سے انکار کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا یہ صرف زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ ان کا خالق ہے۔ وہی زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے لیکن ان کے دلوں میں کوئی ایمان اور یقین نہیں ہے۔ ان کے نفاق کو کس طرح آشکارا کر دیا۔

۳۲۔ ان کی ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا تھا تو مکہ اور طائف میں بڑے بڑے رئیس، دولت مند اور بااثر لوگ موجود تھے۔ ان میں سے کسی کو منتخب کیا ہوتا۔ یہ کیا تماشا ہے کہ نبی بنایا تو اس کو جس کے پاس نہ زمین نہ زر نہ جتھا نہ اعوان و انصار کا کوئی جتھہ۔ ہم کیسے مان لیں کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہے۔

فرمایا نبوت تو اللہ تعالیٰ کی دین اور اس کی نعمت ہے۔ اس کی مرضی ہے جس کو چاہے اس نعمت سے سرفراز فرمائے۔ ان کفار کو یہ خلعت کاملہ کس نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں اگر ان کے پاس ہوتیں اور تقسیم کرنے کا اختیار انہیں تفویض ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ جب خزانے اس کے اپنے ہیں اور تقسیم کا کلی اختیار بھی اسی کے دست قدرت میں ہے تو یہ کون ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا پر نکتہ چینی کرنے والے۔ مصیطرون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ المصیطر۔ المسلط علی الشیئ یشرف علیہ ویتعاہد احوالہ (صحاح) یعنی جو کسی چیز پر مسلط ہو اس کی نگہبانی کرے اور اس کے تمام حالات سے باخبر رہے اسے مصیطر کہتے ہیں۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا

سننے والا روشن دلیل ۳۳ (نعوذ باللہ) کیا اللہ کے لیے تو بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ۳۴ (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾

اجرت مانگتے ہیں پس وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں ۳۵ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں ۳۶

۳۳ یہ لوگ نبی کی نبوت اور اس کی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں۔ آخر اس انکار کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی ایسا زینہ ہوتا جس کے ذریعے وہ آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں قضا و قدر کے جو فیصلے ہوتے ہیں انہیں سن لیتے اور ان تک رسائی حاصل کر کے کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے کا انہیں علم ہو جاتا تو کوئی بات بھی تھی لیکن ان کے پاس تو آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی زینہ نہیں ہے یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ محض ان کی اپنی قیاس آرائیاں ہیں اور ان کے وہم و گمان کی پیداوار ہیں۔ انہیں قطعاً یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ارشادات کا انکار کریں جس کا علم یقینی ہے جس کی دانش نورانی ہے اور جس کی فراست کی رسائی بہت دور تک ہے۔ اور اگر انہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ وہ آسمان تک پہنچ سکتے ہیں تو اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی روشن دلیل پیش کریں۔

۳۴ وہ کم بخت بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اگر وہ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کو دیکھ لیتے اور اپنے مشاہدہ کی بنا پر یہ بات کہتے تو کوئی بات بھی ہوتی یونہی الل ٹپ باتیں بنا رہے ہیں۔ ان کی یہ جسارت انتہائی عجیب ہے۔ بیٹیاں جسے اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔ اگر ان کے ہاں لڑکی پیدا ہو جائے تو شرم کے مارے منہ نہیں دکھا سکتے عجیب ذہنیت ہے ان کی۔ جسے اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں وہ اللہ کے حصہ میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں ایسے ہی وہمی اور عقل و دانش کے سراسر خلاف ہیں۔

۳۵ اے میرے پیارے رسول! اگر آپ ان سے اپنی ذات کے لیے چند طلب کرتے، سیم و زر مانگتے، خوراک اور دیگر ضروریات فراہم کرنے کا مطالبہ کرتے اور ان سے اپنے وعظ و نصیحت کا معاوضہ طلب کرتے اور یہ لوگ ہر روز کی فرمائشوں سے تنگ آ کر یوں حق سے منہ موڑ لیتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ آپ تو بلا معاوضہ ان کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں۔ اپنے دن کا آرام اور رات کی نیند اس غرض کے لیے قربان کر دی ہے کہ ان کا بجھا ہوا چراغ روشن ہو جائے۔ پھر یہ کیوں اتنے نادان بنے ہوئے ہیں کہ سرمدی نعمتیں مفت مل رہی ہیں اور یہ دم دبا کر بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ مغرم: وما يعطى من المال على كره و منعه، وہ مال جو جبراً ادا کرنا پڑتا ہے۔ مثقلون: الثقل سے ہے جس کا معنی ہے کسی پر بھاری بوجھ ڈال دینا۔ الثقل: حمله ثقيلا (منجد)۔ مثقل: وہ شخص جس پر بھاری بوجھ لاد دیا گیا ہو۔

۳۶ کیا انہیں غیب کا علم ہے اور اس علم کے باعث وہ اللہ کے رسول کی نبوت کا انکار کر گئے ہیں اور اس کی تعلیمات کو جھٹلاتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ تھوڑی سی زحمت گوارا کریں اور اس مضمون کی ایک تحریر لکھ دیں تاکہ یہ تحریر بوقت ضرورت کام آ سکے

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا وہ (رسول مکرم سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے ٤٢ کیا ان کا کوئی اور خدا

إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ

ہے اللہ کے سوا۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں ٤٣ اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی

السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ

ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہ در تہ ٤٤ پس انہیں (ان کی حالت پر) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس

٤٢ ان کی ایک اور غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے۔ دار الندوہ میں بیٹھ کر باہمی مشورہ کرتے کہ کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا جائے جس سے دین کی روز افزوں مقبولیت کو پسپا کیا جا سکے۔ ان کی یہ محفلیں بکثرت منعقد ہوا کرتیں اور رات گئے تک وہ سوچ بچار میں لگے رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار! کان کھول کر سن لو کہ میرے دین اور میرے رسول کے خلاف تمہاری کوئی سازش کامیاب نہ ہو گی بلکہ تمہاری یہ سازشیں انجام کار تمہارے لیے ہی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔

جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے اسے کوئی آندھی بجھا نہیں سکتی جس دین کو غالب کرنے کا اس نے ارادہ فرمایا ہو کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کر سکتی۔ اس لیے بے حیثیت کوششیں چھوڑ دو تم کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو گے۔ علامہ قرطبی هم المكيدون کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای المغلوبون المکیدون۔ یعنی نبی رحمت کے خلاف مکر و فریب کے جو جال وہ بن رہے ہیں اس میں وہ خود ہی پھنسیں گے۔ جو گڑھا وہ مسلمانوں کے لیے کھود رہے ہیں اس میں وہ خود گریں گے اور ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

٤٣ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اگر کوئی معبود برحق ہوتا تو بے شک اس کی عبادت کرتے جب اس کے بغیر اور کوئی معبود ہے ہی نہیں تو اب اس کے بغیر کسی کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ جن چیزوں کو وہ خدا کا شریک سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام سے پاک ہے کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

یہ بیان جو مسلسل کئی آیات پر مشتمل ہے اس میں کفار کے تمام شبہات اور احتمالات کو دلائل و شواہد سے مسترد کر دیا گیا ہے اور ہر جگہ بتایا گیا ہے کہ باطل سے ان کے چمٹے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ سرکشی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ ان میں ایمان اور ایقان کا فقدان ہے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جسے عقل سلیم قبول کر سکے۔

٤٤ آخر میں ان کی ہٹ دھرمی کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ اگر آسمان کا ٹکڑا کاٹ کر بھی ان کی ہدایت کے لیے نیچے پھینک دیا جائے تو وہ نہیں مانیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ یہ بادل کا ایک ٹکڑا ہے جو تہ در تہ ان کی طرف آ رہا ہے۔ مرکوم، رکم یرکم رکما سے ماخوذ ہے۔ رکم کا معنی ہے کسی چیز کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر ڈھیر لگا دینا اس طرح دینے کا تعلق تہ در تہ ہے۔ رکم بجمعہ و جعل بعضہ

الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْئًا وَّ لَا هُمْ

وہ کہ پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے ۔ جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد

یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

کی جائے گی ۔ اور بیشک ظالموں کے لیے ایک اور عذاب (بھی) ہے اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

(اس سے) بےخبر ہیں ۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے بیشک آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ

خوق نصیب حق پسند دکھائی دیتے ہیں ان کا حال بھی یہی ہے جب سخت گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوتا ہے تو وہ اسے سحاب مرکوم کہتے ہیں۔

۱۲ اے محبوب! یہ متعصب لوگ حق کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ آپ ان کو نظرانداز کر دیجئے۔ جب موت کی بجلی کڑکے گی پھر ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ ان کی تمام حیلہ سازیاں ان کے کسی کام نہ آئیں اور ان کے دوست اس مشکل لمحہ میں انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے۔

یصعقون: صعق کے دو معنی ہیں۔ غشی علیہ و ذہب عقلہ من صوت یسمعہ کالہدۃ الشدیدۃ بیہوش ہو جانا کسی زوردار آواز کو سن کر حسن کا مختل ہو جانا۔ اس کا دوسرا معنی ہے یعنی مر جانا۔ اکثر علما کا یہی خیال ہے یصعقون: یموتون۔

۱۳ بتایا جا رہا ہے کہ عذاب قیامت سے پہلے منکرین کو طرح طرح کے آلام و مصائب میں گرفتار کر دیا جائے گا لیکن اس سے بھی انہیں تنبیہ نہیں ہو گی بلکہ اپنی پرانی روش پر وہ گامزن رہیں گے۔ ایسے نا سمجھ کی مثال ایک حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المنافق اذا مرض ثم اعفی کان کالبعیر عقلہ اہلہ ثم ارسلوہ فلم یدر لم عقلوہ ولم یدر لم ارسلوہ (ابو داؤد، کتاب الجنائز)

کہ منافق جب بیمار ہوتا ہے اور پھر صحت یاب ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایک اونٹ کی سی ہے جسے گھر والوں نے پہلے باندھا اور پھر آزاد چھوڑ دیا۔ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور اسے کھول کیوں دیا ہے۔

۱۴ جس قوم کو دعوت حق دینے کے لیے اے حبیب! آپ کو مبعوث فرمایا گیا ہے ان کے حالات سے آپ باخبر ہیں۔ وہ اکثر مزاج ہیں۔ عقل و دانش کے چراغ انہوں نے گل کر دیئے ہیں۔ غور و تدبر سے کام لینا ان کا معمول ہی نہیں۔ ہر وقت آپ کو اذیت پہنچانے اور دین حق کی شمع گل کرنے کے لیے وہ آپس میں مشورے کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے تاکہ ان کے بے نور سینوں کو آپ روشن کریں۔ ان درندہ صفت لوگوں کو فرشتہ سیرت بنا دیں۔ ان کی ہٹ دھرمی کی خو کو تسلیم و رضا کا ان کو ایسا درس دیں کہ حق قبول کرنے میں انہیں پھر کبھی تامل نہ ہو۔ یہ تاریخ ساز انقلاب برپا کرنا آسان نہیں۔ اس کے لیے آپ کو

بڑی محنت کرنی پڑے گی، بڑے دکھ سہنے پڑیں گے، بڑی مصیبتیں برداشت کرنا ہوں گی۔ اس لیے آپ صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اپنا فرض پوری دل سوزی سے انجام دیتے رہیں۔ ان کلمات میں آپ پھر غور کیجیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کی اذیت رسانی پر صبر کیجیے بلکہ فرمایا کہ صبر کیجیے کیونکہ یہ آپ کے رب کا حکم ہے۔ اپنے مالک کے حکم کے باعث صبر کرنے میں جو لطف ہے اسے اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔

آپ ہماری نگاہوں میں رہیں۔ ہم خود آپ کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ کوئی دشمن آپ کو ناکام نہیں بنا سکتا۔

اہل معرفت علماء کہتے ہیں کہ اسی قسم کا جملہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا گیا۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ آیت ۳۹) تاکہ آپ میری نگاہ کے سامنے تیار ہوں لیکن اس آیت میں عینی واحد اور حرف جار علی استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے میری ایک آنکھ کے سامنے، لیکن یہاں فرمایا بِاَعْيُنِنَا حرف جار باء اور اعین جمع یعنی ایک آنکھ نہیں بلکہ ہماری ساری آنکھوں میں۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں۔

ونحن مرائك بجميع عيون الصفات والذات بنعت المحبة والعشق ننظر بها اليك شوقا اليك ورعاية لك۔ یعنی ہم آپ کو دیکھتے ہیں اپنی ذات اور اپنی صفات کی تمام آنکھوں سے بڑے محبت بھرے انداز سے، ہم شوق سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور آپ کی نگہبانی کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس جملہ کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں۔

ومن نظر بعين بصيرته علم من الآيتين الفرق بين الحبيب والكليم عليهما افضل الصلوٰة واكمل التسليم (روح المعانی)

یعنی جو شخص نگاہ بصیرت سے ان دو آیتوں کا مطالعہ کرے گا اسے حبیب و کلیم کے درمیان جو فرق ہے وہ معلوم ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی قدس سرہ نے اپنے مریدین کو صبح اور شام کے وقت یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ آپ بھی ان نورانی کلمات سے دست طلب پھیلائیں گے تو خداوند کریم اسے خالی واپس نہ کرے گا۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنَا بِرُكْنِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَيْنَا فَلَا نَهْلِكُ وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرَجَاؤُنَا۔ (روح البیان)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہماری اس آنکھ سے نگہبانی فرما جو سوتی نہیں ہے اور اس گوشہ میں ہماری حفاظت فرما جس کا کوئی بدقصد نہیں کر سکتا اور اپنی اس قدرت سے ہم پر رحم فرما جو تجھے ہم ناچیز بندوں پر حاصل ہے۔ جب تک تو ہمارا بھروسا اور ہماری امید ہے ہم ہلاک نہیں ہوں گے۔

حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

جب آپ اٹھتے ہیں، اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجیے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں۔

۴۲ راہِ حق میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بڑے بڑے دل گردے والے بہادر میدان سے بھاگ جاتے ہیں، جب آفت پر آفت اور مصیبت پر مصیبت ٹوٹتی ہے تو بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ اس لیے صبر کا حکم دینے کے بعد ہدایت فرمائی کہ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح میں ہر وقت مشغول رہا کریں۔ ذکر الٰہی سے ہی ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ انسان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور وہ اُف تک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق ان سعادت مندوں کو بخشتا ہے جو دن رات اس کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔ فرمایا جب بھی آپ کھڑے ہوں تو اپنے رب کی حمد اور اس کی پاکی بیان کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں کو بھی یہی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مَنْ جَلَسَ فِيْ مَجْلِسٍ وَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهُ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھا ہے اور خوب گپیں ہانکتا ہے لیکن اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کہتا ہے سبحانک اللّٰھم الخ اللہ تعالیٰ اس مجلس میں جو گناہ اس سے ہوئے ہیں بخش دیتا ہے۔

اسی طرح اگر رات کو سوتے سوتے انسان کی آنکھ کھل جائے تو اس وقت یہ تسبیح پڑھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ یہ کہنے کے بعد جو دعا مانگے گا وہ قبول ہوگی اور اگر وضو کرکے نماز پڑھے تو اس کی وہ نماز بھی قبول ہوگی۔ (بخاری شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک تھا کہ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح سے کرتے۔

وادبار النجوم سے مراد نمازِ صبح ہے کیونکہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت جب قریب آجاتا ہے تو ستاروں کی روشنی ماند پڑنے لگتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا رات بھر فرائض ادا کرنے کے بعد وہ یہاں سے پیٹھ پھیر کر کہیں جا رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نمازِ صبح کے بعد ذکر بڑی بابرکت چیز ہے۔ اہلِ سنت کی مساجد میں نمازِ صبح کے بعد بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے کلمہ شریف اور درود شریف کا ذکر دراصل اسی آیت کی تعمیل ہے۔

○

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحًا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک لیلًا ونھارًا سرًا وجھارًا۔

والصلوٰۃ والسلام علی نور عرشک وعروس مملکتک کثیرًا کثیرًا۔